مقاماتِ معصومی

احوال و آثار و تعلیمات حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہما

جلد دوم

تالیف

میر صفر احمد معصومی

نواسہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ

اردو ترجمہ

محمد اقبال مجددی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی پاکستان

مقاماتِ معصومی

احوال وآثار وتعلیمات حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہما

جلد دوم

تالیف

میر صفر احمد معصومی

نواسہ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ

اردو ترجمہ

محمد اقبال مجددی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی پاکستان

نام کتاب: مقامات معصومی جلد دوم

مؤلف: میر صفر احمد معصومی، مترجم محمد اقبال مجددی

تاریخ اشاعت: اکتوبر 2004ء

تعداد: ایک ہزار

ناشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

کمپیوٹر کوڈ: 1Z442

قیمت: 1200/- روپے (کامل سیٹ)

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7221953 فیکس: 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون: 021-2212011-2630411 فیکس: 021-2210212

e-mail:- sales@zia-ul-quran.com

Vist our website:- www.zia-ul-quran.com

لائبریری کیٹلاگ کارڈ

صفر احمد معصومی، میر

مقامات معصومی

(احوال، مقامات، معمولات حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی ۱۰۰۷۔۱۰۷۹ھ/۱۵۹۹۔۱۶۶۹ء)

ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء

۱۔ محمد معصوم ... ۲۔ حضرت مغلیہ۔ اورنگ زیب عالمگیر ۳۔ تصوف -- ہندوستان

۴۔ جلد اول مجددی تحریک تالیف محمد اقبال مجددی ۵۔ جلد دوم اردو ترجمہ ۶۔ جلد سوم متن کتاب

۷۔ جلد چہارم تعلیقات و توضیحات تالیف محمد اقبال مجددی ۸۔ محمد اقبال مجددی، (تحقیق و تعلیق و ترجمہ) ۹۔ عنوان

۹۲۲.۹۷

فہرست مندرجات

مقدمہ

مفتاح اول: ذکر شجرات مشائخ نقشبندیہ، قادریہ و چشتیہ و بیان حدیث مسلسل بالاولیت با بیان معارف و مکاشفات حضرت مجدد الف ثانی کہ حضرت ایشاں در مکتوبات خویش تحریر فرمود ۲۴

مفتاح دوم: بیان ولادت صوری حضرت ایشاں و بدایت حال آنحضرت از تحصیل علومہ دینی تا رسیدن بہ مرتبہ کمال و اکمال تا ایام وصال حضرت مجدد الف ثانی ۵۷

مفتاح سوم: بیان بعضی از اں مقالات بزرگ و مراتب کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ایشاں را بہ محض فضل و کرم بآں اختصاص بخشید و نائب اتم حضرت مجدد الف ثانی گردانیدہ ۱۱۱

مفتاح چہارم: بیان عادات و عبادات حضرت ایشاں و بیان تاویلات بعضی سور و آیات قرآنی ۱۶۱

مفتاح پنجم: بیان تصرفات و ملفوظات حضرت ایشاں ۲۳۶

مفتاح ششم: بیان انتقال حضرت ایشاں ازیں جہان بہ فرادیس آں جہاں بامدحت روضہ منورۂ ایشاں ۲۹۷

مفتاح ہفتم: ذکر بعض از احوال ابناء کرام حضرت ایشاں ۳۳۹

کنز ۱۔ احوال حضرت شیخ محمد صبغت اللہ ۳۴۲

کنز ۲۔ احوال حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی ۳۷۶

کنز ۳۔ احوال حضرت مروج الشریعت خواجہ محمد عبید اللہ ۴۰۳

کنز ۴۔ احوال حضرت خواجہ محمد اشرف ۴۲۲

کنز ۵۔ احوال حضرت خواجہ محمد سیف الدین ۴۳۴

کنز ۶۔ احوال حضرت شیخ محمد صدیق ۴۵۷

مفتاح ہشتم: ذکر بعض اقربای عظام حضرت ایشاں ۴۶۷

کنز ۱۔ احوال شیخ محمد فضل اللہ ۴۶۸

کنز ۲۔ احوال شیخ عبداللطیف ۵۲۳

کنز ۳۔ احوال مولوی شیخ محمد فرخ ۵۲۸

کنز ۴۔ احوال شیخ عبدالاحد وحدت شاہ گل ۵۳۳

کنز ۵۔ احوال شیخ خلیل اللہ ۵۴۴

مفتاح نہم: ذکر بعضی خلفائے عالی مقام حضرت ایشاں ۵۴۸

کنز ۱۔ ذکر خواجہ محمد حنیف کابلی ۵۴۹

کنز ۲۔ احوال خواجہ محمد صدیق پشاوری ۵۶۱

کنز ۳۔ احوال مرزا امان اللہ برہانپوری ۵۶۸

کنز ۴۔ احوال شیخ ابوالمظفر برہانپوری ۵۸۴

کنز ۵۔ احوال شیخ محمد علیم جلال آبادی ۵۸۷

کنز ۶۔ احوال شیخ محمد باقر لاہوری ۵۸۹

کنز ۷۔ احوال مرزا عبید اللہ بیگ داراشکوہی ۵۹۴

کنز ۸۔ احوال ملا حسن علی پشاوری ۵۹۶

کنز ۹۔ احوال ملا موسیٰ بھٹی کوٹی ۵۹۷

کنز ۱۰۔ احوال ملا بدرالدین سلطانپوری ۶۰۱

کنز ۱۱۔ احوال حافظ عبدالکریم توہانی ۶۰۳

کنز ۱۲۔ احوال شیخ بایزید سہارنپوری ۶۰۵

کنز ۱۳۔ احوال حاجی حبیب اللہ حصاری بخاری ۶۰۷

کنز ۱۴۔احوال شیخ محمد مراد شامی	۶۰۹
کنز ۱۵۔احوال مخدوم آدم ٹھٹھوی	۶۱۱
کنز ۱۶۔احوال سید یوسف گردیزی ملتانی	۶۱۳
کنز ۱۷۔احوال میر سید شرف الدین حسین لاہوری	۶۱۵
کنز ۱۸۔احوال شیخ انور نور سرائی	۶۱۷
کنز ۱۹۔احوال شیخ حسین منصور جالندھری	۶۱۸
کنز ۲۰۔احوال اخوند سجاول سرہندی	۶۱۹
کنز ۲۱۔احوال میر رفعت بیگ گردزدار	۶۲۱
کنز ۲۲۔احوال شیخ پیر دہلوی	۶۲۳
کنز ۲۳۔احوال شاہ حسین عشاق اورنگ آبادی	۶۲۴
کنز ۲۴۔احوال خواجہ عبدالصمد کابلی	۶۲۶
کنز ۲۵۔احوال شیخ عبدالکریم کابلی	۶۲۸
کنز ۲۶۔احوال شیخ قاسم کابلی	۶۲۹
کنز ۲۷۔احوال ملا محمد امین حافظ آبادی	۶۳۰
کنز ۲۸۔احوال شیخ عطاء اللہ سورتی	۶۳۱
کنز ۲۹۔احوال شیخ نور محمد سورتی	۶۳۱
کنزل ۳۰۔احوال حافظ محسن سیالکوٹی	۶۳۲
ذیل	۶۳۳
احوال حافظ محمد شریف لاہوری	۶۳۴
حاجی امان اللہ لاہوری	۶۳۵
شیخ محمد فاروق لاہوری	۶۳۵
شیخ محمد عارف لاہوری	۶۳۶

مولانا محمد امین بخاری ثم پشاوری	۶۳۶
حاجی سلیم بلخی	۶۳۷
حاجی محمد عاشور بخاری	۶۳۷
حافظ صادق کابلی	۶۳۸
نذر بیگ سمرقندی	۶۳۸
میر غضنفر داراشکوہی	۶۳۸
مولانا محمد جان ورسکی	۶۳۹
خاندان میر عماد الحسینی	۶۴۰
خواجہ محمد شریف بخاری و خواجہ عبداللطیف	۶۴۲
صوفی پایندہ محمد کابلی و ملا پایندہ محمد کابلی	۶۴۲
صوفی عبدالروف کابلی، میر ماہ عرب، صوفی سعد اللہ کابلی	۶۴۳
میاں شیخ عبدالخالق	۶۴۳
شیخ یار محمد ملقب بہ خدا پرست خان	۶۴۶
قل احمد ترک	۶۴۷
سلاطین و امراء از مریدان حضرت خواجہ محمد معصوم	۶۴۸
اورنگ زیب	۶۴۸
شہزادہ ہای اورنگ زیب	۶۵۰
فرخ سیر	۶۵۱
نواب مکرم خان	۶۵۱
دیگر امراء	۶۵۳
خاتمۂ حسنہ	۶۵۵
مدح سید الانبیا ﷺ	۶۶۹

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقامات معصومی کی دوسری جلد یعنی اردو ترجمہ ہدیۂ قارئین ہے، اس ترجمہ میں مندرجہ ذیل امور پیش نظر رہے ہیں:

۱- متن میں مکرر امور بہت سے آئے ہیں جنہیں ترجمہ کرتے وقت نظر انداز کر دیا گیا ہے خود مولف نے متعدد مقامات پر اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس میں مکررات بکثرت پائے جاتے ہیں۔

۲- لفظی ترجمہ نہیں کیا گیا بلکہ بامحاورہ ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے، اسے آزاد ترجمہ بھی نہیں کہا جا سکتا، مولف چونکہ خانوادۂ مجددیہ سے قرابتِ قریبہ رکھتے تھے اس لیے اس میں ایسی بہت سی روایات آئی ہیں جن سے دوسرے ماخذ یکسر خالی ہیں اس لیے اگر بعض مقامات پر مولف کے الفاظ کی پیروی نہ کی جاتی تو روایات کی ترجمانی نہیں ہوسکتی تھی اس لیے ہم نے اکثر مقامات پر مولف کے الفاظ کی اتباع کی ہے۔

۳- مکررات حذف کرتے وقت اس قسم ( ) کی علامت دے دی گئی ہے۔

۴- قوسین میں صفحات کے نمبر مقاماتِ معصومی کے مطبوعہ نسخۂ حاضر یعنی جلد سوم کے ہیں۔

۵- مقامات معصومی کی چوتھی جلد یعنی تعلیقات و توضیحات کی ترتیب کے وقت بعض امور کی توضیح نہیں کی جا سکی تھی، کتابت شدہ متن میں ردو بدل کرنے کے بجائے بعض تعلیقات حواشی جدیدہ کے طور پر اس ترجمہ میں دے دیے گئے ہیں۔

۶- مولف چونکہ خود شاعر تھے اس لیے انہوں نے اس کتاب کو جا بجا اشعار سے مزین کیا ہے، لیکن چونکہ اس ترجمہ کے ساتھ اس کا متن بھی منسلک ہے اس لیے اشعار نقل نہیں کیے گئے صرف ضروری اشعار کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

۳/صفر ۱۴۲۵ھ

۲۵/مارچ ۲۰۰۴ء

مترجم

محمد اقبال مجددی

دارالمورخین، لاہور

بسم اللّٰہِ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بے عدد کے بعد بندۂ دور از کار جو پروردگار کی رحمت کے انتظار کا عادی ہے یعنی صفر احمد فضلی معصومی بن معرفت ولایت دستگاہ...... شیخ محمد فضل اللہ عمری احمدی اللہ تعالیٰ ان کی اور تمام مومنین اور مومنات کی مغفرت فرمائے۔ میں نے اپنی عمر عزیز کا بہترین حصہ (جوانی) ہوا و ہوس میں صرف کر دیا اور اہل فضل و عرفان کی صحبت میسر ہونے کے باوجود میں خطاؤں کے سوا کچھ نہ کر سکا، اپنی عمر کے سارے سال ضائع کر دیے یہاں تک کہ پینتالیس برس کا ہو گیا، اور ان بزرگوں کی معرفت افزا نصیحتوں پر توجہ نہ دی اب شرمندگی ہے۔

لیکن گناہگاروں پر اللہ تعالیٰ کا کرم اس آیت کریمہ کے مطابق کہ (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے بے شک وہی بخشنے والا ہے''، شامل حال رہتا ہے، بچپن سے لے کر اس کتاب کی تالیف تک بے شمار گناہوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت قوی سے اس کے لطف وعنایت کے سوا کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کیا اور راقم سیاہ کار کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقربین کے ساتھ ارادت کا دعوی بھی ہے جس کے باعث آغاز جوانی سے اپنے اوپر بے شمار عنایات اور بشارات کا مشاہدہ کیا اور سنا، سلطان العارفین حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ (بن حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی) **قد سنا اللہ سبحانہ** جن کے حالات، اقوال، اعمال اور کرامات پر میں نے ''معدن الجواہر'' کے نام سے ایک جداگانہ رسالہ تصنیف کیا ہے اور میرے والد بزرگوار جن کا نام شریف اس سے پہلے لکھا جا چکا ہے۔ (اور ان دونوں والد و شیخ صبغت اللہ) کے حالات ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب کے آخر میں لکھے جائیں گے۔

سفر و حضر میں ان اکابر بزرگوں کی ارواحِ طیبہ کی بے حساب امداد کا احساس ہوتا

رہا(۵) جن کا بیان تحریر میں نہیں لایا جا سکتا بلکہ جب مولف نے ساڑھے تین سال دارالارشاد سرہند میں گزارے تو ان ایام میں حضرت خواجہ محمد معصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قدر عنایاتِ بے نہایت کو اپنے اندر محسوس کیا کہ ان کے بیان کی تاب نہیں ہے خاص طور پر ان کے روضۂ مطہرہ کی زیارت کے لیے جاتا تو اکثر ایسا لگتا کہ گویا آپ اپنی تربتِ جنت نشان سے باہر آ کر اس فقیر میں سما گئے ہیں اور جب میں اپنے گھر جاتا تو اس حالت کو وہاں بھی محسوس کرتا اور اس عنایت کی حلاوت اس گناہ گار سیاہ کار کو اس قدر محسوس ہوتی کہ اس کا بیان کسی طرح ممکن نہیں۔

مولف کے اس سفر کا سبب بعض مخالفین کہ ان میں سے کچھ تو دین متین کے دشمن ہیں کی ایذا رسانی ہے، جب اس سفر کے اختیار کرنے میں آپ کی برکات کے شامل ہونے کا علم ہوا تو سخت و مہلک بیماری کے باوجود عین کمزوری بلکہ ابھی کچھ مرض باقی تھا کہ (بشارتِ مذکورہ کی) حلاوت کی خاطر سفر کا آغاز کر دیا اور ابھی مقررہ منزل پر نہیں پہنچا تھا کہ ایک تقریب سے جو کہ قسمت کا تقاضا بھی تھا چند روز شاہ جہان آباد میں قیام کیا تو وہیں مرضِ مہلک میں مبتلا ہو گیا اور زندگی کی توقع نہ رہی کہ اچانک خوش نصیبی اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے توسل اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے خواب میں حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک صحبت سے مشرف ہوا کہ گویا بندے کے گھر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس طرح تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک درمیانے درجے کی پالکی پر سوار ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں اور خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ، میرے والد بزرگوار، دیگر اعزۂ عالی قدر اور دوسرے حضرات عالی درجات بھی ہمراہ ہیں اور وہ دائیں و بائیں جانب سے اس گناہ گار کی سفارش (برائے دعا) کر رہے ہیں، چنانچہ اس کا میں نے اپنے اندر اثر محسوس کیا اور اس قسم کا خواب دو تین یوم تک اسی طرح دیکھتا رہا اور اپنے نصیب پر ناز کرتا رہا یہاں تک کہ مزید یقین اور پختگی

اعتقاد کے لیے ربیع الثانی شریف شب جمعہ لیلۃ البدر کو میرا بیٹا ابو داؤد نیاز احمد سلمہ اللہ سبحانہ جو کہ میرے اسفار (٦) کا رفیق اور میرا محرمِ راز ہے خواب میں حضرت سید الانبیاء امام الاصفیاء بدر رسالت آفتاب نبوت بالا نشین مسندِ افلاک والامکین صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ سے مشرف ہوا اور دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کرسی کی اونچی نشست پر تشریف فرما ہیں اور اصحاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرداگرد اپنے اپنے مراتب کے مطابق کھڑے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس موروثی غلامِ خانہ زاد (یعنی مولف والدہ کی طرف سے نسباً سید تھے) نہایت مہربانی اور غایت امت پروری سے کہ بعض امور ایسے ہیں کہ حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد اور شفاعت کے بغیر ان کی انجام دہی ممکن نہیں، بہ نظرِ کرم فرمائی اور سوال کے بعد ان امور کی بشارات سے سرفراز فرمایا، اس کے بعد میرے فرزند جو کہ بلند کمالات کے مبشر ہیں کے دل میں جو دیگر ضروری امور تھے کی بشارت سے بھی نوازا اور دیگر معاملات جو رہ گئے تھے ان کی بھی بشارت عطا کی، حاضرین میں سے ایک صاحب نے ایک کاغذ میرے بیٹے کو دیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک خط میں لکھا ہوا ہے اس میں اس کے دل میں جو امور تھے ان کی بشارت تحریر تھی، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے میری شفاعت میری امت کے گناہ گاروں کے لیے ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار رحمت ہی رحمت ہے۔ کس کس قسم کی بشارات وعطیات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرفراز فرمایا، حدیث پاک میں ہے کہ جس نے مجھے دیکھا اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا۔

جاننا چاہیے کہ میرے فرزند ابوداؤد نیاز احمد کو اس مذکورہ خواب سے پہلے عالمِ رویا میں امیر المومنین و امام مسلمین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (سے ملاقات) کا امتیاز حاصل ہوا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اسی

مجلس میں تشریف فرما تھے بلکہ دیگر خلفائے راشدین بھی جو اس منزل لطیف میں حاضر تھے اس نور دیدہ (نیاز احمد) کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کی اور اسی شفاعت کی برکت سے اسے یہ دولت (زیارت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) حاصل ہوئی بغیر وسیلے کے کسی مطلب کا حصول دشوار ہے اور آیت کریمہ (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈو'' جو صاحب بصیرت لوگوں پر شاہد ہے، خلیفۂ اول اور خلیفۂ ثانی بلکہ خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ عنھم کے توسل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت کا امتیاز حاصل ہوا یعنی دولتِ دیدار نصیب ہوئی اور یہ آیت کریمہ (ترجمہ) ''اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے'' بھی اس امر پر شاہد ہے۔

تین راتوں کے بعد دوسری مرتبہ پھر شب دوشنبہ کو سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کا دیدار اس راقمِ کتاب کو نصیب ہوا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چند قدم چلنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مولف کو جلوۂ خاص عنایت فرمایا جس کی حلاوت تحریر و تقریر میں بیان نہیں کی جا سکتی۔

ایک ہفتہ کے بعد تیسری مرتبہ سہ شنبہ کی رات کو میرے بیٹے ابو داؤد نیاز احمد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم رویا میں زیارت کی یوں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیوار کے عقبی حصے پر تشریف فرما ہیں اور بے شمار دنیا حدِ نگاہ تک (٨) دست بستہ باادب تمام کھڑی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور اس غلام زادہ کی طرف تھا، عطیات سے نوازا۔

اس تیسرے خواب سے ایک شب پہلے عالمِ رویا میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت نصیب ہوئی تھی، جو اس دولت دیدار کا گویا پیش خیمہ تھی جس کا ذکر سابقہ سطور میں بھی کیا جا چکا ہے۔

یہ مذکورہ سفر اللہ غفور الرحیم کے فضل سے اس گناہگار (مولف) کے لیے خاک ذلت سے اٹھا کر دولتِ افلاک سے ہمکنار کرنے کا سبب بنا یہ سب کچھ میرے پیر بزرگوار مرشدِ عالی مقدار، قطب الاقطاب، غوثِ حقیقت ...... عارفِ کبیر ...... سلطان العارفین شیخ محمد صبغۃ اللہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ بن ...... شیخ الاسلام، مصباح الظلام ...... سیدنا و مولانا ...... فاروقی نسب، محمدی حسب اور سرہندی مولد ...... حضرت خواجہ محمد معصوم ...... رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توجہ کی برکت سے ہوا۔

جیسا کہ کتاب کے آغاز میں بیان (۹) کیا جا چکا ہے کہ حضرت خواجہ کی طرف سے یہ بشارت عین تنگی اور اضطراب کے عالم میں ملی اور یہ تمام انعامات جو مجھ پر ہوئے اس کی برکت سے تھے۔ اور یہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ جو رؤف و رحیم ہے اور گناہوں کی معافی دینے والا ہے اور توبہ کے دروازے کھولے ہیں میں اس کارِ خیر (تالیف کتاب) کو حیلہ و بہانہ سے کیوں موخر کروں، یہاں تک کہ توبۂ صریح کی قبولیت کے واضح اشارات مل گئے اور مشکلات سے خلاصی نصیب ہوئی یہ سب کچھ حضرت خواجہ کی توجہات کی برکت سے ظہور پذیر ہوا۔

میرے فرزندِ ارجمند ابو داؤد نیاز احمد کی زبان پر یہ بات آئی کہ ان امراض و بلا سے نجات کے شکرانہ کے طور پر اس گوشہ نشینی کے دوران حضرت خواجہ (۱۰) کے بلند حالات، مقالاتِ ارجمند، مکاشفاتِ علیہ، ملفوظات (مخاطبات)، تصرفات و کرامات اور آپ کے صاحبزادگان، اقربا اور خلفائے کرام کے حالات جو کہ سورج سے زیادہ روشن اور چاند سے زیادہ درخشاں ہیں لکھے جائیں تو ان مشکلات کے حل کا سبب بنیں گے، عرصہ دراز سے میں ضعف کا شکار تھا اور قابلیت کی کمی کا احساس تو تھا ہی کہ میرے بیٹے ابوداؤد نیاز احمد نے مجھ سے پھر درخواست کی کہ ان احوال کو احاطۂ تحریر میں لانے کا مقصد نہ اپنی بڑائی ہے اور نہ ہی ظاہر داری بلکہ اس تالیف کا اصل سبب تو اس فانی جہان کے مقاصد کا حل ہے جو جمعیتِ باطن کے لیے مانع و رکاوٹ کا باعث

ہے اور اس جہانِ فانی کے لیے آسانی کا سبب ہے، ہجومِ حزن و پریشانی کا بھی علاج ہے اور وہ لوگ جو ماسوا کی علت میں گرفتار ہیں ان کے لیے شفاء علیل اور ابدی سعادت بھی ہے۔ .... آغاز تالیف سے قبل میں نے تین مرتبہ استخارہ کیا، پہلے استخارہ میں ہی حضرت خواجہ کے جمالِ باکمال کا مشاہدہ ہوا کہ گویا آپ کے مبارک ہاتھ میں دوات وقلم ہے اور اس مقامات (معصومی) کی تعریف میں عجیب وغریب کلمات و نکات ارشاد فرما رہے ہیں کہ بیٹے نیاز احمد نے اس کتاب کی تالیف کی جو درخواست کی ہے اس میں توقف اور تاخیر اہلِ کمال کے مناسب حال نہیں ہے، اس کتاب کی تالیف ہی ماضی اور حال کا عطیہ اور اقبال مندی کی خوشخبری بھی ہے، یہی تازہ ہمت، بے اندازہ حلاوت، کفارت کی امید ہے .... جب میں استخارہ کا دوگانہ ادا کر چکا اور دعائے استخارہ میں مصروف تھا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص دائیں جانب سے آیا اور سرخ ونفیس قسم کے رومال میں دو اشرفیاں اور چند روپے لایا اور مجھے دیتے ہوئے کہا کہ یہ حضرت خواجہ نے اس کتاب کی تالیف کے لیے روشنائی، قلم اور کاغذ کے خرچ کے لیے بھیجے ہیں اور فرماتے ہیں (۱۲) کہ اگلے ہی روز یعنی جمعرات کے دن اسے (لکھنا) شروع کردو ..... کہ یہی ربیع الثانی کا وہ مبارک مہینہ ہے کہ جس میں تمہیں اور تمہارے فرزند کو خواب میں حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تھا۔

پھر اسی شب سونے کے لیے روانہ ہوا ہی تھا کہ حضرت خواجہ کو (عالم رویا) میں دیکھا آپ فرماتے تھے کہ اس کتاب کا نام مقامات ہے اور اس کا سال تالیف ''مفتاح اہل السعادات(۱)'' ہونا چاہیے۔

اگلی شب دو مزید استخارے کیے اور اپنے اور اپنے بیٹے کے بارے میں بہت سی

---

(۱) گویا مقامات معصومی کا سال تالیف مفتاح (۵۲۹) اہل (۳۶) السعادات (۵۶۷) سے اعداد برآمد ہوتے ہیں جس سے ۱۱۳۲ھ بنتا ہے۔ جو اس کا آغاز تالیف ہے (رک تعلیقات ومقدمہ کتاب حاضر)

عنایات کا مشاہدہ کیا، بروز پنجشنبہ ۱۱۳۲ھ کو جیسا کہ اس کے نام سے سال تاریخ برآمد ہوتا ہے ۲۶ / ربیع الثانی کو سلطان الاسلام، ظل اللہ فی الایام، خلیفۃ اللہ فی العالمین، غیاث الاسلام، مغیث المسلمین ...... ابوالمظفر ناصر الدین محمد شاہ بادشاہ غازی خلد اللّٰہ تعالیٰ ملکہ و سلطانہ و افاض علینا و علی العالمین کے پہلے سال جلوس میں ...... اللہ تعالیٰ جو رحیم و غفار ہے پر توکل کرتے ہوئے اس کارشریف (تالیف) کا آغاز کیا۔ جیسا کہ ہر پڑھنے اور سننے والے سعادت مند کو میرے بارے میں یہ معلوم ہے کہ آج سے آٹھ سال پہلے دہلی میں خواب میں حضرت خواجہ کی صحبت سے مشرف ہونا نصیب ہوا کہ گویا آپ نے دولت کی چابیاں میرے حوالے کر دی ہیں، اس کے بعد ہی مجھے بے پناہ کشادگی کا احساس ہونے لگا، گویا اس کی تعبیر یہ ہے کہ میں نے حضرت خواجہ سے استفادہ کیا ہے یعنی میں نے یہ حروف کرامت سعادت خود نہیں لکھے بلکہ حضرت خواجہ کے ہاتھ میں قلم دیکھا، گویا:

زبان میری تھی لیکن بول وہ رہے تھے

اس طرح یہ کتاب آپ کی طرف سے ہے اور کاتب بھی آپ خود ہی ہیں (۱۳) اگر اس مقامات معصومی و رایات قیومی کے عالی مقام کلام کو حسن قبولیت میسر آئے تو کامل ادب و احترام سے سنیے اور اگر اس سے کچھ باتیں اپنے بلند اور علوکمال کے باعث سمجھ نہ آسکیں اور علم اس کے ادراک سے قاصر ہو تو سمجھ لیں کہ اس بزرگ طبقہ کے اصحاب کے یہ مخفی اسرا ہیں ...... بہرحال دوستوں کے لیے کلیدِ فتح ہے اور دشمنوں پر قیدِ شدید ہے ...... کتاب پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ وہ میرے حق میں دعائے فاتحہ کریں ...... مجھے ناقابل میں حضرت خواجہ کے معانی و مطالب کے سمجھنے کی شائستگی اور قابلیت کہاں ہے یہ تو محض حضرت خواجہ کی دستگیری کے سبب (کام کا آغاز ہے) ...... (۱۴) مولف کتاب پر حضرت خواجہ کی عنایت کا ایک مشاہدہ یہ ہوا کہ آستانہ کے اس کمترین پر اس مقامات معصومی کی تالیف کے شروع کرنے کے پانچ روز

بعد دوشنبہ جمادی الاول کو دوپہر کے قیلولہ میں نیند اور بیداری کے مابین کیا دیکھتا ہوں کہ میری نظر لوحِ محفوظ پر جا پڑی تو دیکھا (وہاں لکھا تھا) کہ "صفر احمد (مولفِ کتاب حاضر) کو دولت مل گئی۔" اس پر اللہ سبحانہ کی حمد وثنا ہے اس بشارتِ واضح اور اشارتِ صحیحہ سے دل کو جمعیت میسر آئی اور تمام پڑھنے اور سننے والوں کو تازہ خوشخبری اور امید کی بخشش ہوئی، جیسا کہ اس سے قبل بھی یہی بات بطریقِ احسن لکھی جا چکی ہے۔

یہ کتاب جو معرفت کی بنیاد اور کثیر البرکت بھی ہے مقدمہ، نو مفتاح (ابواب) اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ اس میں شامل ہر نقل اور روایت اپنے راویانِ صادق اور ناقلین جن کا باطن آفتاب سے زیادہ مصفا ہے سے منقول ہے۔

مقدمہ

دانا کو آگاہ ہونا چاہیے کہ میں سب سے پہلے حضرت خواجہ کے ساتھ اپنا رشتۂ غلامی کا ذکر کر رہا ہوں تا کہ تم پر ''محلِ روایت'' اور ''درایتِ کامل'' واضح ہو سکے، حضرت خواجہ کے حالات میں زیادہ تر والدین شریفین کی روایات درج کی جائیں گی تا کہ مجھے ہر روایت کے اندراج میں بار باراس کی تفصیل نہ دینی پڑے بالانظر اور عالی فطرت حضرات شائستہ مقامات پر روایت کے اندراج کو پسند کرتے ہیں تا کہ احادیث پاک کی طرح روایت کے سامنے آ جانے سے ان کی درستگی اور سقم کا علم ہو جائے اگرچہ راوی کے حسب ونسب کی شرافت بھی مسلمہ ہو (تب بھی صحتِ روایت لازم ہے) ...... بلکہ نسب کی بزرگی کا ذکر تو نصِ قرآنی (ترجمہ) ''بے شک تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے'' کے خلاف ہے، دوسرے میں صرف (تذکرہ نویسی کے) مولفین کے دستور کے مطابق حضرت خواجہ کے آبائے کرام کے اسماء بیان کروں گا اور حضرت خواجہ کی تعریف میں کہے گئے چند ایسے نکات جو کہ میرے حافظہ میں محفوظ ہیں تحریر کر کے سعادت عظمیٰ اور دولت کبریٰ حاصل کروں گا تا کہ تمہیں اس امام صفا کیشان (حضرت خواجہ) کے بلند دقائق سننے سے پہلے آگہی ہو جائے اور ان کے تکرار سے وہ قاری جو اپنے ذہن کو مجتمع کر کے بیٹھا ہے کا ذہن منتشر نہ ہو اگرچہ وہ تکرار جو مسند الیہ اور متبرک ہو علماء کے نزدیک بہت زیبا اور قابل تعریف ہے لیکن حضرت خواجہ کا نام نامی بار بار لکھا جائے گا (١٦) ...... ان شاء اللہ تعالی۔ یہ مقدمہ دو مطلب پر مشتمل ہے اور ہر مطلب کنوزِ معرفت کا کنز ہے اور خزائن رحمت کا خزانہ ہے اور اس قول کے مطابق کہ ''نیکوں کا ذکر نزول رحمت کا باعث ہے،'' ہر مطلب کو لفظ ''کنز'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کنزِ اول

(احوال والدۂ مولف یعنی دختر حضرت خواجہ محمد معصوم)

یہ مولف بے مقدار حضرت خواجہ کا نواسہ ہے، اس کتاب کی تالیف (۱۱۳۲ھ) کے دوران حضرت خواجہ کی براہِ راست اولاد میں سے صرف میری والدہ ماجدہ ہی زندہ ہیں، باقی سب کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس فریدۂ زمانہ اور وحیدۂ عصر کے مکارمِ اخلاق اور محاسن اوصاف اس درجہ کے ہیں کہ میرا قلم شکستہ رقم ان کے بیان کے قابل ہی نہیں ہے، ان کی سخاوت دنیا میں مشہور، ان کی عبادت تائیدِ الٰہی سے ایسی ہے جو قوتِ بشری سے مطلقاً باہر ہے، ان کی ہمت صرف وظائف و اطاعت کے لیے ہے۔ اور ان کی ہمت تمام تر خیرالبشر علیہ و علیٰ آلہٖ افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیمات کی اتباع میں صرف ہو رہی ہے، غریب پروری اور نامراد پرسی ان کی زندگی کا شاندار شیوہ ہے، عیادت اور خفیہ سخاوت ان کی عادتِ کریمہ کا حصہ ہے۔

اس سے پہلے والدۂ محترمہ نے چند سال تک میرے والد یعنی اپنے شوہرِ نامدار کے ساتھ مختلف شہروں کی سیاحت کی تھی ان میں کابل، پشاور، لاہور، ملتان، شاہ جہان آباد، اکبر آباد (آگرہ) اور گوالیار وغیرہ اور بہت سی گمراہ خواتین ان کی کوشش سے راہِ ہدایت پر گامزن ہوئیں اور بہت سی غافل عورتوں کو ذاکر بنایا۔

اس وقت میرے والدِ محترم کے انتقال کو تقریباً پندرہ سال بیت چکے ہیں، اور والدۂ محترمہ اپنے وطن مالوف یعنی دارالاشاد حضرت سرہند میں کامل استقامت اور ایسی عنایات کے ساتھ بیٹھیں رہیں جن کے ذکر کی کلام میں قوت نہیں ہے اور اس متبرک شہر سے ہرگز حرکت ہی نہیں کرنا چاہتیں، مریض ان کی (روحانی) توجہ سے شفایاب ہوتے ہیں اور روحانی مریض ان کے تصرف سے جمعیت خاطر حاصل کر لیتے ہیں۔

محترمہ حضرت خواجہ کے حضور مقبول اور آپ کی بشاراتِ علیہ اور کمالاتِ جلیہ کی بشارت یافتہ تھیں اور آپ حضرت خواجہ کی سب سے چھوٹی صاجزادی ہیں لیکن معنوی اعتبار سے سب سے بڑی بلکہ (۱۷) سب سے بزرگ ہیں......

والدہ محترمہ حضرت خواجہ کی اپنے اوپر عنایات کا اکثر تذکرہ فرمایا کرتی تھیں اور حضرت خواجہ کی کیفیت (احوال مبارک) بھی اس پس ماندہ (مولف) کے سامنے بیان کرتی تھیں، آپ میرے بارے میں حضرت خواجہ کی بیان کردہ ایک بشارت اکثر سنایا کرتی تھیں جس سے میں مسرور ہو جاتا تھا وہ بشارت ہوش مندی کے ساتھ سننے والی ہے، جو یہ ہے:

میری والدہ ماجدہ کے ہاں پہلی نرینہ اولاد حضرت خواجہ کے حین حیات تولد ہوئی جس سے احباب میں خوشی کی لہر دوڑ گئی لیکن یہ فرزند ہوشیار ولادت کے صرف دو دن بعد ہی اس بے وفا دنیا سے رخصت ہو گیا اور سفر آخرت اختیار کر لیا......

وہ تمام دوست جو خوشی سے سرشار تھے اس سے غم زدہ ہو گئے، اور حضرت والدہ ماجدہ کو سب سے زیادہ اس کا غم ہوا، یہاں تک کہ اس کی خبر حضرت خواجہ کے گوش مبارک تک بھی پہنچی تو آپ جب کبھی بھی والدہ محترمہ کو دیکھتے تو فرماتے کہ اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا کرے گا، یہاں تک کہ آپ کے ہاں اس دعائے مستجاب کے بعد کئی فرزند تولد ہوئے جن میں سب سے بڑے شیخ عزالدین احمد **قدس سرہ** تھے جو کہ حضرت خواجہ کے بہت ہی منظورِ نظر اور مقبول تھے چنانچہ اس سلسلے میں حضرت خواجہ کی عنایات و بشارات اس کتاب کی مفتاحِ ہفتم میں ان کے احوال کے ضمن میں بیان کی جائیں گی، **ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز**۔

لیکن اس بشارت کا اشارہ اس گناہگار تباہ کار (مولف) کی طرف بھی سمجھا جا سکتا ہے اس کے باوجود کہ راقم حروف کی ولادت حضرت خواجہ کے وصال کے آٹھ سال بعد ہوئی۔

(۱۸) چونکہ والدہ ماجدہ کا تمام تر میلان اپنا حال پوشیدہ رکھنے کی طرف تھا اس لیے (اس قول کے بموجب) کہ مختصر اور مدلل بات ہی کافی ہے دراصل آپ ہی کے شان حال ہے۔

اب بلند پایہ حالات کو آپ کی ایک کرامت پر ختم کیا جا رہا ہے جو سارے شہر سرہند میں مشہور ہے اور وہ یہ ہے کہ سرہند شریف پر کفار بدبخت نانک پرستوں (سکھوں) نے جب حملہ کیا اور ان کا اس پر غلبہ (قبضہ) ہوگیا تو اس کے تمام دیہات میں ایسی حالت ہوگئی کہ وہاں کوئی مرد و عورت نہ رہی لیکن آپ نے وہاں سے کہیں جانا پسند نہ کیا اور نہ ہی سخت پریشانی سے گھٹنوں میں سر دیا اور نہ ہی راہِ فرار اختیار کی۔ اس فتنہ کا قصہ سارے عالم میں مشہور ہے اور اس فساد کے بارے میں ہر خاص و عام کو علم ہے آپ (ان حالات میں) اپنے جمعیت والے گھر سے باہر نہ نکلیں بلکہ آپ نے قرآن مجید کو بھی علانیہ ترک نہ کیا اور اس قتلِ عام کے ہنگامہ میں آپ نے ہر ایک کو اپنے ہاں پناہ دی اور انہیں چھپا لیا، اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس آیت کریمہ کے مصداق کہ (ترجمہ) "جو اس (گھر) میں داخل ہوگیا اسے امان مل گئی،" گویا ان میں سے نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا اور نہ ہی ان ظالموں کے شر کا کوئی نشانہ بنا۔

ایک مرتبہ جب کہ وہ (سکھ) سرہند میں مساجد اور مسلمانوں کے مزارات مسمار کر رہے تھے شرارت سے آپ کی حویلی میں داخل ہو گئے اس وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھیں آپ نے خود کو مصحف شریف میں چھپا لیا (پردہ کر لیا) وہ بڑی نیازمندی کے ساتھ آداب بجا لائے اور نیاز کے طور پر کچھ پیش بھی کیا اور قرآن کریم کی تلاوت کو جمعیت خاطر کے ساتھ جاری رکھا، یہاں آپ کی کرامت ختم ہوگئی۔

اس راقم بے مقدار (مولف) کے والدِ بزرگوار اولیائے کبار اور برگزیدۂ زمان اور صاحب معنی و اسرار اور صاحب کرامت تھے اگرچہ ان کا نام نامی بار بار لکھا جائے گا چونکہ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل کا مظہر ہیں اس لیے (ان کا ذکر) اہل دل اور صاحب

کمال حضرات کو حلاوت بخشتا ہے۔ آپ کا نام آپ کی مہر میں اس طرح منقوش ہے ''ذالک فضل اللّٰہ'' جو آپ کے متبعین (فضلیان مریدین سلسلہ) کے لیے بشارت بھی ہے۔

آپ حضرت خواجہ کے حقیقی ہمشیرہ زادہ (بھانجے) تھے آپ کا نسب آبائی حضرت عارف باللہ مخدومی شیخ عبدالاحد قدس سرہ سے اس طرح جا ملتا ہے کہ آپ (شیخ محمد فضل اللہ) فرزند ہیں خادمِ شرع قاضی عبدالقادر کے اور وہ بیٹے (۱۹) تھے شیخ محمد امین کے اور وہ فرزند تھے شیخ عبدالرزاق کے اور وہ صاحبزادے ہیں مخدوم مذکور (شیخ عبدالاحد والد گرامی حضرت مجدد الف ثانی) کے اور یہی مخدوم حضرت خواجہ کے جدِ امجد ہیں، چنانچہ کنز دوم میں عنقریب اس کا تذکرہ کیا جائے گا، ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔

آنجناب حضرت خواجہ کے تمام کمالات کے مبشر ہیں اور تعریف کرنے والوں کی تعریف سے مستغنی ہیں بہرحال اگر آٹھویں مفتاح جس کے آغاز میں آپ کے برادران کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس مقصد کے لیے مقرر کی گئی ہے اس سے پہلے کسی کو آپ کے حالات و کراماتِ عظیمہ کے مطالعہ کا شوق دامن گیر ہو تو وہ میری مولفہ کتاب ''منظر اولوالالباب'' کے مطالعہ میں جلدی کرے اور اگر وہ ساری کتاب کا مطالعہ کرے تو اسے میرے بزرگوں کے قصے اور فوائد اس میں مل سکیں گے۔

اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں کہ آپ اس تمام جاہ و عظمت کے باوجود ہر کسی کو اپنا مرید کر لیتے تھے اور خود کو درمیان دیکھتے ہی نہیں تھے چنانچہ یہی معاملہ مجھے اپنے لڑکپن میں ارادت کے دوران پیش آیا اس کے بعد جب میں نے حضرت خواجہ کے فرزندِ اکبر بندگانِ عالی حضرت قطب العارفین شیخ محمد صبغۃ اللہ کی خدمت میں رجوع کیا جس کا اشارہ خود میرے والد بزرگوار نے فرمایا تھا اور اس میں حضرت خواجہ کی طرف سے (غائبانہ) بشارت بھی شامل تھی تو یہی احساس و ادراک اس وقت بھی

ہوا کہ شیخ صبغۃ اللہ جب بھی طالبوں کو ذکر کی تعلیم دیتے تو وہ گویا حضرت خواجہ کی جانب سے ہوتی تھی اس طرح مولفِ احقر کو براہِ راست حضرت خواجہ کا مرید ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اللہ سبحانہ کی اس عظیم نعمت پر شکر ہے......

(اس کتاب میں شامل) یہ روایات زیادہ تر ان تینوں حضرات (والد گرامی، والدۂ محترمہ اور مرشد عالی حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ بن حضرت خواجہ) سے منقول ہیں......

کنزِ دوم

اب کامل سعادت مندی اور ہمت کے ساتھ آنحضرت قیوم و امام معصوم کا نسب سنیں اور اپنے رنجیدہ دل کو اس سے تسلی (۲۰) دیں اور اس ذکر سے (اپنے دل کی) جمعیت قائم رکھیں......

حضرت خواجہ کا نسب انسب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے صادق ترین صحابی جو مسجد و محراب کی زینت...... امیر المومنین و امام الاعدلین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ستائیس(۱) واسطوں سے منتہی ہوتا ہے اور وہ اس طرح کہ حضرت خواجہ حضرت مجدد الف ثانی کے منجھلے فرزند ہیں...... حضرت امام ربانی قطب العرفا، امام العلماء، سید الاصفیاء، حجۃ الاتقیاء شیخ احمد سرہندی کابلی نقشبندی بن عارف باللہ الصمد مخدومی عبدالاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی بن شیخ حبیب اللہ بن امام (۲۱) رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحٰق بن عبداللہ بن شعیب بن احمد بن یوسف بن شہاب الدین علی معرف بہ

---

(۱) یہاں حضرت مولف کو سہو ہوا ہے جدید تحقیق کے مطابق حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کا نسب ۳۳ واسطوں سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک واصل ہوتا ہے، مولف سے ضبط اسماء میں کئی غلطیاں سرزد ہوئی ہیں ہم نے کتاب حاضر کے تعلیقات میں ان سب کی نشاندہی کر دی ہے (تعلیقات ۲۱/ ۵-۲۳، و بعد)

فرخ شاہ کابلی فاروقی بن نصیرالدین بن محمود بن سلیمان بن مسعود بن عبداللہ الواعظ الاصغر بن عبداللہ الواعظ الاکبر بن ابوالفتح بن اسحٰق بن ابراہیم بن ناصر بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

ان عزیزوں میں سے ہر ایک خدا رسیدہ و برگزیدہ ہے البتہ حضرت مخدوم عبدالاحد قدس اللہ سرہ ظاہری و باطنی علم میں بلند مرتبہ کے مالک تھے اور امام رفیع الدین جوکہ شیر بیشہ جیسے بہادر تھے، شہر سرہند انہی کا آباد کردہ ہے۔

جناب حقائق آگاہ مکرمی خواجہ محمد ہاشم کشمی قدس سرہ نے حضرت مجدد الف ثانی کے حالات پر اپنی کتاب جو زبدۃ المقامات کے نام سے موسوم ہے اور ملا بدر الدین سرہندی نے اپنی تالیف حضرات القدس کے دفتر اول میں ان حضرات کے حالات بلکہ ان کے مشائخ کے حالات بھی بیان کر کے ہم جیسے متبعین (۱) کو تکرارِ کلام سے بچا لیا......

اب میں حسب ایفاء وعدہ حضرت خواجہ کی تعریف میں کہے گئے بعض اشعار نقل کر رہا ہوں، حضرت وحدت قدس سرہ جو حضرت خواجہ کے برادر زادے (بھتیجے) تھے، فصیح بیان شاعر اور فقیہہ عارف تھے جن کے کچھ حالات میں نے اس کتاب کی مفتاح ہشتم میں لکھے ہیں کے چند مدحیہ اشعار نقل کر رہا ہوں۔

چہ معصوم بود از خطاء و خطر   بسفتند در شانِ او ایں گہر

(۲۲) انہوں نے حضرت خواجہ کی قیومیت، اصالت محبوبیتِ ذاتی کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

نبی نیست اما بہ رنگ نبی   بہ جو شد ز کویش ہزاراں ولی

وہ مرثیے اور تواریخِ وفات (کے قطعات) یا دوسرے عزیزوں سے اس سلسلے

---

(۱) **الو شش** خوران کا ترجمہ ہم نے مولف کی وضاحت کے مطابق متبعین اس لئے کیا ہے کہ مولف خود کو مولفین زبدۃ المقامات وحضرات القدس کا متبع بتا چکے ہیں (رک مقدمہ بعنوان اتباع مولفین ماضی)

میں میں نے جو کچھ سنا ہے اس کتاب کی مفتاح ششم میں جو آپ کے اس جہان سے جنت فردوس کی طرف انتقال کے حال کے لیے مخصوص ہے سپرد قلم کیے جائیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(ناصر علی سرہندی) ہندوستان کے ملک الشعراء تھے جن کی سخن وری کی شہرت نے ایران اور توران کی بلبلوں (شعراء) کو بے گھر (عاجز) کر دیا ہے اور ان کی یہ مقبولیت محض حضرت خواجہ سے ارادت اور آپ پر راسخ اعتقاد کے سبب حاصل ہوئی ہے، ایک روز میری اور بلدہ شریفہ سرہند کے لوگوں کی موجودگی میں اپنے بڑے بیٹے (علی عظیم) جو کہ ان دنوں کم سن تھے کو یہ نصیحت کی اور ان کی ان باتوں سے یہ نشاندہی ہوئی کہ اگرچہ چھوٹے بڑے سب گناہوں سے توبہ کی توفیق میسر آ چکی ہے لیکن پھر بھی گناہوں کی کفارت حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ سے کرنی چاہیے اگر روضۂ مطہرہ سے نیازمندی کا اظہار نہ کیا جائے تو یہی کفر ہے ناصر علی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مثنوی میں آپ کی مدح کی ہے جن میں سے ایک اشعار یہ ہے:

چراغ ہفت محفل خواجۂ معصوم　　　منور از فروغش ہند تا روم

(۲۳)　(یہ کتاب مندرجہ ذیل نو مفتاح (ابواب) پر مشتمل ہے۔)

مفتاح اول مشائخ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ اور حدیث مسلسل بالاولیت اور حضرت خواجہ کی حضرت مجدد الف ثانی سے محبت کا بیان اور اس ضمن میں حضرت مجدد الف ثانی کے ان معارف و مکاشفات کا بیان جو حضرت خواجہ نے اپنے مکتوبات قدسی آیات میں تحریر کیے ہیں۔

مفتاح دوم حضرت خواجہ کی ولادت، آپ کے ابتدائی احوال، دینی علوم کی تحصیل سے لے کر مرتبۂ کمال و اکمال پر فائز ہونا، حضرت مجدد الف ثانی کے ایام وصال تک۔

مفتاح سوم بعض ان عظیم مقالات و مراتب نادرہ کا بیان جن سے حق سبحانہ و تعالیٰ (۲۴) نے محض اپنے فضل و کرم سے آپ کو مختص کیا، اور آپ کو حضرت مجد

الف ثانی کا نائب بنایا۔

مفتاحِ چہارم حضرت خواجہ کی عادات اور عبادات کا بیان اور اس ضمن میں بعض ایسی سورتوں اور آیتوں کی وہ تاویلات جو آپ نے بیان کی ہیں۔

مفتاحِ پنجم حضرت خواجہ کی کرامات اور ملفوظات کا بیان۔

مفتاحِ ششم حضرت خواجہ کے اس جہان سے جنت فردوس کی طرف انتقال کا بیان اور آپ کے روضۂ منورہ کی تعریف۔

مفتاحِ ہفتم حضرت خواجہ کے فرزندان گرامی کے مختصر حالات۔

مفتاحِ ہشتم حضرت خواجہ کے رشتہ داروں کے مختصر حالات۔

مفتاحِ نہم حضرت خواجہ کے بعض عالی مرتبہ خلفاء کے مختصر حالات۔

خاتمہ (کتاب کا) خاتمہ دراصل حسن خاتمہ ہے، **ان شاء اللّٰہ تعالٰی**

اور ہر مقام پر جہاں کہیں مکتوبات حضرت خواجہ یا حضرت مجدد الف ثانی کے رسائل و مکتوبات سے نقل و اقتباس کیا گیا ہے وہاں اس عبارت کو لفظ ''فتح'' لکھ کر جداگانہ طور پر نشاندہی کر دی ہے، **وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت و الیہ انیب**

مفتاحِ اول

(۲۵) نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ مشائخ کے شجرات اور حدیث مسلسلِ بالاولیت کا بیان اور اس محبت کا تذکرہ جو حضرت خواجہ محمد معصوم کو حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ ہے اور ان معارف و مکاشفاتِ حضرت مجدد الف ثانی کا بیان جو حضرت خواجہ نے اپنے مکتوبات قدسی آیات میں تحریر کیے ہیں۔

(ترجمہ) ''اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے کیا ہم نے تمہارا سینہ کشادہ نہیں کیا۔ اور تم پر سے تمہارا وہ بوجھ اتار لیا جس نے تمہاری کمر توڑ دی تھی اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کر دیا تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی بھی

ہے، تو جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت رکھو۔''

اللّٰھم صَلِّ علیٰ سیدنا محمد نبی الرحمۃ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ......

وہ اصحاب جو عالمِ اسرار کے معنی سے آگاہ، بدائع معانی کے مبصر اور علمِ حقائق کے امور کی ترجمانی کرنے والوں پر یہ بات ظاہر ہے کہ حق سبحانہ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دو طریقے عطا فرمائے اور ان دونوں کو اس آیۃ کریمہ (ترجمہ) ''بے شک ہم نے یہ قرآن اتارا ہے اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں'' کے مطابق زوال اور خلل سے محفوظ کر دیا۔

پہلے طریقہ (علمِ ظاہر) کو علماء میں جاری رکھا اور دوسرا طریقہ (علمِ باطن، تصوف) اولیا میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوا کیوں کہ اس کے اظہار کی قوت وتحمل ہی نہیں تھی چنانچہ حضرت ابی ہریرہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ وسلم سے دو علم حاصل کیے ایک کو امت میں پھیلا دیا اور اگر دوسرے علم کو ظاہر کر دوں تو ہر آئینہ ٹوٹ جائے ...... یہی باطنی نسبت علمِ ظاہر کے رنگ میں ذاتِ اقدس حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم پر منتہی ہوئی (۲۶) اور تمام طریقے محدثین کرام کی شان کے مطابق اتصال کی سند در سند رکھتے ہیں اور یہ طریقے (سلسلے) اپنی نسبتیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وصحبہٖ وسلم تک پہنچاتے ہیں، اور اس آیۃ کریمہ کے مطابق ''آپ فرمائیں میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت'' اور ایک دوسری آیۃ مبارک میں ہے (ترجمہ) ''اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والوں کہ تم سے ہر ناپاکی دور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب صاف ستھرا کر دے۔'' اور اس حدیث شریف کے مطابق میرا خانوادہ (اہل بیت) حضرت نوح علیہ السلام کے سفینہ کی طرح ہے، جو اس پر سوار ہو گیا اسے نجات مل گئی اور جس نے اس کی مخالفت

کی برباد (ہلاک) ہوگیا۔

شجرۂ قادریہ

یہ شجرہ نظم کی صورت میں ہے جسے بیان کر رہا ہوں۔ چونکہ ہمارے حضرات کا سلسلہ نقشبندیہ ہے اور اسی پر طریقہ کی بنیاد ہے اسے کتاب کے آخر میں خدا کے فضل سے بیان کیا جائے گا تاکہ راہ میں خلل واقع نہ ہو (طریقہ قادریہ کے اکابر کے اسماء یہ ہیں):

حضرت خواجہ محمد معصوم بن حضرت شیخ احمد (مجدد الف ثانی) نے اسے اپنے والد گرامی سے حاصل کیا اور پھر شاہ گدا سے ان دونوں نے شاہ سکندر (کیتھلی) سے خرقہ پہنا، شاہ سکندر نے شاہ کمال کیتھلی سے حاصل کیا (دیگر اسماء اس طرح ہیں) شاہ عقیل، شاہ بہاء الدین، عبدالوہاب، شاہ شرف الدین، شیخ شمس الدین، شاہ گدا رحمٰن، شمس الدین شیخ، شاہ عبدالرزاق، حضرت غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی، شیخ ابوصالح، شیخ موسیٰ صالح، شاہ عبداللہ، شاہ یحییٰ، شیخ موسیٰ، شیخ داؤد، (۲۷)، سید محسن، حسن ثانی، امام حسن، حضرت علی کرم اللہ وجہہ

سلسلۂ قادریہ کا یہی شجرہ ایک دوسرے طریقے سے بھی مرقوم ہے جس کا اندراج اس کتاب کی ضروریات میں سے ہے ...... تاکہ ہر پڑھنے اور سننے والا اس سے سعادت حاصل کرے اور اس پر اس (روحانی) دولت کا دوسرا دروازہ بھی کھل سکے، جو یہ ہے:

حضرت خواجہ یعنی مجدالدین خواجہ محمد معصوم نے سلسلۂ قادریہ کا خرقہ اپنے والد و شیخ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سے پہنا اور آپ نے اپنے والد گرامی مخدوم عبدالاحد سے انہوں نے اپنے شیخ رکن الدین سے انہوں نے امیر سید ابراہیم معین الحسنی الحسینی ایرجی قادری (شجرے کے دیگر اسماء) شیخ بہاء الدین انصاری قادری، سید سند شیخ احمد حلبی قادری، انہوں نے اپنے والد سید السادات سید موسیٰ قادری، انہوں نے

اپنے والد سید عبدالقادر اور انہوں نے اپنے والد سید السادات سید حسن، انہوں نے اپنے والد سید السادات سید محی الدین و الملۃ ابی نصر، انہوں نے اپنے والد سید الحسب والنسب ابی صالح، انہوں نے اپنے والد سید جید و سید سند عبدالرزاق سے، انہوں نے اپنے والد سید السادات قبلۂ ارباب کرامات قطب کونین غوث ثقلین محی الحق والشریعۃ والطریقۃ والحقیقت ابی محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی قدس اللہ روحہ، آپ نے اپنے شیخ ابی سعید مخزومی، شیخ الاسلام ابی الحسن علی قرشی، شیخ الاسلام ابی الفرج یوسف طرطوسی، شیخ الاسلام عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمی، شیخ الاسلام ابی بکر شبلی، شیخ الاسلام سید الطائفہ صوفیہ جنید بغدادی، شیخ الاسلام سری سقطی، شیخ الاسلام معروف کرخی، شیخ الاسلام ابی سلیمان داؤد طائی (۲۸) امام علی بن موسیٰ رضا، امام جعفر صادق، امام محمد باقر، امام زین العابدین، سید الشہداء امام حسین، امیر المومنین علی بن ابی طالب، سید المرسلین امام المتقین، خاتم النبیین ...... محمد نبی عربی ...... صلی اللہ علیہ وسلم۔

(اس سے قبل منقول) منظوم شجرہ امام حسن تک واصل ہوتا تھا، امام حسن نے یہ نسبت اور خرقہ اپنے والد گرامی سے حاصل کیا، اس طرح انہوں نے یہی نسبت اپنی والدۂ کریمہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور انہوں نے اپنے والد ماجد خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی۔

میرے والد گرامی (شیخ محمد فضل اللہ) نے اس مفہوم کے اشعار اپنی بیاض میں نقل کیے ہیں:

الٰہی بحق نبی فاطمہ — کہ برقول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم ردکنی در قبول — من ودست و دامان آل رسول

سلسلۂ چشتیہ

حضرت خواجہ کو سلسلۂ چشتیہ میں اپنے والد بزرگوار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے اجازت تھی اور آپ کو اپنے والد مکرم مخدوم شیخ عبدالاحد سے انہیں شیخ

رکن الدین سے انہیں اپنے والد شیخ عبدالقدوس غزنوی حنفی (مذہباً ونسباً) سے اجازت تھی (اسماء شجرہ) شیخ محمد عارف، شیخ احمد عبدالحق (ردولوی) شیخ جلال پانی پتی، شیخ شمس الدین ترک پانی پتی، شیخ علاء الدین علی احمد صابر، شیخ فرید الدین گنج شکر، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی دہلوی، (۲۹) خواجہ معین الدین سجزی اجمیری، شیخ عثمان ہارونی، شیخ حاجی شریف زندنی، شیخ مودود چشتی، ابو یوسف چشتی، شیخ ابو محمد چشتی، شیخ ابواسحاق شامی، شیخ علی دینوری، شیخ ہبیرۃ البصری، شیخ حذیفہ مرعشی، سلطان بلخ ابراہیم ادہم، شیخ فضیل بن عیاض، شیخ عبدالواحد بن زید، خواجہ حسن بصری، امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ علیہ وسلم۔

شجرۂ نقشبندیہ

(سلسلۂ) نقشبندیہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب ہے جو اس امت خیرالامم میں سب سے عظیم صادق تھے......:

نقشبندیہ عجب قافلہ سالارانند   کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۲۹۰ میں (اس طریقہ کی تعریف یوں کی ہے):

> جاننا چاہیے کہ وہ طریقہ جو نزدیک تر، جلد پہنچانے والا، کتاب وسنت کے زیادہ موافق، زیادہ مضبوط، زیادہ محفوظ، زیادہ پختہ، زیادہ سچا، زیادہ رہنمائی فرمانے والا، بہت اونچا، بہت بزرگ (۳۰)، بہت بلند مرتبہ اور کامل تر ہے وہ یہی طریقۂ نقشبندیہ ہے قدس اللہ تعالی ارواح اھالیھا و اسرار موالیھا اس طریقہ کی یہ تمام بزرگی اور اس سلسلے کے بزرگوں کی یہ شان روشن سنت علیٰ صاحبھا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی سنت کی متابعت کی پابندی اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب کی وجہ سے ہے، یہ نقشبندی بزرگ ہی ہیں جو صحابۂ کرام علیھم الرضوان من

الملک المنان کی طرح ان کے کام کی نہایت ان کی ابتدائی شان میں ہی درج ہو چکی ہے اور ان کے حضور اور آگہی نے دوام پیدا کیا ہے، انتہا کلامہٗ

ہمارے شیخ، قبلہ اور امام حضرت قیوم شیخ محمد معصوم نے طریقۂ نقشبندیہ اپنے والد و شیخ امام ربانی، حبیب رحمانی، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سے اخذ کیا انہوں نے اپنے شیخ قبلۃ الاولیاء موید الدین رضی خواجہ محمد الباقی سے (اسماء شجرہ) خواجگی امکنہ، خواجہ درویش، خواجہ محمد زاہد، ناصر الدین خواجہ عبیداللہ احرار، خواجہ یعقوب، خواجہ بہاء الدین نقشبند، سید امیر کلال، خواجہ محمد بابا سماسی، خواجہ علی رامتینی، خواجہ محمود انجیر فغنوی، خواجہ محمد عارف ریوکروی، خواجہ عبدالخالق غجدوانی، خواجہ یوسف ہمدانی، خواجہ ابوعلی فارمدی، شیخ ابوالقاسم کرکانی، خواجہ ابوالحسن خرقانی، خواجہ سلطان العارفین بایزید بسطامی، امام جعفر صادق آپ کی دو نسبتیں ہیں اول اپنے آبائے کرام سے یعنی، امام محمد باقر، امام زین العابدین، امام حسین، امیر المومنین علی مرتضٰی، لیکن امام جعفر صادق کی دوسری نسبت قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق سے بھی ہے جو اس طرح سے ہے شیخ سلمان فارسی، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم۔

سند تفسیر وحدیث

حضرت خواجہ نے (۳۱) تفسیر و حدیث اور اس کی جملہ مولفات مثلاً بسیط، وسیط، اسباب نزول اور تفسیر بیضاوی ان کی دیگر تمام تصنیفات سمیت اور منہاج الاصول، غایت القصوٰی وغیرہ اور امام بخاری کی صحیح اور فن حدیث میں ان کی جملہ مولفات مثلاً ثلاثیات، آداب مفردہ، افعال العباد اور تاریخ وغیرہ، مشکوٰۃ تبریزی، شمائل ترمذی، جامع صغیر سیوطی اور قصیدۂ بردہ شیخ ابن بوصیری پڑھیں......

حضرت خواجہ نے حدیث مسلسل بالاولیت بھی اپنے والد ماجد سے حاصل کی

آپ نے عالمِ ربانی قاضی بہلول بدخشی جو کہ حضرت مجدد الف ثانی ہی کے مرید مخلص تھے سے حاصل کی اور قاضی مذکور نے ان کتب مذکورہ مع حدیث مسلسل بالاولیت شیخ معظم عبدالرحمٰن بن فہد سے حاصل کی جن کے آبائے کرام عرب کے اکابر محدثین ہی سے تھے۔

حدیث مسلسل بالاولیت

شیخ عبدالرحمٰن بن فہد کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی عبدالقادر بن عبدالعزیز فہد سے اور انہوں نے حافظ جاراللہ بن فہد، حافظ عزالدین عبدالعزیز بن فہد، حافظ تقی الدین محمد بن فہد ہاشمی علوی، علامہ برہان الدین ابناسی، قاضی القضاۃ ابوحامد مطری، خطیب صدر الدین ابوالفتح محمد بن میدومی، شیخ نجیب الدین عبداللطیف حرانی، حافظ ابو الفرج ابن جوزی، ابوسعید اسماعیل بن ابی صالح نیشاپوری، ابو صالح احمد بن (۳۲) ملک الموذن، ابو طاہر محمد بن محمش زیادی، ابو حامد احمد بزاز، عبدالرحمٰن بن بشر بن حکم عبدی نیشاپوری، سفیان بن عیینہ، عمرو بن دینار، ابی قابوس مولیٰ عبداللہ بن عمرو بن العاص عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ......

حضرت خواجہ نے مذکورہ اجازات اپنے والد گرامی حضرت مجدد الف ثانی سے حاصل کرنے کے علاوہ اپنے سفرِ حج کے دوران سید زین العابدین محدث مدنی سے بھی حدیث کی سند لی یہ بزرگ وہاں کے محدثین علماء میں سے تھے اور بعد میں حضرت خواجہ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے چنانچہ مکتوبات معصومیہ میں حضرت خواجہ کا ایک فصیح عربی مکتوب انہی سید زین العابدین مدنی کے نام ہے، ان کے آباء کرام میں حدیث کی جو روایتی اجازت موجود تھی انہوں نے حضرت خواجہ، آپ کی اولاد اور خلفاء کو ان کی درخواست پر بہ صد شوق دی، یہ روایت مجھے (مولف) اپنے والد گرامی سے ملی ہے کیوں کہ وہ بھی اس محدثِ عالی مقدار کے اجازت یافتہ تھے۔

حضرت خواجہ کو صرف چھ واسطوں سے سید المرسلین امام النبیین صلی اللہ علیہ

وسلم سے مصافحہ کی سعادت بھی حاصل ہے وہ اس طرح کہ آپ نے حضرت مجددالف ثانی سے مصافحہ کیا (۳۳) حضرت مجدد الف ثانی نے حاجی عبدالرحمٰن رمزی بدخشی کابلی سے انہوں نے حافظ سلطان اوبہی سے جنہوں نے ایک سو دس سال عمر پائی تھی، انہوں نے شیخ محمود اسفرائنی سے اورنہوں نے سعید معمر حبشی سے اور انہوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و بارک وسلم سے مصافحہ کی سعادت حاصل کی۔

مراتب کمال میں سے کوئی مرتبہ ایسانہیں رہ گیا تھا جس سے حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل کامل اور بے انتہا عنایت سے حضرت مجدد الف ثانی کو سرفراز نہ کیا ہو، چنانچہ آپ کے حالات پر لکھی جانے والی دونوں کتابوں میں ان تمام خصائص کا تذکرہ آپ کی زبان مبارک سے کیا گیا ہے جو اس طرح ہے:

ہر وہ کمال جو بنی نوع انسان کو عطا ہوسکتا ہے وہ مجھے عطا کیا گیا، اور سید البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اس امر میں متحقق ہوگئی اور اگر چاہوں تو یہ بیانات معقولہ معقول بنا کر بتا دوں۔

اس کے بعد خواجہ محمد ہاشم قدس سرہ زبدۃ المقامات میں لکھتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ عقل عقیل اس بلند پایہ بیان کے درپے نہیں ہوسکتی۔

یہی نسبت اس صرافت کے ساتھ بغیر لفظ و معنی کے تفاوت کے حضرت مجدد الف ثانی سے حضرت خواجہ پر فائض اور دائر ہوئی اور ان کو مجدد الف ثانی بنا دیا، چنانچہ نعم السلف ونعم الخلف مشہور ہے۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اس کی تصریح اس شعر سے کی ہے:

پدر نور پسر نوریست مشہور ازیں جا فہم کن نورٌ علیٰ نور

اگر کوئی کم عقل ان دونوں بزرگوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کے لیے لب

کشائی کرے تو چاہیے کہ سلیم الطبع عقل مند ان دونوں معصوم قیوموں کے معارف کو عقل و ادراک کے ترازو میں تولے البتہ وہ ایک پلے کو دوسرے پلہ پر بھاری نہیں پائے گا کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی جو ان تمام اسرار و معانی کے بانی ہیں نے اپنے اس فرزند کے فضائل و کمالات کے سلسلہ میں اس قدر تحریر فرمایا ہے کہ آپ کو کم کہنے سے کمی واقع ہو ہی نہیں سکتی چنانچہ اس کتاب کے آئندہ ابواب سے اس کی تشریح ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ اگرچہ فضیلت دینے کی اہلِ عقل و دانش نے اجازت نہیں دی ہے لیکن وہ کون سا کمال ہے جو حضرت مجدد الف ثانی میں تھا اور آپ نے اسے اخذ نہیں کیا؟ جیسا کہ اس سے پہلے تذکرہ کیا جا چکا ہے اگرچہ ان دونوں بزرگوں کے خصائص جداگانہ (۳۴) ہیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے پس عقل سلیم ان دونوں مجددوں میں مساوات (معنوی) تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتی یہی اعتقاد میرے والد و مرشد (شیخ فضل اللہ) کا ان دونوں اوتادوں کے بارے میں تھا اور یہی عقیدہ میری والدہ محترمہ کا بھی تھا اور وہ تمام زندگی اسی خیال کے ساتھ زندہ رہیں اور حضرت خواجہ کے دوسرے بلاواسطہ فرزندانِ گرامی کا بھی یہی اعتقاد تھا اس امتِ مرحومہ میں جو خیر الامم ہے، صحابہ کرام کے زمانے کے بعد سے اس قسم کی دو نادر الوجود ہستیاں ظہور پذیر نہیں ہوئیں، دورِ بعثت کو ہزار سال ہوئے اس دوران بہت سے امور میں تغیر و تبدل ہو چکے ہیں جس کا ثبوت حضرت مجدد الف ثانی کے کلام میں ملتا ہے، آپ کے زمانے کے بعد حضرت مہدی موعود کے سوا اس قسم کے عظیم الشان کسی ولی کا ظہور ہوا ہی نہیں ہے اور قیامت کا وقت بھی قریب ہے۔

''اے اللہ ہمیں زندگی میں ان کی متابعت پر ثابت قدم رکھنا اور مرنے کے بعد ان کی شفاعت سے بہرہ مند کرنا'' آمین، اس مفہوم کا موید ہے۔

حضرت خواجہ، حضرت مجدد الف ثانی کو دیکھنے کے بعد اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

بعد ازیں ہرگز نہ بیند ہیچ می خوار دگر   ہچو من می خوارہ و مثل تو خمار دگر

حضرت خواجہ کے بعض بیٹے اور میرے والد گرامی اس قسم کے افراد تھے جو یہ کہتے تھے کہ اگر مبالغہ ہی کرنا ہے تو ان دونوں حضرات کو مساوی قرار دیا جائے تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی کے کشف سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ سے فرمایا کہ تیری صحبت سے مجھ جیسے مردوں کا ظہور ہوگا .... یہ دونوں خدا رسیدہ اولیا حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیھما السلام کی طرح ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے خصائص اور فضل و کمال مثلاً پرندوں اور پہاڑوں کی تسخیر، لوہے کو نرم کرنا، زبور عطا فرمانا وغیرہ اور حضرت داؤد کے دیگر معجزات مثلاً تسخیر جنات، ہوا، حیوانات اور پلک جھپکتے ہی بلقیس کا تخت پہنچنا اور بے حساب عطیات اور حضرت سلیمان علیہ السلام پر دوسری عنایات و عطیات (کے باعث) وہ نبوت و رسالت کے مرتبہ میں دونوں برابر ہیں، اور ظاہری حکومت میں ہی یہ دونوں قریب قریب ہیں۔ آیۂ کریمہ ہے (ترجمہ) ''اور بے شک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانا ہے'' اس لیے ان دونوں نبیوں کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کے سلسلہ میں خاموشی (۳۵) زیادہ بہتر ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے، (ترجمہ) ''ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے،'' اس لیے اس فرمان کے مطابق ان کو ایک دوسرے پر فضیلت دی گئی۔ اس لیے ان اصحاب کی برابری کا اعتقاد ہر لحاظ سے مناسب ہے اور ان میں سے کون افضل ہے اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

مدت دراز سے قبیلۂ احمدیہ (خانوادۂ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی) میں یہ بحث چل رہی ہے اس لیے عقلی و کشفی دلائل دے کر راہ نجات تلاش کی گئی ہے۔ (ترجمہ) ''بے شک میرا رب مہربان محبت والا ہے'' اس سلسلے میں ایک اور دلیل جو حضرت خواجہ سے ہم تک پہنچی ہے اس کتاب کے باب پنجم میں حضرت خواجہ کے

ملفوظات پر مشتمل ہے بیان کی جائے گی، **ان شاء اللّٰہ تعالیٰ۔**

جذب کمالاتِ محبوب میں محبتِ کامل عمل دخل رکھتی ہے اور حضرت خواجہ کو حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ جس قدر والہانہ محبت ہے وہ کسی عہد میں (کسی کے بارے میں) سننے میں نہیں آئی اگر اس کی تفصیل لکھی جائے تو کتاب کے اصل مطالب اس سے پرے ہو جائیں گے، بہتر یہی ہے کہ اس اعلیٰ ترین بحث کو حضرت خواجہ کے مکتوبات کے تینوں دفتروں کے مطالعہ پر موقوف کر دیا جائے کہ ان میں سے ہر دفتر مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی شرح ہے کہ قارئین کے لیے اس میں شوق کی تازگی وطراوت جس قدر موجود ہے۔ (کسی سے) مخفی نہیں ہے۔

ہر مکتوب جو آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت اقدس میں لکھا ہے وہ حضرت مجدد الف ثانی کی محبت سے لبریز ہے، حضرت خواجہ نے ایک مکتوب بنام مولانا عبدالغفور سمرقندی (خلیفۂ حضرت مجدد) کے نام لکھا ہے جو اس امر کی تشریح کے لیے کافی ہے، یہ مکتوب مکتوباتِ معصومیہ کی جلد اول کا مکتوب نمبر ۱۵۷ ہے، ملاحظہ ہو:

فتح

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، کتنی بڑی نعمت ہے کہ کوئی شخص بڑھاپے کے اوقات میں زیورِ طاعات سے آراستہ ہو اور ضعف کے وقت طاقتور دشمنوں پر غالب ہو اور اہل اللہ کے قبول کر لینے کے آثار اس کے طور طریقوں سے ظاہر ہوں اور اس کی پیشانی کے انوار اس معنی کی شہادت میں نمایاں ہوں، آپ کی توفیق کی خبریں سننا کامل خوشی اور اللہ تعالیٰ جل سلطانہ کے شکر کا باعث ہے اور اس خوشگوار نعمت کو زیادہ کرنے کے لیے دعا و امداد کا سبب ہوتا ہے یہ سب انوار اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دوستوں کی نظر کی برکات سے ہیں اور یہ صوری جمعیت جو کہ ظاہر نے بندگی کے وظائف کی ادائیگی کے ساتھ حاصل کی ہے اس معنوی

نسبت کا اثر ہے جو کہ اولیاء اللہ کے باطن سے اس کے باطن پر چمکی ہے جو حضرات کہ حضرت قبلہ حقیقی (حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ) کی خدمت کے شرف اور پابوسی کی سعادت سے مشرف ہوئے ہیں نہایت عزیز ومحبوب اور بہت ہی شریف (۳۶) ومرغوب ہیں کیوں کہ یہ حضرات محبوب کے کمالات کے آئینے ہیں اور اس کے جمالِ پاک کی یادگار ہیں جب کبھی اس جماعت کو دیکھتا ہے ایک ایسی حالت ظاہر ہو جاتی ہے کہ گویا اس قبلۂ طالبانِ خدا کے جمال مبارک کو مشاہدہ کرتا ہے اور اس صحبت اور اس لِلّٰہ فی اللہ اجتماع کہ جس کے مثل تمام دنیا میں نہ تصور کیا جا سکتا تھا اور نہ ہے دل میں خیال کرتا ہے تو دل پر آب اور جگر کباب ہو جاتا ہے آرزو یہی ہے کہ ان حضرات کے ساتھ صحبت رکھے حرف و حکایت انہی کے ساتھ کرے لیکن افسوس کہ یہ حضرات دن بدن کم ہوتے جا رہے ہیں اور اس کمی کے باوجود ایک دوسرے سے دور ہیں:

زہجر دوستاں خوں شد درون سینۂ جاں من — فراق ہم نشیناں سوخت مغزِ استخوانِ من

جو کچھ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس میں بھلائی ہے، یہ حضرات جہاں بھی ہیں غنیمت ہیں:

بیاد گار بمانی کہ بوے آں داری

اس فراق سوختہ اور دل باختہ عاشق کی حالت یہ ہے کہ جو شخص کہ حضرت عالی (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کے وجود کی شمع کے گرد پروانہ کی طرح نہ پھرا اور نشانہ کی طرح اس کی بے مثال توجہ کے تیر کا ہدف نہیں بنا ہے اور اس کی رفتار اور محبوبانہ اداؤں کا شکار نہیں ہوا ہے اور اس کے قدِ رعنا کی نزاکت کے فتراک (شکار بند) میں نہیں بندھا ہے اور اس کی معشوقوں جیسی شراب کی طرح نشہ آور آنکھوں کا کشتہ نہیں ہے اور اس کے دلبروں جیسے تبسم کا عاشق نہیں ہے اور جس نے اپنی نازک پیشانی کو اس

کے آستانۂ عالیہ پر کمال شوق و آرزو کے ساتھ نہیں رگڑا ہے اور اس کی درگاہ کے کتوں کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ نہیں بنایا ہے اور اس کی بندگی کے خط کا نشان جس کی پیشانی پر ظاہر نہیں ہوا ہے اور اس کی بارگاہ کی غلامی کی زنجیر جس کی جان وتن کی گردن میں ظاہر نہ ہو اس کے ساتھ نہ بیٹھے اور اس کے ساتھ آشنائی نہ کرے اور اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے، کیا کروں مجھے ایسا ہی پیدا کیا گیا ہے میں اپنے اختیار میں نہیں ہوں، محبت کے دیوانے جس جگہ محبوب کی بو پاتے ہیں جان فدا کرتے ہیں اور جس جگہ محبوب کا کوئی نشان نہیں دیکھتے اس جگہ سے سیکڑوں فرسنگ دور بھاگتے ہیں، جو شخص کہ اس ناکارہ کے ساتھ نشست و برخاست کی رغبت رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ ایسا ہو جائے ورنہ ناکارہ لوگوں کے ساتھ کیا دوستی اور کیسی نشست و برخاست۔ بارہا دل میں آتا ہے کہ کوئی گوشہ اختیار کر لے اور زمین کی تہ میں کوئی گڑھا پسند کر لے تاکہ جو لوگ مذکورہ اوصاف کے حامل نہیں ہیں نہ ان کو دیکھے اور نہ ان کی بات سنے۔

میرے مخدوم! اس وقت کہ اس نسبتِ شریفہ کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہے اور قیامت کے قرب اور ظلمات کے پے در پے آنے کی وجہ سے یہ نسبت علیہ روز بروز پوشیدہ ہوتی جا رہی ہے اور اس کے انوار چھپتے جا رہے ہیں اور اس کے اٹھانے والے لوگ کم ہو رہے ہیں اور سوائے اس کے کہ یہ شخص کسی گوشۂ تنہائی میں جا بیٹھے اور کوئی علاج نہیں رکھتا (۳۷) لیکن یہ بھی اس شخص کے اختیار میں نہیں ہے۔ یا اللہ! مجھ کو ان (حضرت مجدد الف ثانی) سے محبت کرنے والوں سے بنا دے اور ان سے محبت کرنے والوں کے دیکھنے والوں سے بنا دے کہ میں دوسری جماعت کے نظارہ کی طاقت نہیں رکھتا، **والسلام علیکم و علیٰ من لدیکم**

یہاں آپ کا مکتوب شریف ختم ہوا (اس مکتوب میں) معارف، اسرار اور و ارادت کی کثرت اور محبوبیتِ ذاتی، کمال انفعالی، قیومیت، اصالت، امامت، خلافت اور خلعتوں کے انوار پر اللہ سبحانہ کی حمد و ثنا ہے جو حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علٰی آلہٖ من الصلوٰۃ افضلھا و من تسلیمات اکملھا کے انعامات میں سے ہیں ان شاء اللّٰہ تعالٰی اس کتاب کے تیسرے باب میں اس کا ذکر کیا جائے گا کہ کس طرح (یہ سب خصائص) آپ کی ذات میں جمع ہو گئے وہ ذات دراصل عالی فطرت اور بلند استعداد کی مالک اپنے پیر بزرگوار کے حضور بالکل ناچیز تھی۔

حضرت خواجہ کو حضرت مجدد الف ثانی کے معارف اور مکاشفات کی جس قدر وسیع معلومات تھیں وہ آپ کے مکتوبات قدسی آیات سے عیاں ہے۔ ان میں سے حضرت خواجہ کا ایک مکتوب جو آپ نے اپنے برادرِ اصغر حقائق و معارف آگاہ جامع علوم ظاہر و باطن شیخ محمد یحییٰ قدس سرہ کو تحریر فرمایا تھا اس تقریب سے نقل کیا جا رہا ہے تاکہ فیضان احمدی (مجددی) کے سرشار جذباتِ معصومی کے ذریعہ اس نشۂ عرفان سے بہرہ ور ہو سکیں، وہ مکتوب آپ کے مجموعہ مکتوبات کی پہلی جلد کا ۱۸۰ مکتوب ہے، جو یہ ہے:

فتح

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی، میرے مخدوم آپ کے آخری مکتوب میں درج تھا کہ بالمشافہ بھی عالی حضرت (مجدد الف ثانی) کے بعض خاص معارف کا تذکرہ کیا جائے۔ مثلاً معارف توحیدی سے گزر جانے اور مقامِ جذبہ و سلوک سے اوپر جانے کو بے تکلف تسلیم و تصدیق کرتا ہے، اے عزیز! حضرتِ عالی قدس سرہ کے فضائل اور خصوصیات جن سے ان کو دوسروں پر فضیلت ہے جو کہ اس فقیر نے لکھی تھیں دوسرے امور ہیں کہ عقل و وہم کی آنکھ ان کے ادراک میں

خیرہ اور زبانِ خیال ان کے بیان سے عاجز ہے اور یہ کمال جو آپ نے
بیان کیا ہے ان کمالات و فضائل کی بلندی کے زینوں میں سے نیچے کا
ایک درجہ ہے بلکہ اس کمال کو جو کہ کمالاتِ ولایت میں سے ہے ان امور
کی نسبت جو کہ کمالات نبوت پر متفرع ہیں کوئی اعتبار (۳۸) و مقدار نہیں
ہے کاشکے سمندر کے ساتھ ایک قطرہ کی نسبت ہی رکھتا ہوتا، یہ کمال لائق
اظہار علوم کی قسم سے ہے۔ اور وہ امور ان اسرار میں سے ہیں جن کا
پوشیدہ رکھنا لازم ہے۔ ظاہر ہے کہ علوم کو اسرار کے ساتھ کیا نسبت ہے،
اور جو معاملہ کہ حضرت عالی قدس سرہ کی ولادت کے ساتھ وابستہ ہے وہ
جدا ہے اور جو اسرار و دقائق اور جو نازک باتیں آپ نے ذات و صفات
کے بارے میں لکھی ہیں اور عجیب و نادر تحقیقات و مقالات جو کہ بیان
فرمائے ہیں علیحدہ ہیں اور اصالت اور خاتم الرسل علیہ و علیہم و
علیٰ آل کل الصلوات والتسلیمات کی ولادت کی بقیہ مٹی سے
(حضرت مجدد الف ثانی کی) طینت کو خمیر کرنے کے معاملات خود کیا بیان
کرے اور عالی حضرت کی ولادت کا جو کہ محبت و محبوبیت ذاتی سے پیدا
ہوئی ہے کیا پتا و نشان دے، اور ہویت کے حقائق سے جو کہ آپ کے
ساتھ خصوصیت رکھتے ہیں اور وہ حقیقت بے انتہا رحمتوں کا مخزن ہے کہ
اس کا ایک چشمہ اس عالم میں پھیلا ہوا ہے اور دوسرا چشمہ دوسرے عالم
میں ذخیرہ ہو گیا ہے اور رحمٰن و ارحم الراحمین کی صفت بھی اس حقیقت سے
جاری ہوئی ہے اور انہوں نے تعین اول سے بھی ترقی ثابت کی ہے اور
دوسروں نے اس سے منع کیا ہے اور سیر و سلوک کی انتہا کو وہاں تک کہا
ہے اور اس کے اوپر مرتبہ اطلاق ولاتعین و ذات بحت تصور کیا ہے کہ سیر و
سلوک و علم و معرفت کو اس بارگاہِ قدس میں ناممکن سمجھا ہے۔ حضرت

مجددالف ثانی نے اس سے آگے گزر کر مراتب و تعینات ثابت کیے ہیں اور تعینِ اول کو اس سے کئی مرحلے اوپر لے گئے ہیں، خود لاتعین کا تو ذکر ہی کیا ہے اور حقیقتِ محمدی و حقیقتِ قرآنی و حقیقتِ کعبہٗ ربانی و حقیقتِ صلوٰۃ اور وہ حقیقت جو کہ ان حقائق سے اوپر ہے کہ حضرت عالی قدس سرہ (مجدد الف ثانی) کے بیان کے ساتھ ممتاز ہیں۔ آنجناب کے مکتوبات میں مذکور ہیں اور کمالات حقیقتِ محمدی و ولایتِ ابراہیمی و ولایتِ موسوی و ولایتِ احمدی و کمالاتِ انبیاء و خصوصیاتِ رسل و فضائلِ اولوا العزم اور ان بزرگوں میں سے ہر ایک کے مبادی تعینات اور خصوصیات حضرت روح اللہ (عیسیٰ علیہ السلام) و حضرت مہدیِ موعود و مبادیِ تعینات ملاء اعلیٰ و ولایت حضرت صدیق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ اور ان کا مبداء تعین جو کہ حضرت مجدد الف ثانی نے بیان فرمائے ہیں کہاں تک لکھے، **علیٰ نبینا و علیٰ سائر الانبیاء والملائکة الصلوات و التسلیمات و علی اتباعھم،** اور اسی طرح حقیقتِ صلوٰۃ کے واصلین کے قدموں کے فرق اور اس مقام میں انبیاء علیہم السلام کی فضیلت اور ان اکابر علیہم التحیات کی چار صفیں اور ان انبیائے کرام علیہم الصلوات کی خصوصیات کہ جن کے متبرک نام قرآن مجید میں مذکور ہیں اور یہ کہ آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام کو ان تمام مقامات پر فضیلت ہے اور نصیب کہ حضرت مجدد الف ثانی کو اس مقام سے ثابت ہے اور اس مقام سے حضرت مہدیِ موعود علیہ السلام کا جو نصیب ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کی اپنی اصالت و ولایت اور حضرت مہدی رضی اللہ عنہ کی اصالت کا منشاء (جائے ولادت) غرض کہ کہاں تک تشریح کی جائے (۳۹) اور حضرت مجدد الف ثانی نے مرض موت میں جو اسرار و دقائق

بیان فرمائے ہیں اور آنسرورِ عالم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے اہلِ بیت کے کمالات اور ان حضرات کے بارے میں اپنی بعض مناسب خدمات بیان کی ہیں کس طرح سے سمجھائے اور قیومیت کے حقائق اور مقامِ خلت کے دقائق اور محبت کے فضائل اور صباحت و ملاحت کے اسرار اور ان دونوں حسن کے امتزاج کا آپ نے مطالعہ کیا ہو گا اور آیاتِ مقطعات کے اسرار کہ جن کا کچھ اشارہ اوپر گزر چکا ہے ایک بے پایاں سمندر ہے جو کہ گفت و شنید میں نہیں آ سکے اور پوشیدہ طور پر آپ کے ساتھ ہی ختم ہو گئے۔

یہ جو آپ نے لکھا ہے کہ "اپنے مکشوفات کو عالی حضرت (مجدد الف ثانی) کے معارف کے برابر جانتا ہے" کلام عالی حضرت کے معارف کے سمجھے میں ہے بلکہ آپ کی نظر سے شیخ ابنِ عربی کی اصطلاح گزری ہے جو اس سے کئی مرحلے دور ہے ان کے ساتھ برابری تلاش کرنا محض خیال ہے جو کہ نادانی اور خام خیالی سے پیدا ہوا ہے، بہت سے نادان ہیں جو کہ جہلِ مرکب کی رو سے اپنے بعض واقعات پر اعتماد کر کے فاسد توہمات میں مبتلا ہو گئے ہیں اور لوگوں کو صحیح راستے سے ہٹا لیا ہے، وہ گمراہ ہیں پس وہ گمراہ کرتے ہیں وہ برباد ہیں پس دوسروں کو برباد کرتے ہیں، برابری تلاش کرنا ادراک کی قسم بلکہ تصور کی ایک فرع ہے جو کہ وقوع میں نہیں آیا ہے برابری کہاں اور مساوات کس سے:

شاید کوئی چوہا خواب میں اونٹ ہو گیا

یہاں آپ کا محبوب مکتوب ختم ہوا۔

بعض مستند اصحاب سے یہ سنا ہے کہ حضرت خواجہ کا یہ مکتوب بہت طویل ہے جو دلگداز مقدمات اور جاں نواز اسرار پر مشتمل ہے لیکن حضرت مروج شریعت جن کا نام

شیخ محمد عبید اللہ جی ہے اور جو آپ کے تیسرے صاحبزادے ہیں جن کے عالی شان حالات اس کتاب کے ساتویں باب میں ان شاء اللّٰہ بیان کیے جائیں گے اور جو آپ کے مکتوباتِ قدسی آیات کی جلد اول کے جامع (مرتب) بھی ہیں نے کسی مصلحت کی بنا پر یہ مکتوب بس اتنا ہی نقل کیا ہے، اور نیاز مندوں کو اس سے خبردار کیا ہے بلکہ یہ مکتوب تو ہر لحاظ سے ایک موج زن سمندر ہے جس کے شناوروں کو اس میں سے معانی حاصل ہوتے ہیں اور اس کی ہر سطر جواہر کا شہر ہے کہ حسنِ مجددی کا نظارہ کرنے والوں کو اپنی آنکھوں اور دل کو انہی برکاتِ معصومی سے لطف اندوز کرنا چاہیے بلکہ اسرارِ مجددی کی اس قدر زیادہ اطلاع رکھنا آپ کا (۴۰) خاصہ ہے اور کمالاتِ تجدید میں شرکت بھی آپ ہی کا خاصہ ہے۔

اب میں اپنے وعدۂ حسنہ کو پورا کرنے کی غرض سے حضرت مجدد الف ثانی کے بعض وہ اسرار جو آپ نے تحریر نہیں فرمائے ہیں لیکن حضرت خواجہ سے آپ نے ان کا اظہار فرمایا ہے، بیان کروں گا، لیکن پہلے میں یہ بتا دوں کہ حضرت مجدد الف ثانی کے معارف پانچ اقسام میں منقسم کیے گئے ہیں:

قسمِ اول وہ معارف جو آپ نے واضح الہام کے مطابق اپنے مکتوبات اور رسائل میں تحریر فرمائے ہیں۔

قسمِ دوم وہ معارف جو احاطۂ تحریر میں تو نہیں آ سکے لیکن آپ نے اپنے فرزندان گرامی اور نیاز مندوں سے بیان کیے ہیں۔

قسمِ سوم آپ کے وہ خاص معارف جو آپ نے صرف اپنے فرزندان گرامی سے ہی بیان کیے مگر اپنے خلفاء کو بھی ان سے آگاہ نہ فرمایا۔

قسمِ چہارم وہ معارف جو آپ نے خلوت میں صرف حضرت خواجہ سے بیان کیے۔

قسمِ پنجم ایسے معارف جو آپ نے کسی سے بیان نہ کیے اور وہ آپ کے ساتھ ہی

چلے گئے اور کسی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا (لیکن ان میں سے بعض) ایسے ہیں۔ جو سینہ بہ سینہ حضرت خواجہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے دوسرے فرزندانِ گرامی تک پہنچے ہیں۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی قدس سرہ نے اپنے اس شعر میں اس طرف اشارہ کیا ہے:

ز عرفاں گرچہ صد دریا رواں کرد یکی گفت و صد دیگر نہاں کرد

(اس طرح اس پوری نظم) میں آخر تک جو کچھ انہوں نے کہا ہے، (مطالعہ کیجیے)

لیکن وہ اسرار جن کا پوشیدہ رکھنا واجب تھا اور جو حضرت خواجہ سے آپ نے بیان فرمائے ہیں وہ مقطعات قرآنی کی تاویلات سے متعلق ہیں جو راسخ العقیدہ علماء کے نصیب میں آئی ہیں (ان میں سے) حرف مبارک قٓ کے مفصل معنی آپ نے بتائے ہیں۔

منقول ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ کی استدعا پر حضرت مجدد الف ثانی نے حجرہ مقدسہ کا (دروازہ بند کر کے) وہ اسرار جن کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے بیان کرنا شروع کیے تو معرفت دستگاہی، واقف اسرارِ الٰہی خواجہ محمد ہاشم کشمی قدس سرہ جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کے اکابر خلفاء، محرمِ راز اور صاحبِ دل نواز بھی تھے اس وقت اپنے کان کو دروازے کے تختے کے سوراخ کے ساتھ لگایا اور اس مبارک کلام کو سننے کے شوق سے (کچھ سننے کی کوشش کی تو) جونہی ان کے کان میں آواز داخل ہوئی وہ بے ہوش ہو کر (۴۱) گر پڑے اور تین دن تک انہیں اس جہان کا شعور نہ رہا، ان اسرار کے بیان سے فراغت ہوئی تو حضرت مجدد الف ثانی حضرت خواجہ کے ساتھ جب اس حجرۂ منورہ سے باہر تشریف لائے تو خواجہ کشمی کو اس حالت میں دیکھ کر حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ حضرت نے چھپ کر اسرار سنے اور مجذوبیت کی برکات سے (مالا مال) ہو گئے، خواجہ بالآخر ہوش میں آئے اور ان اسرار کے ذوق سے سرشار ہوئے حضرت خواجہ محمد معصوم نے بھی ایسا ہی فرمایا۔

حضرت خواجہ نے اپنے مکتوب نمبر ۲۳۶ [۱] جلد اول بنام فرزند ثانی خود خواجہ محمد نقشبند ملقب بہ حجۃ اللہ میں جو کہ خود صاحبِ اسرار و معانی تھے (حروف) مقطعات بیان فرمائے ہیں (یہ مکتوب) مختصر ہونے کے باوجود بہت سے عظیم اسرار کا حامل ہے اس لیے پورا مکتوب نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی، حضرت پیر دستگیر (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالٰی عنہ مخدوم زادۂ کلاں خواجہ محمد صادق علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی کے ایام میں ایک روز فرمایا کہ سابقین کے گروہ میں کہ جن کی شان میں حضرت حق سبحانہ نے (فرمایا ہے) (ترجمہ) ''ایک گروہ قرونِ اولی کے حضرات میں اور کچھ آخری زمانہ کے حضرات میں سے'' (کے مطالب پر) میں نے غور کیا تو اپنے آپ کو اس جماعت میں دیکھا اور اپنے منتسبین میں سے بھی ایک شخص کو اس مقام میں اپنے ساتھ پایا اور اس کی مثل متشابہات کے اسرار میں بھی اس مخدومزادہ (خواجہ محمد صادق قدس سرہ) کے رحلت فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ متشابہات معاملات سے کنایہ میں جائز ہے کہ کسی شخص کو معاملہ حاصل ہو اور اس معاملہ کے متعلق علم نہ ہو اس معنی کو اپنے منتسبین میں سے ایک فرد میں مشاہدہ کیا ہے تو پھر دوسروں کو تو کیا پہنچتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے:

سعادت ہا ست اندر پردۂ غیب — نگہ کن تا کرا ریزند در جیب

پردۂ غیب کے اندر بہت سی سعادتیں ہیں، دیکھئے کہ کس کی جیب میں ڈالتے ہیں۔

سب تعریف اللہ تعالٰی کے لیے ہے جس نے ہم سے غم کو دور کیا بے شک

---

[۱] مروجہ و مطبوعہ مکتوبات معصومیہ میں یہ مکتوب نمبر ۲۳۱ ہے۔

ہمارا رب غفور و شکور ہے۔ والسلام

اس مکتوب میں فردِ منتسب سے مراد حضرت خواجہ محمد معصوم کی ذاتِ مبارک ہے۔ کہ آپ نے نہایت ادب کے ساتھ اپنے پیر اور والدِ بزرگوار کے حضور اپنا تذکرہ اسی عبارت (۴۲) میں فرمایا ہے، یہاں اس سے مراد حضرت خواجہ ہی ہیں۔ مکتوبات قدسی آیات خواجہ محمد معصوم کا اتباع کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ آپ اپنے بارے میں بلند بشارات اور اشاراتِ ارجمند اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

ایک روز مجھے اپنے والد و مرشد سے یہ بات سننے کا اتفاق ہوا کہ آپ نے فرمایا کہ حرف مبارک قٓ کی حقیقت بتائی کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان تمام حروف کے معانی سے آگاہ تھے اس حرف قٓ کے بارے میں بتایا کہ اس کی تمام تر مناسبت "قیومیت" سے ہے بلکہ قیومیت کے تمام کمالات اس حرف کے سرچشمہ کے تابع ہیں اور حضرت خواجہ کو منصب قیومیت سے گویا کامل مناسبت تھی۔ کہ حضرت خواجہ نے اپنی آخری عمر مبارک میں اس بشارت کی طرف اشارہ فرمایا تھا اور وصال سے پہلے آپ نے اس کے اسرار سے آگاہ کر دیا تھا۔

اب حضرت مجدد الف ثانی کے ان مکاشفات کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو حضرت خواجہ نے بیان فرمائے ہیں اور سچا اعتقاد رکھنے والے مریدین کے لیے فرحت بخش ہے اور وہ اصحاب جو زمانہ کی تلخیاں جھیل رہے ہیں انہیں بھی ادائے شکر کا موقع فراہم ہو، (ان مکاشفات کو) آپ نے اپنے مکتوبات کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۲۲۸ میں جو حضرت شیخ محمد اشرف قدس سرہ جو کہ عالم، فاضل اور ولی کامل تھے کے نام ہے، تحریر فرمایا[1] ہے:

قٓ

(آیۃ کریمہ ہے) (ترجمہ) یہ ہماری کتاب تمہارے متعلق سچائی کے ساتھ

---

[1] مروجہ متن مکتوبات معصومیہ میں یہ جلد اول کا مکتوب نمبر ۲۲۹ ہے

بول رہی ہے بے شک جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم اس کو لکھوا لیتے تھے۔

علمائے کرام اس لکھنے سے فرشتے کا لکھنا مراد لیتے ہیں اور اسناد کو مجازی کہتے ہیں ہمارے عالی حضرت (مجدد الف ثانی) فرماتے تھے کہ میں ایک مرتبہ اس آیۃ کو بار بار پڑھ رہا تھا دل میں آیا کہ حق سبحانہ وتعالیٰ لکھنے کی نسبت کو اپنی مقدس ذات کی طرف فرماتا ہے اس کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں، مشہود ہوا کہ اس مرتبۂ مقدسہ میں بھی فرشتے کے لکھنے کے علاوہ ایک اور استنساخ (لکھائی) ثابت ہے، اس فقیر (خواجہ محمد معصوم) نے عرض کیا کہ کیا اس مرتبہ عالی کا استنساخ بعض اشخاص کے ساتھ مخصوص ہے یا عام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مخصوص حضرات کے ساتھ مخصوص ہے ان کے اور حضرت حق سبحانہ کے درمیان بعض ایسے امور گزرتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نہیں چاہتا کہ فرشتے کو بھی اس کی اطلاع ہو: (ترجمہ) ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے یہ عنایت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت زیادہ فضل والا ہے،'' ممکن ہے کہ یہی راز ہو جسے کہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ بعض خواص سے اپنے کرم کے ساتھ کاتبین کرام کو دور رکھتا ہے، عالی حضرت (مجدد الف ثانی) کو اپنے بارے میں ایسا ہی الہام ہوا تھا اور اس طرح حق سبحانہ وتعالیٰ نے آیۃ کریمہ میں توفی (جان قبض کرنے) کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (ترجمہ) ''اللہ تعالیٰ نفسوں کو ان کی موت کے وقت قبض کرتا ہے،'' حالانکہ جان قبض کرنے والا ملک الموت ہوتا ہے جیسا کہ اس بارے میں دوسری آیۃ بھی دلالت کرتی ہے یا یہ قیاس ہے کہ بعض خواص کے لیے (جان کا قبض کرنا) مذکورہ فرشتے کے توسط سے بعض خواص کے لیے آیا ہے تو اس کا ادنی تاویل وتوجیہ کے ساتھ (۴۳) اس معنی پر معمولی

ہونا ممکن ہے نہ کہ مباشرہ کے طور پر اور وہ تاویل یہ ہے کہ بعض کاملین کی وفات کے وقت فرشتے کے حضور پر محمول ہو نہ کہ وفات دینے کے اسباب کو اس کے فعل پر حمل کیا جائے، اس میں خوب غور کیجیے۔

حضرت مجدد الف ثانی کا ایک اور مکاشفہ جس میں حضر خواجہ کے فرزند اکبر شیخ محمد صبغۃ اللہ کے بارے میں یہ بشارت تحریر ہے کہ ان کی دنیا کو آخرت میں بدل دیا گیا ہے اس کا تذکرہ مکتوبات معصومیہ کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۱۹ میں ہے جو حافظ عبدالرشید کے نام ہے، فرماتے ہیں:

بسم اللّٰہ و سلام علٰی رسول اللّٰہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مرقوم ہے کہ کوئی شخص مرتا ہے اور اس پر بندوں کے حقوق میں سے کوئی حق مثلاً قرض وغیرہ ہوتا ہے تو (فرشتے) اس کی روح کو آسمان کے اوپر نہیں لے جاتے اور جب تک اس میت کی جانب سے حقوق کی ادائیگی نہ ہو جائے اس کو اوپر چڑھنے سے روک دیا جاتا ہے اور جب حقوق ادا ہو جاتے ہیں تو اس بندش سے نجات مل جاتی ہے، ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بارے میں بہت فکر مند رہتے تھے آخر کار اللہ جل شانہ کے فضل و کرم سے آپ پر اس طرح منکشف ہوا کہ یہ حکم اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جس کی روح کو اس دار فانی میں عروج (ترقی) واقع نہیں ہوا لیکن اللہ جل شانہ کے فضل سے دار دنیا میں ان تعلقات کے باوجود اس کی روح کو عروج ہوا تو موت کے بعد بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مرضی سے اس کو عروج حاصل ہوگا بخلاف اس شخص کے جو (روحانی ترقی) سے محروم اور اس دنیا کا گرفتار رہا۔ اس کی ترقی وفات کے بعد ان تعلقات سے رہائی حاصل کرنے پر موقوف ہے۔ والسلام

اس مکاشفہ کی مناسبت سے حضرت خواجہ کا ایک اور مکاشفہ تحقیق قبر، برزخ صغریٰ اور حضرت مجدد الف ثانی کے روضۂ مقدسہ کے فضائل کے بارے میں ہے جسے آپ نے اپنے مکتوبات کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۷۰ بنام ملا محمد افضل بن ملا بدر الدین سرہندی میں بیان فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

فتح

بسم اللّٰہ العظیم و مصلیا علٰی رسولہ الکریم و آلہٖ اجمعین

نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی حدیث شریف (۴۴) میں درج ہے کہ **اَلْقَبر رَوْضَة مِنْ ریاض الجنة** (قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) بظاہر قبر کے باغ ہونے سے مراد یہ ہے کہ جو پردہ اور مسافت بقعۂ قبر اور جنت کے درمیان واقع ہے دور ہو جاتی ہے اور ان دونوں مقامات کے درمیان کوئی پردہ اور رکاوٹ باقی نہیں رہتی گویا زمینِ بقعۂ قبر کو جنت کے ساتھ فنا و بقا حاصل ہو جاتی ہے، پس سمجھ لیں اور یہی مفہوم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے بھی ہیں **مَا بَیْنَ قَبْرِی و مِنْبَرِی روضةُ مِنْ رِیَاضِ الجَنُة** (میری قبر اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے) جاننا چاہیے کہ اس طرح کا باغ مخصوص ترین حضرات کے لیے مخصوص ہے۔ جو ہر مومن کو میسر نہیں ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ جب مومنوں کی قبریں ایک طرح کی صفائی اور نورانیت پیدا کر لیتی ہیں تو ان میں اس بات کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ جنت کا عکس ان قبروں پر منعکس ہو جائے اور صفائی حاصل کیے ہوئے آئینہ کی طرح ہو جائیں۔

پوشیدہ نہ رہے کہ ہمارے حضرت مجدد الف ثانی کو بھی کو سرورِ دین و دنیا علیہ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کے غایت درجہ کے اتباع کی وجہ

سے یہ بشارت دی گئی تھی کہ روضۂ متبرکہ جس میں آنجناب کی قبر مبارک ہے اور اس روضہ مقدسہ کا صحن قدیم جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے، حضرت مجدد الف ثانی فرماتے تھے کہ مجھے یہ بشارت دی گئی ہے کہ اگر اس مبشرہ روضہ کی مٹی کی ایک مٹھی کسی شخص کی قبر میں ڈال دیں تو بہت بڑی امیدیں ہیں، لہٰذا جو شخص اس روضہ میں دفن ہوا اس کے لیے کیا بشارت ہو گی۔ اَلحَمدُ لِلّٰہ رَبِّ العَالَمِینَ والصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِہٖ مُحَمَّد وَ آلِہٖ اَجمَعِینُ۔

اللہ جل شانہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ کے محبوں کی محبت میرے سینے اور تمام متعلقین خصوصاً میری بیوی اور میرے بیٹے میں زیادہ کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے مجھے ان حضرات شیخین کے روضوں میں دفن ہونا نصیب ہو، آمین۔

اس کتاب کی تصنیف کا مقصد حضرت خواجہ کا ذکر (اس طریقے سے کرنا) ہے کہ ہر طالب کے حسب حال ہو اور جو سعادت کے درجات تک لے جانے کا باعث ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی کا ایک اور عالی معرفت مکاشفہ حضرت خواجہ نے اپنے فرزند بزرگ شیخ محمد صبغۃ اللہ کے نام اپنے مکتوب نمبر ۱۹۶ جلد اول میں درج فرمایا ہے، جو یہ ہے:

نفع

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَام عَلٰی عِبَادِہِ الذِین اَصطفٰی حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات کی جلد ثانی (۴۵) کے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے کہ مقام رضا کے اوپر کوئی اور مقام نہیں ہے مگر خاتم الرسل علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہے۔ یہ معرفت حضرت مجدد الف ثانی کے ابتدائی (زمانے) کے معارف میں سے ہے اس کے بعد فرماتے تھے کہ

میں ایک مرتبہ انبیاء علیہم الصلوٰت پر درود بھیج رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ انبیاء علیہم السلام اجمعہم نے اپنے مقام سے عروج فرمایا اور ان بزرگوں میں سے ہر ایک چند واسطوں کے ساتھ اس مقام کے ساتھ جا ملا جو کہ مقام رضا سے اوپر تھا اور سرور دین و دنیا علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مقام پاک عروج فرمایا جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی متابعت کے ساتھ وابستہ تھا اوراس بزرگ مقام سے جا ملے۔ **اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ۔**

(اس کے علاوہ) حضرت خواجہ نے اپنے مکتوب ۲۳۰ جلد اول[۱] بنام شیخ محمد صبغۃ اللہ میں حضرت مجدد الف ثانی کا یہ مکاشفہ بھی تحریر کیا ہے:

فتح

الحمد للّٰہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، عالی حضرت متعالی منقبت (حضرت مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ میں ایک روز فجر کے حلقہ میں بیٹھا تھا کہ ایک قسم کی خاص فنا ظاہر ہوئی اور جو تعین کہ میں رکھتا تھا زائل ہونے لگا۔ اور اس مشاہدہ نے طول کھینچا یہاں تک کہ میں اسی روز کی نماز عصر میں بیٹھا تھا میں نے دیکھا کہ امام ہمام حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے تمام شاگردوں کے ساتھ بلکہ ان تمام علماء و مجتہدین کے ساتھ جو کہ ان کے مذہب میں ہیں میرے گرد جمع ہو گئے اور مجھے گھیر لیا اور حضرت امام کے بعض اساتذہ مثلاً حضرت ابراہیم نخعی وغیرہ بھی اس وقت دیکھے، میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا ان سب کے انوار مجھ میں آ گئے اور میں نے ان انوار کے ساتھ تعین اور بقا پائی اور پوری طرح ان اکابر کے انوار کے ساتھ متجسم ہو گیا۔ یہ مکاشفہ تو یہاں

---

[۱] مروجہ مطبوعہ مکتوبات معصومیہ میں یہ مکتوب نمبر ۲۳۱ ہے۔

ختم ہوا، اس واقعہ کے دو تین روز کے بعد آپ نے فرمایا کہ جیسا کہ تعین و بقا علمائے حنفیہ کے ساتھ ہوا تھا اسی قسم کا تعین و بقا علمائے شافعیہ کے ساتھ بھی متحقق ہوا چنانچہ میں نے دیکھا کہ امام شافعی اپنے مذہب کے تمام علماء و مجتہدین کے ساتھ میرے گرد جمع ہیں محسوس ہوا کہ علمائے حنفیہ مجھ سے باہر آ گئے اور اس وقت علمائے شافعیہ کے انوار کے ساتھ متحقق ہو گیا جیسا کہ پہلے علمائے حنفیہ کے انوار کے ساتھ متحقق ہوا تھا، اس کے بعد مشہود ہوا کہ جو کچھ مجھے سے چلا گیا تھا یعنی انوار حنفیہ پھر مجھ میں عود کر آئے ہیں، اس طرح میں ان دونوں فریق میں سے ہر ایک کے انوار کے ساتھ متحقق ہو گیا اس لحاظ سے اگر حضرت مجدد الف ثانی کو حنفی الشافعی کہیں تو گنجائش ہے، فرماتے تھے کہ اس وقت ایسا معلوم ہوا (۴۶) کہ حق ان دونوں اماموں کے باہر نہیں ہے اگر حنفی سے کسی جگہ حق رہ گیا ہے تو امام شافعی نے لے لیا ہے اور امام شافعی سے آگے نہیں بڑھا اس معنی کو کامل مبالغہ کے ساتھ فرماتے تھے اور نیز فرماتے تھے کہ حق سے دو تہائی یا تین چوتھائی حق امام اعظم کے ساتھ مسلم ہے اور ایک تہائی یا ایک چوتھائی امام شافعی کے ساتھ ہے۔ والسلام عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

حضرت خواجہ نے اپنے مکتوب نمبر ۱۹۰ جلد اول میں جو کہ مخدوم زادہ عالی درجہ صاحب اسرار و یقین کے نام ہے، حضرت مجدد الف ثانی کا ایک اور مکاشفہ تحریر کیا ہے:

> اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک مرتبہ چاشت کی نماز پڑھ رہا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی بلا میرے سینہ سے نکلی اور اس کا آشیانہ بھی اس جگہ سے باہر کر دیا گیا

اور جو ظلمات کہ اس کے اِردگرد تھیں وہ بھی دور ہو گئیں اور سینہ کو ایک عجیب انشراح حاصل ہوا، اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ (بلا) وسواس خناس تھا کہ قرآن کریم میں جس کے شر سے پناہ مانگنے کا امر فرمایا ہے جو خطرات و وساوس کے دین کے اصول میں پیدا ہوتے ہیں ان کا منشاء یہی خناس ہے جو کہ سینہ میں آشیانہ رکھتا ہے اور ہر وقت نیش زنی کرتا رہتا ہے اور کمال درجہ کا شرح صدر اس کے دور ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد آپ نے فرمایا کہ میں حلقہ میں قرآن پاک سن رہا تھا میں نے دیکھا کہ سننے کے دوران بعض نامناسب وساوس میں نے اپنے اندر پائے میں نے استغفار کیا اور حیران ہوا کہ خناس جو زائل ہو چکا تھا شاید پھر لوٹ آیا ہے، میں نے دیکھا کہ سینہ اسی صفائی و لطافت کے ساتھ ہے اس کے بعد ظاہر ہوا کہ یہ خناس سینہ کے خناس کے علاوہ ہے اور اس کا آشیانہ قلب میں ہے، میں اس کے دور کرنے کے لئے متوجہ ہوا، میں نے دیکھا کہ یہ خناس بھی بالکل قلب سے باہر نکل گیا۔ انتھی مکتوب رضی اللہ عنہ

حضرت خواجہ نے اپنے مکتوب نمبر ۴۵ جلد اول میں بنام شاہ خواجہ، حضرت مجدد الف ثانی کا ایک اور مکاشفہ بیان کیا ہے، لکھتے ہیں:

فتح

بسم اللہ حامداً و مصلّیاً ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے غضب کا دائرہ ظاہر ہوا اور اس دائرہ میں سیر واقع ہوئی، اللہ تعالیٰ کے صفاتی و ذاتی غضب کے اقسام اور جل سلطانہ کے طرح طرح کے

انتقامات اس مقام پر مطالعہ کیے گئے اور یہ سیر بہت طویل ہوگئی، اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اس دائرہ سے باہر آ گیا اور اس مقام میں سیر واقع ہوئی جو اس مقام سے زیادہ بلند تھا، میں اس مقام کے طے کرنے کے در پے ہوا جب میں نے دیکھا تو معلوم ہوا (۴۷) کہ یہ سیر اللہ جل شانہ کی شان استغنا میں ہے، اللہ تعالیٰ کے ذاتی و صفاتی استغنا کی اقسام اس مقام میں نظر آئیں اور عجیب و غریب امور اس مقام میں دیکھے گئے اس کے بعد اس مقام سے اوپر سیر واقع ہوئی اور معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ و تقدس کی رحمت و رافت کا مقام ہے اس مقام میں جمال صرف کا ظہور ہے کہ جس کے ساتھ جلال کی کچھ بھی آمیزش نہیں ہے اور غضب و بے انتقام و استغنا کا کوئی رنگ اس جگہ نہیں پایا گیا اور جس قدر میں نے جستجو کی عفو و درگزر و رحمت و مغفرت کے سوا کچھ نہیں پایا گیا اور ان تینوں مقامات میں سے ہر ایک میں مختلف مقامات ظاہر ہوئے اس کے بعد اس مقام سے اوپر جہاں تک اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے چاہا سیر واقع ہوئی، ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) قدس سرہ نے دو اشخاص کے بارے میں فرمایا کہ آپ کو غضب کے دائرہ سے نکال دیا گیا ہے، ترقی کے منتظر رہیں۔ والسلام۔ آپ کا کلام ختم ہوا۔

اس مکتوب میں مرقوم دو اشخاص سے مراد حضرت خواجہ محمد معصوم کی ذات مبارک اور آپ کے بڑے بھائی قبلۃ العلماء الراسخین قدوۃ العرفاء المحققین حضرت شیخ محمد سعید رضی اللہ تعالیٰ عنهما وقدس اسرار هما ہیں۔

اب حضرت خواجہ محمد معصوم قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کا ایک اور مکاشفہ جو آپ نے اپنے مکتوب نمبر ۲۰۸ جلد اول میں تحریر فرمایا ہے، یہ مکتوب

---

۱ یعنی ۱۰۶۳ھ

محمد یوسف خادم کے نام ہے، ملاحظہ ہو:

فتح

بسم اللہ حامداً و مصلّیاً، ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بعض ظاہری تفرقوں سے جو کہ باہم زندگی بسر کرنے اور مل کر اپنے لیے لازم ہے تنگ آ گئے تو خلوت و گوشہ نشینی کا قصد کیا، فرماتے تھے کہ میں نیت کی تصحیح اور جگہ کے تعین کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا اور تضرع کر رہا تھا کہ اس اثنا میں اس طرح ظاہر کیا گیا کہ اچھا اور پسندیدہ اور سب سے مناسب و لائق وہی طریقہ ہے کہ جس پر تو ہے نہ کہ گوشہ نشینی وخلوت گزینی، اس دوران سرہند پر نظر پڑی، میں نے دیکھا کہ گویا یہ مقام ایک گہرا کنواں ہے اس کنوئیں سے کوئی چیز باہر نہیں گرتی پس سمجھ لیں۔ والسَّلام عَلیٰ سَیِّدِ الاَنام و آلہٖ! و صَحبہ العُظام۔

اکثر مکاشفات و معاملات عالی قدر اس قسم کے ہیں کہ ان سے آپ کے حق میں بشارات حاصل ہوتی ہیں، اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ دقیق ہونے کی وجہ سے آپ نے خود ان کی شرح کی ہے۔ جو آپ کے مکتوبات قدسی آیات میں مندرج ہے، ان شاء اللہ اس کتاب کے اگلے ابواب اور متعلقہ مقامات پر درج کیے جائیں گے......

کوئی کوتاہ اندیش یہاں یہ خیال نہ کرے کہ حضرت مجدد الف ثانی (۴۸) کے مکاشفات صرف اتنے ہی ہیں جو یہاں بیان کیے گیے ہیں یا جن کا ذکر کیا جائے گا، بلکہ آپ کے مکاشفات حضرت خواجہ نے (بصورت رسالہ) قلم بند کر کے مخلصان خاص پر جلوہ گر کر دیے ہیں......... جو وادی ضلالت کے گمراہوں کو سیدھے راستے پر لائے ہیں...... اگرچہ حضرت مجدد الف ثانی مکتوبات کے تینوں دفتر اور سات رسائل اور مقامات (زبدۃ المقامات و حضرات القدس) کی دونوں جلدیں آپ کے معارف سے بھری پڑی ہیں، اگر آپ کے مکاشفات کے تفصیلی مطالعہ کا شوق ہو تو ان مذکورہ

کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

(حضرت مجدد الف ثانی) کے مکتوبات کی پہلی جلد مخدومی مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی نے جمع کی، دوسری جلد خواجہ عبدالحی حصاری نے اور تیسری جلد خواجہ ہاشم کشمی قدس سرہ نے مرتب کی ہے، پہلی جلد کا نام اور تاریخ اختتام ''درالمعرفت'' ہے، دوسری جلد کا نام مع تاریخ تکمیل ''نور الخلائق'' ہے، تیسری جلد کا نام ''بحرالمعارف [ا]'' اور اس کی تاریخ جمع لفظ ''ثالث'' سے برآمد ہوتی ہے۔

آپ کے سات رسائل جو کہ ساتوں آسمانوں کو زینت بخشنے اور ساتوں زمینوں کو منور کرنے والے ہیں کے نام جدا جدا ہیں، سعادت کے حصول کے لئے ان کے نام لکھ رہا ہوں:

مبداء و معاد، معارف لدنیہ، مکاشفات غیبیہ، رد شیعہ، اثبات نبوت، اپنے پیر بزرگوار حضرت خواجہ بیرنگ موید الدین رضی خواجہ محمد باقی قدس سرہ کی رباعیات کی شرح، اور رسالہ تہلیلیہ، ان میں سے مکاشفات غیبیہ حضرت خواجہ محمد معصوم نے اور مبداء و معاد خواجہ محمد صدیق بدخشی نے جمع کئے ہیں یعنی ان حضرات نے ان رسائل پر خطبات کا اضافہ کیا ہے ورنہ اصل رسائل کے متن اول سے آخر تک خود حضرت مجدد الف ثانی کی تصنیف ہیں اور آپ کے مقامات پر دو جلدیں ہیں ایک خواجہ محمد ہاشم کشمی قدس سرہ نے زبدۃ المقامات کے نام سے تالیف کی ہے اور دوسری جلد ملا بدر الدین سرہندی نے مرتب کر کے حضرت القدس کے نام سے موسوم کیا ہے۔

آپ کے سات (مذکورہ) رسائل میں سے دو رسالے یعنی رسالہ تہلیلیہ اور رسالہ اثبات نبوۃ فصیح عربی میں تصنیف ہوئے ہیں۔

آپ کی یہ مذکورہ کتب جو کہ علوم شرعیہ اور اسرار یقینیہ کے مطابق الہامات صحیحہ پر

[ا] یہاں مولف مقامات معصومی کو سہو ہوا ہے جلد سوم کا نام بحر المعارف نہیں بلکہ ''معرفۃ الحقائق'' ہے (رک تعلیقات ۴/۴۸/ ۱۲)

مشتمل ہیں، سعادت مندوں کو راہ نجات دکھاتے ہیں۔

(۴۹) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسالہ مبداء و معاد میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

یا الٰہی! یہ کیا بات ہے کہ تو نے اپنے اولیاء کے باطن کو آب حیات بنا رکھا ہے؟ کہ جس نے ایک قطرہ چکھا اسے حیات ابدی نصیب ہوگئی اور ان کے ظاہر کو زہر قاتل بنا رکھا ہے کہ جس نے اس کو دیکھا وہ ابدی موت مر گیا۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کا باطن رحمت اور ان کا ظاہر رحمت ہے ان کے باطن کو دیکھنے والا انہیں میں سے ہے اور ان کے ظاہر کو دیکھنے والا بدکیش ہے بظاہر جو ہیں اور حقیقت میں گیہوں بظاہر عوام بشر ہیں اور بہ باطن خواص ملک ظاہر میں زمین پر ہیں اور حقیقت میں آسمان پر، ان کا ہم نشین بدبختی سے بچا ہوا ہے اور ان کا غمخوار سعادت مند ہے یہ لوگ گروہ الٰہی ہیں اور یہی لوگ اہل نجات و فلاح ہیں۔ **وَ صلّی اللّٰه تَعالٰی عَلٰی سَیدنَا مُحَمَّدٍ و آلِه! وَسَلَّم۔**

اس سعادت انجام کلام کی طوالت کا مقصد خوش قسمت ہوشمند قارئین پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ اس کتاب میں حضرت مجدد الف ثانی کے معارف و مکاشفات صرف اس قدر نقل کیے گئے ہیں جو حضرت خواجہ نے درج کیے ہیں بلکہ اگر طوالت کے خوف سے اس میں سے کچھ رہ گیا ہو تو یہ تعجب کی بات نہیں ہے ....

میرا حال (۵۰) تو اس مصرع کی مانند ہے:

ورقی دفریست معرفت کردگار

(اس کے باوجود) مجھے تسلی نہیں ہوتی اگر تفصیل سے بیان کروں تو ہر باب (مفتاح) ایک جداگانہ جلد بن جائے ....

جاننا چاہیے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے والد بزرگوار اور پیر عالی مقدار کی طرح اپنے مکتوبات بھی تین مجلدات (میں مرتب کروائے) ہیں۔ اور یہ ہر جلد (دراصل) مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی مشکلات (مغلق مقامات) کی شرح ہے۔

(مکتوبات معصومیہ) کی جلد اول مخدوم زادۂ ثالث خدا آگاہ واقف اسرار لی مع اللہ شیخ محمد عبیداللہ قدس سرہ نے جمع فرمائی اور اس کا نام "درۃ التاج" رکھا ہے اور اس کی تاریخ تکمیل "جمع کمالات نبوۃ [1]" سے اخذ کی ہے...... مکتوبات کی دوسری جلد میر شرف الدین ہروی سرہندی نے مرتب کی اس جلد کا نام اور تاریخ اختتام "وسیلۃ السعادۃ" کے الفاظ سے برآمد ہوتی ہے، انھوں نے اس نسخہ مبارک کے خطبے میں جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے دو شعر نقل کر رہا ہوں:

نامش بہ عقیدت و ارادت گفتیم "وسیلۃ السعادت"

(۱۰۷۳ھ)

پرسند اگر ز سال اتمام ہم باز تواں شناخت از نام

(مکتوبات معصومیہ کی) تیسری جلد حاجی محمد عاشور بخاری نے مرتب کی اور اس کے نام "مکاتبات قطب زمان" سے (اس کا سال ترتیب) اخذ کیا (۱۰۷۳ھ)

(ان کے علاوہ) حضرت خواجہ نے فن حدیث پر بھی دو رسالے مرتب کیے ہیں۔

ایک روز اس کتاب میں اس مفتاح کی تحریر کے دوران دل میں آیا کہ یا مجھے معلوم نہیں ہے کہ شاید میری زبان پر بھی آیا کہ حضرت خواجہ نے اپنے والد بزرگوار کی سنت کے مطابق اپنے مکتوبات کی بھی تین جلدیں تالیف کیں لیکن ان کی طرح سات رسائل نہیں لکھے اس کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ کہ اچانک حضرت خواجہ کے تصرف سے یہ شاندار نکتہ زبان پر آیا کہ اس مقام پر حضرت خواجہ نے حضرت مجدد الف ثانی کے ادب کو ملحوظ رکھا ہے اور آپ نے سات رسائل تصنیف نہیں کیے......

---

[1] یعنی ۱۰۶۳ھ

مفتاح دوم

حضرت خواجہ محمد معصوم کی ظاہری ولادت، ابتدائی حالات، تحصیل علم دینی، اور استفادۂ یقینی، مرتبۂ کمال و اکمال پر فائز ہونے سے لے کر حضرت مجدد الف ثانی کے وصال تک اور اس کی مناسبت سے دیگر امور

(۵۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، (ترجمہ) ''جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے اور لوگوں کو تم دیکھو کہ اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے ہیں تو اپنے رب کی ثناء کرتے ہوئے اس کی پاکیزگی بیان کرو اور اس سے بخشش مانگو، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔''

اللّٰھم صَلِ وسلم عَلٰی اسعد العرب والعجم صاحب التَاجِ والبُراقِ وَالعَلم .... بَعَدد کل ذرّۃ الف الف مرۃ.........

پوشیدہ نہ رہے کہ (۵۲) حضرت خواجہ محمد معصوم **رضی اللہ تعالیٰ عنہ** کی ولادت باسعادت بستی ملک حیدر میں ہوئی جو کہ دارالارشاد حضرت سرہند (اللہ تعالیٰ اس کے مقیموں کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھے) سے دو میل خام کے فاصلے پر واقع ہے۔ (ولادت) شوال کے مہینے ۱۰۰۷ھ کو ہوئی گویا دنیا پر دولت کے دروازے کھل گئے اور دنیا کے لیے فیض کی راہیں کشادہ ہو گئیں۔ سورج نے برج حمل سے طلوع کیا۔ چاند نے سرزمین ہند پر قدم رکھا .... مشکلات آسان کر دی گئیں، حسن کو سامان (آرائش) مل گیا، بند تالے کو گویا چابی مل گئی، تاریک گھر کو چراغ میسر آیا، مریضوں کو شفا بخشی گئی، گداگروں کو موتیوں کے خزانے دیے گئے .... محبت و خلت محبوبیت کا معجون مرکب بن گیا، عشق کو ساز مل گیا۔ خاتم انبیاء علیہ و علیھم و علٰی آل کل من الصلوۃ افضلھا و من التسلیمات اکملھا کے بقیۂ طینت سے محبوبیت آراستہ ہوئی .... قیوم برحق بنائے گئے، حوریں رقص کرنے

لگیں، فرشتوں نے سجدۂ شکرانہ ادا کیا، شیطانوں کو قید کر دیا گیا اور بادشاہوں نے اصلاح کی راہ اختیار کی ....

اس بستی (جائے ولادت حضرت خواجہ) کے افغان جو بہادری اور شجاعت میں خاصی شہرت رکھتے ہیں اور ان میں سے بعض تو ان حضرات عالی مقام کی عقیدت و محبت سے معمور تھے، حضرت خواجہ کی ولادت کی خبر سنتے ہی بلا تاخیر کمال شوق و خلوص سے آپ کو دیکھنے کے لیے آنے لگے۔ (۵۳) زہرۂ زمان یعنی آپ کی والدۂ ماجدہ نے پیغام بھیج کر معذرت کی کہ ابھی تک آپ کی ناف مبارک بھی نہیں کاٹی گئی ہے، لیکن افغانوں نے اپنی بے پناہ محبت کے باعث اس بات کو پسند نہ کیا۔ اور اسی حالت میں آپ کو باہر لا کر اس جمال کا مشاہدہ کیا جو انوار محبوبیت ذاتی اور اسرار قیومی کا اجتماع تھا (اس کے دیکھنے سے) ان کے عقل و ہوش جاتے رہے......

(ارادت مند) کہنے لگے کہ یہ (حضرت خواجہ) شیر جبار ہیں کہ دو صاحب کمال اصحاب کے بعد ان کا ظہور ہوا ہے یعنی حضرت خواجہ کے دونوں اجداد اشرف کا ایک ہی سال (۱۰۰۷ھ) میں وصال ہوا، آپ کے دادا کا نام عارف باللہ الصمد مخدوم عبدالاحد قدس سرہ اور آپ کے نانا کا نام شیخ سلطان محمد تھانیسری ہے، ایک ظالم (اکبر بادشاہ) نے انہیں مقدمۂ اسلام (ذبح گاؤ) کے جرم میں شہید کر دیا تھا، ان دونوں اصحاب کی بزرگی، خوبی اور کمالات کے واقعات حضرت مجدد الف ثانی کے حالات پر لکھی جانے والی دونوں کتابوں کے مولفین خواجہ محمد ہاشم اور ملا بدرالدین نے تفصیل سے لکھے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔

شیر کی ناف تلوار سے کاٹی جاتی ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کی ناف مبارک بھی تلوار سے کاٹی گئی تو انہوں نے اپنے حق میں بہت فراخی محسوس کی، اس وقت وہ بستی تو صرف چند گھروں پر مشتمل تھی لیکن آپ کی ولادت سے یہ گاؤں زیادہ آباد ہو گیا......

اس سال (ولادت حضرت خواجہ) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کو حضرت خواجہ بیرنگ خواجہ محمد باقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت میسر آئی، اور اقبال و دولت مندی کے (دروازے) ہر طرف سے کھل گئے .... چنانچہ خود حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ فرزندی محمد معصوم کا دنیا میں قدم رکھنا میرے لیے بہت ہی خوش بختی کا باعث بنا کہ ان کی ولادت کے چند ماہ بعد مجھے حضرت خواجہ باقی باللہ کی ملازمت (صحبت) کا (۵۴) شرف حاصل ہوا...... نیز حضرت مجدد الف ثانی فرماتے تھے:

''میرا یہ بیٹا صرف دو سال کا تھا کہ کلمۂ توحید جو کہ تجلی ذات اور قابلیت کی وسعت کا باعث ہے پڑھتا تھا اور زمین و آسمان، سقف و دیوار، جانور و پرندے، درخت و پتھر اور نباتات غرض کہ جس چیز پر اس کی نظر پڑتی تھی کہتا تھا کہ یہ مجھ میں ہیں اور میں وہ ہوں۔''

اگرچہ اسلاف اکابر سالہا سال کی محنت کے بعد یہ (مقام) حاصل کرتے اور اس کو کمال سمجھتے ہیں۔ جبکہ حضرت خواجہ نے سلوک کے پہلے قدم میں فوق الفوق پر توجہ پہنچائی جن سے اکثر اہل اللہ کے دامن خالی ہیں ....

مستند اصحاب سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ نے جب اپنی زبان الہام ترجمان کھولی تو ''السلام علیکم'' کہنے کے بجائے ''السلوک'' فرمایا۔ چنانچہ ان دنوں مقبول کلام ملا دو پیازہ کسی تقریب سے سرہند شریف آیا تو بصد شوق حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا کہ اچانک اسے اس جنت نشان میں حضرت خواجہ کی اس کرامت نورانی کے (مشاہدہ کا موقع ملا) تو آپ نے حسب دستور و معمول جو آپ ہر ایک سے کہتے تھے ملا دو پیازہ سے بھی ''السلوک'' ہی کہا ملا جو خوش طبعی کے غلبہ سے سرشار رہتا تھا اس کا معنوی قسم کا جواب نہ دے سکا لیکن اس کا لفظی جواب تو اس نے فوراً دے دیا اور کہا کہ اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ آپ کا کم سنی میں یہ فرمانا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ ان کے سلوک کا التزام کیا جائے، چنانچہ اس کا جو اہتمام کیا گیا وہ

آپ کے مکتوبات قدسی آیات سے عیاں ہے۔ اور اس کمال کا حاصل ہونا دراصل منازل سلوک کا طے کرنا ہے، اس موقع پر اس واقعہ کا ذکر شہادت کے طور پر بیان کرنا مناسب ہے:

ایک روز میں اپنے ماموں گرامی قدر حضرت حجۃ اللہ (محمد نقشبند ثانی) قدس سرہ (۵۵) کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان دو بزرگان دین اور شرع کے مقتدیوں کے ایک دوسرے سے افضل ہونے کا ذکر ہوا کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے۔؟ تو انہوں نے فرمایا کہ وہی بڑا عالم ہے جو زیادہ متقی ہے۔ اور تقویٰ کا تعلق منازل سلوک کے طے کرنے سے ہے۔ ہر وہ شخص جس نے سلوک کی منزلیں زیادہ طے کی ہیں زیادہ متقی ہے، اس کے مقابلے میں جس نے منازل سلوک کمتر طے کی ہوں۔

یہ مجموعۂ گناہ حقیر (مولف) کہتا ہے کہ نص قرآنی کے مطابق کہ (ترجمہ) ''تم میں سے سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ متقی ہے'' گویا اللہ تعالیٰ کے حضور جو زیادہ گرامی و معزز ہے وہ محبوب ترین ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم کا اسم مبارک تو بکثرت لکھا گیا ہے۔ البتہ آپ کا لقب مجدالدین ہے ۔ آپ کا شیوہ ثابت قدمی اور استقرار (ثبات و تمکین)، آپ کی ہمت طالبوں کا ارشاد اور آپ کا مشرب حق الیقین ہے۔

القصہ جب حضرت خواجہ تعلیم حاصل کرنے کی عمر کو پہنچے تو آپ کو مکتب کے حوالے کر دیا گیا، بہت مختصر عرصہ میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے کوئی علم و عمل ایسا نہ رہا (جسے آپ نے حاصل نہ کیا ہو) اور اس نو عمری میں آپ اپنے استادوں کا جس قدر ادب کرتے تھے عقل و ادراک اس کے احاطہ سے عاجز ہیں۔

مولف کی والدہ مریم مکانی سلمہا ربہا فرماتی ہیں کہ اس وقت جبکہ حضرت خواجہ کی عمر صرف چھ یا سات سال کی تھی کہ ایک روز لباس تبدیل کرنے کے لیے آپ کے بدن مبارک سے کپڑے اتارے گئے تو دیکھا کہ آپ کا سارا بدن جو چودھویں

کے چاند سے زیادہ روشن اور گلاب کے پھول سے زیادہ مصفا تھا لکڑی کے ساتھ بکثرت مارنے کے باعث نیل پڑ گئے ہیں، سب حضرات نے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے کمال مروت وحیاء (اس معاملہ میں) زبان نہ کھولی لیکن بے آواز شکایت (کا احساس ہو رہا تھا) بعد کو معلوم ہوا کہ معلم کی یہ عادت تھی کہ ہر روز آپ کو پکڑتا اور وہاں سے آپ کو ننگا کر کے شہتوت کی چھڑی سے جس قدر چاہتا تھا مارتا تھا اور پھر لباس پہنا دیتا اور شہر لے آتا (٥٦) مولف کی والدہ ہی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ جب کہ آپ کی دعوت وعزیمت کا چرچا تھا تو اس استاد کی بیٹیاں آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ نے ان پر اس قدر عنایات فرمائیں کہ اس کی تفصیل بیان سے باہر ہے۔ ان میں ہر ایک شریف زادی اور دیگر صالحات کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے ان دنوں فرمایا کہ یہ میرے استاد کی صاحبزادیاں ہیں ان کا ادب کرنا سب کے لیے لازم ہے............

آپ کا اخلاق کریمانہ اس قسم کا تھا کہ تعریف کرنے والا اس کا وصف بیان کرنے کا متحمل ہی نہیں ہوسکتا اور آپ کے آداب اس مرتبہ کے تھے کہ مدح سرا اس حد تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔ **سبحان اللہ** ایک خاکی نے کس قدر پاکیزگی حاصل کر لی......

قصہ مختصر کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اپنے استاد کی ایک بیٹی کو نقد وجنس سے مالا مال کر کے اس کے گھر رخصت فرمایا۔

مولف نے اپنی والدۂ شریفہ سے یہ مکرر سنا ہے کہ ایک مرتبہ آپ کی والدۂ ماجدہ نے موت اور قیامت کا تذکرہ فرمایا تو روز جزا کے خوف سے کمال درجے کا گریہ اور بے نفسی کا آپ پر غلبہ ہوا حالانکہ اس وقت آپ کی عمر سات سال سے زیادہ نہیں تھی کہ گریہ وزاری کی دولت حاصل ہونے پر آپ نے اپنی والدہ کو مطلع کیا تو انہوں نے اس گریہ کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو جواب دیا کہ یہ یوم موعود کے خوف کی وجہ سے ہے جو بہت شدید بلکہ اشد ترین ہے .... یہی وجہ تھی کہ آپ پر گریہ و

حزن طاری رہتا تھا ان ایام میں آپ ایک کم سن بچے ہی تھے والدہ محترمہ تسلی دیتے ہوئے فرماتی تھیں کہ تم مطمئن رہو......

انبیائے کرام **علیھم الصلوۃ والسلام** کے بعد اس قسم کی دولت (خوف آخرت) بہت ہی کم کسی کو حاصل ہوئی یہ بزرگ اگرچہ نبی نہیں تھے لیکن حضرت سید الانبیاء **عَلَیہِ و عَلیھِم و عَلیٰ آل کُل مِنَ الصلوۃ اَفضَلُھا من التسلیمات اکملھا** (۵۷) کے طفیل آپ بھی اس دولت میں شریک ہیں۔ آپ اپنے بچپن کے آغاز سے اس قسم کی دلکشا گفتگو فرماتے تھے، جوانی اور درمیانی عمر میں آپ نے شریعت اور ملت اسلامیہ کا پاس کیا کہ اس قسم کے اسرار کے اظہار کے لیے آپ نے کبھی زبان نہ کھولی۔ چنانچہ شیخ عبدالاحد (وحدت) قدس سرہ نے ایک مرتبہ آپ سے صلوۃ وسطی، اسم اعظم، ساعت مرجوہ، روز جمعہ اور سرہند شریف کی مسجد کلاں کے فضائل دریافت کیے تو آپ نے ان سب امور کے جوابات مبہم انداز میں دیے اس کی تفصیل آپ کے مکتوبات کی جلد دوم کے مکتوب [۱] نمبر ۱۱۹ میں درج ہے وہاں دیکھنا چاہیے، اس امر کا دوسرا ثبوت آپ کے ایک اور مکتوب جلد ثالث میں ملتا ہے کہ جس میں بادشاہ اورنگزیب نے جو آپ کا مرید خاص تھا آپ سے خاتمہ بالخیر کے لیے دعا کی درخواست کی، اگرچہ یہ مکتوب خاصا طویل ہے لیکن میں اس میں سے چند ایسے جملے نقل کر رہا ہوں جو کہ اس امر پر شاہد ہیں:

رقع

جہانداری کے بوجھ اور حسن خاتمہ کے اظہار کا اللہ سبحانہ کے کرم سے اس باب میں ''خوف'' عنایت ہوا ہے، (اور بخشش) کی امید ہے کہ اس خوف سے دشوار ترین کام آسان ہو جائیں، حدیث میں آیا ہے کہ دو خوف یکجا نہیں ہو سکتے یعنی ''خوف دنیا اور خوف آخرت'' حضرت مجدد الف ثانی

---

[۱] متن میں مکتوب نمبر ۲ غلط ہے۔

نے ولایت عالیہ، کمالات، بلند درجات اور شاندار مقامات کی مریدین اور فرزندوں کے لیے بشارت دی ہے، اور اس جماعت بلند نژاد کی استعداد کی بھی اطلاع دی ہے اور ان بشارات کے اظہار کے بغیر کہ یہ افراد ارشاد میں مشہور ہیں ناممکن ہے لیکن وہ معاملات جو شرع میں مسکوت ہیں سوائے بشارت دینے کے زبان نہیں کھولتے ......

اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ محمد معصوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ بابا تحصیل علم سے جلد فارغ ہو جاؤ کہ مجھے بڑے بڑے کام تمہارے سپرد کرنا ہیں، چونکہ علم حال کی بنیاد ہے اس لیے اسے حاصل کیے بغیر چارۂ کار نہیں ہے، مذہب کے مطابق کہ جاہل صوفی اس طرح ہے گویا کہ اسے شیطان نے تسخیر کر رکھا ہے، ناچار حضرت خواجہ اپنے والد بزرگوار و مرشد گرامی کے حکم (۵۸) کے مطابق تمام عقلی و نقلی مروجہ علوم کی تحصیل سے صفحہ بہ صفحہ اور ورق بہ ورق صرف سولہ سال کی عمر میں فارغ ہو کر علم حال و قال (علم باطن و ظاہر) کے جامع ہو گئے آپ نے ان میں سے اکثر علوم کی تحصیل حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں کی، البتہ اس میں سے کچھ اپنے بڑے بھائی عالم ربانی عارف سبحانی خواجہ محمد صادق قدس سرہ سے بھی پڑھا اور اس کے علاوہ شیخ محمد طاہر لاہوری جو کہ اکابر علماء اور حضرت مجدد الف ثانی کے اعاظم خلفاء میں سے تھے سے بھی تحصیل کی تھی۔

اس طرح آپ نے (اس وقت کے) بعض دیگر علماء دیندار سے بھی علم حاصل کیا تھا۔ اس سلسلے میں ان کتب نادرہ کے نام مع اسناد (اس کتاب کے) باب اول سے ظاہر و ہویدا ہیں۔ اگر چہ ملا بدرالدین نے حضرات القدس میں آپ کے احوال کے ضمن میں بھی بیان کیا ہے کہ علم باطن (حال) علم ظاہر (قال) پر غالب آ گیا۔ جس پر مولف کتاب حاضر کو تامل ہے، کیونکہ آپ کا قال آپ کے حال کا مبین ہے اور آپ کا حال مقوئ قال ہے، حال قال سے الگ نہیں ہے اور نہ ہی قال حال سے علیحدہ ہے......

ہر چند شیخ بدرالدین کا مقصد آپ کے حال کی بلندی بیان کرنا ہے اور آپ کے کارخانۂ حال کی نسبت قال سے ایسی ہی ہے کہ گویا یہاں قال بھی عین حال ہے۔

انبیاء کرام کے قصے ان کے قال، ان کے حال پر مبنی ہیں۔ اور ان کا نظام دعوت قال پر مبنی ہے، آیۃ کریمہ (ترجمہ) ''مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے'' انہی کی صفت حال ہے اور یہ آیۃ (ترجمہ) ''میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان اور زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور میں مشرکوں میں نہیں'' قال پر دلالت کرتی ہے اور حال کی خبر دیتی ہے اور حدیث شریف ''علماء و انبیاء کے وارث ہیں'' کے یہ الفاظ یہاں قال پر دال ہیں لیکن حاصل سے بعید نہیں ہیں۔

آپ کے ابتدائی حالات کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ مجھے بعض کم فہم لوگوں کی زبانی یہ سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ علم باطنی کے مقابلے میں آپ علم ظاہری میں بلند مرتبہ نہیں رکھتے تھے جس کی وجہ سے وہ اصحاب آپ کے علم ظاہری کا ادراک کرنے سے قاصر رہے۔ اگر وہ لوگ آپ کے مکتوبات قدسی آیات کا خلوص دل اور نیک نیتی سے مطالعہ کریں تو (۵۹) وہ اس کے بالکل برعکس پائیں گے۔ چنانچہ سعد اللہ خان یا دارا شکوہ سے منقول ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات قدس سمات کا مطالعہ کیا تو بہت محظوظ ہوئے اور ان کی زبان پر آیا کہ بندگی شیخ احمد بے نظیر منشی ہے کہ اس نے ہر ایک (مکتوب الیہ) کی (صلاحیت) کے مطابق بات کی ہے۔

اگر صاحب حال مصنفین اور عالی سخن عرفاء ان دونوں بزرگوں یعنی امام ربانی مجدد الف ثانی اور خواجہ محمد معصوم کے کلام کا مطالعہ کریں تو انہیں ان کا قال حال کی دلیل اور حال قال کی زینت دینے والا لگے ا۔

ایک روز یہ راقم سیاہ کار (مولف) ایک ایسے امیر (منصب دار) جو آپ کے خاص مخلصین میں سے تھا کی محفل میں گیا ہوا تھا کہ وہاں فصوص (الحکم) کا بڑی متانت کے ساتھ درس ہو رہا تھا، چونکہ میرا رجحان طبعی ان دونوں مشائخ (حضرت مجدد الف

ثانی اور خواجہ محمد معصوم) کی طرف تھا اس لیے مجھے اس درس میں کوئی حلاوت محسوس نہ ہو سکی باوجود اس کے کہ شیخ برہان (امیر مذکور) ان خانوادے کا معتقد سمجھا جاتا تھا اور متاخرین کے لیے حجت بھی ...... لیکن یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہے......

چونکہ حضرت خواجہ کے بلند حال اور قال کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اب چاہتا ہوں کہ حضرت خواجہ کے ایک عربی مکتوب جو کہ آپ نے اپنے پیرزادہ خواجہ محمد عبداللہ معروف بہ خواجہ خرد کو لکھا ہے اور وہ آپ کے مکتوبات کی جلد اول کا مکتوب نمبر ۵۸ ہے اور یہ مکتوب بارہ صفحات پر مشتمل ہے کا صرف ایک ورق نقل کرنے پر اکتفا کروں جو آپ کے عالی شان حال و قال پر شاہد ہے:

فتح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ سید الوریٰ امام التقیٰ محمدن المصطفیٰ صاحب قاب قوسین او ادنیٰ و علیٰ آلہ شموس الدجیٰ و صحبہٖ نجوم الھدیٰ اما بعد (اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان و بہت ہی رحم والا ہے، سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو اس کے برگزیدہ بندوں پر خصوصاً مخلوق کے آقا و سردار، متقیوں کے امام حضرت محمد مصطفیٰ (**صلی اللہ علیہ وسلم**) پر جو ''قاب قوسین او ادنیٰ'' کے مالک ہیں اور آپ کی آل پر جو کہ تاریکیوں میں سورج کی طرح ہیں اور آپ کے اصحاب پر جو کہ ہدایت کے ستارے ہیں سلام ہو۔ اس کے بعد...... پس یہ وہ فقرات ہیں جو تنزیہات کی نرم ہواؤں سے مترشح ہوتے ہیں۔ اور وہ باغات ہیں جو تقدیسات کی خوشبوؤں سے مہکے ہیں، احدیت کے وہ انوار ہیں جو کہ فتوحات کی شعاعوں سے ظاہر ہوئے ہیں اور وہ پاکیزہ حالات و واقعات ہیں جو

عطیات الٰہی کے ترشح سے نمودار ہوئے ہیں، وہ الہامات ہیں جن میں بیمار عقل کے لیے علاج ہے اور وہ انعامات ہیں جن سے روح کے لیے تروتازگی و زندگی ہے (٦٠) مشکلات حل کرنے میں کلمات کاملہ ہیں اور قلیل سرمایہ میں سے حقیر سا ہدیہ ہیں۔ جو اس مخدوم مکرم کی طرف بھیجا گیا ہے جو کہ کمالات کا جامع ہے، شوق و وجد اور لذات کی چادر میں ناز سے چلنے والا ہے، وہ جذبات کا مورد، انعامات کا مہبط، معقولات کے دلائل کی گہرائیوں میں غوطہ لگانے والا تصوف و الٰہیات کے دقائق میں غور کرنے والا ہے بے شک اس نے ہماری طرف ایک بزرگ گرامی نامہ ارسال کیا تھا جو بلند معارف اور نادر سوالات پر مشتمل تھا جو کچھ اس خط میں تھا میرے پاس اس کی مثل نہیں تھا تو اس سے بہتر کس طرح ہوتا (اگرچہ نص میں) بیان ہوا ہے (ترجمہ) ''پس تم ان سے بہتر سلام کرو یا انہی الفاظ کو لوٹا دو'' اور یہ میرے فہم کی کوتاہی اور میرے ادراک کی کمی کی وجہ سے ہے، خاص طور پر اسرار الٰہیہ سے کہ جن کے صحراؤں میں قدم لڑکھڑا جاتے ہیں اور جن کی تمہیدوں میں عقلیں بھٹکتی رہتی ہیں اور اس لیے میں توجہ کی باگ کو اس طرف سے پھیر لیتا تھا کہ ان کے مقابلہ میں کوئی چیز صراحتہً یا کنایتہً لکھوں، اس طریقہ پر ایک سال گزر گیا اور ہماری جانب سے ہرگز کوئی جواب ظاہر نہ ہوا یہاں تک کہ مخدوم مکرم کی جانب سے متعدد مکتوبات موصول ہوئے کہ اس کے جواب میں جو کچھ تو جانتا ہے لکھ، پس میں قلم پکڑنے پر مجبور ہوا اور میں نے انوار قدم (یعنی اللہ سبحانہ وتعالیٰ) سے مدد طلب کی پس جو چیز پوری حاصل نہ ہو سکے اس کو بالکل چھوڑ نہیں دینا چاہیے یعنی جس قدر ملے لے لینا چاہیے۔ کے مصداق میں نے اس تعمیل ارشاد میں لکھنا شروع کر دیا اور کام کی بزرگی اللہ تعالیٰ ہی

کے لیے ہے۔ اسی کا عقد و حاصل ہے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ جب میں نے اس مکتوب پر غور کیا تو میں نے اس کے بعض مسائل کو طبیعیات سے متعلق اور بعض کو ریاضی سے اور بعض کو تصوف و الٰہیات سے متعلق پایا اور میں نے دیکھا کہ طبیعیات و ریاضی کے دقائق میں مشغول ہونا عزیز اور قابل قدر وقت کا ضائع کرنا اور دنیا و آخرت کے اعتبار سے بے ضرورت کاموں میں مشغول ہونا ہے بلکہ قریب ہے کہ ان علوم کے ساتھ کثرت سے مشغول ہونا دینی عقائد میں سستی پیدا کر دے۔ رسول اکرم **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم** نے فرمایا ہے "بندہ سے اللہ تعالیٰ کی روگردانی کی علامت بندہ کا بے ضرورت کاموں میں مشغول ہونا ہے" اور اگر نفس کا کوئی معتد بہ کمال ان دونوں علموں کے ساتھ وابستہ ہوتا تو صاحب شرع **علیہ الصلوۃ والسلام** اس کو ترک نہ فرماتے اور سلف اس سے روگردانی نہ کرتے بلکہ وہ اس کے حاصل کرنے مین رغبت کرتے اور اس کی تعلیم پر رغبت دلاتے اور چونکہ ایسا نہیں ہوا اس لیے یہ معاملہ ایسا نہیں ہے، اور جو چیز تصوف سے تعلق رکھتی ہے تو اس میں سے ایک وہ چیز ہے جو مسئلۂ وحدت الوجود کی شرح اور مخلوق اور حق تعالیٰ و تقدس کے درمیان اتحاد ذاتی سے متعلق ہے (٦١) اور بلاشبہہ یہ مسئلہ صوفیۂ وحدت الوجود کی کتابون میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اور ہم اس مسئلہ سے بے تعلق ہیں اور ان میں سے بعض چیزیں وہ ہیں جو ہمارے شیخ و امام وقبلہ حبیب رحمانی ومجدد الف ثانی کے بعض معارف سے متعلق ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے جو کہ غالب وقوی ہے اور اس پر بھروسا کرتے ہوئے ان کے بارے میں کلام کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے

مغفرت چاہتے ہیں اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر گناہوں سے بچنے اور نیک کاموں کے کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

اس کا یہ قول کہ کیا ان کے نزدیک یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وجود ذات واجب تعالیٰ پر زائد ہے یا اس کا عین ہے اور پہلے قول (یعنی زائد) کی بنا پر ان دلائل عقلیہ سے کس طرح رہائی ہے جو اس کے عین ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور کثرت شہرت کی وجہ سے ان کو یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور مخالف کی مرضی کے خلاف یہ دلائل قطعی ہیں انتہیٰ، اس کے جواب میں میں کہتا ہوں کہ یہاں ایک تیسری صورت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ بلاشبہ وہ سبحانہ وتعالیٰ بذات خود ثابت ہے نہ کہ وجود کے ساتھ پس اس کی ذات علیہ اپنے ثبوت میں کافی ہے وجود کی محتاج نہیں ہے اور وہاں وجود کے لیے گنجائش کا تصور ہی نہیں ہے خواہ عیناً ہو یا زائد ہو۔ یہ اس تحقیق کی بنیاد پر ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب آئے گی، انتہی

جس شخص کا اس معاملہ میں تفصیل جاننے کا ارادہ ہو تو وہ اس مکتوب کی طرف رجوع کرے اور اس کے عالی شان مطالب کے تفہیم کی کوششیں کرے............اس قسم کے کامل و بلیغ آپ کے دوسرے مکاتیب بھی ہیں جو کہ فصیح عربی میں ہیں۔ کہ ان سے علماء کا طریقہ (بحث) عیاں ہوتا ہے۔ اور ان سے اسرار صوفیہ کے بیان کا ملکہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ کے بارے میں جبکہ آپ کم سن ہی تھے فرمایا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا ''محمدی المشرب'' ہے۔ اور محبوبیت ذاتی سے سرفراز ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے اس مکتوب میں اپنے تینوں فرزندوں کو استعداد کے بارے میں اس طرح تحریر فرمایا ہے:

فتح

اپنے فرزندوں میں سے محمد معصوم کے متعلق کیا لکھوں کہ وہ بالذات اس دولت کے قابل ہے یعنی وہ ولایت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے۔
اکتساب (فیض) کے سلسلے میں محمد معصوم کی مجھ سے نسبت ایسی ہے جس کا ذکر شرح وقایہ کے شارح نے کتاب کے خطبہ میں کیا ہے کہ میرے جد اکرم نے وقایہ تالیف کی اور سبقاً سبقاً میں نے اسے پڑھا اور میں اسے ساتھ ساتھ حفظ کرتا جاتا تھا حتیٰ کہ اس تالیف اور تکمیل کے ساتھ ہی مجھے یہ حفظ بھی ہو گئی

(۶۲) حضرت شیخ (عبدالاحد) وحدت نے بھی اپنی ایک مثنوی میں انہی معاملات کی طرف اشارہ فرمایا ہے......

حضرت خواجہ محمد معصوم ابھی چودہ سال کے ہی تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی سے کہا کہ میں اپنے اندر ایک ایسا نور پاتا ہوں (دیکھتا ہوں) کہ اس سے سارا جہان منور ہو گیا ہے۔ اور سورج اس نور کے سامنے ماند پڑ گیا ور گویا دنیا میں اندھیرا چھا گیا ہے۔
حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ کو قطبیت کی بشارت عنایت فرمائی تھی اور آپ نے اپنی زبان الہام ترجمان سے فرمایا کہ یہ بات مجھے یاد ہے اور اس کی تفصیل آپ کے ایک مکتوب میں جو کہ بشارت قیومیت، اصالت ومحبوبیت ذاتی اور کمال انفعالی پر مشتمل ہے اپنے بارے میں درج کی ہے۔

ایک مرتبہ آپ کم سنی میں حضرت مجدد الف ثانی کے ہمراہ دارالاولیاء دہلی تشریف لے گئے، موسم شدید گرم تھا اور مسجد فیروز آبادی کے فرش کا پتھر لوہے جیسی حرارت دے رہا تھا آپ اپنے والد بزرگوار کے حجرۂ مقدسہ میں چلے گئے اور آپ کے بستر خاص میں آرام کرنے لگے۔ کہ اچانک حضرت مجدد الف ثانی باہر سے تشریف لائے اور اس حجرہ میں استراحت کے لیے داخل ہوئے، دن نصف کے قریب گزر چکا

تھا، خادم نے چاہا کہ حضرت خواجہ کو بیدار کرے تو آپ نے بڑی سختی سے خادم کو اس سے منع کر دیا۔ اور خود حجرہ سے باہر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے دوستوں میں سے ایک دوست (ولی) آرام کر رہا ہے کہ کہیں اس کی ناراضگی کا موجب نہ ہو اس لیے خود جلدی سے باہر آ گئے یہاں تک کہ حضرت خواجہ خود ہی اٹھ گئے اور آداب بجا لائے اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی نے آرام فرمایا..........

(۶۳)...... پس جاننا چاہیے کہ آپ نے اگرچہ ظاہری علوم کی تحصیل مختلف مقامات سے کی ہے لیکن علوم و معارف باطنیہ ابتداء سے آخر (انتہا) تک اپنے والد بزرگوار و مرشد عالی مقدار کے علاوہ کسی سے بھی حاصل نہیں کیے، جو کچھ حاصل کیا والد کے گھر سے اور جو کچھ دیکھا بس وہاں ہی دیکھا اور جو کچھ سنا بس وہیں پر سنا ہے۔

علوم ظاہری کی بہت سی کتابیں آپ نے (اس عہد کے) فضلائے کبار جو حضرت مجدد کی خدمت میں کامل اعتماد رکھتے تھے سے پڑھیں، لیکن شرح مواقف حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں پڑھی۔ اس کا حال حضرت مجدد الف ثانی نے خود یوں تحریر کیا ہے:

> انہی دنوں میرے فرزند محمد معصوم نے شرع مواقف مکمل کی ہے، دوران سبق کم عقل لوگوں کی قباحتیں زیر بحث آئیں جس کے بہت سے فوائد مرتب ہوئے۔

حضرت مجدد الف ثانی کے بعض سفروں کے دوران حضرت خواجہ آپ کے حکم کے بموجب گھر (سرہند) میں ہی رہے تو آپ نے اپنے عالی شان احوال کا اظہار فرمایا جو ہر عالم ذی فنون اور ہر صوفی بے سروبرگ کے لیے سمجھنا آسان نہیں، آپ نے یہ احوال سپرد قلم فرمائے اور سات عریضوں کی شکل میں (حضرت مجدد الف کو لکھے) ان میں سے ہر عریضہ گویا معارف کا ایک سمندر ہے.......... (یہ عریضے آپ کے مکتوبات) کی جلد اول میں شامل ہیں۔ چاہتا ہوں کہ اس کتاب مقامات معصومی میں

درج کر کے سعادت حاصل کروں، اس کے بعد دوسری بشارات کی طرف توجہ کروں، ان شاء اللہ تعالیٰ، ہوش مندی کے کانوں سے سنو:

عریضۂ اول

بندۂ کمترین محمد معصوم آستانۂ عالیہ کے خاک نشینوں کی بلند بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ اس حدود کے خادموں کے احوال و اطوار حمد کے لائق ہیں، سرفراز نامۂ عالی جو کہ ممریز خان کے ہمراہ ارسال فرمایا گیا تھا اور اس میں اس فراق زدہ گنہگار، نااہل و ناکارہ کو قسم قسم کی عنایات سے سربلند کیا تھا، ورود فرمایا:

(ترجمہ شعر) وہ ذات کہ تیرے در کی خاک میرے سر کا تاج ہے تو مہربانیاں فرماتا ہے، میں کون ہوں کہ اس معطر دل پر میرا گزر ہو۔

میرے قبلہ گاہ! اللہ تعالیٰ کے احسانات کے بارے میں میں کیا لکھ سکتا ہوں، اور کن اعضاء سے اسے سبحانہ وتعالیٰ کے احسان کا بدلہ ادا کر سکتا ہوں مگر یہ کہ اپنے آپ کو خاک بنا دے بلکہ اپنا کچھ نام ونشان باقی نہ رکھے پھر بھی اس کا حق بجا لانہیں سکتا کیوں کہ جو عبادت بھی اس طرف منسوب ہو گی وہ بہر طور قاصر اور عیب ونقصان کے ساتھ داغدار ہو گی، ''اے اللہ! میں تیری تعریف کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ایسی ذات ہے جیسی کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔''

تازہ معارف ومکتوبات شریفہ برادرم خواجہ محمد ہاشم نے آگرہ سے بھیجے تھے وہ بلندیٔ شان کے باعث اس قسم کے نہیں ہیں کہ ہر ناقص کی سمجھ کے قابل ہوں اور یہ جو درج ہے کہ تمام افراد عالم ایک ذات واجب عز شانہ کے اسماء وصفات کے ظلال ہیں پس وہ سب ایسے اعراض ہوں گے کہ جن کے درمیان کوئی جوہر کارفرما نہیں ہو گا کہ ان کا قیام اس

جوہر کے ساتھ ہو، پس ذات اقدس سے ان کو محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا اور ان کا نصیب صفات کے سوا نہیں ہو گا مگر ایک عارف کی ذات ...... ایک رات کی تراویح کی نماز کے دوران اس معنی کے مراقبہ و مطالعہ میں مشغول ہوا دیکھا کہ ان اعراض نے جو کہ اس شخص کی ذات تھے اپنی اصل کی طرف غور کیا اور ان کا کوئی نام و نشان نہ رہا اور کامل طور پر اپنی اصل میں فنا و محو و لاشے ہو گئے اور وہ جتنا جاتا ہے سب اپنی اصل اور اصول اصول میں جاتا ہے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا اور مشہود ہوا کہ جہاں کہیں تک تو جاتا ہے تمام تر وجوہ و اعتبارات میں جاتا ہے جو کہ اصل اصول ہیں اور ان اصول و اصل اصول سے ذات مجرد تک پہنچنا محال ہے، اصول تمام منقطع ہو جاتے ہیں اور ذات عز شانہ ماوراء ماوراء ہے۔ کیوں کہ اصل کا اطلاق اس بارگاہ جل سلطانہ میں ساقط ہے آخر کار معاملہ مایوسی تک پہنچا اور کامل یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ جب تک اصل صفات و اعتبارات ہیں تو تیری کوشش کی انتہا یہ ہو گی کہ اپنے آپ کو اپنے اصول میں فنا اور لاشے کر دے اور اصل میں فنا ہو جانے کے بعد اصل سے گزر جانا کوئی معنی نہیں رکھتا کوئی اور بات چاہیے تا کہ حضرت ذات جل سلطانہ سے کچھ حاصل کرے اس وقت دل میں خیال آیا (۶۵) کہ شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ خوب فرماتے ہیں ''اصول میں فنا و اضمحلال کے بعد عدم محض کے سوا کچھ نہیں ہے'' کیوں کہ اصول کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں منقطع ہو جانے کے سوا کوئی راہ نہیں ہے اور ذات مجرد ماوراء الوراء ہے جب تک سالک کو ذات عطا نہ فرمائے ذات تعالیٰ و تقدس تک پہنچنا محال ہے۔ اور یہ جو حضرت عالی (مجدد الف ثانی) نے لکھا ہے کہ '' اس قسم کے اصحاب ایک زمانہ میں زیادہ نہیں ہوتے'' سے

مراد مذکورہ بالا ناامیدی کے علاوہ ہوئی اور اس قدر رنج وغم پیش آیا کہ کیا لکھے، اس ناامیدی میں کبھی دل میں آتا ہے کہ کامل تابعدار کو متبوع کے تمام کمالات میں سے حصہ ہے تو پھر متعدد نہ ہونا کس اعتبار سے ہوگا شاید اصالت و تبعیت کا فرق ہوگا لیکن اس قسم کے خیالات اس اضطراب کو تسکین نہیں دیتے کوئی ایسا محرم نہیں تھا کہ جس سے دل کا درد بیان کرے آخر آیت پاک'' (ترجمہ) ''یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہو گئے اور خیال کرنے لگے کہ وہ سچے نہ نکلے تو ان کے پاس ہماری مدد آ گئی'' کے مطابق مکاتیب کی جلد ثالث کے مکتوب نمبر ۸۰ کے آخر پر جو کہ اس فقیر کے نام تحریر ہوا ہے اطلاع دی گئی اگرچہ کئی مرتبہ اس مکتوب کو پڑھا تھا لیکن گویا اس راز کی اطلاع دینا مصلحت کے خلاف تھا اسی لیے آنکھ بند کیے ہوئے اس حرف سے آگے چلا گیا تھا اب توجہ شریفہ سے امید وار ہوں کہ اس معما کا کوئی در کھل جائے، چونکہ اس کے لکھنے کے دوران اس امر کی اطلاع حاصل ہوئی بتفصیل اپنے اندر مطالعہ نہیں کر سکا، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کی توجہ سے بہرہ ور ہو جائے گا، زیادہ بندگی و آداب۔

عریضۂ ثانی

یہ بھی آپ نے اپنے پیر و والد بزرگوار کے نام لکھا ہے:

عرض داشت کمترین بندہ محمد معصوم ذرہ کی طرح بارگاہ عالی کے باریافتگان کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس طرف کے دعا کنندگان کے احوال توجہات علیہ کی برکت سے حمد کے لائق ہیں جدائی کے رنج و غم کے علاوہ اور کوئی غم و اندوہ نہیں ہے۔ (ترجمہ شعر):

تیرے وصل کا خیال ابھی تک زندہ رکھا ہوا ہے ورنہ جدائی کے غم کے ساتھ زندگی کے معنی؟ جناب عالی کے نہایت بیش قیمت گرامی نامے

عالی شان معارف و اسرار سے پر پے در پے وصول ہو رہے ہیں۔ اور معاملہ کی پستی سے بلندی تک لے جاتے ہیں۔ وہ مکتوب جو کہ تجلیات ثلاثہ کے بیان پر مشتمل ہے اس وقت پہنچا تو اپنی استعداد کے مطابق اس سے بہرہ مند ہوا اور کچھ حصہ حاصل کیا، اس کے بعد وہ مکتوب جو کہ نور صرف ذاتی (٦٦) کے معارف کے بیان میں ہے، بھی وصول ہوا جس کے مطالعہ کے وقت نور صرف کا کچھ شعور حاصل ہوا تھا بلکہ اس کے ساتھ فنا و بقا بھی محسوس ہوئی تھی اور ایک مدت تک اس میں استغراق رکھتا تھا اگرچہ اس تحریر کے وقت درنسبت پوشیدہ ہے معلوم نہیں کہ اس کی کیا وجہ ہے، حضرت سلامت! اللہ تعالیٰ کی عنایات سے متعلق کیا لکھے اور اس اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احسانات کے بارے میں کس طرح بیان کرے۔ کشاں کشاں لے جاتے ہیں اگرچہ کہ نہیں جانتا کہ کہاں لے جاتے ہیں اور کہاں پہنچاتے ہیں لیکن جو لذات و کیفیات اس عرصہ میں پیش آتی ہیں ان کو بیان نہیں کر سکتا جو ذوقی ہیں بیانی نہیں ہیں، (ترجمہ شعر):

''میں اس کے عقب میں اپنے اختیار سے نہیں جاتا ہوں وہ زلفیں مجھ کو کشاں کشاں لے جاتی ہیں۔''

اللہ تعالیٰ آپ کی توجہ سے کامل علم وتمیز عطا فرمائے ''اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر دے'' اس سے پہلے ایک قاصد کے ذریعہ ایک واقعہ لکھ کر ارسال کیا ہے اگر اس کی صحت اور غلطی کا امتیاز کرا دیا جائے تو کمال بندہ پروری ہوگی، العبودیۃ

عریضۂ ثالث

بخدمت پیر بزرگوار خود............

عرضداشت، خادم احقر محمد معصوم آستان بوس بارگاہ عالی کی خدمت میں

عرض پرداز ہے کہ جس روز سے حضوری کی سعادت کے شرف سے محروم ہوا ہوں اس درگاہ کے خادموں کی کوئی خبر اس شکستہ بازو تک نہیں پہنچی، بہت منتظر ہوں۔ اس مقام (سرہند) کے خادموں کے حالات لائق حمد ہیں اور وہ اوقات کو دل جمعی کے ساتھ بسر کر رہے ہیں، حضرت سلامت! آج رات جو کہ شنبہ کی رات اور ۲۶/ ربیع الثانی ہے، میاں شیخ مزمل اس دار سے رحلت (وفات) کر گئے، ان کی وفات حسن خاتمہ کے ساتھ ہوئی تدفین کے وقت حضرت عالی (مجدد الف ثانی) کی ایک متبرک کلاہ جو کہ بندہ کے پاس تھی اس کلاہ کے علاوہ تھی جو عالی حضرت نے بندہ کو خصوصی طور پر عنایت فرمائی تھی، ان کے سر پر پہنا دی، اس کے پہناتے ہی یا ایک لمحہ بعد دیکھا کہ ان میں عالی حضرت کی نسبت خاص جلوہ گر ہو گئی اور اس عزیز پر پوری طرح غالب آ گئی اس کے بعد ان کی وہ نسبت تمام قبرستان پر چھا گئی بلکہ تمام گرد و نواح کو نور سے معمور کر دیا (گویا) جیسے قبول کیا گیا بلا سبب قبول کیا گیا۔

عریضۂ رابعہ

یہ مکتوب بھی آپ نے اپنے پیر و والد بزرگوار کی خدمت میں لکھا ہے:

عرضداشت، درگاہ والا کا نیاز مند محمد معصوم خدمت اقدس میں عرض کرتا ہے کہ اس شکستہ بازو کے احوال اس کعبۂ خواہشات و تمنیات کی توجہ کی برکت سے استقامت کے طریق پر ہیں اور عزیمت امور میں کسی طرح کا فتور واقع نہیں ہوا ہے، امید رکھتا ہے کہ حضرت عالی کی نظر عنایت کے طفیل باقی ماندہ چند مستعار سانسوں میں بھی (۶۷) فتور واقع نہیں ہوگا۔

دوسری عرض یہ ہے کہ فقیر بہت مدت سے قبض و غم کی حالت میں تھا آخر توجۂ عالی سے ایک بسط عظیم رونما ہوا کہ یہ مقام تمام مقامات ظلال

کے اوپر ہے اور اصل الاصل کا مقام ہے کہ جس میں ظلیت کی آمیزش نے راہ نہیں پائی ہے آپ کو پوری طرح اس مقام میں داخل پایا اور اپنے سر کو اس مقام کے مرکز میں داخل دیکھا اور اپنے باقی حصہ کو اس مرکز کے نیچے اس کے بالمقابل دیکھا اور بعض دوسری چیزیں بھی اس وقت مشہود ہوئی تھیں، اگر حاضر خدمت ہوتا تو عرض کرتا۔

عریضۂ خامسہ

یہ بھی اپنے پیر و والد بزرگوار کے نام لکھا گیا:

عرضداشت، بندۂ کمترین محمد معصوم درگاہ عرش اشتباہ کے خاک نشینوں کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ گرامی سرفراز نامہ جو کہ ''سرائے ہودل'' سے ارسال کیا گیا تھا، ملا، افسردہ دلوں کو کامل مسرت ہوئی اور مردہ دلوں کو ازسرنو دائمی زندگی عطا ہوئی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد ہے کہ اس جگہ کے طالبان اس مصیبت سے عافیت میں رہے، جو سفر مولانا محمد صدیق نے اختیار کیا تھا شروع میں بھی احقر کی نظر میں زیادہ صحیح نہیں تھا:

''اگر کوئی آدمی ایک گھر میں کسی خوبصورت پری کے ساتھ ہو، اگر وہ باہر جانے کا قصد کرے تو بڑا دیوانہ ہوگا۔(ترجمۂ شعر)'' مولانا کی قابلیت اور بلند ہمتی سے یہ عزم عجیب معلوم ہوا، چاہیے تھا کہ جو کام انہوں نے اختیار کیا تھا اس کو پورا کر کے دوسرے کام کی طرف متوجہ ہوتے، دوسری عرض یہ ہے کہ میں اپنے شکستہ احوال عرض کرتا ہوں:

حضرت سلامت! اس فقیر کو اس کے بعد سے عالم میں نیچے لے آئے ہیں اس نسبت کے نشان کو جس کے ساتھ ترقی کے وقت مشرف کیا گیا تھا، اپنے اندر محسوس کرتا ہے کہ دائیں و بائیں سے بیگانہ ہے اس (یمین و یسار) کو اس نسبت سے بہت کم حصہ حاصل ہے بلکہ کچھ مناسبت نہیں

رکھتے، یہ نسبت سابقین کے ساتھ مخصوص ہے، دائیں جانب کے اصحاب اور بائیں طرف کے اصحاب کی طرح اس کمال سے کیا حاصل کریں اور ظلال والے حضرات عام مومنین کی طرح اس معما سے کیا حاصل کریں، محبت ذاتیہ کہ جس میں محبوب کا رنج دینا اس کے انعام کی بہ نسبت محبت میں اضافہ کرنے والا ہوتا ہے اس مقام میں متحقق ہوتی ہے اور جب اپنے ذوق و وجدان کی طرف رجوع کرتا ہے تو بے تکلف پاتا ہے کہ جو لذت و حلاوت بلکہ محبت میں جو اضافہ کہ محبوب کے رنج و غم دینے کے وقت میں ہے اس کے انعام کے وقت میں نہیں ہے، کہا جا سکتا ہے کہ محبوب کے غم دینے کا تصور ایسی فرحت و مسرت بخشتا ہے کہ نفس انعام میں وہ فرحت و سرور ثابت نہیں ہے کیونکہ محبت ذاتیہ (۶۸) میں فرحت و سرور نفسانیت کی آمیزش میں جتنا پاک اور خالی ہوتا ہے زیادہ کمال پیدا کرتا ہے، عالم کو بالکلیہ اعراض پاتا ہے کہ جس نے جوہر ہونے کی بو بھی نہیں پائی ہے اور اپنی ذات کے ساتھ قائم ہونا اس کے حق میں ثابت نہیں ہے تمام اشیاء کو قائم کرنے والا وہی سبحانہ و تعالیٰ ہے جو لفظ ''انا'' کا مشارٌ الیہ ہے بلکہ تمام اشارات کا مشارٌ الیہ وہی تعالیٰ و تقدس ہے کیوں کہ ممکن ذات نہیں ہے عرض کا اشارہ عین اس کے قیوم کا اشارہ ہے ممکنات کو صورتوں سے زیادہ نہیں جانتا اور خارجی نمائش سے زیادہ انہیں تصور نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ شانہ کی قدرت کاملہ کو ملاحظہ کرنا چاہیے کہ اس نے نمود و نمائش کو جو کہ محض حس و وہم کے درجے میں ہے اس طرح پر ثبات و قرار دیا ہے کہ زوال سے محفوظ ہے اور ابدی معاملہ اس کے ساتھ وابستہ ہے اور اعراض کے قیام کو اس انداز پر پاتا ہے کہ حال و محل ہونے کی آمیزش سے پاک و بری ہے اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اشیاء کا ثبوت و تقرر اس

اللہ شانہ کے ساتھ ہے۔

جب قلم کو احوال کے بیان کرنے کے لیے ہاتھ میں لیتا ہے تو اس قدر (اذواق) کی آمد ہوتی ہے کہ اس کے لکھنے اور برداشت کرنے کے لیے عاجز ہو جاتا ہے۔ اس لیے کم پر کفایت کرتا ہے اور باقی کو دوسرے پر موقوف رکھتا ہے، **العبودیۃ**

عریضۂ سادسہ

یہ بھی اپنے پیر بزرگوار اور والد کے نام لکھا ہے:

عرضداشت **محمد** معصوم جو کہ آپ کی ملازمت سے دور اور آستانہ عالیہ کے مساکین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ حسن و جمال وہم وگمان میں آتا تھا چونکہ بطور عاریت و امانت تھا اہل امانت کی طرف واپس ہو گیا اور شر و نقص کے سوا کچھ بھی باقی نہیں رہا، حضرت سلامت! اس تحریر کے دوران ایک حالت ظاہر ہوئی، دیکھا کہ وہ عدم جس کے علاوہ اور کوئی چیز ظاہر نہ تھی پوشیدہ ہو گیا اور وہ کمالات جو کہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گئے تھے جلوہ گر ہونے لگے، اسی اثناء میں ایک غیبت رونما ہوئی، دیکھتا ہے کہ خوب سیر ہو کر کھانا کھایا ہے اس سے طبیعت میں بے چینی پیدا ہو گئی ہے اور شدت کی قے ہونے لگی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر رگ و پوست سے حتی کہ ناخنوں کی رگوں سے بھی مادہ کھنچا اور نکلا جا رہا ہے، جب افاقہ ہوا تو دیکھا کہ عدم کو پوری طرح نکال دیا گیا ہے اور ان کمالات کے علاوہ جو کہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گئے تھے اور کوئی چیز ظاہر نہیں ہے اپنے آپ کو نہایت نورانی اور لطیف پایا، اس کے بعد دیکھا کہ وہ کمالات جن کے ساتھ بقا عطا کی گئی ہے اپنی اصل کی طرف لوٹنے لگے اور اصل الاصل کے ساتھ جا ملے اور انہوں نے اس بارگاہ میں اصالت و حقیقت کے طور پر ظاہر ہو کر بے

کیف حقیقی اتصال حاصل کر لیا، اس وقت اَنَا نے جو کہ عدم سے پوری طرح نکل کر ان کمالات کے ساتھ جا ملی تھی اس جگہ اطلاق پایا اور ظاہر کی مظہر کے ساتھ ایسی نسبت ظاہر ہوئی جیسی نسبت عالم خلق کو عالم امر کے ساتھ ہے۔ انفعالی کمالات کی نسبت اسی مقام میں ظاہر ہوتی ہے اور بعض دوسرے امور بھی اس جگہ (٦٩) معلوم ہوئے جنہیں لکھ نہیں سکتا، ان شاء اللہ جب ملاقات کی نعمت سے مشرف ہوگا عرض کرے گا۔

عریضۂ سابعہ

یہ بھی اپنے پیر و والد بزرگوار کے نام لکھا ہے:

عرضداشت بندۂ کمترین محمد معصوم آستانہ عالی کے حاضرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ یہاں کے خادموں کے احوال حمد کے لائق ہیں، بارگاہ عالی کے خادموں کی سلامتی کی خوش کن خبریں سننے کا ہمیشہ انتظار رہتا ہے، حضوری کی نعمت کے حاصل کرنے کے شوق کو کس طرح واضح کرے اور جدائی کے سوز و گداز کو کس طرح بیان کرے:

''میرا اندر خون ہو گیا آخر میں کتنا جوش ماروں، شیشہ میں تو شراب ہے میں کتنی پیئوں'' (ترجمہ شعر)

قبلہ گاہی! عجب معاملہ ہے اور انوکھا ناز ہے، عین آرام میں محرومی اور نفس وصل میں جدائی ہے، پاتا بھی ہے اور نہیں بھی پاتا، اور نہیں جانتا کہ کیا پاتا ہے اور کیا نہیں پاتا، تضاد در تضاد اور تناقض در تناقض ہے۔
ایک ایسا آرام دیتے اور ایسی لذت عطا کرتے ہیں کہ یہ طالبان ہزاروں لذات اور آرام کو ان احوال کے مقابلہ میں ایک جو کے بدلے میں بھی نہیں خریدتے اور ان کے عوض ایک کھوٹے سکے میں بھی نہیں لیتے۔ ع
(جس مقام پر شراب و کباب ہو وہاں یہ سب معاملات بے کار ہیں)

اگر عمریں اس کے شبہات میں خرچ کرے تو کچھ بھی ادا نہیں ہو اور اگر مدتیں اس کی طلب میں گزارے تو اللہ تعالیٰ کے فضل کی سبقت کے بغیر کچھ حاصل نہ ہو، اس کے باوجود محرومی ہر وقت دامن گیر ہے اور دوری و جدائی ہمیشہ ساتھ ہے۔

"نہ اس رخ کے حسن کی کوئی انتہا ہے اور نہ سعدیؔ کے کلام کی کوئی حد ہے، استسقا کا مریض پیاسا مر جاتا ہے اور دریا اسی طرح باقی رہتا ہے۔"
(ترجمۂ شعر)

کیونکہ مطلوب نہایت تقدس و رفعت سے ہے اور طالب نہایت پستی و نقص میں ہے نہ اس کو اس کے ساتھ کچھ شرکت ہے اور نہ اس کو اس کے ساتھ کوئی نسبت، یہ اس کے ادراک سے عاجز ہے اور اس کا جو کچھ ادراک ہوتا ہے وہ ناتمام ہے پس جب دونوں میں کوئی نسبت نہیں پائی جاتی، اگرچہ وہ ایک اعتبار سے ہی ہو اور نہ ہی کوئی شرکت موجود ہے چاہے وہ نام ہی کی ہو، اس لیے لازم ہے کہ ادراک کے درک سے عاجز ہونا ہی ادراک ہے۔ اور اس کی معرفت کی کنہ سے جاہل ہونا ہی معرفت ہے اور چونکہ اس معانی کو اپنے ذوق و وجدان سے پایا اور گہری نظر سے سمجھ لیا ہے نہ کہ تکلف و تصنع کے طور پر، اس بنا پر جرأت و گستاخی کی، کیا کیا جائے کہ بلند ہمتی ایک ایسے مطلوب کو چاہتی ہے کہ ادراک کا ہاتھ اس کے دامن سے کوتاہ ہے کیوں کہ جو کچھ اس سے حاصل ہوتا ہے وہ خود وہ نہیں ہے بلکہ اس کی شبیہ و مثال ہے، ظل کے ساتھ گرفتاری ماسواء کے ساتھ گرفتاری ہے، اگرچہ ظاہر تو اصل ہے لیکن ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہوگی اور اصل کے گرفتاروں کے لیے ظلیت کا نقطہ بھی بڑا پہاڑ ہے، اس لیے مشاہدات سے منھ (۷۰) موڑ کر احدیت صرف کی طرف متوجہ

ہے۔ (ترجمہ) ''میں نے سب سے منہ موڑ کر اپنا منہ اس ذات کی طرف
کر لیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا اور میں شرک کرنے والوں میں
سے نہیں ہوں۔''

ساتوں عریضے اب تمام ہوئے اور اوراق کے دامن ان جواہر سے شاد کام ہو گئے۔

اب میں وعدۂ حسنہ کے تحت اختصار کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی کی ان بشارات صحیحہ کو پہلی بار نقل کر رہا ہوں جو حضرت خواجہ محمد معصوم سے متعلق ہیں اس معتبر روایت سے حضرت خواجہ کی محبوبیت ذاتی ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کو حضرت خواجہ کے نکاح کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ملنے میں تاخیر ہو رہی تھی آپ وجہ معلوم کرنے کے لیے کوشاں رہتے تھے لیکن کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ اس کو بہت مدت گزر گئی، کہ ایک روز حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قضاء حاجت کے لیے بیت الخلاء میں گئے یہاں میں (مولف) اپنے والدین کریمین کی روایت بیان کرتا ہوں کہ وہاں چاول کے چند دانے پڑے ہوئے دیکھے، یہاں معرفت دستگاہ (خواجہ) محمد ہاشم کشمی قدس سرہ نے زبدۃ المقامات میں چاول کی بجائے گندم کا ذکر کیا ہے .... بہرحال آپ نے اس گندی جگہ سے انہیں اٹھایا اور بغیر کسی تاخیر و تامل کے انہیں اپنے دست مبارک میں لیا اور باہر لا کر اسے پانی سے دھو کر پاک کر کے کھا لیا، اسی روز الہام ہوا کہ تو نے میرے آداب کی بجا آوری کی نہایت درجہ رعایت کی ہے لہٰذا تمہیں تمہارے فرزند محمد معصوم کے نکاح کی اجازت دے دی ہے، آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ اس امر (نکاح) میں جو تاخیر ہوئی ہے اس میں تیری کیا حکمت ہے! (تو غائب سے) ندا آئی یہ کوئی نہیں چاہتا کہ اپنا محبوب کسی دوسرے کو دے دے، (ترجمہ) ''پس سمجھو اور انکار کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ'' یہاں حضرت خواجہ کی اعلیٰ قدر اور بلند شان ملاحظہ کریں۔ اور آپ کی

محبوبیت کا نظارہ کریں.......... خلوت و جلوت کے اسرار کے اجتماع میں محبوبیت کا مذکور بھی ہے جس کا عنقریب ذکر ہوگا ہمہ تن گوش ہوکر سنو اور وہ اس طرح (اے) ہے کہ حضرت خواجہ کے کار خیر (نکاح) کی اجازت حاصل کرنے کے باوجود ترویج اور تلاش رشتہ کا جو مروجہ طریقہ ہے کے مطابق اس کی اجازت نہ ملی بلکہ معلوم یہ ہوا کہ یہ تو کار خلیلان (دوست کا کام) ہے حضرت مجدد الف ثانی کو اپنے خاندان میں سے ہر طرف سے اس نسبت کے لیے پیش کش ہو رہی تھی آپ نے جواب دیا کہ میں اسے اللہ تعالیٰ پر چھوڑ کر بیٹھا ہوا ہوں۔ اس عالی شان الہام کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے ایک بڑے خلیفہ شیخ محمد طاہر لاہوری جو کہ اپنے زمانہ کے اجل علماء میں سے تھے اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں سرہند شریف پہنچے، انہوں نے اس نسبت (نکاح) کا بھی ذکر کیا کہ سید اسعد واقف اسرار قرآن میر صفر احمد بن میر رمضان کی ایک دختر ہے جو کہ ایک ولیۂ یگانہ، رضیۂ زمانہ ہے گویا آفتاب ہے جو کہ برج عصمت میں پوشیدہ ہے اور ایسا چاند ہے جو کہ عفت (معصومیت) کے حجرہ میں آرام فرما ہے، گویا حور ہے جو جنت سے آئی ہے، اور وہ نور ہے جو سرہند میں نمودار ہو گا، جو صادقین کے خزانوں کی دولت ہے اور عورت ثانیہ ہے...... اگر اسے حضرت مخدوم زادہ (محمد معصوم) کے لیے قبول کرلیں تو یہ بہت ہی خوب زیب تن (جوڑ) ہو گا...... القصہ شیخ محمد طاہر لاہوری کی ان دونوں کے ملاپ (نکاح) کے سلسلہ میں عرضداشت کو قبولیت کا شرف بخشا جو کہ اس الہام کی ترجمانی کی، میر صفر احمد کے والد بزرگوار میر رمضان تھے جو روم سے تشریف لائے اور دارالسلطنت لاہور میں سکونت اختیار کی جو کہ قطب بلاد ہے۔ اس وقت جبکہ حضرت مجدد الف ثانی اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ باقی باللہ) سے تعلیم طریقہ کی اجازت (خلافت) لینے کے لیے پہلی مرتبہ لاہور تشریف لائے، تو وہاں کے علماء، صلحاء، امراء، اور فقراء آپ (حضرت مجدد الف ثانی) کے حلقۂ مریدین میں شامل ہونے کی سعادت حاصل کر رہے تھے تو

میر رمضان بھی طریقۂ نقشبندیہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے .... اور ان کے (بیٹے) میر صفر احمد مذکور اور ان کے بھائی میر مظفر حسین بھی اسی شہر میں آپ کے مریدین صادق الاعتقاد اور بلند استعداد کے مالک فدویوں میں شامل ہو کر حضرت مجدد الف ثانی کے مقبولان خاص (۷۲) میں سے ہو گئے، اس کے بعد جب آپ کو اپنے پیر بزرگوار کے وصال کی خبر ملی تو بہت جلد مراجعت کی اور دہلی پہنچ کر اپنے شیخ کی تربت کی زیارت اور مخدومزادوں سے تعزیت کی۔ اپنے دوسرے اسفار لاہور کے دوران جہاں بہت سے افراد کو آپ نے ضلالت سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر گامزن کیا وہاں میر صفر احمد بھی آپ کی بہت سی توجہات حاصل کر کے آپ کے عالی شان خلفاء میں شامل ہو گئے۔

القصہ آپ نے جس نسبت (نکاح) کا فرمایا اس کے ثمرات اور بے نہایت برکات کا حصول ہوا، چند روز کے بعد عقد کا تعین فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت مجدد الف ثانی اپنے عزیزوں، فرزندوں، درویشوں، علماء، فقراء اور امراء کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ دارالاشاد سرہند شریف سے دارالسلطنت لاہور کے لیے روانہ ہوئے۔ گویا یہ فرشتوں کی ایک عظیم فوج تھی .... اسی طرح آپ دارالسلطنت میں داخل ہوئے، گویا یہ احسن ترین گھڑیاں تھیں ...... یہ شب برأت کی رات اور نوروز کا توام تھا۔ میر صفر احمد آپ کی صحبت میں رہ کر دوام آگہی اور حضوری کی نسبتوں سے متصف ہو کر دنیا ترک کر چکے تھے لیکن ان کے بھائی میر مظفر حسین جو کہ اکابر امراء میں سے تھے اپنے بڑے بھائی (میر صفر احمد) کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے آگے بڑھے مقصود کار کہ (ترجمہ) ''جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ توکل رکھنے والوں کو محبوب سمجھتا ہے۔ نص قطعی ہے۔

ان کی بے نظیر سخاوت اور دل پذیر ہمت شامل حال رہی (۷۳) خاص طور پر شادی کے جشن کے سلسلے میں اس عزیز نے اس قدر خدمات انجام دیں کہ ان کی تفصیل

لکھنا طوالت کا باعث ہوگا۔ اور بکثرت کھانے اور زعفران سے بھرے ہوئے برتن بھی رکھے گئے، ساری رات جہاں حضرت مجدد الف ثانی تشریف فرما تھے وہاں وہ عزیز خدمت سعادت میں حاضر رہے، شادی کی رسم اپنے کمال کے ساتھ انجام پذیر ہوئی۔

وہ معصوم برحق (خواجہ محمد معصوم) اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس پاک دامن کو اپنے نکاح میں لائے جو عجوبہ زمانہ اور اسے پروردگار کے عطیات میں پایا، اس امر شریف سے فراغت کے بعد جناب امام ربانی مجدد الف ثانی مدت تک لاہور میں مقیم رہے اور بدستور سابق میر صفر احمد آپ کی خدمت میں قسم قسم کے کھانے، مشروبات اور عمدہ لباس پیش کرتے رہے، وہ ان راتوں میں آپ کے لیے حمام (اہتمام غسل) اور بستر وغیرہ کا انتظام خود کرتے تھے یعنی وہ ایک ہاتھ سے رات کے پہلے نصف پہر تک کام کرتے اور دوسرے ہاتھ سے آخر شب خدمت انجام دیتے اور وہ کسی دوسرے کو یہ سعادت حاصل کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے خلوت میں آپ سے عرض کیا کہ یہ دختر تو محض آپ کی خدمت کے لیے نذر کی ہے اگر محرمۂ دیگر جو کہ میری منکوحہ ہے رغبت ہو تو میں اس وقت وہ بھی بلا تفاوت و تردد نذر کروں کہ کسی کو اس کی اطلاع بھی نہیں ہوگی، یہاں تک کہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم اور دوسرے درویشوں کی وہ اس طرح خدمت گزاری میں لگے رہے۔

میر صفر احمد اپنی دختر کو رخصت کرنے کے بعد اپنے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اپنے بھائی میر مظفر حسین کی وفات کی خبر سنی، ان مرحوم کی تمام دولت اور جاگیرات ان کو ملنے کی انہیں اطلاع دی گئی تو انہوں نے کہا یہ سب کچھ میرے لیے نہیں تھا بلکہ میری بیٹی کے لیے تھا جب بیٹی چلی گئی تو یہ بھی جاتی رہے، حضرت خواجہ اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی عنایات کے ساتھ (رخصت ہوئے) اور راستے کے ہر مقام پر انعامات خداوندی کا مشاہدہ کرتے ہوئے اپنے وطن مالوف میں داخل ہوئے

(۴۷) اس ہنگامہ جشن (شادی) کے بعد بھی حضرت خواجہ، میر صفر احمد کے حین ......

حیات اپنے خاندان سمیت لاہور تشریف لائے اور انہوں نے آپ کی خوب خدمت کی اور میر صاحب بھی سرہند پہنچے، موصوف اوصاف شائستہ کے مالک ہونے کے علاوہ علم، حلم، ورع، تقوٰی، زہد اور توکل میں اس درجہ پر فائز تھے کہ اس کی تفصیل کے لیے ایک جداگانہ کتاب درکار ہے طوالت کے خوف سے اسے یہیں ختم کر رہا ہوں۔

میر صفر احمد رومی کا وصال لاہور میں حدود ۱۰۳۸ھ کو ہوا اور ان کا مزار شریف شہر سے متصل لیکن بلدہ سے باہر ملتان جانے والی سڑک پر واقع ہے، اس راقم سیاہ کار (مولف) کا نام انہیں کے نام پر تبرکاً رکھا گیا ہے کیوں کہ وہ میری والدہ کے جد مادری ہوتے ہیں۔

یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ کو جو بشارات دیں وہ اتنی زیادہ ہیں کہ جن کا شمار کرنا دائرۂ امکان سے باہر ہے۔ ان میں سے بعض تو اس کتاب کی مفتاح اول میں ان مکاتیب میں مذکور ہیں جو نقل کیے جا چکے ہیں، حضرت خواجہ نے اپنے مکتوب نمبر ۲۳۸ بنام مخدومزادہ شیخ محمد اشرف قدس سرہ میں بھی (بعض بشارات) کا تذکرہ کیا، (جو یہ ہیں):

فتح

بسم اللہ حامداً و مصلیاً، ہمارے حضرت عالی (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمیر کے سفر پر روانہ ہونے سے قبل ایک روز بادشاہ زمانہ (جہانگیر) کے ہمراہ صوبہ پنجاب میں دریائے چناب کے بالائی کنارے پر ایام تشریق میں موسم خریف۔ کے معتدل زمانے میں فنا و بقا کے اسرار اور عین و اثر کے زائل ہونے دقائق اپنی خاص طرز میں بیان فرما رہے تھے اور کعبہ مقصود تک پہنچنے اور اس کی علامت کے متعلق کلام آپ کی مبارک زبان پر جاری تھا اور اس طرح ایک ماہ سے زیادہ وقت گزر چکا تھا کہ اس قسم کے معارف بیان ہو رہے تھے اور روز بروز اس

کے عجائب و دقائق واضح فرما رہے تھے اور یہ فرقت زدہ عالی حضرت کی توجہ مبارک سے اس دریا میں غوطہ زنی کر رہا تھا اور عالی حضرت ہمیشہ اس عاجز کے وصال (رسائی بہ مقصود) کی جانچ اور اس کے اظہار کے منتظر رہتے تھے اور اس کی ترقی کی امید رکھتے تھے اور اس پر توجہ رماتے تھے یہاں تک کہ جس وقت مذکورہ دقائق بیان فرما رہے تھے اس فقیر کے سوا کوئی دوسرا شخص آپ کی خدمت اقدس میں نہ ہوتا تھا تو اس ناکارہ کے حالات و کیفیات دریافت فرمانے کے بعد اس کے حق میں عنایات ظاہر فرماتے اور مذکورہ بالا معاملات کے حصول کی بشارت فرماتے اور اس کے بارے میں یہ شعر اپنی زبان الہام ترجمان پر لاتے۔

(۷۵) ایک مسکین چیونٹی خواہش رکھتی تھی کہ کعبہ میں پہنچ جائے وہ کبوتر کے پاؤں سے چمٹ گئی اور یکایک پہنچ گئی۔ (ترجمہ شعر)

اللہ تعالیٰ کی نعمت اور تمام نعمتوں پر اس کی حمد وشکر ہے، والسلام والاکرام

اگرچہ اس مقدس مکتوب کو جو مکاشفات حضرت قطب زمان امام ربانی مجدد الف ثانی پر مشتمل ہے موضوعی اعتبار سے اس کتاب کی مفتاح اول میں نقل کیا جانا سب سے بہتر تھا لیکن چونکہ یہ مکتوب دقائق، اسرار فنا و زوال عین، اور وصول بہ کعبہ مقصود کی بشارات دربارۂ حضرت خواجہ کا حامل ہے اس لیے بطور خاص لکھا گیا ہے اور اسے اس مفتاح (دوم) میں نقل کیا گیا ہے، اس طرح عنقریب بعض دیگر مکاتیب بھی تحریر کیے جائیں گے جو کہ کمال درایت کے ساتھ محفوظ ہیں اور اصالت کی بشارت تخمیر طینت سے عبارت ہے جو کہ قرب کے تمام مراتب پر فوقیت رکھتی ہے یہ بشارات متعدد مکاتیب میں مختلف عبارتوں میں درج ہیں جو جدید فوائد پر مشتمل ہیں۔ فقیر شکستہ روزگار (مولف) ان میں سے پروردگار کے عطیات برائے حضرت خواجہ میں سے جس قدر ممکن ہوا اپنی حیثیت کے مطابق گفتگو کرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آپ نے مکتوب نمبر ۱۸۳ میں جو کہ حضرت مخدوم زادۂ ثالث عارف خدا آگاہ شیخ محمد عبیداللہ قدس سرہ کے نام ہے، تحریر فرمایا ہے:

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی، چند اعلیٰ درجے کے اسرار اور واضح تحقیقات تحریر میں لائی جا رہی ہیں، اچھی طرح سن لیں، سب سے آخری چیز جو کہ ہمارے عالی حضرت (مجدد الف ثانی) قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے لکھی ہے وہ مکتوب ہے جو کہ جلد ثالث کے آخری دو مکاتیب سے پہلے ان کے متصل ہی مولانا حسن دہلوی کے نام ہے، اور اس مکتوب میں تعین وجودی کے اوپر تعین حبی کو ثابت کیا ہے اور اس سے ترقی کا انکار فرمایا ہے، دن کے وقت ان بلند معارف کے لکھنے میں مشغول رہے اور رات کے وقت عالی حضرت کو بخار ہو گیا اس بخار کے چھٹے روز آپ وصال فرما گئے، عالی حضرت کے رحلت فرمانے کے بعد وہ تحریر معرض ظہور میں آئی اور مخلصین اس کے مطالعہ سے مشرف ہوئے اور انہوں نے اس کی نقلیں لیں، ان بلند معارف کو تحریر کرنے کے بعد مرض موت کی شدتوں میں بھی بہت سے معارف و اسرار بیان کیے اور وصیتیں فرمائیں، من جملہ ان اسرار کے ایک یہ تھا کہ جس رات کی صبح کو (۷۶) آپ وصال فرمائیں گے یا اس سے ایک رات پہلے جبکہ حضرت مخدومی میاں جیو (خواجہ محمد سعید) سلمہ ربہ بھی اس وقت حاضر تھے اور مرض کا غلبہ تھا اور ضعف کمال درجہ پر تھا، آپ نے فرمایا مجھے بٹھا دو بندہ نے اپنی گود میں اس پیشوائے اکابر کو بٹھایا، چنانچہ عالی حضرت کا مبارک وزن اس ذرۂ بے مقدار (خواجہ محمد معصوم) پر تھا، اس وزن سے میں امید رکھتا ہوں کہ اس خاکسار کی زندگی میں بہت خوشگوار پھل لائے گا اور پوشیدہ رکھنے کے لائق نہایت بلند اسرار اس دل فگار پر

وارد کرے گا۔ قصہ مختصر عالی حضرت نے فرمایا کہ وصال لایزال کے لیے پکارنے والے نے میر سر میں ندا دی ہے کہ سلطان تجھے بلاتا ہے، میری بلند پرواز ہمت کے مرغ نے بارگاہ قدس کا رخ کیا حتیٰ کہ پہنچا جہاں تک پہنچا، اس عالی مرتبہ بارگاہ سے ندا سنی کہ سلطان گھر میں نہیں ہے، اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مقام حقیقت کعبہ رُبانی ہے میں اس کے ماوراء کی طرف دوڑا اور عروج حاصل کیا، حتیٰ کہ صفات حقیقیہ کے مقام تک جو کہ وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں پہنچا، صفات کا یہ مقام صفات کی علمی صورتوں کے ماوراء ہے جو کہ تعین علمی کے مرتبہ میں کائن ہیں، اور ان صفات کی صورتوں کے ماوراء ہے جو کہ تعین وجودی و تعین جبی تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں ہیں۔ میں اس مقام سے بھی اوپر متوجہ ہوا یہاں تک کہ ان صفات کے اصول کے ساتھ واصل ہوا جو کہ شیون ذاتیہ ہیں اور ذات عزشانہ میں مجرد اعتبارات ہیں اور تم دونوں بھائی ہر مقام میں میرے ہمراہ ہو، اس مقام سے اوپر کی طرف لے گئے اور ذات بحت تک جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے مجرد ہے پہنچایا اور حضرت مخدومی (خواجہ محمد سعید) کو فرمایا کہ تو میری امامت کے تعلق کی وجہ سے اس مقام میں میرے ساتھ ہے کیوں کہ اس بیماری کے دنوں میں عالی حضرت قدس سرہ کی امامت وہی کرتے تھے اور فقیر سے فرمادیا تھا کہ تم مسجد میں دوستوں کے ساتھ نماز پڑھا کرو اور وہاں امامت کیا کرو، یہ بے پر و بال تعمیل ارشاد کی غرض سے دوستوں کی جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھ کر باقی اوقات خدمت والا میں موجود رہتا تھا اور روز و شب اس مکان میں جو کہ محبوب کی ملاقات کا مقام تھا خدمت اقدس میں گزارتا تھا، مختصر یہ ہے کہ اس احقر کو دوسرے راستہ سے اصالۃً اس انتہائی درجہ تک پہنچنے کا اشارہ

کیا، اسی مجلس میں یا کسی دوسری مجلس میں اس مرض موت میں فرمایا کہ اس درجہ کمال کا حصول اور اس بلند مرتبہ کا وصول حق سبحانہ وتعالیٰ کے کلام مجید کے ساتھ قوی تعلق پیدا کرنے سے وابستہ ہے میں قرآن پاک کے طفیل وتوسط سے اس مقام کے ساتھ ممتاز ہوا ہوں کہ قرآن کریم کے حروف میں سے ہر حرف کو ایک ایسا دریا پاتا ہوں جو کہ کعبۂ مقصود تک پہنچانے والا ہے اسی اثناء میں یہ شعر زبان شریف پر لائے کہ جس کے سنتے ہی حضرت ابوسعید ابوالخیر قدس سرہ دور دراز کے فاصلہ سے اس کے شاعر کی زیارت کے لیے گئے تھے اور وہ شعر یہ ہے:

(ترجمۂ شعر) ''میں دوست کی بات میں پوشیدہ ہو جاؤں گا تاکہ جب وہ اس کو پڑھے تو میں اس کے لب کو بوسہ دوں۔'' زبان شریف سے پڑھا اور بہت لطف اندوز ہوئے اس کے بعد فرمایا ہمارے حال کے موافق (۷۷) اس طرح کہنا چاہیے (ترجمہ شعر): ''میں دوست کی بات میں پوشیدہ ہو جاؤں گا تاکہ جب وہ اس کو پڑھے تو میں اس کے لب کو بوسہ دوں۔'' محبّ کی بات محبوب کے لب پر کہاں پہنچتی ہے جیسا کہ خود اس کی بات کو اس کے ساتھ قرب ومنزلت ہے، اس کی بات سے اس تک پہنچا جاسکتا ہے نہ کہ اپنی بات سے کیوں کہ محبّ کی بات کوتاہ اور راستہ ہی میں رک جانے والی ہے یہ حقیر کہتا ہے **مَنْ عَرَفَ اللّٰہ کَلَّ لِسَانِہٖ** یعنی جس نے اللہ کو پہچانا اس کی زبان گونگی ہوگئی، اس امر پر گواہ ہے، مختصر بات کرنا چاہیے۔ والسلام ....

یہ مکتوب بہت طویل ہے صرف ضروری حصہ نقل کیا گیا ہے، حضرت خواجہ نے اپنے بارے میں جو یہ لکھا ہے کہ اس حقیر کو دوسرے طریقے سے درجہ قصوٰی کے وصول کا اشارہ ملا ہے یہاں راہ دیگر سے مراد ''اصالت'' ہے، جو صرف ضمنیت کا متحمل نہیں

ہے۔ چنانچہ آپ نے خود اپنے مکتوب نمبر ۱۹۲ میں بنام مخدومزادہ عالی درجہ شیخ محمد عبیداللہ قدس سرہ میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ مکمل یہاں نقل کیا جاتا ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و الصلوٰۃ والسلام علٰی رسول اللہ، ہمارے عالی حضرت (مجدد الف ثانی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ سرور دین و دنیا علیہ و علٰی آلہ الصلوۃ والبرکات العلٰی کی ولادت سے جو مادہ باقی رہ گیا تھا مثل پس خوردہ اس کو آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی امت کے بختاوروں میں سے ایک فرد کو عطا فرمایا ہے اور اس کی سرشت (طینت) کو اس سے خمیر کیا ہے اس کے ذریعہ اس فرد کو اصالت سے بہرہ ور کیا ہے اس بقیہ سے اس فرد کی طینت کو خمیر کرنے کے بعد بھی کچھ تھوڑا سا بقیہ رہ گیا تھا وہ بقیہ اس فرد کے منتسبین میں سے ایک شخص کے حصے میں آیا ہے اور اس کی طینت کی تخمیر اس سے کی گئی ہے اور اس نے اس کے انداز کے مطابق اصالت سے بھی کچھ حصہ پا لیا ہے۔ (قرآن مجید میں ہے) (ترجمہ) ''بیشک تیرا رب وسیع مغفرت والا ہے'' شاید کہ اصالت کا جو حصہ حضرت مہدی موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے ہے حضرت عیسیٰ علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے ہو اور ان عالی حضرت بلند شان نے فرمایا کہ جب محفل عالی یعنی انبیاء کرام علیہم السلام کی محفل میں پہنچا تو اہل مجلس کے ہجوم کی وجہ سے کسی دوسرے کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ حضرت خلیل علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے جو کہ اس جگہ میں خاص شان رکھتے تھے اہل مجلس کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا یآیہاء الذین آمنوا تفسحوا فی المجالس (یعنی اے ایمان والو! مجلسوں میں کشادگی کیا کرو) اہل مجلس نے حرکت کی بیٹھنے کے لیے وسیع جگہ میسر آ گئی میں

اس جگہ بیٹھ گیا۔

تنبیہ، امت کے بعض خاص افراد کو بہ تبعیت (۷۸) و وراثت کے طور پر کمالات نبوت کے حاصل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ خاص فرد نبی ہو جائے یا نبی کے برابر ہو جائے کیوں کہ کمالات نبوت کا حاصل ہونا اور بات ہے اور منصب نبوت کا حاصل ہونا اور بات ہے۔ جیسا کہ اس موضوع کی تحقیق عالی حضرت (مجدد الف ثانی) کے مکتوبات قدس آیات میں تفصیل سے مذکور ہے۔ وَالسّلام عَلٰی مَن اتّبع الھُدٰی

اصالت کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے اس عالی شان مجلس میں وسعت پیدا ہوگئی لیکن مرتبۂ ضمنیت میں بہت سے مراتب و مقامات طے کرنے کے باوجود اس مجلس معلّٰی میں تنگی سے بھی بیٹھنے کی جگہ نہ ملی۔

جان لینا چاہیے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ کو (مرتبۂ) اصالت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ آپ کے مذکورہ مکتوب سے یہ بات پوری طرح روشن اور واضح ہے۔ (اپنے مکتوب) میں جہاں آپ نے یہ لکھا ہے کہ اس فرد کی تخمیر طینت کے بعد جو کم مقدار میں خمیر بچا تھا وہ بقیہ اس فرد کے منتسبان میں سے (ایک کو ملا ہے)

...... اس میں "فرد منتسب" سے مراد حضرت مجدد الف ثانی کی ذات مبارک ہے ......

نیز انبیاء اربعہ علیھم السلام کی صف میں داخل ہونے کی بشارت بھی بطور اصالت ہی مرحمت فرمائی ہے۔ ان اسرار کو ضروریات میں شمار کرتے ہوئے اکابر دین اور صالحین کرام سے متواتر سنا ہے اس لیے مختصراً بیان کر دیا ہے۔

اس وقت عارف سریع السیر قطب کاملین شیخ محمد زبیر سَلّمه ربّهٗ (کی زبانی) وہ حکایت بیان کی جا رہی ہے جو اکثر وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس مجلس معلّٰی میں حضرت مجددالف ثانی کو بیٹھنے کی جو وسیع جگہ ملی وہ حضرت خلیل عَلٰی نَبینا و عَلیہ الصلوٰۃ والسّلام کی دلالت سے میسر آئی تھی (ایک مرتبہ) آپ نے حضرت خواجہ سے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ محمد معصوم تجھے بھی میرے قریب بیٹھنے کی جگہ ملی بڑے بیٹے حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) بھی اس مقام میں (ہمارے) ساتھ (رفیق) تھے، فرماتے تھے کہ اس وقت تک محمد سعید کو وہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں مل سکی لیکن امید رکھو کہ روز قیامت میری ضمنیت کے باعث اسے جگہ مل جائے گی اور وہ اس مجلس میں اکابر کا ہم جلیس ہوگا۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی یہ بھی فرماتے تھے کہ وطن کی مناسبت سے مجھے انبیاء ہند کے ساتھ بیٹھنے کی جگہ ملی۔ اپنے والد و مرشد سے مجھے اکثر یہ سننے کا اتفاق ہوا کہ جب حضرت مجدد الف ثانی (۷۹) اس مجلس معلیٰ میں باریاب ہوئے تو آپ فرماتے تھے کہ مجھے اپنے محبوبانہ بدن کا نظارہ کر کے بہت حلاوت محسوس ہوتی تھی اور میں اس پر نازاں تھا، لیکن جب میری نظر قدموں کی جانب جاتی تھی تو میں غم ناک مور کی طرح ہو جاتا تھا کیوں کہ مور کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ اپنے زمرد جیسے بدن کا نظارہ کر کے خراماں خراماں کمال طراوت اور حلاوت کے ساتھ رقص کرتا ہے لیکن جب اس کی نظر اپنے جسم کے سب سے برے حصے یعنی قدموں پر پڑتی ہے تو بہت غم زدہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، جناب امام ربانی مجدد الف ثانی کے اس تمام حزن کا سبب بھی اسی نوعیت کا تھا کہ اپنے پاؤں کے مشاہدہ کے بعد (یہی کیفیت محسوس ہوتی تھی) اگرچہ آپ اولیائے کرام کے تاج تھے اور آپ کا تمام بدن مبارک حضرت رسالت خاتمیت **صلی اللہ علیہ وسلم** کے بقیہ طینت سے وجود میں آیا تھا کیوں کہ اس تخمیر کے عمل میں آپ کے پاؤں شامل نہیں تھے، آپ نے اس تخمیر پاک کی بشارت حضرت خواجہ محمد معصوم کو بھی دی تھی اور یہ بقیہ دراصل حضرت آدم علیہ السلام کے بقیہ طینت کے رنگ میں ہے جو خرما کے درخت کو نصیب ہوا ہے .... اس لیے جیسا کہ مکتوب مذکور سے عیاں ہے کہ حضرت خواجہ کا اس مجلس معلیٰ میں بیٹھنا طریق اصالت سے تھا، باوجود اس کے کہ آپ کو حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ اصالت ضمنیت کا مرتبہ بھی حاصل تھا۔

مرشد الاولیاء مخدوم زادۂ اصغر قدوۂ ارباب تحقیق شیخ محمد صدیق قدس سرہ سے روایت ہے اور معرفت دستگاہ مخدوم زادۂ گرامی شیخ محمد اسماعیل سلمہ ربہ بھی اکثر یہ ذکر کیا کرتے تھے کہ حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) قدس سرہ کے فرزند رشید حضرت وحدت اپنے والد کے فضائل کے سلسلہ میں حضرت مجدد الف ثانی کے اقوال نقل کیا کرتے تھے کہ اگرچہ آپ حضرت مجدد الف ثانی کے ضمنی تھے اور ضمنیت مجددی تمام مقامات میں منفرد ہے اور خلت کے بارے میں آپ فرماتے تھے کہ قیومیت سے افضل ہے، قیومیت کا منصب حضرت آدم علیہ السلام کا ہے اور خلت حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کا مقام ہے، اور حضرت حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت خلیل کی تمام انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ و التسلیمات پر فضیلت (ثابت ہے) اور یہی اہل سنت کا اعتقاد ہے، اور حضرت مجدد الف ثانی نے خلت کا خلعت، خلعت قیومیت کے بارے میں جدا ہونے کے بعد پہنا ہے اس لیے یہ ظاہر ہے کہ خلعت ثانی خلعت اول سے افضل ہے، لیکن ضمنیت کی فضیلت اصل پر اس سبب سے ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے ان (خواجہ محمد سعید) کو اپنی ضمنیت کی بشارت دینے کے بعد اور آپ (خواجہ محمد معصوم) کی اصالت کے اقرار کے بعد فرمایا کہ محمد سعید تو غم (۸۰) نہ کر تو میرا ضمنی ہے جیسے کہ حضرت ابوبکر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ضمنی ہیں کوئی ولی وصوفی کسی زمانے میں بھی آج تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر نہیں ہوا، یہ مقدمات حضرت شیخ محمد صدیق نے حضرت خواجہ محمد معصوم کے حین حیات میں آپ کی خدمت میں عرض کر دیے تھے، حضرت خواجہ اس کے جواب میں فرماتے تھے کہ میری اصالت حضرت مجدد الف ثانی کی اصالت کی طرح ہے اور اس میں کسی طور بھی کسی نوعیت کا شک نہیں ہے یعنی یہ اصالت محمدی علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام ہے۔

پس میرے ضمنی حضرت مجدد الف ثانی کے ضمنیوں کی طرح ہیں، مرتبۂ اصالت ملنے کے باوجود حضرت مجدد الف ثانی نے مجھے اپنی ضمنیت کی بشارت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اور اس اصالت وضمنیت کے باوجود مجھے حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ضمنیت کی بشارت سے سربلند کیا۔ چوں کہ قیومیت اصالت سے لازم وملزوم ہے اور اصالت دراصل حضرت سید الرسل علیہ و علیہم الصلوۃ والبرکات کے بقیۂ تخمیر میں سے ہے جس کا منشاء محبوبیت ذاتی ہے جو کہ خلت سے بھی افضل ہے۔ اس لیے اگر قیومیت کو خُلت سے افضل سمجھ لیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ بہرحال خلت پر محبوبیت ذاتی کی افضلیت ہی ممکن ہے اور محبت پر ہویدا ہے ...... حضرت مجددالف ثانی نے اپنے تمام کمالات کی آپ کو بشارت دی تھی۔

پس محبوبیت خلت و مُحبیت بھی آپ میں بدرجۂ اتم ثابت ہے۔ حضرت مجددالف ثانی کے مکتوبات کی تیسری جلد میں ایک مکتوب ہے جس میں حضرت خواجہ محمد معصوم کے لیے قیومیت اور حضرت خازن الرحمۃ (خواجہ محمد سعید) کے لیے بشارت خلت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ بطور سعادت وثبوت یہاں نقل کیا جارہا ہے:

فتح

کل صبح کی نماز کے بعد خاموشی کی مجلس ہو رہی تھی کہ ظاہر ہوا کہ وہ لباس جو میں پہنے ہوا تھا مجھ سے جدا ہو گیا ہے اور ایک دوسرا لباس میری طرف متوجہ ہے جس نے اس لباس کی جگہ لے لی ہے، میرے دل میں خیال آیا کہ یہ لباس جو اتارا گیا ہے معلوم نہیں کس کو دیں یا نہ دیں اور میری آرزو یہ ہوئی کہ وہ لباس میرے فرزند ارشد محمد معصوم کو مل جائے ایک ہی لمحہ کے بعد دیکھا کہ وہ میرے اس بیٹے کو دے دیا گیا ہے اور وہ پورا خلعت اس کو پہنا دیا گیا ہے اور یہ (۸۱) اتارا جانے والا خلعت معاملۂ قیومیت سے کنایہ ہے جو کہ تربیت اور تکمیل سے تعلق رکھتا ہے اور اس کے اس

عرصۂ مجتمعہ کے تعلق کا سبب ہوا اور اس نئے خلعت کا معاملہ تکمیل کو پہنچے گا تو اترنے کا مستحق ہو جائے گا اور امید ہے کہ کمال کرم سے وہ میرے دوسرے عزیز فرزند محمد سعید کو عطا فرمائیں گے۔ یہ فقیر ہمیشہ عاجزی سے یہ سوال کرتا ہے اور قبولیت کا اثر بھی دیکھتا ہے اور اپنے فرزند (خواجہ محمد سعید) کو اس کا مستحق بھی سمجھتا ہے:

با کریماں کارہا دشوار نیست

اگر استعداد ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ہے:

(ترجمۂ شعر) میں اپنے گھر سے کوئی چیز نہیں لایا ہوں تو نے ہی مجھے سب چیزیں دی ہیں اور میں خود بھی تیری چیز ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(ترجمہ) اے آل داؤد شکر کرو اور میرے شکر گزار بندے کم ہیں۔

جان لیں کہ شکر عبارت ہے اس سے کہ بندہ ہر اس چیز کو ایسی جگہ میں صرف کرے جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا ہے خواہ وہ اعضاء ہوں یا ظاہری و باطنی قوتیں اور اگر ایسا نہ کیا جائے تو شکر حاصل نہیں ہوسکتا۔

(اس مکتوب میں) خلعت جدیدہ کا جو تذکرہ آپ کے قلم عنبریں رقم سے ہوا ہے اس سے مراد خلت ہے۔ تمام تعریف **اللہ سبحانہ** کے لیے ہے کہ آخر کار وعدہ پورا ہوا اور دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا اور جیسا کہ اس عاصیٔ دور از کار (مولف) نے اس سے پہلے لکھا تھا کہ قیومیت اصالت سے لازم وملزوم ہے اس کی شہادت حضرت خواجہ کے مکتوب بنام حقائق آگاہ خواجہ محمد حنیف کابلی سے مل گئی ہے۔ جس میں آپ نے مقام قیومیت کی تحقیق کی ہے اور قیومیت، اصالت اور محبوبیت ذاتی وکمال انفعالی کی حضرت مجدد الف ثانی کی طرف سے اپنے بارے میں بشارت بھی درج کی ہے اور وہ

جلد اول کا مکتوب نمبر ۸٦ ہے:

متن

اَلحَمد لِلّٰہ و سَلَام عَلٰی عِبَادہ الذین اَصطفٰی، برادر عزیز مولانا محمد حنیف اس مسکین کی طرف سے دعا و سلام کے بعد جان لیں کہ جس وقت حضرت مجدد الف ثانی **قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس** نے اپنے مخلصوں میں سے ایک درویش کو خلعت قیومیت سے نوازا اور اس کو اس امر عظیم سے سرفراز فرمایا، اس درویش کو خلوت میں طلب کر کے فرمایا کہ اس دنیا کے ساتھ میرے ارتباط کا تعلق یہی قیومیت کا معاملہ رہا ہے جو کہ تجھ کو عطا کر دیا گیا ہے اور مکونات [1] پورے شوق کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہو گئے ہیں اب اس میں فانی دنیا میں اپنے رہنے کا کوئی سبب نہیں پاتا ہوں اور اس پر آشوب دنیا سے اپنے رحلت فرمانے کا وقت قریب ہونے کی بابت فرمایا (۸۲) زخمی دل درویش اس مذکورہ بشارت کے سننے کے باوجود جگر سوختہ اور چشم پرنم ہو کر اپنے اندر نہایت غم و اندوہ میں ڈوب گیا نہ زبان میں بولنے کی طاقت رہی اور نہ ہی کانوں میں سننے کی تاب رہی، جب عالی حضرت نے اس تبدیلی کو اس مسکین میں مطالعہ کیا تو نہایت مہربانی سے فرمایا غم نہ کر اللہ تعالیٰ کا طریقہ اسی طرح جاری ہے کہ کسی کو اپنے پاس بلاتا ہے اور کسی دوسرے کو اس کی جگہ پر بٹھاتا ہے، اور نہایت مہربانی سے اس عزیز کی عبارت کو جو کہ وہ محاسن میں نقل کر کے لایا تھا زبان مبارک پر جاری فرمایا کہ پیغمبر خدا **صلی اللّٰہ عَلیہ وسلم** کو اٹھا لیا گیا اور حضرت ابوبکر آپ کی جگہ پر بیٹھے پھر حضرت ابوبکر کو اٹھا لیا گیا اور حضرت عمر آپ کی جگہ بیٹھے اور پھر حضرت عمر کو اٹھا لیا اور حضرت عثمان ان

---

[1] موجودات

کی جگہ پر بیٹھے اور پھر حضرت عثمان کو اٹھا لیا اور حضرت علی نے ان کی جگہ لی، اس درویش میں اس کے معنی سمجھنے کی قابلیت نہیں تھی اور مذکورہ غم و رنج بھی اس کے دل میں موجود تھا ہاں یا نہ کچھ بھی نہیں کہا اور جن امور کا انکشاف ضروری تھا درمیان نہ لایا۔ یہی وجہ تھی جب عالی حضرت نے فرمایا کہ اشیاء میری قیومیت سے تیری قیومیت کے ساتھ زیادہ راضی اور خوش ہیں، میں اس کی لم و علت [1] (معلوم کرنے کی جرأت بھی نہ کر سکا، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

''اے وحشی یار گزر گیا اور تو نے کوئی بات بھی نہ کی۔ اے خانماں برباد کیا تیری زبان بندھی ہوئی تھی'' (ترجمۂ شعر)

جب عالی حضرت نے اس درویش کا غم بہت ہی زیادہ دیکھا تو فرمایا کہ میرے رحلت کرنے میں قدرے مہلت ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ کیا تعلق درمیاں ہے، متوجہ ہو کر ایک لمحہ کے بعد فرمایا میرے وصال کے دنوں تک تیرا قیام میرے ساتھ ہوگا اور افراد عالم کا قیام تیرے ساتھ ہوگا، یہ قول اس غمگین مسکین کے دل کو قدرے تسلی دینے والا تھا، اس واقعہ کے ایک سال اور چند روز کم تین ماہ بعد عالی حضرت کے وصال کا واقعہ پیش آیا کیونکہ یہ گفتگو سنہ ایک ہزار بتیس (۱۰۳۲ھ) کے ماہ ذی الحج کے پہلے عشرہ میں ہوئی تھی اور اس ہادی کا نام (حضرت مجدد الف ثانی) کا وصال اٹھائیس صفر سنہ ایک ہزار چونتیس (۱۰۳۴ھ) کو ہوا تھا۔ اس خلعت کے عنایت فرمانے سے دس گیارہ سال پہلے جس زمانے میں درویش تقریباً چودہ سال کا تھا، آپ کی خدمت اشرف میں اس نے عرض کیا تھا کہ میں اپنے اندر سے ایک نور پاتا ہوں کہ تمام دنیا اس سے منور

---

[1] غایت اصل

ہے اور وہ نور ذرات عالم کے ہر ذرہ میں آفتاب کی طرح سرایت کیے ہوئے ہے اگر وہ نور ختم ہو جائے تو دنیا تاریک ہو جائے، عالی حضرت نے یہ بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ تو اپنے وقت کا قطب ہوگا اور میری یہ بات یاد رکھ، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس چیز کا وعدہ کیا گیا تھا وہ پوری ہوگئی اور بشارت کا اثر حاصل ہو گیا کیوں کہ قطب ہونا قیومیت کا ایک شعبہ ہے:

(۸۳) اب ہم اصل معاملہ کی طرف جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیوم اس عالم میں حق تعالیٰ کا خلیفہ اور اس کا نائب ہوتا ہے۔ اقطاب و ابدال اس کے دائرہ ظلال میں داخل اور افراد و اوتاد اس کے کمال کے محیط میں شامل ہوتے ہیں، تمام افراد عالم اس کی طرف رخ کرتے ہیں اور اہل جہاں کی توجہ کا قبلہ وہی ہوتا ہے خواہ وہ جانیں یا نہ جانیں، بلکہ اہل عالم کا قیام اس کی ذات سے ہے اس لیے کہ افراد عالم چونکہ اسماء وصفات کے مظاہر ہیں کوئی ذات ان کے درمیان کائن[۱] ہے اس لیے تمام اعراض و اوصاف ہیں اور اعراض و اوصاف کو ذات و جوہر کے بغیر چارہ نہیں ہے تاکہ ان کا قیام اس کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ کی عادت جاری ہے کہ طویل زمانوں کے بعد کسی عارف کو اس ذات سے حصہ عطا فرما کر اس کو ایک ایسی ذات عطا فرماتا ہے کہ وہ نیابت و خلافت کے طور پر اشیاء کا قیوم ہو جاتا ہے اور اشیاء اس کے ساتھ قائم ہوتی ہیں۔

جاننا چاہیے کہ نسبت قیومیت کا حاصل ہونا کسی شخص کو اس وقت تک میسر نہیں ہے جب تک وہ اصالت میں کچھ حصہ نہ رکھتا ہو۔ ان عالی حضرت و متعالی منقبت (حضرت مجدد الف ثانی) نے جس درویش کو نسبت قیومیت

---

[۱] موجود

کے حاصل ہونے کی بشارت دی تھی اس کو مقام اصالت کے ثابت ہونے کی خوشخبری کے ساتھ بھی سرفراز کیا اور نیز فرمایا کہ جس قدر تو اصالت سے حصہ رکھتا ہے اس کے موافق محبوبیت کی فطرت تیری ذات میں ودیعت کی گئی ہے یعنی محبوبیت ذاتی وکمال انفعالی کی بھی اس کے حق میں نشاندہی فرمائی ہے۔ (جیسا کہ قرآن مجید میں ہے) (ترجمہ) ''اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں ہے۔''

یہ مقدس ومبارک مکتوب متعدد بشارات پر مشتمل ہے، حضرت مجدد الف ثانی کی طرف سے حضرت خواجہ کے لیے قطبیت، قیومیت اور خلافت جیسے مناصب اس میں درج ہیں۔ اس خط میں دیگر مکاتیب کی طرح اصالت کا بھی ذکر ہے جو قیومیت کے (منصب کے لیے) شرط ہے اور محبوبیت ذاتی وکمال انفعالی جو کہ آسمانی وحی کی مانند ہیں محض فضل وعطاء رب کریم ہے اور یہ نہ تو سیکھنے سے اور نہ ہی عمل سے ملتی ہے۔ اور اس نامۂ عنبریں قلم میں قیومیت کے معنی میں مذکور ہے جس کے اسرار کو پوشیدہ رکھنا لازم ہے۔ جو کہ صاحب کمال منصب پر ظاہر ہے۔ اسی طرح بعض دوسرے اسرار بھی جو کہ شان اصالت سے تعلق رکھتے ہیں اور جو آپ میں جلوہ گر تھے سعادت کے طور پر ان کا بھی ذکر کروں گا۔

حضرت خواجہ نے اپنے مکتوب ۲۳۶ بنام مخدوم زادۂ ثالث حضرت مروج الشریعت یعنی شیخ محمد عبید اللہ قدس سرہ میں تحریر فرمایا ہے:

فتح

(قرآن مجید میں ہے) (ترجمہ) ''تو پاک ذات ہے ہمیں اس علم کے سوا جو تو نے دیا ہے کچھ علم نہیں ہے۔'' حدیث پاک میں ہے ''اے محمد ٹھہر جائیے پس بے شک آپ کا رب نماز پڑھ رہا ہے۔'' بلند مرتبہ اور عالی شان تعریف والے ہمارے عالی حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آخری

مرض سے پہلے (۸۴) اور اسی طرح مرض موت میں نماز کے حقائق و اسرار اور حقیقت صلوٰۃ کے متعلق اور انبیاء و اولیائے کاملین کی نماز کے بیان اور اس خصوصیت کے بارے میں جو کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والبرکات کو دوسرے کاملین پر ہے اور انبیاء و ملائکہ ملاء اعلیٰ علیہم الصلوٰت والبرکات کی چاروں صفوں کے بیان میں جنہوں نے (معراج کے دوران) اقتداء کی ہے اور بزرگوں کے صف باندھنے کی کیفیت اور قرب و منزلت کے اعتبار سے آپس میں ان کے درمیان درجات کا فرق اور یہ کہ صف اول میں ان برگزیدوں میں سے کون ہے اور وہ انبیائے کرام جن کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلام پاک میں مذکور ہے اس مجمع میں کیا خصوصیت رکھتے ہیں اور سرور دین و دنیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاص مقام جو کہ دوسروں کے مقامات پر سرداری اور بزرگی رکھتا ہے اور اس مقام کی وسعت کے بیان میں اور اس امت کے سابقین میں سے کون ہے جو طفیل و تبعیت کے طور پر اس مقام کے وصول سے مشرف و سعادت مند ہے اور اپنے مقام کا تعین اور اس کی خصوصیت کا بیان اور جو کچھ مخدومی استاذی کے متعلق اس دولت سے کچھ حصہ حاصل ہونے کے بارے میں فرمایا اور نیز جو کچھ اس گنہگار کے بارے میں بشارت دی اور اس دولت کے اصالت کے طریق پر اور ضمنیت کے طریقے پر حاصل ہونے میں جو کچھ فرق ظاہر فرمایا اور اس سے مناسبت رکھنے والی بہت سی چیزیں بیان فرمائیں کہ فکر و عقل و وہم ان کے ادراک سے حیران و پریشان ہوتے ہیں چونکہ مذکورہ بالا اکثر امور کی تفصیل ان اسرار میں سے تھی جن کا چھپانا لازم ہے اس لیے اس بنا پر اس مقام کے ذکر میں اجمال کے ساتھ کفایت کی گئی ہے، والسلام۔

یعنی مذکورہ امور کی بشارت آپ نے اصالت کے طریقہ پر عنایت فرمائی اس مبارک خط میں ''مخدومی و استاذی'' سے مراد آپ کے بڑے بھائی حضرت خازن الرحمۃ (خواجہ محمد سعید) ہیں اور ان کے بارے میں مذکورہ کمالات کا حصول اپنی ضمنیت کے طریق پر فرمایا ہے، اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ محمد معصوم کو کمالات تجدید میں اپنے ساتھ شرکت کی بشارت بھی عنایت فرمائی (یہ روایت) اسی طرح مجھے اپنے شیخ، والد اور امام (شیخ محمد فضل اللہ) قدس اللہ سرہ سے سننے کا (موقع ملا) ہے اور ارشاد فرمایا کہ تری صحبت سے مجھ جیسے مردوں کا ظہور ہوگا جیسا کہ ہم نے (اس کتاب کی) مفتاح اول میں ذکر کیا ہے اور یہ بشارت بھی کہ تیری دنیا کو بھی آخرت ہی بنا دیا گیا ہے بھی عنایت فرمائی۔ آپ نے ان امور کا (اپنے ایک مکتوب بنام) مخدوم زادۂ بزرگ عالی حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ جیو **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** میں مفصل تذکرہ کیا ہے جو کہ ان کے احوال کی مفتاح ہفتم میں (۸۵) میں نقل کیا جائے گا۔ **ان شاء اللّٰہ تعالیٰ الودود**

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے تھے کہ میں خود کو ایک آسمان کی طرح پاتا ہوں اور اپنے فرزند محمد معصوم کو اس کا راقم سمجھتا ہوں۔ یعنی تمام اہل جہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس آخر زمان کی آفات سے مجددی سایہ کے نیچے محفوظ ہیں، لیکن حضرت خواجہ کے انوار شاہ راہ حقیقت کی طرف راہنمائی کرتے ہیں جو وادی طریقت (کی طرف لے جاتے ہیں اور یہی) شریعت کے لیے کلید ہے اور مجددی فیض معصومی شاعوں کے ذریعے دنیا پر سایہ فگن ہے، جناب مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ ہر قطب کے دو امام ہوتے ہیں آپ نے اپنے دونوں فرزندوں سے فرمایا کہ تم میرے امام ہو۔ (میرے بیٹوں میں سے) محمد سعید اپنی انتہائی انکساری کے باعث محمد معصوم (کے مقام کو) چھوڑ کر خود صاحب یمین ہو گئے۔

اس عالی شان کلام کا مفہوم جو کہ اسرار کا خلاصہ بھی) ہے کا پوشیدہ رکھنا واجب

ہے کہ اس ذرۂ بے مقدار (مولف) میں اس کی تشریح کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ البتہ ایک تیز فہم (سالک) اس کے حقیقی مفہوم تک پہنچ سکتا ہے۔ اور ہر ایک اپنی لیاقت کے مطابق ہماری اس نشاندہی سے مقصود اصلی تک رسائی کر سکتا ہے اور ہر سالک کو کمال محبت اور نور ایمان سے یہ مفہوم (مقام) حاصل ہو سکتا ہے۔ (ان حضرات کو اس سلسلے میں) ایک عمدہ اشارہ یہ دیا جا رہا ہے کہ خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ **قدس سرہ** ولایت ابراہیمی پر فائز تھے اور یہی ولایت حضرت خازن الرحمۃ (خواجہ محمد سعید) کی ہے اگرچہ اس کے بعد وہ ولایت خاصۂ محمدی **علیہم الصلوۃ والسلام** سے مشرف ہو گئے۔ اس لیے خواجہ محمد ہاشم مذکور کی امام یمین کے ساتھ مناسبت کامل ثابت ہے، حضرت خواجہ محمد معصوم نے بھی مناسبت ملحوظ رکھی، آپ نے خواجہ محمد ہاشم کو جو مکتوب لکھا ہے یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

حمد و صلوٰۃ اور تبلیغ و دعوات کے بعد حقائق دستگاہ و معارف آگاہ کے خدام سے عرض کرتا ہے کہ یہاں کے فقراء کے احوال حمد و شکر کے لائق ہیں، اللہ سبحانہ سے آپ کی سلامتی اور آپ کے مشائخ کے راستہ پر ظاہری اور باطنی طور پر استقامت کی دعا دی گئی ہے، پس بے شک یہ کام کی اصل اور فیوض کا مدار ہے اور اس کے بغیر سب کچھ بے کار رنج اٹھانا ہے۔

آج اصحاب یسار (بائیں طرف والے) منتظر ہیں کہ اصحاب یمین (دائیں طرف والے) کے اسرار سے آگاہ ہوں اور ان خزانوں سے کوئی موتی حاصل کریں، امید ہے کہ از راہ کرم دریغ نہیں فرمائیں گے اور اس پر نہیں چھوڑیں گے اور تلخ دہنوں کو اپنے کریمانہ دسترخوان کی شیرینی سے نوازیں گے۔

میرے سر پر ایک شیریں دلبر کا سودا ہے، تلخ کاموں کو شیرینی کا ایک

جنون ہے۔(ترجمۂ شعر)

(۸۶) امید ہے کہ جب اہل یسار کی باری آئے گی اور اس عالم کا معاملہ ظاہر ہو گا اس بات کی تمنا کریں گے کہ ان کے راستہ کی گرد کو اپنی چشم بصیرت کا سرمہ بنائیں گے اور ان کے حسن کے دسترخوان کے نمک کا ایک ذرہ طلب کریں۔

(وہ معشوق ایسی کیفیت رکھتا ہے کہ جو کچھ بھی ہے بس وہی ہے اے ہم مشربو! اس کو طلب کرو کہ وہ کہاں ہے) (ترجمہ شعر)

مختصر یہ ہے کہ ''ایک نیکی کا دس گنا بلکہ نو سو گنا ثواب ملتا ہے'' مسلمہ فیصلہ ہے اس کے مطابق جو کچھ ہو سکے ایثار کریں اور بخل نہ کریں (آیۃ کریمہ میں ہے) (ترجمہ) ''وہ ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ ان پر فاقہ ہی ہو'' ورنہ (ترجمہ) ''اللہ میرے لیے کافی ہے۔'' کہتے ہوئے نعمت و راحت اور خلت کے سرچشمہ سے ملاحت کی نسیم اور محبت کے گھونٹ پر کفایت کرلیں گے۔

نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں اور غریب کے لیے جو گھونٹ دو گھونٹ وہ پیتا ہے کافی ہے...... **والسلام اولاً و آخراً** (ترجمہ شعر)

اس مکتوب محبوب سے اصحاب یسار کا فضل (فضیلت) بیت سے مراتب ...... میں ثابت ہو گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ارباب یسار مقام محبوبیت سے کامل مشابہت رکھتے ہیں، مکتوب شریف (منقولہ) میں فارسی شعر سے یہ بات عیاں ہے کہ اصحاب یمین کو مقام خلت جس کو ''صاحت'' سے مناسبت کامل ہے اور اس کے ساتھ کلی مماثلت بھی ثابت ہے، رکھتے ہیں......

اللہ اکبر بات میری صلاحیت سے بلند ہو گئی ہے حضرت مجدد الف ثانی کی ان بشارات کا ذکر کرنا مقصود ہے جو حضرت خواجہ محمد معصوم سے متعلق ہیں، لیکن ضمناً یہاں

حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کے متعلق بھی (بشارات) احاطہ تحریر میں آ گئی ہیں، اگر حضرت خواجہ محمد سعید کے احوال خصوصیت سے بیان کیے جائیں تو ایک مستقل کتاب درکار ہے۔

معرفت دستگاہ شیخ محمد ہادی مرحوم کو اللہ سبحانہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے چالیس سال صرف کر کے پانچ ضخیم جلدوں میں (ان حضرات کے) مقامات تفصیل سے لکھنے کو اپنی سعادت سمجھا ان میں سے ایک جلد انہوں نے حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ کے احوال میں مرتب کی جس میں انہوں نے حضرت خواجہ محمد سعید کو حضرت خواجہ محمد معصوم (۸۷) پر فضیلت دی ہے اس میں حضرت مجدد الف ثانی کو حضرت ایشاں اعظم، حضرت خواجہ محمد معصوم کو حضرت عظیم، حضرت حجۃ اللہ کو حضرت 'ایشاں کریم' اور اپنے والد گرامی یعنی حضرت مروج الشریعت کو حضرت 'ایشاں جلیل' کے القاب سے یاد کیا ہے گویا ان حضرات کے القاب میں جو فرق ہے اس کا تذکرہ کیا ہے البتہ حضرت مجدد الف ثانی کو حضرت 'ایشاں اعظم' اور حضرت خواجہ محمد معصوم کو حضرت 'ایشاں عظیم' بلاشبہ لکھا ہے اور دیگر تینوں حضرات کے القاب بھی یقیناً یہی ہیں لیکن اگر ان کے مقامات کے تعین میں مجھ سے تضاد واقع ہو گیا ہو تو یہ ممکن ہے البتہ زیادہ امکان یہی ہے کہ یہاں تفاوت واقع نہیں ہوا[۱] اور ہر جلد بہت ہی ضخیم ہے اگر مولف (شیخ محمد ہادی) اس کو پانچ جلدیں کر کے لکھتے تب بھی گنجائش ہو سکتی تھی جیسا کہ انہوں نے حضرت خواجہ محمد سعید کے احوال کے ضمن (وسط) میں (ان کے فرزند) حضرت وحدت قدس سرہ کے حالات لکھے ہیں اور اسی جلد میں مجلد ہیں جو کہ ستر اجزاء پر مشتمل ہیں اسی طرح حضرت خواجہ محمد سعید کے نواسہ شیخ بدیع الدین کے احوال اٹھائیس اجزاء میں لکھے ہیں اور یہی معاملہ دیگر حضرات کے ساتھ ہوا ہے۔

---

[۱] یہاں مولف قیاسی بات اس لیے کر رہے ہیں کہ وہ حالت سفر میں یہ کتاب تالیف کر رہے ہیں اور ان کا ذخیرۂ کتب مرکز سرہند میں محفوظ ہے۔

اس ساری طویل بحث کا مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شائق ان حضرات عالی، ان کی اولاد کرام اور ان کے خلفائے عظام کا تفصیل سے مطالعہ کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے (اس کا اصل) نام ''کواکب دریہ'' ہے۔

اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں اور کہتا ہوں کہ حضرت خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے حین حیات ہی اللہ تعالیٰ کی ذات میں اس قدر مستغرق ہو چکے تھے کہ ''بی یسمع و بی یبصر'' آپ پر عین صادق آتا ہے۔

مجھے اپنے اکابر سے (یہ روایت) سننے کا اتفاق ہوا ہے ایک مرتبہ ملا دو پیازہ جس کا ذکر اس کتاب کی مفتاح اول میں گزر چکا ہے، حضرت خواجہ کے ایام جوانی میں سرہند شریف آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی صفۂ معلیٰ میں خلوت اختیار فرما چکے تھے اور نماز جمعہ کے سوا مسجد میں نہیں آتے تھے، اتفاق سے نماز جمعہ میں ملا دو پیازہ کو حضرت مجدد الف ثانی (کے قریب جگہ مل گئی) نماز کے دوران اس مقبول ادا ملا (یعنی ملا دو پیازہ) سے ایسی ادا سرزد ہوئی کہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم جو کہ ''حقیقت نماز'' کے مرتبہ پر پہنچے ہوئے تھے لیکن اس وقت معاملہ کچھ اور ہی تھا کہ بے اختیار ان دونوں حضرات نے تبسم کیا اور قریب تھا کہ قہقہہ کی نوبت آ جاتی لیکن اس تبسم محبوب کا ان دونوں حضرات کے سوا کسی نمازی کو علم تک نہ ہو سکا۔ اگرچہ وہاں بہت سے لوگ جن میں آپ کے صاحبزادگان، نیاز مند اور دوسرے نمازی بھی موجود تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد اللہ جل سلطانہ کی ہیبت (۸۸) نے ان دونوں حضرات پر اس قدر غلبہ کیا کہ توبہ و استغفار کی اور شرمساری کے ساتھ مراقبہ کیا تو حضرت مجدد الف ثانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ اس تبسم سے اتنے پشیمان نہ ہوں کیوں کہ اس وقت خود رب کریم اس مبارک کیفیت (ضحک) میں تھا یہی وجہ ہے کہ تم دونوں جو اس وقت اللہ سبحانہ کی ذات والا صفات میں مستغرق تھے یہ کیفیت صرف تم دونوں میں سرایت کر سکی اور باقی حاضرین کو اس کی خبر تک نہ

ہوئی کہ ان کو اتنا استغراق حاصل نہیں تھا...... ضحک سے مراد رضا کی انتہا ہے......
جناب مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ کو ولایات یعنی ولایت صغریٰ، کبریٰ اور علیا کے حاصل ہونے کی بشارت دی اور کمالات نبوت کے بطریق وراثت کے بھی بشارت مرحمت کی، اس کے ساتھ ہی حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن مجید، حقیقت صلوٰۃ اور تعین عملی و وجودی یہاں تک کہ سیر مرکزی و سیر نظری کے ملنے کا بھی تذکرہ فرمایا، ولایت محمدی اور ولایت احمدی کے طے کرنے کے دوران ولایت موسوی، ولایت ابراہیمی اور ولایت عیسوی علی نبینا و علیهم الصلوة والتسليمات کا حصول بھی ہوا اگرچہ آپ کی اصل ولایت تو ولایت محمدی اور ولایت احمدی ہے، لیکن آپ مذکورہ ولایات بلکہ تمام انبیاء علیهم السلام کی ولایت کے اپنی جامع استعداد کے باعث (حامل ہیں) اور ''اکمل واتم'' مرتبہ پر فائز تھے......

مقطعات ذاتی، متابعت، قطبیت، خلافت، امامت، اصالت، محبوبیت ذاتی اور کمال انفعالی کی بشارت کا حضرت مجدد الف ثانی کی طرف سے ملنے کا اس فصل میں بار بار ذکر کیا جا چکا ہے......

حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ کو لمبی عمر کی بشارت بھی دی تھی اور فرمایا کہ محمد معصوم کا سجدہ حضرت عیسیٰ علیه السلام کے سجدہ جیسا ہے اور یہ تمام (۸۹) قصہ یوں ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے بڑے بیٹے عارف سبحانی شیخ محمد صادق تھے جو کہ (ایک وبائی مرض طاعون) میں اپنے دو چھوٹے بھائیوں اور ایک ہمشیرہ سمیت دو دن کے اندر فوت ہو گئے تھے جس سے حضرت مجدد الف ثانی پر شدید الم طاری ہوا تھا جس کی تفصیل آپ نے اپنے مکتوب نمبر ۳۰۶ جلد اول میں درج کی ہے، اس کی عبارت کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو،

میرے بھائی ملا صالح کو اہل سرہند کے حالات معلوم ہو گئے ہوں گے اور یہ کہ میرے فرزند بزرگ (یعنی محمد صادق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مع اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ کے سفر آخرت اختیار کیا انا للہ و انا الیہ رٰجعون اللہ تعالیٰ سبحانہ کی حمد ہے کہ اس نے پہلے دو باقی ماندہ (اشخاص) کو صبر کی طاقت عطا کی پھر اس بلا کو سرد کر کے ختم کر دیا، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

(ترجمۂ شعر) تم کو ستانا آتا ہے اور ہم کو منانا، تحمل اور خواری تو عاشقوں کا خاص شیوہ ہے)۔

میرا بیٹا مرحوم حق جل وعلا کی آیات میں سے ایک آیت (نشانی) اور رب العالمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ چوبیس برس کی عمر میں اس نے وہ کچھ پایا جو شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو پایۂ مولویت اور علوم عقلیہ و نقلیہ کی تدریس حد کمال تک پہنچائی حتیٰ کہ اس کے شاگرد بیضاوی اور شرح مواقف وغیرہ پڑھانے میں اعلیٰ درجے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ اس کی معرفت وعرفان کی حکایت اور شہود و کشف کے قصے بیان سے باہر ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ آٹھ سال کی عمر میں وہ ایسا مغلوب الحال ہو جاتا تھا کہ ہمارے حضرت خواجہ (یعنی باقی باللہ) قدس سرہ اس کے حال کی تسکین اور معالجہ کے طور پر بازار کا مشکوک و مشتبہ کھانے سے علاج کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ جتنی محبت مجھے محمد صادق سے ہے کسی اور سے نہیں اور اسی طرح جس قدر محبت اس کو ہم سے ہے اور کسی کے ساتھ نہیں۔ اس شہادت سے اس کی بزرگی کا اندازہ کرنا چاہیے، ولایت موسوی کو اس نے نقطۂ آخر تک پہنچا دیا تھا اور اس ولایت علیہ کے عجائب و غرائب بیان کیا کرتا تھا، ہمیشہ خاشع، خاضع، ملتجی اور متضرع، متذلل اور

منکسر رہتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ ہر ایک ولی نے حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے کسی ایک چیز کی درخواست کی ہے اور میں نے التجا و تضرع چاہی ہے۔

محمد فرخ کے متعلق کیا لکھوں وہ گیارہ سال کی عمر میں طالب علم اور کافیہ خواں ہو گیا تھا اور بڑی سمجھداری سے سبق پڑھتا تھا ہمیشہ آخرت کے عذاب سے ڈرتا اور کانپتا رہتا تھا اور دعا کیا کرتا تھا کہ بچپن میں ہی دنیائے کمینی سے رخصت ہو جاؤں تاکہ عذاب آخرت سے نجات پاؤں، مرض موت میں جو احباب اس کی عیادت کے لیے آئے تھے وہ عجائب و غرائب حالات کا اس سے مشاہدہ کرتے تھے۔

محمد عیسیٰ سے آٹھ سال کی عمر میں لوگوں نے اس قدر کرامات دیکھیں کہ بیان سے باہر ہیں۔ غرض تینوں فرزند (۹۰) جواہر نفیسہ تھے جو امانت کے طور پر ہمارے سپرد کیے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا احسان ہے کہ بلا جبر و اکراہ امانت والوں کی امانت ادا کر دی گئی **اللھم لا تحرمنا اجرھم ولا تفتنا بعدھم۔**

حضرت مخدوم زادۂ عظیم شیخ محمد صادق قدس سرہ کے وصال کے بعد وہ وبا جو کہ نہ صرف سرہند شریف میں بلکہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں شدت تمام کے ساتھ پھیلی تھی یک دم ختم ہوگئی کیوں کہ مخدوم زادہ نے دنیا کی وہ وبا اپنے سر لے لی اور خود دار بقا کی طرف کوچ کر گئے (فوت ہو گئے) ....

ابھی تک (معاملہ یہی ہے) کہ اگر کسی شہر یا قصبہ میں کوئی آفت شدت اختیار کر لے تو مخدوم زادہ کا نام شریف لکھ کر اس گھر پر چپکا دیا جائے تو وہ گھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اگر اسی (نام کو) تعویذ کی شکل میں شخص کے گلے میں آویزاں کر دیا جائے تب بھی وہ اس بلا سے بچ جاتا ہے۔ اور اللہ

اللہ تعالیٰ یہ کرامت قیامت تک باقی رہے گی۔

اس فقیر (مولف) نے سو سے زیادہ مرتبہ اس کرامت کو آزمایا ہے اور کسی طرح بھی اسے خلاف واقعہ نہیں پایا، بلکہ اولیاء کامل تو بلا اپنے سر لے لیتے تھے............

میرے مرشد وقبلہ گاہ اقطاب دستگاہ (شیخ فضل اللہ) فرماتے تھے کہ ان حوادث اور وباء کے دوران حضرت خواجہ کی والدہء ماجدہ نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں عرض کیا کہ اس بلا کے خاتمہ و دفع کے لیے دعا کریں جس نے خاص و عام کو برباد کیا اس پرفیض گھرانہ پر کامل تسلط کرلیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ ابھی تک اللہ سبحانہ تجلی جلالی کی (صفت) میں ہے، اس وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا بارگاہ خداوندی کے مقربین کے لیے مناسب نہیں ہے۔

مخدوم زادۂ بزرگ (خواجہ محمد صادق) جنہوں نے دنیا کو زندگی کا لباس پہنایا اور خود ابدی زندگی اختیار کرتے ہوئے سفر آخرت کی طرف کوچ کیا تو چند دن کے بعد حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ اب دعا کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی اب تجلی جمالی معلوم کر لی ہے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ میں زندہ بچ جانے والون کے لیے دعائے سلامتی میں مشغول تھا کہ اچانک مجھ پر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس کا بلا کیف نزول اپنی پوری عظمت کے ساتھ واقع ہوا (۹۱) اور اپنے دونوں بیٹوں یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم اوران کے بڑے بھائی حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کو دونوں زانوؤں پر اس حالت میں دیکھا کہ وہ سفید (ریش) ہیں اور دونوں سجدہ میں تھے اس وقت حضرت خواجہ محمد معصوم کے سجدہ کی حالت کا خاص طور پر ذکر فرمایا کہ وہ سرتا قدم لیٹے ہوئے سجدہ کر رہے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سجدہ شریف اس طرح تھا جو حضرت خواجہ کی قابلیت کے جامع ہونے کی شہادت ہے، حضرت خواجہ کے منظورنظر اصحاب میں سے ایک نیک عزیز سے روایت ہے کہ حضرت مجددالف ثانی فرماتے تھے کہ ارشاد کا یہ معاملہ اور یہ نسبت میرے انتقال کے پینتالیس سال بعد تک

بغیر کسی تغیر و تبدل کے باقی رہے گی۔ اس کے بعد اس میں فرق (تفاوت) آ جائے گا۔ چنانچہ اسی طرح ہوا کہ حضرت خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے وصال کے ٹھیک پینتالیس سال بعد اس جہاں سے جنت فردوس کی طرف سدھارے وہ اس طرح کہ حضرت مجدد الف ثانی کا وصال ۲۸ صفر مظفر روز سہ شنبہ ۱۰۳۴ھ کو ہوا اور حضرت خواجہ محمد معصوم کا وصال ۱۰۷۹ھ کو ہوا جیسا کہ ہم اس کتاب کی فصل ۶ میں اس کا ذکر کریں گے۔ **ان شاء اللّٰہ تعالیٰ**

حضرت خواجہ محمد معصوم کی عمر مبارک حضرت خواجہ مجدد الف ثانی کے حین حیات ۲۷ سال تھی کہ آپ نے تمام کمالات حاصل کر لیے اور حضرت مجدد الف ثانی کی عمر مقدس عمر مسنون کے مطابق ۶۳ سال ہوئی ......

ملا بدر الدین سرہندی نے حضرات القدس میں تفصیل سے تمام (قطعات) تاریخ وصال نقل کیے ہیں اور حقائق و معارف آگاہ خواجہ محمد ہاشم کشمی قدس سرہ نے حروف معجم میں ایک ایسی رباعی لکھی ہے جس کے ہر مصراع سے سال وصال برآمد ہوتا ہے اور اس کے ہر مصراع کے پہلے حرف سے آپ کا اسم مبارک ظاہر ہوتا ہے...... (۹۲) جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے (ترجمہ) ''یہ ایک امت ہے کہ گزر چکی ان کے لیے ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے ہے جو تم نے کمایا اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہیں ہوگی۔'' ....

مفتاح سوم

چند ایسے عظیم معاملات اور اعلیٰ مراتب کا ذکر جو حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے صرف آپ کے لیے مخصوص کیے اور آپ کو حضرت مجدد الف ثانی کا نائب بنایا، اور اسی قسم کے دیگر بیانات جو اس باب سے متعلق ہیں۔

(۹۳) (آیۃ کریمہ میں ہے) (ترجمہ) اللہ کے نام سے آغاز جو نہایت مہربان رحم والا، بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرما دی تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے (تم سے) پہلے والوں اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے اور تمہیں سیدھی راہ دکھائے اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے۔

اللّٰھم صلی علی سیدنا و مولانا و شفیع ذنو بنا محمد رسول الکریم و النبی العظیم الھادی الی الصراط مستقیم و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و اتباعہٖ ......

(ایک اور آیۃ شریفہ میں ہے) (ترجمہ) ''اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کیں اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں ان کافرلوگوں پر مدد دے۔''

' (شوریدہ حال اصحاب پر یہ امر واضح ہو) ...... اور ایسے تابعان حضرت سیدالمرسلین علیه و علیهم و علیٰ آل کل من الصلوٰۃ و افضلها و من التسلیمات اکملها اور حضرت مجدد الف ثانی کے عقیدت مندوں اور خزائن ودفائن معصومی کے متلاشی حضرات پر واضح ہو کہ عین ماہ مبارک رمضان اور قیام لیلۃ القدر اور قرآن مجید کی تلاوت (۹۴) کے دوران ...... جیسا کہ اس کتاب کے خطبہ میں میں نے لکھا ہے کہ ان معارف علیہ کی تحریر کو میں اپنے گناہوں کی بخشش کا وسیلہ اور

حصول سعادت کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور حضرت خواجہ کے اشارۂ غیبی پر اس کام کا آغاز کیا تھا، لیکن دوسری مفتاح لکھنے کے دوران اپنے قصور پر پھر نظر جا پڑی تو اسے (تالیف کتاب) کے ترک کرنے کا عزم پھر سے تازہ ہو گیا اور چاہا کہ لکھے ہوئے اوراق کو پانی سے دھو کر پی جاؤں ...... لیکن عین رمضان المبارک میں کہ اکثر اس ماہ مبارک میں اس کی تسوید کا کام کرتا تھا خواب میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے عظیم الطاف کا مشاہدہ کیا کہ قلم اس کی شرح و بیان سے قاصر ہے بلکہ حضرت خواجہ کو اس کام میں معاون پایا، اور دیکھا کہ کتاب مقامات معصومی آپ کے دست شریف میں ہے اور آپ عنایت خاص سے اس کا مطالعہ فرما رہے ہیں اور اس کے بعض الفاظ کی تصحیح بھی فرمائی ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کو بھی اس حالت میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ یہ میرے ہی مقامات ہیں۔

غرض خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی رضامندی سے یہ مفہوم نکلا کہ اسے ترک نہ کیا جائے ...... اس لیے اس مفتاح کا لکھنا ظلمات میں حل مشکلات کا باعث ہے۔ اس دور از کار فقیر (مولف) کو جب ان اسرار کا علم ہو گیا تو اس نے ''حقیقت جامعہ قلبہ'' کی طرف رجوع کیا تو اسی وقت اسے عجیب سا انشراح قلب کا احساس ہوا کہ ظلمات کے دونوں دریاؤں اور اکبر آباد میں حضرت خواجہ کا ذکر آب حیات ہے ...... (۹۵) میں نے تیزی سے قلم پکڑا اور سابق الذکر اسرار کو لکھنے کا آغاز کر دیا ...... حضرت خواجہ محمد معصوم کے بارے میں اس باب میں جتنی خصوصیات و عنایات الٰہیہ کا ذکر ہو گا ان کے لیے لفظ کنز مقرر کیا گیا ہے۔

(ترجمہ آیۃ) ''پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے'' اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور ہمیں ہمارے نفس کے شر سے محفوظ رکھ۔''

کنز

حضرت خواجہ پر اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین عنایات میں سے یہ عنایت کہ مکونات الٰہی آپ کی قیومیت حضرت مجدد الف ثانی کی قیومیت سے زیادہ راضی اور زیادہ خوش ہے، جیسا کہ اس کتاب کی فصل ثانی میں ذکر کیا گیا ہے......

کنز

ایک بابرکت رات کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ دارالاشاد شریف کی بڑی مسجد میں نفل نماز پڑھ رہے تھے کہ اچانک اس نماز کے دوران ایسی ''جمعیت'' حاصل ہوئی جو اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی، (اس کی وجہ یہ) معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے مقربین میں سے ایک اس (نماز میں) شریک ہیں سلام کے بعد وہ عزیز (مقرب خاص) مسجد سے باہر چلے گئے حضرت خواجہ نے پوری تیزی کے ساتھ ان کا پیچھا کیا اور سلام کرنے کے بعد ان کا نام دریافت کیا تو سلام کا جواب دینے کے بعد فرمایا کہ میں خلیفہ سوم ہوں، یعنی حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ (۹۶) مدت دراز سے یہ شوق دامن گیر تھا کہ نماز میں تمہارا شریک بنوں جو کہ آج رات ہوا، یہ درست ہے کہ ''سونے کی قیمت و قدر تو سنار ہی جانتا ہے اور جوہر کی قدر تو جوہری ہی پہچانتا ہے۔'' (ترجمہ شعر) عالم مجاز میں اگر محبت و خلوص کے ساتھ کوئی ہفت ہزاری منصب والا پنج ہزاری کے ہاں جا کر کھانے پینے میں شریک ہو جائے تو اہل بصیرت کی نظر میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا جبکہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی افضلیت تو تمام صحابہ، تابعین اور بقیہ تمام صالحین پر ثابت ہے جو اہل سنت و جماعت کے علماء کا عقیدہ ہے جبکہ امام ربانی مجدد الف ثانی کا قول تو یہ ہے کہ کوئی ولی بھی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا چہ جائے کہ وہ اویس قرنی ہی کیوں نہ ہوں۔

کنز

حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) قدس سرہٗ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے

ہوئے فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل سے ہمیں امام معصوم (یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم) عطا فرمایا ہے اہل تشیع نے اپنی ساری عمر امام معصوم کے انتظار میں گزار دی کہ وہ آئے اور اس کی اقتداء کریں، لیکن انہیں میسر نہ آیا اس لیے وہ نماز باجماعت سے بے نصیب اور محروم ہیں۔ اگر وہ ہمارے امام (خواجہ محمد معصوم) سے واقف ہوتے تو نماز باجماعت سے محروم نہ ہوتے۔ یہاں اسی مناسبت سے ایک حکایت میرے (یعنی مولف) کے ذہن میں آئی ہے کہ اہل ایران کے امراء میں سے ایک امیر گنج علی خان بلدۂ فاخرہ دارالملک کابل جنت نشان میں مجھ سے ملنے کے لیے میرے گھر کامل شوق کے ساتھ آیا۔ اس کے ساتھ مجالست میں جو باتیں ہوئیں ان میں سے ایک یہ روایت بھی تھی کہ اس وقت میں اصفہان میں تھا کہ اس شہر کا ایک سیاح جو شیعوں سے متنفر تھا اور اس کی عادت سیر و سیاحت کی تھی ایک مرتبہ وہ شہر سے نکلا اور صحرا کی طرف چل پڑا...... اور عرب و عجم میں گیا ہر جگہ اپنے نصیب کے مطابق کھایا پیا اور ملک ہندوستان پہنچ گیا، اس ملک کے لطائف کا مشاہدہ کیا، بارہ سال کے بعد اپنے وطن مالوف واپس آیا اس شہر کے رہنے والے سب بڑے چھوٹے فقراء و امراء نے اس کی شہرت سنی تو اس کا استقبال کیا اور پورے اعزاز کے ساتھ اسے شہر میں لائے اس علاقے کا حاکم بھی اسے ملنے کے لیے اس کے غریب خانے میں آیا اور اس نے (اس سیاحت کے دوران) جو عجیب و غریب مشاہدات کیے ان کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ سب سے زیادہ عجیب چیز جو مجھے اس سفر کے دوران نظر آئی وہ ''امام معصوم'' کی تھی جسے میں نے دیکھا کہ اگر ہزار سال بھی اس کی تلاش (۹۷) کی جائے تو بے سعادتی کے باعث نہیں پا سکتے اس نے پوچھا کہ وہ امام کون اور کہاں ہے؟ تو اس نے حضرت خواجہ محمد معصوم کا نام مبارک لیا اور ان کا وطن سرہند شریف بتایا۔ تو متلاشی حضرات کی ایک بڑی تعداد سرہند شریف پہنچی اور آپ کی خدمت سے مشرف ہوئی اور اپنے اپنے نصیب کے مطابق فیض یاب ہو کر اپنے اپنے

وطن کی طرف لوٹے، اور دوسرے اصحاب عرصہ دراز تک اس خانقاہ ملائک پناہ میں مقیم رہ کر خلافت یاب ہوئے اور پھر ان کو جن بلاد میں مامور کیا گیا وہاں چلے گئے، یہ حکایت بیان کرنے کے بعد خان مذکور نے بتایا کہ کمسنی کے باوجود یہ روایت مجھے یاد تھی اور حضرت خواجہ کی محبت کا بیج میں نے اپنے دل میں بو لیا تھا اور اس وقت کہ میں اس دیار میں آیا ہوں لیکن حضرت خواجہ دارالخلد (جنت) کو منور فرما چکے ہیں (وصال ہو گیا ہے) لیکن آپ کے فرزند بزرگ شیخ صبغۃ اللہ کی خدمت کا شرف حاصل کر چکا ہوں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ان کی زیارت سے میرا اعتقاد ان پر بصد درجہ پختہ ہو گیا ہے، اسی طرح جو کوئی بھی صاحبزادگان سرہند میں یہاں (کابل) آتا ہے تو میں اس سے ملتا ہوں ان میں سے ہر ایک کی صحبت کا جداگانہ لطف محسوس کرتا ہوں۔

کنز

کل قیامت کے روز جبکہ اللہ تعالیٰ بخشش و رحمت فرمائے گا تو اس کام کے لیے حضرت خواجہ کو مہر و دستخط سے سرفراز کرے گا (یعنی آپ کی سفارش سے بخشش ہو گی)

اس امر کی تفصیل اس طرح سے ہے کہ معارف آگاہ کمالات پناہ خواجہ محمد حنیف کابلی نے جو کہ آپ کے پہلے خلیفہ تھے ایک روز آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اولیاء کرام کی فضیلت کا مدار قیامت کے روز معلوم ہو گا کہ وہاں ہر ایک اہل کمال قرب کی منازل میں مزید ترقی کا خواہش مند ہو گا اور اس روز پر وحشت کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خزانہ دار حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) ہوں گے کیوں کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس کی بشارت دی ہے کہ کل روز قیامت اللہ تعالیٰ بخشش رحمت کی تقسیم کا کام میرے محمد سعید کے حوالے کیا جائے گا، تو اس وقت آپ (حضرت خواجہ محمد معصوم) کو کس طرح سرفراز کیا جائے گا؟ فرمایا کہ بے شک اس روز میرے بڑے بھائی رحمت خداوندی کے خزانہ دار ہوں گے لیکن جب تک میرے دستخط و مہر سے (مزین) رقعہ نہیں ہو گا اس وقت تک یہ تقسیم ہی نہیں ہو گی

کیوں کہ یہ خصوصیت مجھ سے مسلم ہے......

ہم جیسے گناہ گاروں کے لیے دائمی خوشی دینے والی خوش خبری ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حاصل ہونے (کی امید بندھواتی ہے)......(۹۸)

کنز

حضرت خواجہ کو تعین کے تین مراتب یعنی علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین پر متصرف کیا گیا اور تعین کے ان تینوں مراتب کی تحقیق کے لیے حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات کی تیسری جلد کا مکتوب نمبر ۱۰۰ (ملاحظہ کریں) جس میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے......

کنز

حضرت خواجہ کو بھی حضرت مجدد الف ثانی کی طرح متابعت کے سات درجوں پر نوازا گیا کہ ان میں سے پہلے دو درجے تو یہ ہیں جو کسبی ہیں کہ جن کا تعلق ظاہری و باطنی اعمال سے ہے اور درجہ سوم جو کسبی بھی ہے اور وہبی بھی کیوں کہ اس کے مبادیات کسبی ہیں اور اس کی حقیقت وہبی ہے، چوتھا درجہ تو ہے ہی وہبی لیکن اس کے حصول کی بنیاد سراسر اعتقاد و عمل پر ہے۔ پانچواں اور چھٹا درجہ ان سب سے بلند تر ہے اور ساتویں درجے کے متعلق کیا لکھوں کہ وہ تو کہنے اور لکھنے سے بہت سے بلند (بعید از ادراک) ہے جس کا تعلق انبیائے کرام **علیهم السلام** سے ہے اور ان ساتوں مراتب متابعت کی تفصیل کے لیے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی جلد ثانی کے مکتوب نمبر ۵۴ کی طرف رجوع کریں کیوں کہ حضرت مجدد الف ثانی کی ذات مبارک کے سوا متقدمین صوفیہ میں سے کسی نے اس کی تفصیل میں زبان نہیں کھولی یہاں تک کہ انہوں نے ان کی طرف اشارہ تک نہیں کیا۔ (ترجمہ آیہ کریمہ) ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

کنز

حضرت خواجہ کو بارگاہ کبریا میں رسائی حاصل تھی۔

کنز

حضرت خواجہ کو اللہ تعالیٰ نے اسرار و معاملات سے اس قدر نوازا تھا کہ زبان اس کے بیان پر قادر نہیں اور قلم میں اس کو لکھنے کی قوت نہیں ہے۔

کنز

حضرت خواجہ اعمال کی کوتاہیوں کو دیکھتے اور نیتوں کو متہم ٹھہراتے تھے اس دید قصور کے دوران آپ پر مخصوص اذواق اور واردات بھی ہوتی تھیں کہ اس آوارہ (مولف) کا قلم اس کے بیان او تحریر سے عاجز ہے البتہ آپ کے مکتوبات جلد اول کے مکتوب نمبر ۱۷ بنام سیادت پناہ ارشاد دستگاہ میر محمد نعمان قدس سرہ میں ان دونوں امور کا بیان تفصیل سے ہوا ہے جو کہ درحقیقت دو ضدوں کا اجتماع ہے جبکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ ''عرفت ربی بجمیع الاضداد'' جہاں آپ نے اسے صحیح طور پر بیان کیا ہے اور (۹۹) ان سب کا علاج آپ نے اپنے مذکورہ مکتوب شریف میں اس طرح تحریر کیا ہے کہ صاحب مقال عرفا اور بلند احوال والے علماء آپ کے حضرت ذوالجلال تعالیٰ شانہ کے انوار جمال کے مشاہدہ بلا تامل کے قائل ہیں۔

وہ طویل مکتوب یہاں مکمل طور پر نقل کیا جا رہا ہے ہوش مندی سے سنیے:

فتح

خادمان سیدی وسندی اس دور افتادہ کا سلام و دعا قبول فرمائیں، اپنی بے توفیقی اور بے حاصلی ۔ کے بارے میں کیا بیان کرے، جو کام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کے لائق ہو وہ اس گناہگار کے حق میں ناپید ہے اور جو عمل کہ حق تعالیٰ کی پسندیدگی کے لائق ہو اس فریب خوردہ سے اس کا ہونا

دور از کار ہے، اس کے اعمال کا حاصل خود غرضی اور خواہش پرستی ہے اور اس کی محفل اپنی تعریف کروانا اور اپنے ظاہر کو آراستہ کرنا ہے اس کی اطاعت خواہش کی اطاعت ہے اس کی عبادت سنانے اور دکھانے کے لیے ہے (ریاکاری)، اس کا کلام نفسانی غرض کے بغیر نہیں ہے اور اس کی خاموشی وسوسۂ شیطانی کے بغیر نہیں ہے اس کی بے غرضی طمع آمیز ہے، اس کی گوشہ نشینی تکبر انگیز ہے، اس کی کوشش آسائشوں اور لذتوں کی تکمیل ہے، اس کا عزم اپنے ہمسروں پر فوقیت حاصل کرنا اور خواہشات کی پیروی ہے۔ اگرچہ زبان پر استغفار رہتی ہے لیکن کتنے ہی گناہ اس کے دل میں پوشیدہ ہیں، اگرچہ وہ اپنی آنکھ کو حرام مقامات سے بند کیے ہوئے ہے لیکن بہت سے نامحرم اس کی چشم باطن میں پسندیدہ ہیں، اگر وہ ذکر اور ورد میں مصروف ہے تو صاحب الورد ملعون کا جائے نزول ہے، اگر اذکار کے بغیر ہے تو تارک الورد ملعون کا مصداق ہے، مختصر یہ کہ دنیا کا طالب اور آخرت کا تارک ہے، اس کا معاملہ اپنے مالک کے ساتھ مکرو فریب کرنے والے کی طرح ہے......

''جیسا معاملہ تو حق سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ کرتا ہے ایسا معاملہ تو کوئی غیروں کے ساتھ بھی نہیں کرتا'' (ترجمہ شعر)

بظاہر محبت کا دعویٰ کرتا ہے اور حقیقت میں اس کا معاملہ فرنگی کافر کی طرح ہے، جاننا چاہیے کہ اس قسم کے دعویٰ کی کیا جزاء ہوگی اور اس قسم کے معاملہ کا کیا بدلہ ہوگا، دوسرے گناہگاروں کو اس قسم کے سیاہ کار کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہے۔ اور معاملہ میں جھوٹ کو دوسرے تمام گناہوں کے ساتھ کیا مساوات۔

''شرابی و خود پرست فاسق ہونا کوئے خرابات سے تعلق رکھنا اور خواہشات

نفس کے مطالبہ پر فریفتہ ہونا اس سے بہتر ہے کہ خرقہ پہنے اور منافق ہو۔" (ترجمہٗ رباعی)

اس تکلیف دینے اور دکھ پہنچانے سے مقصد یہ عرض کرنا ہے کہ جب عزیزوں اور دوستوں نے اس شرمندۂ کار (۱۰۰) کو کمال حسن ظن کی وجہ سے نیک عادتوں والا تسلیم کیا ہے اور اسے ایک اعزاز دیا ہے اور اب مذکورہ سطور کے پڑھنے کے بعد جب اس فریب خوردہ کے کھوئے ہونے کی حقیقت سے حقیقی طور پر مطلع ہو جائیں گے تو سابق خیال کو جو کہ وہ اس بے حال کے بارے میں رکھتے ہیں ذہن سے نکال دیں گے اور اس کو مذکورہ بالا عنوان کے ساتھ تصور کریں گے اور اس کے ساتھ تعلق سے ڈرتے رہیں گے۔

"اے اہل دنیا مجھ سے سینکڑوں منازل دور بھاگو" (ترجمہ مصرعہ)

چونکہ ایسے لوگوں سے جو اس کے کمال کا گمان رکھتے ہیں اپنا حال چھپانا خیانت میں داخل تھا اس لیے اپنی حقیقت کو جیسا کہ چاہیے بیان کر دیا تا کہ دوست آگاہ رہیں اور بعض دوسرے سادہ لوگوں کو آگاہ کر دیں تا کہ کسی کا محض نام سن کر ہی گرویدہ نہ ہو جائیں اور لوگوں کو بھی بھکنے نہ دیں۔

(یہ مشہور مثل ہے دور کے ڈھول سہانے)

اس کے علاوہ جس شخص کا معاملہ اس حد تک ہو اس کو قلم کا ساز و سامان سنبھالنا اور سخن پردازی کرنا کہاں تک جائز ہے۔

"اگر میں کچھ عقل مند ہوں تو اپنی بات مختصر کرتا ہوں، گفتگو میں ایک مضبوط قفل لگتا ہوں، چند سوگواروں کو جمع کرتا ہوں اور اپنے کلام پر روتا اور ماتم کرتا ہوں" (ترجمہ قطعہ)

والسلام علیکم و علی من لدیکم۔

فصل بالخیر

اس خط کو تحریر کرنے کے بعد دل میں خیال گزرا کہ جب اپنے کھوٹے پن کی حقیقت لکھی ہے اگر حق تعالیٰ جل شانہ کی ان نعمتوں میں سے جو کہ اپنے بارے میں مشاہدہ کی ہیں کچھ حصہ بھی اس مکتوب میں درج نہ کرے تو ایسا نہ ہو کہ ناشکر گزاری میں داخل ہو جائے اس بنیاد پر (ترجمہ آیۃ) "اور البتہ اپنے رب کی نعمت بیان کر" کے مطابق کچھ اظہار کرتا ہوں۔

میرے مخدوم! اس قدر خرابی اور تباہ حالی کے باوجود (یہ فقیر) اتنا جانتا ہے کہ ابتدا ہی سے اس گرد راہ کی طینت میں ایک معنی کو پوشیدہ کیا گیا ہے اور ایک خاص ادا ودیعت کی گئی ہے کہ وہ معنی اللہ تعالیٰ کے خاص منظور نظر ہیں اور پوشیدہ عنایت اس فقیر کے بارے میں واقع ہے اس سے زیادہ بیان نہیں کر سکتا اور تفصیل نہیں دے سکتا کیوں کہ متکلم اس کو کہنے کی تاب نہیں رکھتا اور سننے والے کو اس کے سننے کا ہوش نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ گزشتہ زمانے میں اس معنی کے ظہور سے پہلے اپنے اندر جذب وکشش معنوی اور عشق و محبت بے کیفی (۱۰۱) پاتا تھا اس کی طبیعت مخلوق سے دور بھاگتی تھی اور تنہائی اور صحرا سے رغبت رکھتی تھی اور اپنے آپ سے کہتا تھا،

"کیا وجہ ہے کہ میرا دل تنہائی کی طرف اس قدر مائل ہے اور تنہا بیٹھنے سے مجھ کو کیا حاصل ہے" (ترجمہ شعر)

اس محبت کا کوئی تعلق ظاہر نہیں ہوتا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ یہ عشق کس کوچہ کا ہے اور یہ تمام کشش کس طرف ہے۔

''میں اپنی آنکھ میں غبار دیکھتا تھا، آنکھ میں کانٹے ہی کانٹے پوشیدہ تھے۔ اس بات سے واقف نہیں تھا کہ یہ کس کے دامن کی گرد ہے اور یہ غنچہ کس کے گلشن کے کانٹے سے ہے۔ اس کے پھول کے گریبان میں یہ کانٹا کس نے ڈال دیا، اس کے دل کی آنکھ میں یہ نمک کس نے بکھیر دیا گھر کی چھت میں کس نے آگ لگا دی اور یہ فتنہ کس کے دامن سے ظاہر ہوا، اس صبر میں یہ بے قراری کس لیے ہے؟ کس جادو کا اس کو فریب دیتا ہے۔ اس کے سر میں عشق کا ایک جنون ہے اس کی ذات میں ایک تلوار چھپی ہوئی ہے۔ اپنے قاتل غمزدوں کی جنبش سے وہ اپنے اندر کی نگرانی رکھتا ہے وہ اپنے تصور میں ایک محبوب رکھتا تھا، نگاہ دل (راہ شمال) پر لگا رکھی تھی، ہر سمت نظارہ میں مست تھا اس کا بال بال خوشی میں رقص کر رہا تھا، نگاہیں بھی آرزو کی راہ پر مرکوز تھیں، اس کی تمنا کے کان آواز کے منتظر تھے، کہ شاید ابھی کسی قافلے کی صدا آئے اور کوئی گھنٹی (آواز) سنائی دے''۔ (ترجمہ اشعار)

عرصہ دراز تک اسی حالت سے مغلوب رہا اور آرزو مند تھا کہ اس عشق کا کوئی متعلق ظہور کرے اور اس شورش و بے قراری کا معشوق معین ظاہر ہو جائے اور اس عشق کو جس قدر کم درجے کے معشوقوں سے متعلق کرتا تھا نہیں ہوتا تھا، ایک جنون آمیز سودا اور آتش انگیز شوق تھا اور کچھ بھی معلوم نہیں تھا اور اپنی زبان حال سے یہ اشعار کہتا رہتا تھا۔

''میرا بال بال کس کی وجہ سے تکلیف میں ہے اور تار میں حرکت کس کے ناخن سے ہے۔ اس طرف سے صرف دل ہی میں خلش نہیں ہے بلکہ ہر بال کی جڑ ایک خلش رکھتی ہے۔ میری آنکھ میں بجلی کون چمکاتا ہے۔ اور سر پر خنجر کس کے شعلے سے ہے یہ چنگاری کس کے سوز سے بھڑکی ہے اور

یہ غبار کس کے راستے سے اٹھا ہے۔ میری ہر پلک پر ایک جدا معشوق ہے اور میری نگاہ میں الگ بہار ہے (۱۰۲) وہ کون ہے جس نے سینہ کے اندر ہزار آبگینے توڑ دیے ہیں۔ یہ ہوا کس کے دامن سے چلی ہے اور یہ دھواں کس کے خرمن سے اٹھا ہے۔ یہ کس کا پرندہ ہے جو اس کوٹھے پر اڑ رہا ہے اور یہ بوسہ کس کا پیغام دیتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ عشق کہاں سے اٹھا ہے کہ میرے ہر رگ و ریشہ سے تکلیف ظاہر ہے۔ جس روز کہ میری مٹی گوندھی گئی اسی دن جنون کا سودا میرے سر کے لیے لکھ دیا گیا۔ ایک محبوب کی زلف کا جال ڈالا ہوا ہے لیکن میں اس کو نہیں پہچانتا کہ کون ہے، تاکہ یہ معلوم ہوتا کہ کس کا عشق میرا معاون ہوا ہے۔ اور یہ کہ میری کلائی کس کے ہاتھ میں ہے۔ میری بہار کی تازگی کس کی ہنسی سے ہے اور میں کس کے ناز سے زخم در زخم ہوں۔ عاشقوں سے یہ عشق کوئی تعجب کی بات نہیں ہے معشوق کو پہچاننا ادب کی بات نہیں ہے۔ اے عشق تیرا اس طرح والہانہ آنا مبارک ہے، تو دل میں رہ کہ یہ تیری منزل ہے، بیٹھ بیٹھ کہ یہ تیرا اپنا ہی گھر ہے۔ یہ جال و عقل و دل تیرا ہی ہے دن تیرے لیے اور سیاہ رات میرے لیے کافی ہے، تخت تیرے لیے ہے اور راستہ کی خاک میرے لیے کافی ہے۔ تو جان کو بطور تحفہ قبول کر اور بیٹھ جا، کمر سے پٹکا کھول دے اور بیٹھ جا، تو بیٹھ جا اور عقل سے جوش کو بٹھا دے اور ہوس کے خون سے جوش و خروش کو ٹھنڈا کر دے۔ میں تیرے آنے سے پھول کی مانند کھل گیا ہوں میں نے دامن بھر بھر کر بہار سمیٹ لی ہے۔ میرے نصیب کی بہار نے آج پھول کھلا دیے ہیں۔ آج میرا تخت پھول پر رکھو۔'' (ترجمہ اشعار)

اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں کہ کئی ماہ گزرنے پر اس پوشیدہ معنی

کے پرتو ڈالنے کے بعد صحیح طور پر ظاہر ہونے سے قبل معلوم ہوا کہ اس محبت کا متعلق کون تھا اور وہ کشش و جذب کس طرف وابستہ تھی، (اسی دوران) ایک محبوب ظاہر ہوا کمال حسن و جمال اور بے حد بلندی و پسندیدگی والا کہ اس سے زیادہ حسن و جمال کا تصور میں نہیں آ سکتا بلکہ اس کے مرتبے کی نزاکت ایسی ہے کہ اس بلند بارگاہ پر حسن و جمال کا اطلاع بھی گرانی رکھتا ہے۔ اور اسی طرح ہر کمال و جمال اس بارگاہ سے پہلے راہ میں جہاں کہیں بھی کوئی کمال ظاہر ہے اس کو اسی کے کمال کا اثر پایا اور جس طرف بھی حسن و جمال متصور ہے اس کے حسن و جمال کا نمونہ دیکھا، یقین کے ساتھ سمجھ لیا کہ محبوبیت اسی کو زیب دیتی ہے اور مطلوبیت اسی کو سزا وار ہے، سب سے منہ موڑ لیا اور توجہ کی باگ اس کی جانب پھیر لی اور اس کی عبارت کے لیے اچھی طرح کمر ہمت (۱۰۳) باندھ لی، دیکھا کہ باگ موڑنے سے بھی اس منزل کا کوئی راستہ نہیں کھلتا اور یہ عبادت اس مقدس بارگاہ کے لائق نہیں ہے اور کسی کوشش و ہمت کو اس کے فضل کے بغیر دخل نہیں ہے۔ اول اس کی عنایت ہونی چاہیے پھر اس کی کوشش کی ضرورت ہے باقی سب ہیچ ہے ہر چیز سے تھک گیا اور معاملہ کو اس کے سپرد کر دیا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

''اگر میرے دل کا گھوڑا راستہ میں نہیں ہے اس کی زلف کی کمند بھی تو کوتاہ نہیں ہے''۔ (ترجمہ شعر)

اس کے بعد عنایت ازلی آ پہنچی اور اپنی مہربانیوں سے اس ناکارہ کو نوازا اور اپنے فضل و کرم کو آگے بڑھا کر اس خاک افتادہ کو اپنی مقدس بارگاہ کے قریب جگہ دی۔ اس کو ذہن میں رکھیے (اب وہ) معنی پوشیدہ اور مستور اس پرنور بارگاہ میں بروز وظہور رکھتا ہے اور نہایت آب و تاب کے

ساتھ گلزار امید کے صحن میں دائمی رقص و سرور میں ہے ایک قدم ناز کے ساتھ اٹھاتا ہے اور ایک قدم نیاز کے ساتھ رکھتا ہے، نہایت خوش و خرم ہو کر وصال کی خوشبو سے ہم آغوش ہے۔ اور بندہ ہونے کے باوجود لازوال شراب کا سرمست ہے اور یہ ترانہ گا رہا ہے۔

''اے باد نور تو بھی دروازہ سے واپس ہو جا کہ میں آج اپنے پھول کی خوشبو میں مگن ہوں تو اب رات کو مجھے چاند کی یاد نہ دلا کہ میں اپنے مہوش کے ساتھ خوش ہوں، اگر پہلے وہ رلا کر میرے آنسو ختم کر دیتا تھا تو میں خوش ہوں کہ اب وہ میری نیند کو بالکل اڑا دیتا ہے''۔ (ترجمہ اشعار)

اگر وہ خود اپنا عاشق ہو جائے تو اسے زیب دیتا ہے کیوں کہ وہ محبوب کا نوازا ہوا ہے، اور اگر اپنے حسن کا شیفتہ ہو جائے تو بھی مناسب ہے کیوں کہ مطلوب کا منظور نظر ہے اے عزیز اس محبوب کو جو کہ عنبری خوشبو والا ہے اس میلے بدن کے ساتھ کیا نسبت ہے اور بلند معنی کو اس جسد خاکی اور پسماندہ، آوارہ و بیچارہ کے ساتھ جو کہ یار سے جدا رہ گیا ہے اور دشمنوں کے ملک میں گرفتار ہو گیا ہے کیا مساوات ہے؟ یہ عنصری جسم ہے جو کہ حیرت و حسرت کے جنگل میں پریشان دل اور الجھے ہوئے بالوں کے ساتھ حیران و سرگرداں ہے دوری و جدائی کی ہوا پرستش جہت سے اس پر طمانچے مارتی ہے اور حجاب کی گرد اس کے پانچوں حواس کو باختہ کیے ہوئے ہے۔

''ہوا نے بھی منہ پر طمانچہ مارا، خاک نے بھی بالوں میں پنجہ جھاڑ دیا''۔
(ترجمہ شعر)

اور کام و اذکار سے عاجز رہ کر اور شوق و ہمت سے ہاتھ اٹھا کر بے ذوقی اور افسردگی کے کونے میں گوشہ نشین ہو گیا ہے اس کی ہمت کی باگ ہاتھ

سے نہیں جاتی رہی ہے اور اس کی خدمت کی ہمت جواب دے گئی ہے۔
انتہائی حیرت کے باعث کسی چیز کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور نہایت پریشانی کے باعث کسی سے سوال نہیں کر سکتا اگرچہ وہ امر (معنی) اس کی ملکیت تھا لیکن اس کو دلبر نے پسند کر لیا ہے اس لیے وہ طالب سے کئی منزل دوری اختیار کر گیا ہے اور اس کے اور اس کے مابین بعد مشرقین ہو گیا ہے۔

(۱۰۴) ''جب میرے دل نے باد صبا سے تیری بو پائی تو اس نے مجھ کو چھوڑ دیا اور تیری جستجو اختیار کر لی اب وہ مجھ بے حال کو یاد بھی نہیں کرتا، چونکہ اس نے تیری بو حاصل کر لی تھی اس لیے تیری خو بھی اختیار کر لی''۔
(ترجمہ اشعار)

وہ انس و محبت کے تخت مرصع پر فروکش اور یہ جسم خاک تیرہ میں مبتلائے کشمکش وہ اپنی مراد سے ہمکنار و شاداں یہ حیرت سے حسرت زدہ ماتم کناں یہ اس قدر با آہ و زاری و نیاز اور بصد استغنا و ناز، یہ بہزار آرزو اس کا راز جویاں اور وہ بکمال بے نیازی اپنے آپ سے راز گویاں، یہ پیکر سفلی اس معنی علوی سے کہتا ہے۔

''میں تیرے بغیر پلکیں کھولے غبار راہ تک رہا ہوں اور تو بستر ناز پر محو خواب ہے میں تیرے بغیر خونباری چشم سے گلنار ہوں اور تو صحن گلشن میں قہقہے پر قہقہے لگا رہا ہے۔ تیرے بغیر میرا دامن خون آلود ہے اور تو پھولوں کے فرش پر محو خرام ہے، میں تیرے بغیر رنج کی خاک کے ساتھ پامال ہوں اور تو پازیب کی جھنکار کے ساتھ رقص کر رہا ہے، میں تیرے بغیر دھاگے کی طرح پیچ در پیچ ہوں اور تو نایاب موتی کی طرح دھاگے سے بے تعلق ہے، میں تیرے بغیر دل گدازی کی سوزش میں مبتلا ہوں اور تو

حسن بازی کے ساتھ خود اپنا عاشق ہے۔ میں نے تیرے بغیر ترک ہستی کو اختیار کرلیا ہے اور تو اپنے آپ سے محو ناز و مستی ہے" (ترجمہ اشعار)

تنبیہ

اے عزیز! کوئی شخص اس مکتوب کے پہلے حصے کو اس کے آخری حصے سے متضاد نہ سمجھے اور بظاہر متصادم نہ جانے اس لیے کہ جو چیز ممکن کے ساتھ منسوب ہے چونکہ ممکن بہرحال ممکن ہے اس لیے رد اور طعن کے قابل ہے اس بارگاہ جل و علا کے لائق کس طرح ہو سکتی ہے، فضل و کرم کا معاملہ جدا ہے اگر اس طرح کے دور از کار کو نواز دیا جائے تو یہ اس کی کمال بندہ نوازی ہے اور بندہ فی نفسہ اور اس کا عمل وہی ہے جو کہ تحریر ہو چکا ہے اس جل شانہ کا کرم وعنایت اس شخص (یعنی بندے) کے فعل پر موقوف نہیں ہے۔ یا ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے واردات میں سے ایک کیفیت ہے جب یہ کیفیت غالب آتی ہے تو اپنے تمام اعمال و طاعات کو لعن وطعن کے قابل سمجھتا ہے حقیقت میں خواہ کچھ بھی ہو اور جو کچھ اس مکتوب کے آخر میں لکھا گیا ہے یہ بھی ایک وارد ہے اور ایک وارد کو دوسرے وارد کے ساتھ کوئی تضاد نہیں ہے پہلے اس مشاہدہ (دید) سے مغلوب تھا اس کے بعد اس دید کا مغلوب ہو گیا ہے پہلے مشاہدہ کے متعلق کسی بزرگ نے کہا ہے کہ میرے بائیں کندھے کا اعمال لکھنے والا فرشتہ ہمیشہ کام میں مصروف ہے اور میرے دائیں کندھے کا اعمال لکھنے والا فرشتہ میری کوئی نیکی نہیں پاتا جس کو وہ کاغذ پر تحریر کرے۔ یہ کارخانہ عارف کی نگاہ میں ہے اور بس۔ اس دید کا ایک مقصد (یعنی اصل) ہے اور معاملات اس کے ساتھ وابستہ ہیں کہ جن میں سے ظاہری طور پر کچھ بیان ہو چکے، قاصد جلدی میں ہے اس لیے اس کی تفصیل میں

مشغول نہیں ہو سکتا اور دوسری دید (مشاہدہ) کے بارے میں وہی بزرگ دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بائیں کندھے کے لکھنے والے (فرشتہ) کو نہیں (۱۰۵) پاتا ہوں اور بائیں نے بھی ''اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ یمین یعنی داہنے ہاتھ ہیں'' کے مطابق دائیں کی حیثیت اختیار کر لی ہے کیوں کہ بایاں عدم کے مقتضیات میں سے ہے اور جب عدم عین و اثر کے ساتھ عارف سے زائل ہو جاتا ہے تو شمال (بایاں) اس کے لیے نہیں رہتا اور ''اللہ تعالیٰ کی صفات کے ساتھ متصف ہو جاؤ'' کے مطابق شمال (بایاں) یمین (داہنے) کا حکم حاصل کر لیتا ہے اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ اس دید کا ایک انشاء (مقصد اصل) ہے اور اس کے ساتھ وابستہ ہے، تو جاننا چاہیے کہ جو کچھ اس مقدس بارگاہ کی طرف منسوب ہے وہ سب خیر و کمال ہے خیر و کمال کے لیے آئینہ چاہیے تاکہ اس کے خیر ہونے کا ظہور اس آئینہ کے ذریعہ ہو اور آئینہ کسی چیز کے مقابل میں ہی ہوتا ہے اور خیر و کمال کا مقابل شر و نقص ہے اس لیے کہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں اور ظاہر ہے کہ آئینہ اپنے آئینہ ہونے میں جس قدر کامل ہو گا اس سے منعکس ہونے والی صورت کا ظہور بھی اتنا ہی زیادہ کامل ہو گا۔ اس لیے عارف کا اپنے شر کو دیکھنا جس درجہ زیادہ ہو گا اس میں خیر کا ظہور اسی قدر زیادہ ہو گا کیوں کہ ممکن فی نفسہ ہر شر و نقص کا منشا ہے اس لیے اس ذات میں عدم ہے۔

''تجھ کو جو بھی بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو بھی برائی پہنچتی ہے وہ تیرے نفس کی طرف سے ہے'' (ترجمہ آیۂ شریف) اور ظہور خیریت کے لیے انسان کا اپنے اندر شریت کا دیکھنا کافی ہے ''جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کی اللہ نے اس کو بلند کیا''

مختصر یہ کہ ہر خیر و کمال اور ہر حسن و جمال جو کہ صفحۂ کائنات میں ظاہر ہے وہ سب ''رتبہ وجوب'' سے مستفاد و مستعار ہے ذات ممکن عدم ہے جو کہ کچھ نہیں ہے اور ہیچ سے سوائے ہیچ کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

''اس خزانہ کا طلسم مجھ سے ہے میں اس کے درمیان کچھ نہیں ہوں۔ یہ خالص شراب تیری صراحی سے ہے میں آگ اور پانی میں خاک بلب ہوں، خزانہ بھی تیرا ہی ہے اور خزانے والا بھی تو ہی ہے۔ میں نے دور سے خالی ہاتھ جھاڑ دیے، تو ہی مجھے ایسے عجیب و غریب معنی دیتا ہے، میں تو آواز اور حرف کی کتاب کی جلد ہوں۔ میں آستانہ کی خاک کا ایک ذرہ ہوں تو مجھ کو آسمان پر بلاتا ہے۔ یہ جوش تیرے ہی فیض کی موج سے ہے، میں مہر بلب خاموش ہوں۔ میں اپنے جوش و خروش کے متعلق کیا بیان کروں یہ شراب تو ہی ہے اور میں صراحی ہوں۔'' (ترجمہ اشعار)

یہ مکتوب اس پر ختم ہوتا ہے: اے ہمارے رب اگر ہم سے بھول یا خطا ہوئی ہے تو ہم کو نہ پکڑ اول و آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور تمام کمال وصلوٰۃ وسلام دائمی طور پر اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی آل اطہار و اصحاب اخیار اور تمام انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین اور تمام اہل طاعت پر ہو۔ آمین

حاجی الحرمین شیخ حسین آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں امید ہے کہ آپ کی توجہات سے بہرہ ور ہوں گے۔

''اس وقت جبکہ تیری شراب جوش میں ہے خشک لبوں کو مت بھلا''۔ (ترجمہ شعر)

اس طرح چاہیے کہ دوسرے دوست بھی آپ کی صحبت سے سیراب ہوتے اور فوائد حاصل کرتے رہیں، مایوسی دشمنوں کو نصیب ہو۔

''میں مجلس کی گرمی سے بہت دور ہوں تو ساقی ہے اور اہل محفل مخمور ہیں''(ترجمۂ شعر)

آپ پر اور ہدایت کی اتباع کرنے والوں پر سلامتی ہو۔ یہاں آپ کا مکتوب شریف ختم ہوا۔

آپ کا یہ مکتوب ارشاد پناہی میر محمد نعمان **قدس سرہٗ** کے نام ہے جو حضرت مجدد الف ثانی کے خلیفۂ اول تھے جن کے کمال کا چاند حضرت مجدد الف ثانی کے حضور پرنور میں بدر کامل ہوا اور اس کے بعد اس میں وسعت (ترقی) ہوتی رہی اور معاملہ ایک سے لاکھ تک پہنچا، چنانچہ ان امور کی تفصیلات حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات قدسی آیات سے عیاں ہیں اور آپ کے حالات و مقامات پر لکھی جانے والی دونوں کتب (زبدۃ المقامات و حضرات القدس) کے آغاز میں ہی (میر محمد نعمان علیہ الرحمت) کے حالات آپ کے خلفائے کرام کے سلسلے میں تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں، شائقین کامل سعادت کے ساتھ ملاحظہ کریں۔

کنز

جناب شریعت پناہ قبلہ گاہ (شیخ محمد فضل اللہ) قطب الاقطاب **قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس** فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد معصوم کو بشارت دی گئی اور الہام ہوا کہ ''میں نے تم کو بخش دیا اور اس کو بھی جو تیرا وسیلہ اختیار کرے بواسطہ یا بلاواسطہ قیامت تک سب کو بخش دیا'' اور یہی الہام حضرت مجدد الف ثانی کو بھی ہوا جسے آپ نے خود اپنے رسالہ مبداء و معاد میں درج فرمایا ہے اور آپ کے مقامات (مذکورہ) پر دونوں کتابوں کے مولفین (خواجہ محمد ہاشم کشمی و شیخ بدرالدین سرہندی) نے آپ کے خصائص میں اس کا اندراج کیا ہے......

کنز

حضرت خواجہ (اپنے روحانی) عروج کے وقت بہت بلندی پر پہنچتے اور نزول کے

وقت نقطۂ خاک جو کہ عناصر کا آخری حصہ ہے تک جاتے، سرور انبیاء علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنے عروج کے وقت تمام انبیاء سے بلند تر ہوتے اور نزول کے وقت اتنا نیچے آتے کہ نقطۂ خاک پر تشریف فرما ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد عالمگیر ہوا اور آپ کی دعوت (تبلیغ) کامل ترین ہوئی۔ اور نبوت و رسالت اس کے انوار سے ماخوذ ہیں اور تینوں ولایات یعنی صغریٰ، کبریٰ اور علیا اس بحر کے قطرات ہیں اور قرآن کریم کے حروف مقطعات کے رموز اس کے اسرار میں ہیں۔ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و انصارہٖ۔

(۱۰۷) چونکہ حضرت خواجہ نے آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی اتباع کے سات درجات مکمل کر لیے تھے اس لیے اس قسم کے عروج اور نزول آپ کے حصے میں آئے جس پر تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے حضرت مرشدی قبلہ گاہی اقطاب درستگاہی (والد مولف شیخ محمد فضل اللہ) کی زبان مبارک سے یہ سننے کا اتفاق ہوا ہے حضرت خواجہ محمد معصوم نے اپنے جوانی کے ایام میں حضرت مجدد الف ثانی کے حین حیات یہ خواب دیکھا کہ بارہ دن بعد تیرا وصال ہو جائے گا۔تو آپ نے (دیگر مشاغل) ترک فرما کر مراقبہ، استغفار اور دیگر اعمال صالحہ کثرت سے کرنے شروع کر دیے، لیکن اس (وفات) کا خوف و حزن جو کہ انسانی بشریت کا تقاضا ہے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں بیان نہ کیا۔ یہاں تک کہ دن ختم ہوتے گئے اور رات نے اپنا دامن دنیا پر پھیلا دیا تو اس شب آپ کو پھر وہی خواب آیا، کہ بارہ روز کے بعد آپ کا انتقال ہو جائے گا۔ اور اس کا مفہوم اچھی طرح آپ پر واضح ہو گیا۔ اسی طرح اگلی شب باقی دس دن کے رہ جانے کا وعدہ بھی ہوا، گویا اب ہر رات آپ کو ایک دن کی مزید کمی کی اطلاع دی جاتی رہی۔ یہاں تک کہ (آخری) بارہویں رات آ گئی کہ کل وہ وعدہ کا دن ہے یعنی تیرا وصال ہو گا۔ اس لیے ناچار آپ نے صبح وہ تمام بارہ یوم کے واقعات حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں عرض کر دیے۔ اور آپ نے اپنے انجام (حسن

خاتمہ) کے لیے توجہ واستمداد کی درخواست کی، حضرت مجدد الف ثانی جو کہ ان (امور واسرار) کے بانی ہیں اس کی تعبیر یوں فرمائی کہ آج تمہارا نزول نقطۂ خاک تک واقع ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ تعبیر بتائی گئی تھی اس روز زوال کے وقت آپ کا نزول نقطۂ خاک تک ہوا جس کا آپ کو علم ہوگیا اور دوسری راتوں پر اس خواب کا کوئی اثر نہ ہوا۔ گویا نیک خواب کا ماحصل آپ کو ہوگیا اور معاملہ شنید سے عمل میں آیا، خواب اسی طرح اپنے اثر کا ظہور کرتے ہیں، محقق صوفیہ کے نزدیک اس عالی مرتبہ اور بلند مقام سے زیادہ کوئی مقام نہیں ہے۔ کیوں کہ منصب کمال کا مرتبہ عبودیت ہے، خاکیوں کو فضل الٰہی ''نسبت پستی خاک'' سے میسر ہوا ہے، قدسیوں کو اوج افلاک تک رسائی کہاں ......

میں نہیں جانتا کہ ملائے اعلیٰ کی ولایت، ولایت خاص بشر پر فوقیت رکھتی ہے ...... ان بزرگوں کی شان سب سے بلند ہے (۱۰۸) اور ان سب پر غالب آگئی ہے ان امور کی تفصیل مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور مکتوبات معصومیہ سے بخوبی واضح ہوتی ہے۔

کنز

حضرت خواجہ کو راسخ العقیدہ علماء میں شمار کیا گیا ہے۔

کنز

حضرت خواجہ کو ''فناء اتم اور بقاء اکمل'' سے مشرف کیا گیا ان امور کی تحقیق مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کی تیسری جلد میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

کنز

حضرت خواجہ کو عروۃ الوثقیٰ کے خطاب سے مشرف وممتاز کیا گیا ہے۔

کنز

حضرت خواجہ کو **متکلم** اور **مُحدَّث** قرار دیا گیا جیسے کہ امیر المومنین عمر ابن الخطاب، امام جعفر صادق اور حضرت مجدد الف ثانی کو، جناب امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات کی دوسری جلد کے ایک مکتوب (نمبر ۵۱) میں اس امر کی تحقیق بزبان عربی فرمائی ہے، اس مکتوب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

فتح

میرے بھائی صدیق کو معلوم ہو کہ اس سبحانہٗ کا انسان کے ساتھ کلام کبھی بالمشافہ ہوتا ہے اور کلام کی یہ قسم بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے ثابت ہے اور کبھی یہ (عظیم نعمت) انبیاء کرام کے کامل متبعین کو تبعیت اور وراثت کے طور پر بھی میسر آ جاتی ہے، جب کلام کی یہ قسم کسی صاحب کو کثرت سے پیش آئے تو ان کو ''محدث'' کہتے ہیں، جیسے کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یہ کلام الہام اور القاء روعی (دل و دماغ کو متاثر کرنے والی بات) کے علاوہ ہے اور یہ کلام وہ بھی نہیں ہے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ اس کلام کا مخاطب وہ انسان کامل ہوتا ہے جو عالم خلق و عالم امر اور روح، نفس، عقل اور خیال کا جامع ہو۔[1] ......

کنز

حضرت خواجہ کو قدیم، درمیانی زمانہ اور دور آخر کے صوفیہ کے مخفی اسرار سے ایک ہی بار مکمل طور پر آگاہ کر دیا گیا۔ اور ان حضرات صوفیہ کے مراتب سے بہت ہی زیادہ بلند و بالا مراتب (سے آپ کو نوازا گیا) ان مراتب قرب خداوندی کے حاصل ہونے کے باوجود آپ مشائخ کا بے حد ادب کرتے تھے کہ اپنے آپ کو ان کے سامنے حقیر

---

[1] مولف نے مکتوب شریف کی عبارت غالباً حافظہ کی بنیاد پر لکھی تھی اس لئے متن مکتوبات ۲/۵۱ سے قدرے مختلف ہے۔ ہم نے مکتوب مذکور کے مطابق ترجمہ کر دیا ہے۔

ترین قطرہ (بے مایہ) اور ناچیز سمجھتے تھے، اگرچہ آپ نے اپنے اسرار کا اظہار بھی فرمایا جو محض اللہ جل شانہ کی نعمت وشکر کے طور پر تھا اور طالبوں کے اشتیاق کو بھی ملحوظ رکھا تھا تاکہ اس نعمت کے طالبوں کو اس خوان نعمت سے حصہ مل سکے اور آپ بھی اللہ کریم کے الہامی امر کے تحت مامور کیے گئے۔

کنز

حضرت مجدد الف ثانی کے کمالات، معارف خفیہ وجلیہ حضرت خواجہ کے ذریعہ ظہور پذیر ہوئے کیوں کہ آپ کو اپنے والد بزرگوار (حضرت مجدد الف ثانی) کے اسرار کی سب سے زیادہ اطلاع حاصل تھی (۱۰۹) اور کسی دوسرے کو (اس میں دخل) نہیں تھا۔ اگر ان اسرار کے اظہار کے لیے آپ کے وجود شریف کا وسیلہ نہ ہوتا تو بہت سے معارف و اسرار ظہور میں ہی نہ آتے۔ آپ نے اہل سلوک کو کمالات و لایات ثلاثہ کی بشارات دیں، کبھی تو کمالات نبوت سے اہل فتوت کے لیے انہیں واضح کیا ارباب دقائق کے لیے حقائق اربعہ کی نشاندہی فرمائی۔ اور واقفان راہِ سلوک (دولت مندان) کو تعین جبی اور سیر نظری کا امتیاز بخشا، دنیا کو اس آب حیات سے سرسبز و شاداب کیا، مریدین کو بہت کم عرصہ میں ایسے مقام پر پہنچایا کہ اس امت کے کاملین کو ان (مقامات) کی نہایت تمنا رہی ہے چنانچہ آپ نے اپنے مکتوبات کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۲۲۵ بنام مخدوم زادہ پنجم حضرت قطب العارفین سیف الحق والدین و الملت قدس سرہ میں وضاحت فرمائی ہے، جو یہاں مکمل نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

> اللہ سبحانہ کے نام سے آغاز کرتا ہوں، اللہ جل سلطانہ کے کرم سے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ اور پیر دستگیر قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کی توجہ کی برکت سے سلوک طے کرنے اور تکمیل کا معاملہ نہایت آسان ہوگیا ہے اور وصول کا راستہ بہت ہی قریب ہوگیا اور برسوں کا

کام دنوں اور مہینوں میں طے ہونا قرار پا گیا اگرچہ مریدوں کی تعداد کے اعتبار سے یہ معاملہ قلت پر ہے (یعنی مریدین کم تعدا میں ہیں جو اس کی صلاحیت رکھتے ہیں) وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ اس کی کثرت کی تاب نہیں رکھتا لیکن کیفیت کے اعتبار سے بکثرت اور بہت ہی زیادہ ہے بالواسطہ مریدوں میں سے ایک شخص تعلیم طریقہ کی ابتداء سے سات روز میں اپنے اندر فنائے قلبی کا احساس کرتا ہے اور ایسے معاملات بیان کرتا ہے کہ گویا وہ فنائے نفس کے قریب پہنچ گیا ہے۔ (ترجمہ آیت) ''اور یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے لیے کچھ مشکل نہیں ہے''فقیر (حضرت خواجہ) کے اکثر اجازت یافتہ حضرات (خلفاء) اپنے مریدوں کے جو احوال بیان کرتے ہیں اور وصول کی طرف تیزی کے ساتھ ہونے کے واقعات کی وضاحت کرتے ہیں (سن کر) محدود عقل حیران رہ جاتی ہے۔

''اگر بادشاہ بوڑھی عورت کے دروازے پر آ جائے تو اے خواجہ تو حسد نہ کر'' (ترجمۂ شعر)

جان لینا چاہیے کہ اصل میں تربیت کرنے والا اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہے (مصرعہ):

(ہمیں اور تمہیں تو بہانہ (وسیلہ) بنایا گیا ہے)

تنبیہ

اس قدر انوار کا فیض اور اسرار کا فائدہ پہنچانے کے باوجود اس زخمی دل (حضرت خواجہ) کا معاملہ روز بروز خرابی میں ہے، اور اس وقت کا حاصل دوری اور محرومی ہے، غفلت اور گناہوں کے کسب میں اضافہ ہے، حیرت کی گہرائی سے نیچے چلا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے مکر سے ڈرتا اور کانپتا ہے، نہیں جانتا کہ کل (روز قیامت) اس کے ساتھ (۱۱۰) کیا

معاملہ کرتا ہے اور کس گروہ میں داخل کرتا ہے (ترجمہ آیت) ''اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور ہمارے کام میں ہماری زیادتیاں معاف فرما دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کی جماعت پر ہماری مدد فرما'' ختم مکتوب......[۱]

کنز

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو ''وصل عریانی'' سے مشرف فرمایا۔

کنز

ایک روز حضرت خواجہ بیٹھے ہوئے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ملائکہ کرام **علیٰ نبینا و علیھم الصلوۃ والسلام** کا نزول ہوا اور دیگر خدائی لشکر بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئے اور آسمانوں و زمینوں کے مابین یہ تماشا دیکھنے کے لیے آ گئے بلکہ عرش سے لے کر زمین تک گویا ساری کائنات ان سے بھر گئی اس دوران بکمال عظمت و کبریا نزول اتم واقع ہوا اور اس میں حضرت خواجہ کی ''تربیت'' کامل کہ اس سے بڑھ کر اس کا تصور بھی محال ہے ہوئی اور اس دوران آپ کو ''نزول بلا کیف'' کی دولت سے بھی حسب سابق مشرف کیا گیا ...... الہام ہوا کہ یہ ساری کائنات آپ کی ''محبوبیت'' کا نظارہ کرنے کے لیے آئی ہے......

جاننا چاہیے کہ نزول بلا کیف ایسی متشابہات میں سے ہے جس کا ذکر حدیث پاک میں آیا ہے کہ ہمارا رب دنیا کے آسمان کی طرف نزول فرماتا ہے'' پر ایمان لانا چاہیے اور اس سلسلے میں چون و چرا میں نہیں الجھنا چاہیے......

کنز

(۱۱۱) حضرت خواجہ کو ریا، غیبت اور شرک خفی کے دقائق سے مطلع کر دیا گیا، اور انہیں فوری طور پر آپ کے سینۂ بے کینہ سے نکال دیا گیا۔

---

[۱] تکرار مطالب کے باعث ترجمہ حذف کر دیا گیا ہے۔

کنز

مولف کے خال بزرگوار اور چھوٹے مخدوم زادے قدوۂ ارباب تحقیق شیخ محمد صدیق فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ کو حرمین الشریفین حاضر ہونے کا اتفاق ہوا وہاں کے اصحاب اکابر ہندوستان پر اعتقاد نہیں رکھتے تھے، خاص طور پر اس دیار پر انوار کے محدثین جن کو بعض صاحب دل اصحاب کی صحبت سے تصفیۂ باطن بھی حاصل ہے دوسروں کی تعلیم اور معرفت سے بالکل واقف ہی نہیں ہیں، لیکن وہ حضرت خواجہ کا چہرۂ مبارک دیکھتے، حالات کا مشاہدہ کرتے اور آپ کے اقوال سنتے ہی صدق جان سے معتقد ہو گئے، ان میں سے اکثر تو آپ کے مرید ہو گئے اور اپنی قابلیت کے مطابق اپنا اپنا حصہ حاصل کر لیا۔ اور اب تک آپ کی تعریف میں اس طرح گویا ہوتے ہیں:

''ہمارے شیخ (خواجہ محمد معصوم) اولیاء کے درمیان ایسے ہیں جیسے محمد صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات انبیاء کرام میں ہیں۔''

کنز

وسطی ایشیا کے وہ اکابر صوفیہ جو خود ارشاد و مشیخت کی مسندوں پر فائز تھے اپنے اپنے علاقوں میں غائبانہ طور پر حضرت خواجہ کی تعریف کرنے لگے اور اپنی قابلیت و حوصلہ کے مطابق آپ کی ولایت اور قطبیت کا تحریری طور پر اقرار کیا، ان میں سے ولایت وارشاہ پناہ حاجی عبدالغفار بلخی کو جب آپ کی قطبیت کا علم ہوا تو آپ کو اس کی بشارت دی اور مخدومی اعظم (سید احمد بن جلال الدین کا سانی) کی تسبیح اور عصا مخدوم کے تبرک کے طور پر (آپ کی خدمت میں سرہند) ارسال کیے، ان کے خط کا جو جواب آپ نے تحریر فرمایا وہ آپ کے مکتوبات کی دوسری جلد کا مکتوب نمبر ۵۶ ہے وہاں آپ نے عربی کا یہ شعر بھی نقل کیا ہے۔

''آپ کے بشارت دینے کی مجھے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ اس امر سے ہوئی ہے کہ آپ کے دل میں میرا خیال آیا'' (ترجمۂ شعر)

کنز

حقائق اشیاء اور اسرار (مکنونات) حضرت خواجہ سے گفتگو کرتے (ہم کلام) تھے چنانچہ آپ نے خود اپنے مکتوبات کی پہلی سے ایک مکتوب میں اس کی تشریح فرمائی ہے، یہ مکتوب طویل اور معارف و اسرار پر مشتمل ہے لیکن اس میں سے صرف مذکورہ مطلب کی عبارت کر رہا ہوں:

فتح

ایک مرتبہ (اس) درویش نے موجودات عالم امکان جیسے زمین، بادل، آسمان، سورج، چاند اور حیوان سے وحدت الوجود کے سلسلہ میں سوال کیا کہ تمہارے مناظر میں سے مطلوب (اللہ تعالیٰ) کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ درست ہے؟ اور مطلوب تم میں جلوہ گر ہے؟ (۱۱۲) تو تم اس میں سے اللہ تعالیٰ کے تقدس اور تنزیہ کو الگ الگ کر دو تو انہوں (موجودات عالم) نے کہا کہ ہم پر تہمت نہ لگاؤ بھلا ہماری کیا اوقات کہ ہم اس (اللہ تعالیٰ) کی مظہریت اور مرآتیت کا دعویٰ کریں اور اللہ سبحانہ کی بلند شان اور تنزیہ بھلا ہم میں کیسے ظہور فرما سکتا ہے، ہم تو خالی محض ہیں ...... اس وجود کے سلسلہ میں آسمان کی حقیقت بھی مبرا تھی وہ تو عاجزی اور کمتری کے اظہار سے پیش آیا ...... اس سے اس پر اللہ تعالیٰ کی اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ بیان سے باہر ہے، اور خجالت سے آب آب ہو کر چلتا بنا، اسی دوران سورج نے اپنی پرستش کرنے والوں کو برا بھلا کہا اور کہا اس جماعت (میری پوجا کرنے والوں) نے مجھے شرمندہ اور رسوا کیا ہے میں تو اس نامرادی اور سیر گردانی (طلوع و غروب) سے لرزاں و نالاں مقام پر ہوں، انتہا

کنز

اس زمانے کے ایک عارف نے اپنے عروجات کے دوران چوتھے آسمان پر مقربین بارگاہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ کا مشاہدہ کیا کہ اس کے اسی ہزار سر ہیں اور ہر سر میں اسی ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں اسی ہزار زبانیں ہیں اور ہر زبان سے وہ اسی ہزار مرتبہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے۔ تو اس عارف نے اس ذکر کرنے والے فرشتہ سے پوچھا کہ کیا کوئی ایسا بھی ہے جس نے اللہ جل شانہ کو تجھ سے زیادہ یاد کیا ہو، کہا ہاں روی زمین پر ایک انسان ہے "شیخ محمد معصوم" اس کا نام ہے۔ کہ وہ حق تعالیٰ کو مجھ سے زیادہ یاد کرتا ہے ...... حضرت قبلہ گاہی (والد مولف) قطب الاقطابی **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** نے اس عارف کی حقیقت اس کے مریدین سے سن کر حضرت خواجہ کی خدمت میں بیان کی اور اس کی حضرت خواجہ سے تصدیق کرنے کی درخواست کی تو آپ فرمانے لگے کہ اس کا کشف میرے کشف کے مطابق ہے۔ (یعنی یہی معاملہ میں نے بھی ملاحظہ کیا ہے)۔

جناب حضرت خواجہ نے اپنے مکتوبات کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۲۰۳ بنام ارشاد پناہ محمد نعمان **قدس سرہ** میں جو کہ فنا و بقا کے اسرار غامضہ، قبولیت کے دقائق اور جامعیت کامل کے بیان پر مشتمل ہے اس معاملہ کی کامل تحقیق تحریر فرمائی ہے، اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو کامل تشفی حاصل ہو گی البتہ اس مکتوب مبارک میں سے چند سطریں اس مقام (کی وضاحت) کی ضرورت سے نقل کر رہا ہوں:

فتح

اس لیے وہ عارف بحکم خلافت قیوم عالم ہو جاتا ہے اور وزیر کا حکم حاصل کر لیتا ہے،

(ترجمۂ آیۂ شریفہ) "پس تو اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے"

اس وقت وہ ذات حقیقت ثبوتیہ کی جگہ قائم ہو جاتی ہے اور مدبر و متصرف (تدبیر و تصرف) ہو جاتی ہے۔ یہاں سے اس عارف کی جامعیت (۱۱۳) کو سمجھنا چاہیے کہ تمام افراد عالم اس کے مقابلہ میں حقیر جز کا حکم نہیں رکھتے۔ قطرہ کو دریا کے ساتھ کیا نسبت اور افراد عالم کو اس (یعنی عارف) کے ساتھ نسبت بھی نہیں کیونکہ اوصاف کو ذات کے ساتھ لاشی اور مستہلک ہونے کی نسبت ہے ذکر کرنے کے وقت گویا وہ کئی ہزار زبانوں کے ساتھ ذکر کرتا ہے۔ ہر ایک اسم اپنی زبان کے ساتھ ذاکر ہے اور عارف ان سب کے کل کی جگہ ہے اور تحریمہ باندھنے کے وقت گویا کئی ہزار اشخاص تحریمہ باندھتے ہیں اس کے بعد یہ سب اشخاص قرأت کرتے ہیں اور رکوع وسجود میں جاتے ہیں (انتہی کلام شریف)

کنز

کمالات تجوید میں حضرت خواجہ محمد معصوم کو حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ ''اصالت'' کے طور پر شرکت بخشی گئی ہے، جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے کی فصول میں ذکر کیا ہے۔

کنز

حضرت خواجہ کو (محض اللہ تعالیٰ کے کرم سے) ایسے مقامات پر پہنچایا گیا اور ایسے بسط عظیم سے سرفراز کیا گیا کہ جہاں کلمۂ طیبہ اور ذکر کے تمام الفاظ جیسے تسبیح، تحمید اور تکبیر کی اس حریم قدس میں گنجائش ہی کہاں ہے چنانچہ آپ نے اپنے مکتوبات کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۱۹۴ بنام مخدوم زادۂ ثانی قطب ربانی حضرت حجۃ اللہ قدسنا اللہ سبحانہ میں وضاحت فرمائی ہے جسے من وعن یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ''بے شک تو اپنے رب کی نعمت کو بیان کر''، (ترجمۂ

آیۃ شریفہ) بتاریخ سوم شعبان روز سہ شنبہ ۱۰۴۱ھ کو عصر کی نماز کے دوران نہایت عظیم ''بسط'' رونما ہوا اور بلند مقام اور بہت ہی عجیب کیفیت کے ورود سے مشرف ہوا کہ جس کی مثل کبھی پہلے پیش نہیں آئی تھی اور خیال و تصور میں بھی نہیں آئی تھی اور وہ امور پیش آئے جو کہ ''نہ کسی آنکھ نے دیکھے نہ کسی کان نے سنے اور نہ کسی کے دل پر گزرے'' کے مصداق تھے نہ زبان میں ان کے بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ قلم کو ان کے لکھنے کی مجال ہے۔

''حافظ کی یہ تمام فریاد آخر فضوت تو نہیں ہے یہ تو نادر قصہ اور عجیب بات ہے''(ترجمۂ شعر)

میرے نزدیک اس کا حاصل ہونا عالم اصالت و محبوبیت سے ہے، شاید اس مقام کو کاتب الحروف (خواجہ محمد معصوم) کے ساتھ ایک خصوصیت تھی کہ اس بارگاہ معلیٰ میں اپنے آپ کو منفرد دیکھا، کلمہ طیبہ اور ذکر کے تمام الفاظ جیسے تسبیح و تحمید و تکبیر کے نتائج کے لیے اس حریم قدس میں گنجائش نہیں پائی اگر گنجائش ہے تو قرآن کریم کو ہے اور نماز کو بھی قرآن پاک کے تعلق سے گنجائش ہے، قرآن مجید کی تلاوت اور نماز کی ادائیگی کے سوا اس مقام کے ساتھ نسبت کو معطل و بے کار پاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کسی کسب و عمل کو اس نسبت عالیہ کے حصول میں دخل کی گنجائش نہیں ہے یہ محض بخشش ہے اور عنایت کا واسطہ ہونا چاہیے اور سب کچھ ہیچ ہے شاید کہ ریاضات و مجاہدات قرب ولایت کے مبادی میں دخل رکھتے ہیں جب سیر اصول اور اصول اصول میں ہے اعمال صالحہ فائدہ مند اور نتائج بخش ہیں کہ ان کے وسیلے سے سالک مستعد ترقیات کرتا ہے اور کلمۂ طیبہ نفی و اثبات کے تکرار سے ظل (۱۱۴) سے اس کے اصل کی طرف راستہ کھلتا

ہے اور اصول سے اصول اصول کی طرف عروج کرتا ہے اور جو کچھ مذکور ہوا وہ قرب نبوت سے تعلق رکھتا ہے اس مقام میں اصل کو ظلال کی طرح راستہ میں چھوڑنا چاہیے، سخت ریاضتیں اس بارگاہ معلیٰ کے آس پاس کوئی راستہ نہیں کھولتیں اور اس مقام تک پہنچنا محض عنایت یا صرف محبت سے ہے، خصوصیت اور کسی کا شریک نہ ہونا جو کہ اوپر بیان ہو چکا ہے جب خوب غور کیا تو دیکھا کہ اس راستہ میں پیش آتی ہے کہ جو شخص بھی اس مقام تک پہنچا ہے اپنے آپ سے ایک مقام رکھتا ہے کہ کسی دوسرے کو اصالت کے طور پر اس میں شرکت نہیں ہے اگرچہ اس مقام کو پہنچنے والے بہت ہی کم ہیں ان میں سے ہمارے عالی حضرت (یعنی مجدد الف ثانی علیہ الرحمت) کو میں نے دیکھا نہایت عظمت اور بے حد شوکت کے ساتھ نظر آئے چنانچہ عقل و وہم اس کے ادراک سے عاجز و پریشان ہیں اور زبان و قلم اس کے بیان سے قاصر ہیں۔

جاننا چاہیے کہ عالم کو حضرت حق سبحانہ کا ظل جاننا یا اس اللہ شانہ کا آئینہ تصور کرنا اور موہوم دیکھنا اور ظل کے منعکس کمالات کو اصل کے سپرد کرنا اور کو خالی بلکہ معدوم سمجھنا اس کے بعد اس کے اصل کے کمالات کے ساتھ مستحق پانا ان سب کو قرب ولایات میں سمجھتا ہے جو کہ ظل سے اصل کے ساتھ مل جاتا ہے اس کے بعد جبکہ اصل کو ظل کی طرح راہ میں چھوڑ دیتا ہے اور اس حریم قدس کے اردگرد پہنچ جاتا ہے تو ان امور میں سے کچھ بھی درکار بلکہ متصور نہیں ہوتا اس مقام میں ظل کو جاننا نہیں ہے اور اوصاف کو اصل کے حوالہ کرنا اور اپنے آپ کو فانی و مستہلک دیکھنا نہیں ہے، اصل کے ساتھ بقا و تحقیق پیدا کرنا مشہود نہیں ہوتا اور اس مقام تک پہنچنے کا راستہ جدا ہے...... آپ کا مکتوب شریف ختم ہوا۔

کنز

خان خدا پرست (خان) جو کہ حضرت خواجہ کی محبت سے سرشار تھا اور اہل حاجت کی ضرورت پوری کرنے میں حتی الوسع کوشش کرتا تھا وہ اکثر یہ روایت بڑے انبساط کے ساتھ بیان کیا کرتا ہے کہ حضرت خواجہ ایک رات روزہ افطار کرنے کے بعد نماز اوابین میں مصروف تھے کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کے دونوں مخدوم زادے عالی جاہ شیخ محمد نقشبند اور شیخ محمد عبیداللہ شربت معرفت کا ایک ایک پیالہ چینی ہاتھ میں لیے آپ کے دونوں طرف دست بستہ کھڑے ہیں۔ جب آپ نے نماز کے بعد سلام ادا کیا اور چاہا کہ دوسری تحریمۂ دوگانہ کے لیے ہاتھ باندھیں تو ان دونوں بزرگوں نے وہ پیالے آپ کے ہاتھ مبارک میں دے دیے جسے آپ نے پی لیا، اور نماز کے لیے ہاتھ باندھ لیے اور وہ دونوں بزرگ مسجد سے باہر نکلے اور چل دیے جب میں متوجہ ہوا تو دونوں مخدوم زادوں کو مسجد سے حوض پر وضو کرتے ہوئے پایا اور اپنے قریب ہی دونوں صاحبوں کو نماز اوابین ختم کر کے تجدید وضو کرتے ہوئے دیکھا تو میں نے بڑی حیرت کے ساتھ اسے جلدی ختم کیا اور اس معما کے حل کے لیے دونوں صاحبوں کی خدمت میں درخواست کی اور اس وقت تک وہ دونوں فرشتے مسجد کے صحن سے باہر نہیں آئے تھے (۱۱۵) وہ دونوں مخدوم زادے اپنے دیگر اصحاب کے ساتھ اس حوض پر وضو کر رہے تھے کہ میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ مدت دراز سے یہ دو مؤکل اسی کام میں مصروف ہیں کہ روزہ کے دن نماز مغرب میں فرض اور سنت کی ادائیگی کے بعد یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شربت لے کر یہی صورتیں اختیار کر کے (متمثل) کرتے ہیں اور اس کے بعد مسجد سے چند قدم باہر آتے ہیں اور پھر عالم قدس کی طرف پرواز کر جاتے ہیں، اس واقعہ کے چند روز بعد یہی معاملہ پھر پیش آیا کہ حضرت خواجہ روزہ سے تھے اور افطار کے وقت میں اور دوسرے بہت سے حاضرین نے بھی مشاہدہ کیا اور دونوں مخدوم زادوں نے مجھے خبردار

کیا کہ ہم یہاں بیٹھے ہیں اور یہ (مؤکل) ہماری صورت اختیار کر کے (متمثل) یہ دونوں ساقی "جام صمدیت" سے آپ کا روزہ افطار کروایا، جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا ہے کہ "(میرا رب) مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے" (اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ امتی) جو اتباع میں کامل ہو تو اس کو اتباع کے تمام کمالات میں پورا حصہ اور نصیب کامل ملتا ہے، حضرت خواجہ وہ ساری شراب نشاء (پیالۂ معرفت) نوش فرما لیتے تھے ...... اور کبھی ان دونوں فرشتوں کی طرف التفات نہیں فرمایا تھا اور اپنی مبارک نظریں نیچی ہی رکھتے تھے ...... "یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"...... (ترجمہ آیت شریفہ)

کنز

حضرت قبلہ گاہی قطب الاقطابی (والد مولف شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ السامی** سے سنا ہے کہ حضرت (شیخ عبدالاحد) **وحدت قدس سرہ** نے حضرت خواجہ کی زندگی میں قرآن مجید ختم کیا تو اس کا ثواب آپ کی نذر کیا، آپ نے فاتحہ پڑھا اور فرمانے لگے کہ یہ (ثواب) تمہاری طرف سے جب ہمیں ملا تو چاندی تھا لیکن جونہی ہمارے پاس آیا سونا ہو گیا اب دوبارہ تمہارے پاس آ گیا ہے۔

کنز

حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (والد مولف) حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) سے روایت کرتے ہیں کہ آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کے بارے میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی (حضرت خواجہ) کا ارشاد حضرت مجدد الف ثانی سے زیادہ ہے۔ (۱۱۶) حضرت خواجہ کے دیگر خصائص سفر حرمین شریفین کے دوران رونما ہوئے، آپ کو ان متبرک مقامات میں (خصوصی) امتیازات سے سرفراز کیا گیا، مخدوم زادۂ ثالث شیخ محمد عبید اللہ قدس سرہ نے فصیح عربی میں اپنے رسالہ یاقوتیہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے جو ایک طالب صادق کو جلوہ بخشتے ہیں۔ اس کے بعد حضرات القدس کے

مولف ملا بدرالدین (سرہندی) کے فرزند شیخ محمد شاکر نے فائدۂ عام کی غرض سے (بامر مولف یاقوتیہ) فارسی زبان میں ترجمہ کیا ہے، جو کہ شہرۂ آفاق ہے، اگرچہ اس رسالے میں درج تمام معارف نقل کرنا لازم ہے لیکن یہ محض تحصیل حاصل (تکرار) خیال کیا گیا (طالبوں کو) ان دونوں عربی و فارسی نسخوں کا حوالہ (دے دیا ہے) اور میں نے اس فارسی رسالہ (حسنات الحرمین) سے بغیر کسی ردوبدل کے چند (معارف) نقل کیے ہیں، چنانچہ ہر معرفت کے آغاز میں لفظ ''یاقوتیہ'' لکھا گیا ہے، تاکہ وہ معارف ''فرخندہ اسرارو یاقوت آبدار'' ہو جائیں:

یاقوتیہ

حضرت خواجہ سلمہ اللہ سبحانہٗ و دامت برکاتہٗ مکہ معظمہ میں اقامت کے دوران اکثر طواف میں مشغول رہتے تھے اور ان ایام میں آپ اس عبادت کو دوسری عبادات سے زیادہ شمار کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ عجیب امور اور نادر چیزیں مشاہدہ میں آئی ہیں اکثر اوقات یہ دیکھا گیا کہ کعبۂ حسنا ءہم سے معانقہ کر رہا ہے اور کامل اشتیاق سے بوسے لیے گئے، ان ایام میں ایک روز مشاہدہ ہوا کہ وہ انوار و برکات جو مجھ سے نکل رہے ہیں وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ انہوں نے تمام اشیاء کو ڈھانپ لیا ہے اور فضا ان سے بھر گئی ہے، اور اس کے پہلو میں دوسروں کے انوار معدوم (لاشی) ہو گئے، جب میں نے اس معاملہ پر غور کیا تو یہ ظہور ہوا کہ میں اپنی اصلیت سے ماوراء ہو کر ''حقیقت کعبۂ حسناء'' ہو گیا ہوں، یہی وجہ ہے کہ وہ تمام انوار مجھ سے ظاہر ہوئے اور میں نے دیکھا کہ بہت سے صاحب باطن حاضر ہیں اور کعبۂ حسناء کا طواف کر رہے ہیں، چنانچہ بادشاہوں کے خدام وہاں ہر وقت حاضر رہتے تھے۔

یاقوتیہ

حضرت خواجہ سلمہ اللہ سبحانہٗ و دامت برکاتہٗ نے ۳ محرم الحرام کو اہل معلیٰ کی زیارت کی، فرماتے تھے کہ یہ مقبرہ اپنے مدفونین کے اعتبار سے اعلیٰ مقام اور کثرت

انوار کے لحاظ سے تمام مقابر سے مستثنیٰ ہے، جب آپ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کی تربت وہاں ہے، پر پہنچے تو وہاں توقف کیا اور فرمایا (۱۱۷) کہ گویا بحر انوار موجزن ہے اور ان (حضرت عبدالرحمٰن) سے حضرت خیرالبشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مبارک کے کمالات تاباں و درخشاں ہیں۔

اس کے بعد ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے روضۂ منورہ پر اپنے اصحاب کے ساتھ دیر تک مراقبہ کیا اور فرمایا کہ امہات المومنین میں سے سب سے بڑی ام المومنین نے اس قدر الطاف و عنایات و عطیات فرمائے کہ ابھی تک کسی سے اس قسم کے ''الطاف'' کا ظہور نہیں ہوا اور میں نے محسوس کیا یہ عفت مآب کمال درجہ کے اہتمام اور کثرت اعتنا کے باوجود حجاب سے باہر تشریف لا کر کھڑی ہوگئی ہیں، انعام و عطاء میں مصروف ہیں اور فرمایا کہ فلاں فلاں کو بھی یہ نعمت دے دینا، اس طرح بہت کچھ فرمایا۔

ان تمام عجیب امور اور نادر نعمتوں میں سے جو کچھ مجھے انہوں نے عطا کیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت شریفہ اپنی انتہائی ''علو غایت رفعت اور اصالت'' سے اس طرح محسوس کروائی کہ گویا کمالات نبوی علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام میں لپٹی ہوئی ہے، فرماتے تھے کہ جب میں فاتحہ سے فارغ ہوا تو حضرت ام المومنین حجاب سے پھر باہر تشریف لائیں گویا وہی فاتحہ اور اجازت رخصت تھی، اس کے بعد میں نے ہر چند ان کے ظہور کے لیے توجہ کی لیکن ظاہر نہ ہوئیں۔

اس کے بعد اس احاطہ میں جہاں حضرت فضیل بن عیاض اور حضرت سفیان بن عیینہ اور دیگر بہت سے جلیل القدر مشائخ کے مزار ہیں گئے اور حضرت فضیل کی شان میں بہت سے تعریفی کلمات فرمائے اور کہا امت مرحومہ کے بڑے مشائخ میں سے چند ایک ایسے ہیں جو سب سے جداگانہ شان کے مالک ہیں، اس جماعت میں حضرت فضیل بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد آپ اس شخص کی قبر پر گئے جو ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے اخذ طریقہ میں مصروف ہوا تھا لیکن عقل کوتاہ نے دھوکا دیا اور وہ دوسری جماعت میں شامل ہو گیا تو وہاں (قبر پر) توقف کیا اور فرمایا کہ وہ خوف زدہ، مغموم اور ندامت سے سر جھکائے ہوئے ایسی عجیب حالت میں ظاہر ہوا کہ کیا بیان کیا جائے، میں نے اس کے حال پر ہر چند توجہ کی لیکن اس پر اس کا بہت کم اثر ہوا، فرمایا کہ غیب کا علم اللہ سبحانہ کو ہے جو اس کی طرف گیا اس نے سعادت پائی اور جس نے اس کے سامنے التجا کی وہ کامیاب ہوا (مراد پائی)

یاقوتیہ

فرماتے تھے شب پنجشنبہ سحر کے وقت بعض کمالات کے حصول کے لیے الحاح و تضرع شروع کی کچھ ہی دیر کے بعد ہم نے یہ تضرع ختم کر دی اور دل میں کہا کہ کیا ہے بندے کا اور خواہشات کا اس خطرے کے دل میں آتے ہی سینہ میں انشراح ہوا اور بڑی بسط رونما ہوئی، صبح کی نماز کے بعد حلقۂ ذکر میں مصروف تھا تو ایک نہایت قیمتی خلعت مجھے عطا کی گئی، تو میں متوجہ ہوا کہ یہ کون سی خلعت ہے؟ تو بتایا گیا کہ یہ خلعت عبودیۃ ہے۔ **والحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔**

یاقوتیہ

حضرت خواجہ دامت برکاتہ نے ایک روز مصلای مالکی پر حلقہ فرمایا اور استغراق، توجہ اور مراقبہ میں منہمک تھے کہ حلقہ سے فراغت کے بعد فرمایا آج اس مجلس سکوت میں ہم نے خلعت ارشاد (۱۱۸) کو اپنے علو شان کے ساتھ اپنے اوپر اوڑھے ہوئے دیکھا اور خود کو اس منصب (ارشاد) کے لیے اتنا جامع پایا کہ اس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں، اگرچہ مقتضائے وقت اور قرب قیامت کی وجہ سے اس کا ظہور کما حقہ ممکن نہیں ہے، نیز اس مجلس سکوت میں محسوس ہوا کہ ہمیں قلم و دوات عنایت کی گئی ہے جیسا کہ منصب وزارت کے لیے دیا کرتے تھے۔ تو اس سے واضح ہوا کہ دفاتر عالم شہادت

وملکوت اور امن کے ظاہری و باطنی احکام حضرت خواجہ کو تفویض کر دیے گئے ہیں اور آپ مرجع و جائے پناہ جملہ عالم کے ہیں۔ تجویز اور تصحیح امور بھی حضرت خواجہ کے لیے مسلم ہے۔

یاقوتیہ

''مخدوم زادۂ حضرت خواجہ محمد نقشبند سلمہ اللہ سبحانہٗ' سے منقول ہے کہ ایام اقامت مکہ مکرمہ میں حضرت خواجہ کے بڑے بھائی قدوۃ المحققین زبدۃ العارفین حضرت خواجہ محمد سعید قدس سرہ کو سخت مرض لاحق ہوا تو حضرت خواجہ نے ان کے دفعیۂ مرض کے لیے توجہ مرکوز فرمائی اور التجا و تضرع سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو مشاہدہ میں آیا کہ عرصۂ امکان کی تمام اشیاء نے ہمارے ساتھ خشوع اور ہاتھ اٹھانے میں موافقت کی ہزاروں ہاتھ تمام اقسام مخلوقات کے ہماری تبعیت میں اٹھے بلکہ جمیع حقائق اسماء و صفات الٰہیہ اور ان کے اصول اور ضلال مراد حاصل کرنے کے لیے ہمارے ساتھ شریک ہوئے اور معاملہ ذات بحت تعالت و تقدست تک پہنچا یہاں تک کہ قبولیت کا اثر ظاہر ہوا، اور حضرت خواجہ محمد سعید صحت یاب ہوئے۔

یاقوتیہ

حضرت خواجہ سلمہ اللہ سبحانہ و دامت برکاتہ ۱۸ رجب المرجب بروز شنبہ مکہ مشرفہ میں روانگی کے وقت مصلائے مالکی پر اپنے اصحاب کے ساتھ حلقۂ ذکر اور مراقبۂ سکوت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ فرمانے لگے کہ اس مجلس میں مجھ پر ''غیبت'' طاری ہوئی کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مجھے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) عنایات بلند اور عطایائے بے بہا کے ورود کی طرف متوجہ کر رہا ہے اور بتا رہا ہے (اس حالت میں) میں نے دیکھا کہ لباس فاخرہ کی خلعت جو کہ کثرت ضیاء اور کثرت درخشندگی سے کسی خاص صورت پر نہیں ہے بلکہ نور صرف نظر آتی ہے، یہ خلعت مجھے پہنائی گئی اس کے بعد وہ بقعۂ نور مجھ سے برخاست ہو گیا اور میں وہاں سے اٹھ کر مسجد سے باہر آ کر لیٹ گیا

تو اس نورانی خلعت کو اپنے اوپر ویسے ہی پایا اس کے بعد پھر وہی ''غیبت'' کی کیفیت طاری ہوگئی اسی اثناء میں آواز آئی کہ حق سبحانہ وتعالیٰ بھی اس نوعیت کا لباس پہنتا ہے جو کہ اس کی ذات اقدس کے لائق ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ ''کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے۔''

جاننا چاہیے کہ اس قسم کے معاملات اسرار سے ہیں اور ظاہری معنی بیان کرتے وقت ان کا مفہوم بدل جاتا ہے (ظاہر مصروف)

یاقوتیہ

حضرت خواجہ دامت برکاتہ مکہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے راستے بھر مقامات مقدسہ (مشاہد) کی دریافت اور تجسس کرتے رہے خواہ وہ آثار ہوں یا مساجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، جہاں تک ممکن ہوتا تھا اپنے آپ کو وہاں تک پہنچاتے تھے، اسی طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مزارات کی زیارت کے لیے بھی بہت کوشش کی مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی چیز چاہے، جب وادی بدر سے صفرا کے لیے روانہ ہوئے تو راستے سے آپ حضرت عبیدہ بن حارث جو کہ غزوۂ بدر میں زخمی ہو کر شہید ہوئے تھے اور صفراً میں مدفون ہیں کے مزار کی زیارت کے لیے گئے، آپ نے کچھ دیر اپنے ساتھیوں سمیت وہاں مراقبہ کیا اس کے بعد آپ اپنے قافلہ میں واپس آ گئے، تو فرمایا میں نے ان کی قبر پر توجہ کی، انہیں اس میں نہیں پایا، لیکن کچھ ہی دیر کے بعد کمال شان ومرتبہ سے ظاہر ہوئے اور ہماری طرف آئے اور بڑی خندہ پیشانی سے ملاقات کی تھوڑی دیر ہمارے ساتھ ٹھہرے پھر چلے گئے، گویا کسی امر الٰہی میں مصروف تھے یعنی مہمان نوازی کے لیے آئے تھے اور پھر اسی کام کے لیے چلے گئے۔

جوں جوں مدینہ معظمہ نزدیک آ رہا تھا ''کثرت شوق'' اور انوار کی شعاعوں کے ''شدت ظہور'' سے غالباً بیدار رہے علی الصبح مدینہ رسول علیہ وعلی آلہ الف الف صلوٰۃ والسلام میں پہنچے'' روضۂ منورہ اور مسجد شریف کی زیارت کے آداب بجا لائے'' روضۂ

معطرہ شریفہ'' سے انتہائی مہربانی اور عنایات ہوئیں، غیر حاضری کا سبب دریافت فرمایا اور انعامات وعطیات کا ظہور ہوا۔

تین چار روز کے بعد مدینہ منورہ کے چند اصحاب نے آپ سے بیعت ہونے کی استدعا کی، آپ نے کمال ادب سے ان جلیل القدر امور کے بارے میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت چاہی اور مواجہہ کریمہ پر اس سلسلے میں مراقبہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس امر عظیم کے لیے کامل رضا مندی اور اس کام کے لیے ''انتہائی اہتمام'' کا ظہور ہوا، چنانچہ اسی طرح کعبۂ حسناً میں ہوا تھا، نہایت عالی شان خلعت ارشاد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ مقدس سے عنایت ہوا، اس طرح حضرات شیخین (حضرت سیدنا ابوبکر صدیق وسیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے ''انوار وعنایات'' بھی ...... ان اصحاب کا قرب سرور انبیاء علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والبرکات کے کمالات سے مزین ہوکر ظاہر ہوا اور اکثر مشاہد و مقامات مقدسہ خصوصاً مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰت والتحیۃ مواجہہ شریفہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جائے سکونت پر ''ظہور انوار'' کا ورود اور ان مقامات پر ''اسرار مکنونہ'' جس کمال ظہور کے ساتھ موجزن ہوئے بیان فرماتے رہتے تھے اور حضرت امام اجل مجدد الف ثانی قدس سرہ کے کمالات اور حضرت خواجہ محمد معصوم کا مرتبہ (۱۲۰) ان مقامات مقدسہ پر معلوم ہوا۔

اس کے بعد آپ جنت البقیع کے مزارات پر گئے، حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عنایات اور الطاف، اہل بیت اور امہات مومنات نے مہربانیاں کیں اس طرح حضرت صدیقہ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے کمالات نے لامحدود کمالات کا اظہار فرمایا، فرماتے تھے اگرچہ حضرت صدیقہ کا مدفن بقیع میں ہے لیکن حجرۂ شریفہ جو آپ کا گھر ہے اور اکثر اوقات ام المومنین کو حجرۂ شریفہ نبوی میں پایا اور ''مسجد شریف'' کو بھی ان کے انوار سے مملو دیکھا، فرماتے تھے کہ حضرت عائشہ صدیقہ

رضی اللہ عنہا کے اس قدر الطاف محسوس کیے اور میرے حال پر ان عنایات کا اتنا اہتمام فرمایا کہ کیا بیان کیا جائے؟

حضرت صدیقہ نے حضرت خواجہ کی جتنی ''امداد و اعانت'' فرمائی اس میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت خواجہ نے حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے توسل سے حضرت خیر البریہ علیہ الصلوٰت والسلام والتحیۃ کے حضور ایک چیز کی ''شفاعت'' کی درخواست کی، جب شفاعت کا اثر بہت جلد ظاہر ہوا تو یہ راز معلوم ہوا کہ وہ ''توسل'' بہ عجلت تمام خود حضرت صدیقہ حبیبہ نے اپنی طرف منتقل کر لیا تھا اور ام المومنین فوراً یہ التماس لے کر جناب مطہر رسول اللہ علیہ وعلی آلہ الف الف صلوٰۃ والسلام کے حضور پہنچ گئیں، اور خود آنحضرت علیہ الصلوٰت والبرکات کے حضور عرض منظور کرا کر واپس آئیں آپ نے جو کچھ چاہا اس ''درگاہ معلیٰ'' سے جلدی حاصل کرلیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا علیٰ ابیہا وعلیہا السلام کے کمالات بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ''شب مولد'' میں ظاہر ہوئے اور اس شب کو ''حجرۂ شریفہ'' میں اہل بیت کا ''اجتماع عظیم'' اور بے پایاں سرور کا معائنہ کیا۔

یاقوتیہ

ایک روز مدینہ منورہ کے قیام کے دوران حضرت خواجہ کے اصحاب میں سے ایک نے آپ کی خدمت میں اس وقت کے دوسرے مشائخ کے ''احوال و مقامات'' بیان کیے بتقاضای غیرت آپ کے مبارک دل میں خطرہ گزرا ہوگا اس لیے نسبتوں کا اندازہ لگانے کے لیے توجہ کی، تو آپ کی نسبت کی تجلی ظاہر ہوئی جس کے انوار سے تمام عالم پر ہو گیا اور اس ''قرب خاص اور منزل مخصوص'' سے جس سے ''جناب مقدس معلیٰ عزشانہ'' نے آپ کو ممتاز کیا ہے ظہور فرمایا اور افراد عالم کی نسبت ان کا جس قدر انکسار و احتیاج اس عارف کامل (خواجہ محمد معصوم) کے ساتھ ہے ظاہر ہوا، اور محسوس ہوا (۱۲۱) کہ وقت کے امام و عالم حضرت خواجہ ہی ہیں اور ''افراد عالم'' آپ کے گردا

گرد صف بستہ کھڑے فیض کے منتظر ہیں۔

اسی اثناء میں یہ القا ہوا کہ کیا ایسی عالی مقام ہستی کو یہ زیبا ہے کہ دوسروں پر غیرت کھائے؟

یاقوتیہ

ایک روز حضرت خواجہ نے عشاً کی نماز شافعی امام کی (اقتداء میں) ادا کی، فرماتے ہیں کہ اس وقت امام اجل محی السنۃ محمد بن ادریس شافعی تشریف لائے اور کمال خندہ پیشانی اور سرور سے ملاقات فرمائی، اور اس ''موافقت'' پر گویا خوشی کا اظہار کیا۔

یاقوتیہ

وہ عظیم عطیات جن سے آپ کو وہاں ممتاز کیا گیا ایک یہ بھی تھا کہ آپ کو اپنے تمام اصحاب سمیت مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰت والسلام میں دو دن اور ایک رات اعتکاف کرنے کی اجازت مل گئی، جب عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے اور ہر اعلیٰ و ادنیٰ کو مسجد سے باہر کر دیا گیا جیسا کہ وہاں کا معمول ہے، اس طرح آپ کو اس ''بقعۂ شریفہ'' میں خلوت خاص حاصل ہوگئی۔ حضرت خواجہ مواجہہ شریفہ پر حاضر ہوئے دیر تک مراقبہ کیا، اسی طرح آخر شب میں تہجد کے وقت بھی حاضر ہوئے اور مراقبہ میں بیٹھے، فرماتے تھے کہ حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوٰت والتسلیمات کمال بندہ نوازی اور نہایت کرم سے ''حجرۂ خاص'' اور ''حجاب مخصوص'' سے باہر تشریف لائے اور مجھ پر ''نزول'' فرمایا اور آنجناب معلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر ''شرف'' حاصل ہوا کہ اس طرح کسی اور چیز کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح تہجد کے وقت محسوس ہوا کہ آنحضرت علیہ وعلیٰ آلہ الف الف صلوۃ والسلام اپنے ''مقصورۂ مندوۂ'' سے باہر تشریف لائے ہیں اور کمال درجہ کی عنایت و لطف سے اس کمترین کے ساتھ معانقہ فرمایا کہ اس حقیر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت مبارک کے ساتھ ''خاص الحاق'' میسر آیا، والحمد للہ علیٰ ذالک

یاقوتیہ

جمادی الاول کے آغاز میں جب حضرت خواجہ جنت البقیع کی زیارت کے لیے گئے تو حضرت امیر المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت علیہ ''کمال شان اور نہایت لطافت'' کے ساتھ متجلی ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثیر عنایات اور الطاف وافرہ کے ساتھ اہتمام سے حضرت خواجہ پر جلوہ گر ہوئے اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ''الطاف'' محسوس کیے۔

جب حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مزار کی زیارت کے لیے پہنچے تو معلوم ہوا کہ ''نسبت علیہ'' کا تلاطم موجزن ہے اور ''بے شمار لطف و کرم'' کا احساس ہوا اور ایسا محسوس ہوا کہ حضرت زہرا اپنی طرف کھینچ رہی ہیں گویا فرماتی ہیں کہ تم ہم میں سے ہو اور ہمارے مہمان ہو (۱۲۲) اور اس سے قبل کثرت عنایات کے اعتبار سے ایسا ہی معاملہ حضرت صدیقہ حبیبہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضری کے وقت پیش آیا تھا۔

جب جنت البقیع سے فارغ ہو کر مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں پہنچا تو حضرت فاطمۂ زہرا کے بحر نسبت میں مستغرق تھا کہ حضرت صدیقۂ حبیبہ کی ''نسبت علیہ'' نے ظہور کا شرف بخشا اور وہ چھا گئی اور تحقیق و استہلاک'' اور پہلی حالت کے باوجود حضرت صدیقہ حبیبہ کی نسبت شریفہ کا استغراق بھی حاصل ہو گیا اور پھر ہر مقام پر یہ دونوں بزرگ امہات المومنین رضی اللہ عنہما بہ نفس نفیس ظہور فرماتی رہیں اور خود ہی متوجہ رہیں، حضرت فاطمہ زہرا دائیں طرف سے اور حضرت صدیقہ کا بائیں جانب سے ظہور ہوتا رہا اور نماز مغرب سے عشاء تک یہی معاملہ رہا، اس کے بعد ''مسجد شریف'' میں ایسا معلوم ہوا کہ نسبت حضرت زہرا بتول غالب آ گئی ہے اور ان کی نسبت ''بیاض'' کی مانند اور نسبت حضرت صدیقۂ حبیبہ ''حجرہ'' کی صورت میں نظر آئی اس کے بعد حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ''مواجہۂ شریفہ'' پر حاضر

ہوئے تو یہی معاملہ وہاں بھی ظاہر ہوا کہ دونوں میں سے ہر ایک کی نسبت مجھے اپنی طرف کھینچتی تھی، آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور شریف میں حضرت صدیقہ کی نسبت نے قوت اور غلبہ پیدا کر لیا، گویا دونوں نسبتوں کی بنیاد ایک ہی ہو گئی ہو۔

عشاء کے بعد حضرت خواجہ محمد معصوم واپس اپنے مسکن میں آئے تو مخدوم زادگان کبار کے ساتھ ان حکایات کا بیان ہوا، فرماتے تھے کہ اس وقت تک وہی معاملہ ہے اس مسکین ضعیف پر ان دونوں روحانی بادشاہوں کی کثرت عنایات کے باعث اس وقت میں ایسی فرحت ۔ور سرور میں ہوں کہ اس سے اعلیٰ کا ہرگز تصور نہیں کیا جا سکتا۔

یاقوتیہ

حضرت خواجہ طالت حیواتہ و دامت برکاتہ ۱۶ جمادی الاول کو نماز جمعہ سے فراغت کے بعد آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے ''مواجہہ کریمہ'' کے قریب کھڑے ہوئے تو (اپنا مشاہدہ بیان) فرماتے تھے کہ جب میں صلوٰۃ وسلام سے فارغ ہوا تو مجھے ایک خلعت عنایت ہوا اور ایسا محسوس کیا کہ یہ خلعت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عنایات میں سے ہے، اس کے بعد اسی مجلس اور مقام پر اپنے اوپر دوسرے خلعت کو پا کر سمجھا کہ یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مہربانیوں میں سے ہے، ان دونوں خلعتوں کے الگ الگ رنگ تھے، اول سرخ اور دوم زرد فام تھا، اور اس مقام تبرکہ سے واپسی کے وقت سبز رنگ کے تیسرے خلعت نے مجھ پر نزول فرمایا تو القا ہوا کہ یہ حضرت خیر البریہ علیہ وعلیٰ آلہ الف الف صلوۃ والسلام وتحیہ کا عطیہ ہے۔

یاقوتیہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ''استغناً محبوبی'' اور آپ کی رحمت عامہ (۱۲۳) کے بیان میں حضرت خواجہ نے فرمایا کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ''وجود شریف''،''تمام عالمیان'' کا مرکز اور ''دورہ عرش'' سے لے

کر مرکز فرش (تحت الثریٰ) تک تمام مخلوقات فرشتے، حوریں، انسان، جن اور اللہ جل شانہ کی مخلوق کے تمام طبقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محتاج ہیں، اور یہیں سے فیض پاتے ہیں، بے شک حقیقی فیض رساں وہاب مطلق (اللہ تعالیٰ) ہے لیکن تمام قسم کے فیوض جو لوگوں کو پہنچتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ''توسل شریف'' سے ہوتے ہیں، ملک وملکوت کی تمام مہمات آپ کے اہتمام سے انجام پذیر ہوتی ہیں اور اس امر کا مشاہدہ کیا گیا ہے کہ روضۂ مطہرۂ حضرت نبی اکرم علی ساکنہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے شب وروز تمام مخلوقات پر انعام رسانی کا عمل اسی طرح جاری ہے گویا آپ کے ساتھ ان کا دائمی رابطہ (سبیل الاتصال) ہے (کہ انوار و فیوض کی ایک سبیل یا سیل رواں ہو) جیسے مشکیزوں کے منہ کھول دیے گئے ہوں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (ترجمہ آیت) ''ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا'' فرماتے تھے کہ یہ ''رحمت عامہ''، ''مشمول شفقت''، ''استغنا و عظمت محبوبیت'' کے مقام خاصہ کا لازمہ ہے جو بہ تحقیق ثابت ہے لہٰذا جناب کے حضور اپنی حاجات کا عرض کرنا اور اصل احتیاج میں وسیلہ کے طور پر ہے اور کسی مشکل میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل کے بغیر امور کے حل کے لیے التجا کرنا نافرمانی و گستاخی ہے۔

یاقوتیہ

٦ جمادی الاخریٰ بروز دوشنبہ حضرت خواجہ اہل بقیع کی زیارت کے لیے گئے، واپس آکر فرمانے لگے کہ قبور تبرکہ میں سے ہر اس قبر پر جہاں میں بیٹھا صاحب قبر کی عنایات کا اپنے اندر مشاہدہ کیا، اسی طرح دیگر اہل قبور جن کی زیارت کا ارادہ تھا، کو منتظر پایا اور میری ملاقات کے لیے ان کا اجتماع بالکل اسی طرح تھا جس طرح ایک مہمان عزیز کے لیے کیا جاتا ہے، جیسا کہ ایک نہایت مرغوب چیز جبکہ غیر مترتب طور سے وارد ہو جائے۔

جب امیر المومنین حضرت عثمان علیہ الرضوان کے مزار کی زیارت سے فارغ ہوا

تو اپنے اوپر ایک تازہ خلعت کو پایا، معلوم ہوا کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عطیہ ہے،

جب سیدنا ابراہیم علیٰ ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ منورہ پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ میری طرف تشریف لا کر مجھے اپنے ساتھ منسلک کرلیا، کبھی میرے پہلو میں آتے اور کبھی بہت مہربانی کرتے ہوئے مجھ سے معانقہ فرماتے اور آپ مجھے خالص نور (نور صرف) نظر آتے، اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اس جگر گوشہ کے حق میں آنحضرت علیہ وعلی آلہ الف الف صلوٰۃ والسلام فرمایا ہے:

''اگر ابراہیم زندہ رہتے تو نبی ہوتے''

فرماتے تھے حضرت ابراہیم (جگر گوشۂ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسبت کے ظہور اور عنایات کی جو لذت میں نے پائی ہے اور ان کے القاء نسبت کی جو لذت ہے وہ مجھ سے جدا ہونے والی نہیں ہے۔ اسی طرح وہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو اس روضۂ منورہ میں مدفون ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ سبھی تشریف لائے اور بے شمار عنایات ومہربانیوں کے ساتھ میرا احاطہ کرلیا (۱۲۴) اس کے بعد امام اجل مالک بن انس کے مرقد پر پہنچا تو آپ بعجلت تمام میری طرف تشریف لائے اور عرب کی رسم ملاقات کے مطابق نہایت بشاشت اور فرحت سے ملاقات کی، کیوں کہ ان کی ملاقات انتہائی مسرت میں ہے اور یہ طریقہ ملاقات کسی اور میں نہیں، اس کے بعد ازواج مطہرات کی بے حد عنایات ومہربانیوں کو محسوس کیا، بالکل اسی طرح جیسا کہ ماں کی شفقت اپنے بیٹے کے لیے ہوتی ہے، خصوصاً حضرت صدیقۂ حبیبہ کہ جن کی عنایات محض مخصوص وقت کے لیے نہیں تھیں بلکہ میں نے خود ان کو ان کے ساتھ منسلک پایا، حضرت زہرا بتول علیٰ ابیہا وعلیہا الصلوٰت والسلام کے کثیر الطاف کا ظہور اہل بیت کی بنات مطہرات کی شفقتیں، امیر المومنین حضرت عباس اور حضرت حسن اسی طرح ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی لاتعداد عنایات کا علم ہوا۔

جب میں عارف ربانی خواجہ محمد پارسا قدس سرہ کے مزار مبارک پر پہنچا تو وہ انتہائی خندہ پیشانی اور ''خصوصیت'' سے باہر آئے اور نہایت گرمجوشی و کرم فرمایا، اس وقت میں نے ان کی نسبت کو کمال درجہ ''صفا اور لطافت'' کے ساتھ ''فوق ظلال'' پر پایا۔

جب بقیع سے باہر آئے تو کچھ دیر قلعہ کے دروازے کے باہر کھڑے ہو کر امام اسماعیل بن امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو کہ قلعہ کے اندر دفن ہیں، کی روحانیت پر متوجہ ہوئے، حضرت امام بڑی شان اور نہایت لطف و احسان کے ساتھ حضرت خواجہ پر ظاہر ہوئے۔

یہ مخفی نہ رہے کہ جامع رسالۂ ہذا (مخدوم زادہ محمد عبیداللہ) نے حقائق آگاہ شیخ آدم (بنوڑی) کے احوال اصل (عربی) رسالۂ (یواقیت الحرمین) میں اس طرح لکھے ہیں جن کا میں (مترجم محمد شاکر سرہندی) اقتداء کرتے ہوئے انہیں الفاظ میں نقل کر رہا ہوں:

اگرچہ شیخ آدم کے بعض احوال ان شاء اللہ الگ ورق پر لکھے جائیں گے لیکن اتنا سنا ہے کہ حضرت خواجہ جب کبھی بقیع جاتے تو شیخ مذکور کی ''تربت'' پر ضرور جاتے اور مراقبہ بھی کرتے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کوئی چیز چاہے اور اس سلسلہ میں بہت غور فرمایا ہے۔

ذیل (یاقوتیۂ ہذا)

ان کلمات کے القاء کے بعد حضرت خواجہ دامت برکاتہ نے فرمایا کہ بقیع کے بقعات مبارک اور مزارات متبرک کی زیارت نے میری نسبت میں ''عجیب ظہور'' اور انوکھی جلاء پیدا کر دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے قرب و منزلت کا مشاہدہ کیا تو محسوس ہوا کہ سارا عالم میری اس نسبت سے پر ہو گیا ہے اور مخلوقات عالم میرے سامنے صف بستہ کھڑی ہے کبھی لباس میں اور کبھی میرے گردا گرد نمودار ہوتے ہیں اور میں ان کے درمیان امام ہوں، اور ایسا نظر آیا کہ حضرت حق سبحانہ تعالیٰ کے گوناگوں

فیوض و برکات جو تمام خلائق تک پہنچتے ہیں وہ تمام اس درویش (حضرت خواجہ) کے توسط سے بھیجے جاتے ہیں اور تمام مخلوق خواہ اولیاً ہوں یا عام لوگ حصول برکات اور ترقیات (باطنی) کے لیے اس ضعیف کے منتظر ہیں (۱۲۵)۔ ملکی مہمات کی تصحیح کے لیے قلم و دوات کو اکثر اپنے نزدیک حاضر پایا، گویا ایک سلطان ذی شان کے دربار میں وزیراعظم کا جو تعلق اور اختیار ہوتا ہے اپنی یہی کیفیت میں نے اس مقام پر محسوس کی، یہ جلیل القدر خدمت جو مجھے مرحمت کی گئی اس سے بھی عجیب اسرار کے ظہور کے باوجود ''اصالت و محبوبیت'' کے اسرار جو اس سے بلند تر ہیں عطا ہوئے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگرچہ اس نسبت نے مجھ پر ظہور و غلبہ کرلیا تھا تو میں متعجب و نادم تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حضور اس دوسری نسبت کی کیا گنجائش تھی؟ (تو معلوم ہوا کہ) یہ حالت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات کا اثر اور برکات کا جز ہے اور یہ سب کچھ ان اکابر کے طفیل ہوا، اس طرح مجھے تسلی و خوشی ہوئی۔

یاقوتیہ

عالی درجات مخدوم زادوں سے منقول ہے کہ بروز دوشنبہ ۲۰ جمادی الاخرٰی کو مدینۂ سکینہ سے رخصت کی اجازت کے لیے حضرت خواجہ حضور فخر موجودات و سرور کائنات خواجۂ دین و دنیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت بابرکات میں گئے، فرماتے تھے کہ نماز ظہر میں ہی محراب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک مجھ پر جدائی کے غم سے گریہ طاری تھا اسی غم و اندوہ کے عالم میں تھا کہ روضۂ معطرہ سے آفتاب رسالت کے انوار سطوت و حشمت سے طلوع ہوئے اور حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلی آلہ الصلوٰت والتسلیمات کمال شان و عظمت سے حجرۂ کریمہ سے باہر تشریف لائے، مجھ پر نزول فرمایا اور نہایت کرم سے خلعت اور تاج شاہی جو ایسی شان و رفعت والا تھا کہ ہرگز اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا تھا، اس حقیر کو پہنایا گیا، ایسا محسوس ہوا کہ اس

تاج پر طرۂ شاہی ہے اور اس کے اوپر لعل و جواہر جڑے ہوئے ہیں، معلوم یہ ہوا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے "بدن شریف" کا خلعت خاص ہے جو (عطا شدہ) خلعتوں کی طرح نہیں ہے اس کے بعد اپنے ان فرزندوں کے لیے بھی جو اس سفر میں ہمرکاب تھے، جناب عالی حضرت میں التجا کی، تو کمال بندہ نوازی سے ہر ایک کے لیے کئی خلعت مرحمت فرمائے، اس کے بعد مواجہۂ شریفہ (۱۲۶) پر حاضر ہوا تو اسی معاملہ کا مشاہدہ کیا، فرمانے لگے کہ ان دونوں مقامات یعنی محراب خاصہ اور مواجہۂ کریمہ میں ایک دوست پہلو میں کھڑا اور حصول اجازت کے لیے ہمراہ آیا تھا میں نے اس کے لیے بھی خلعت کی التجا کی تو یہ درخواست قبول نہ ہوئی، تو مزید التجا و تضرع کے بعد اس کے لیے بھی خلعت کی قسم کی کوئی چیز عطا ہوئی جو اس وقت اس کی دستار پر نمایاں تھی۔

یہ حقیر عفی عنہ کہتا ہے کہ یہ مکاشفہ دراصل اس واقعہ کی تعبیر ہے کہ حضرت خواجہ نے اس سفر کے دوران شاہ جہان آباد کے راستے میں مشاہدہ کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ نماز میں امامت کر رہے ہیں، اور بہت سے لوگ آپ کی اقتداء میں صف بستہ ہیں، میرے دونوں بڑے بھائی خواجہ محمد صادق و خواجہ محمد سعید قدس سرہما صف اول میں کھڑے ہیں، حضرت مجدد عین نماز کی حالت میں ہی فرمانے لگے کہ ہمیں محمد معصوم کی طرف سے یہ پہنچا اور یہ بھی پہنچا گویا گنتی فرماتے تھے۔

اسی طرح دونوں بڑے بھائیوں نے بھی کہا کہ محمد معصوم سے حضرت مجدد الف ثانی کو فلاں فلاں چیز ملی۔ اس اثناء میں حضرت وہاب عزشانہ کی طرف سے حضرت مجدد الف ثانی کو خطاب ہوتا ہے کہ ان امور کی آسائش کروا دی جائے، تو حضرت مجدد نے عرض کی کہ کس قسم کی آرائش کی جائے؟ حکم ملا کہ لعل و جواہر سے آراستہ تاج ان (خواجہ محمد معصوم) کے سر پر رکھا جائے اور اس میں ایک لعل بھی رکھا جائے جس کی روشنی سر سے قدموں تک جائے اور وہ یعنی محمد معصوم کامل نور بن جائے۔

یاقوتیہ

فرماتے تھے کہ خلعت کے عطا ہونے سے مراد ہے "نسبت خاصہ" کے افاضہ سے، اور معاملہ مخصوصہ کے، اس لیے خلعت اور افاضہ نسبت خاصہ حاصل کرنا واضح دلیل اور اعدل شاہد ہے کہ دینے والے کو معطیٰ لہ کے ساتھ پوری خصوصیت ہے اور کامل عنایت ہے، نظر کشفی میں یہی خصوصیت خلعت سے متمثل ہو جاتی ہے، بخلاف باقی عنایات کے جنہیں خصوصیت حاصل نہ ہو وہ خلعت کی صورت میں متمثل نہیں ہوتے، اس لیے ہم نے جب مواجہۂ شریفہ میں بعض مخصوص احباب کے لیے حصول خلعت کی التجا و تضرع کیا تو آثار قبولیت ظاہر نہیں ہوتے تھے، اگرچہ التفات اور عنایات ان احباب پر ضرور محسوس کی جاتی تھیں، البتہ بعض فقیر زادوں کے لیے محض فضل و کرم سے خلعتیں عنایت ہوئیں۔

یاقوتیہ

ہم حرمین الشریفین کے عطیات کو دو عنایات کے ذکر پر ختم کرتے ہیں جو ہمارے امام اور قبلہ سید شیخ (خواجہ محمد معصوم) نے بارگاہ عالی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کیں، ایک خود حضرت خواجہ کے حق میں اور دوسری آپ کے شیخ امام العالم مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہے۔

اول، ایک روز حضرت خواجہ اپنوں اور بیگانوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے تو دیکھا کہ حضرت سید الاولین و الآخرین علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات آسمان سے نزول فرما رہے ہیں اور کمال شان اور کامل نورانیت کی شعاعوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیئت مبارک متشخص نہیں تھیں گویا "نور صرف" متمثل ہیں، حضرت نے کمال رحمت سے (حضرت خواجہ کو) بوسہ دیا اور پھر آسمان کی طرف عروج فرمایا۔

دوم یہ کہ ایک روز سرہند کی اقامت کے دوران "واقعہ" میں دیکھا کہ حضرت محبوب رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہ الف الف صلوٰۃ والسلام، حضرت امام ربانی

مجدد الف ثانی کے گھر میں کھڑے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے انوار عظیم اخذ رہے ہیں اور حضرت مجدد الف ثانی اس کے صحن میں ایک کونے میں کھڑے اپنی نسبت میں مستغرق ہیں حضرت رسالت خاتمیت علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کمال بندہ نوازی سے حضرت مجدد الف ثانی کی تعریف میں بہت سے کلمات (۱۲۷) فرمارہے ہیں، اور فرماتے تھے کہ سبحان اللہ ان لوگوں کے درمیان اور اس دیار میں حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے اس قسم کے بندہ کو پابند کر رکھا ہے کہ اللہ سبحانہ کے مقرب فرشتے اس کے پاس آتے ہیں لیکن وہ ان کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتا۔

(ترجمہ آیت) ''تیرے رب کی ذات پاک ہے، وہ عزت والا پروردگار پاک ہے ان باتوں سے جو بیان کرتے ہیں اور رسولوں پر سلام ہے اور تمام تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہاں کا رب ہے۔''

رسالہ یاقوتیہ جو کہ ۴۹ یواقیت پر مشتمل ہے میں سے صرف یہ سترہ یواقیت (منتخب کیے) ہیں ان میں بعض متصل ہیں اور بعض جدا جدا ہیں، اور یہ نماز کی سترہ رکعتوں (فرائض) کے مطابق ہیں جنہیں اس تیسری مفتاح میں شامل کیا گیا ہے جو کہ تیس کنوز پر مشتمل ہیں، خزائن معصومی اور دفائن قیومی کی یہ تعداد قرآن پاک کے اجزاء اور ماہ رمضان کے دنوں کے مطابق ہیں، اور اس میں حضرت خواجہ کی روح پر فتوح کی رضا شامل ہے،......

(ترجمہ آیت) ''اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کیں اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں ان کافر لوگوں پر مدد دے۔''......

مفتاح چہارم

(١٢٩) حضرت خواجہ کی عادات، عبادات اور بعض سورتوں اور قرآنی آیات کی تاویلات جو آپ نے بیان فرمائیں اور اس بات سے متعلق دیگر بیانات۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اللھم صل و سلم علیٰ افضل البشر و اکرم المخلوقات صاحب وحی و شفاعت جن کا وجود زمین و آسمان کی تخلیق کا باعث و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و اتباعہٖ الیٰ یوم النجات۔

اسرار صدیقی کے منشیوں، سرائر انوار فاروقی کے لکھنے والوں، قامت دلبرائ عثانی کے حیاداروں، دلان وارث کرار سبحانی کے دلبر، جاں نواز محفل نقشبندی کے باریابان، خوش آواز مجلس بلند کے صدر نشین، شائق کمالات احمدی (مجددی) کے دل گدازان، عاشق کمالات سرمدی کے بلند پرواز، آسان پاک معصومی کے خاکروبان، معارف قیومی کے ادراک کا اشتیاق رکھنے والوں کا گروہ، زاہدان بادیہ حسرت، عابدان قائم اللیل و صائم النہار، دولت کثیر الاقبال کے منعم، بلا اختلال اصوات کے ترانہ گو، خمخانۂ الٰہی کے بادہ نوشان، مے خانہ لامتناہی کے گل فروش، سالکان مسالک طریقت، وادی حقیقت کے مستحفظان، مدرسۂ عالی مقال کے عالمان، معرکۂ مستقیم الاحوال کے ایسے عرفا جو امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کی تبعیت و وراثت میں طریقت وحقیقت کو شریعت کے طابع سمجھتے ہیں اور نبوت کو اس نبی کی ولایت سے حق الیقین کے ساتھ افضل جانتے ہیں اور صحو کو سکر پر ترجیح دینے والوں پر ظاہر اور آشکار ہے کہ اس قبلہ (١٣٠) درویشان و امام صفا کیشان حضرت خواجہ کو کثرت قبولیت اور غایت طمانیت سے حضرت صمدیت جلت عظمتہ کے حضور اوج وقرب نے اتنا عروج حاصل کیا جو

ایک ایسے فرشتہ کی (صورت میں ظاہر ہوا) کہ جس کے اسی ہزار سر، زبان اور منہ تھے اور یہ سب کے سب ذاکر تھے، چنانچہ اس کتاب کی تیسری مفتاح کی ۲۵ کنز میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، میں (مولف) ایک آوارہ پست فطرت جس نے اپنی ساری ہمت ضلالت و گناہوں میں گزار دی ہو اس کا بھلا ان عالی شان مطالب سے تعلق ہی کیا ہے اور اپنی بے رونق متاع کو صرافوں کے بازار لے جا کر ان دقائق کو ظاہر کروں، علمائے حق **شکر اللّٰہ تعالی سعیھم** کے نزدیک اسباب علوم سے عقل سبب ثالث ہے، اپنی طبیعت کے نقصان پر بلا تکلف حاکم ہے، تو پھر اس قسم کے اعلیٰ مقصد و مطلب کہ جن پر اکابر علماء و کامل اولیاء کا ادراک عاجز ہے اور اس امام الاصفیاء خیر الانبیاء **علیہ و علیھم من الصلوات ھا و من التسلیمات اکملھا** (حضرت خواجہ) کے کمالات اور عادات و حسنات کی تعریف نہ کر سکنے کے قصور کا اعتراف کیا ہے لیکن جس کام کا آغاز کیا ہے اسے انجام تک پہنچانا اور ان اکابر کے اقوال کی سماعت کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے اور اب اس قبلۂ درویشان کے عاشقان مجال باکمال کے لیے آپ کی یاد کے بغیر وقت گزارنا بہت ہی زیادہ بے چینی اور اضطراب کا باعث ہے۔

بغیر از دوست آرامی ندارد   بخود قطعاً سرانجامی ندارد

میرے حسب حال ہے، ان امور کے درمیان ہی چونکہ دل متردد حال تھا اس لیے معاملات (منامات خواب) میں حضرت خواجہ سے متعدد مرتبہ صحبت رہی جن میں آپ نے اپنے ان مقامات (مقامات معصومی) کی تعریف، میں حسب ذیل شعر پڑھا:

رخشندہ معانی از عبارہ   ز آنسانی کہ بر آسماں ستارہ

اس کے علاوہ آپ نے دوسری عنایات سے بھی نوازا جس کا حاصل یہ ہے کہ میں ان مقامات فرخندہ رایات (کتاب حاضر) کے لکھنے میں دلیر ہو گیا بلکہ آپ نے ان تحریر شدہ کلمات کو اپنے سے منسوب کر لیا، اس قسم کی فرحت بخش خوشخبری سے

سعادت کے اسباب مہیا ہو گئے تو سابقہ سطور کو اعتقاد راسخ کے ساتھ سنا بلکہ (احباب) نہایت نیازمندی اور بڑے انکسار کے ساتھ اس دولت کے حصول کے لیے آئے ان میں سے بعض نے تو تیسری مفتاح کی تکمیل سے پہلے ہی نہایت شوق اور انتہائی حلاوت کے ساتھ اس کو نقل کرنا شروع کر دیا حالانکہ اس وقت تک چوتھی مفتاح کا دیباچہ بھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ آغاز کتاب سے یہاں تک اسے صاف اور خوش خط لکھ لیا اور دوسرے جز کی تیاری شروع ہو گئی اور اس طرح قلت (۱۳۱) درایت اور طبعیت کے نقصان کا بھی لحاظ نہ رکھا اور اس قبلۂ ابرار (حضرت خواجہ) کے اسرار شائقین تک پہنچنے لگے ....

کنوز خزائن معصومی میں سے یہ مفتاح دو کنزوں پر مشتمل ہے:

کنز اول اس قبلہ ارباب کرامات (حضرت خواجہ) کی عادات اور عبادات پر مشتمل ہے اور دوسری کنز ایسی سورتوں اور آیات قرآنی کے بیان میں ہے کہ روز حشر اسی کی پرسش کی جائے گی (یعنی نماز)، نام حق کے مولف فرماتے ہیں:

روز محشر کہ جاں گداز لود اولیں پرسش نماز بود

اس مقصد کے آغاز سے پہلے اس مقام معصومی پر چند ایسی صحیح احادیث نقل کر رہا ہوں جو نماز کے فضائل کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں:

کنز اول: کامل ہوشمندی کے ساتھ سننا چاہیے کہ نماز ہی بہترین عبادت ہے۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا کچھ میل باقی رہ جائے گی؟ انہوں نے کہا کہ کچھ میل باقی نہیں رہے گی، فرمایا یہی پانچ نمازوں کی مثال ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ خطائیں معاف کرتا ہے، متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک اعمال میں سے کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا وقت پر نماز ادا کرنا، میں نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد کون سا؟ فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، میں نے عرض کیا پھر کون سا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد ...... متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک دن نماز کا ذکر کیا تو فرمایا کہ جس نے اس کی حفاظت کی تو وہ اس کے لیے قیامت کے روز روشنی، دلیل اور نجات ہوگی، اور جس نے اس کی حفاظت نہیں کی اس کے لیے نہ کوئی روشنی ہوگی نہ دلیل اور نہ ہی نجات اور وہ قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا، (اس حدیث کو روایت کیا ہے) احمد، دارمی اور بیہقی نے شعب الایمان میں۔

عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نماز کے سوا کسی عمل کو ترک کرنے کو کفر خیال نہیں کرتے تھے، اسے ترمذی نے روایت کیا ہے۔

یہ نماز ہی ہے جو غم زدگان کو راحت بخشتی ہے اور نماز ہی ہے جو مریضوں کو شفا دیتی ہے (۱۳۲) یہ نماز ہی ہے جو اصل (مسلمان یا کافر) کا نشان دیتی ہے، یہ نماز ہی ہے جو بندہ کو رب تعالیٰ سے نزدیک تر کرتی ہے نماز کے اس قدر فضائل و کمالات ہمارے حضرتین یعنی امام ربانی مجدد الف ثانی اور قبلۂ درویشان حضرت خواجہ نے اپنے اپنے مکتوبات قدسی سمات کی جلدوں میں تحریر فرمائے ہیں کہ صوفیۂ متقدمین میں سے کسی نے بھی اس کا دسواں حصہ تک بیان نہیں کیا ہے، اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو تم اپنے باطن پر ان کے جمال کا پرتو محسوس کرو گے، پس اس قبلہ اصحاب کرامات (حضرت خواجہ) کی عبادات میں سب سے پہلے جو چیز آئی ہے وہ نماز ہی ہے جس کے ذکر سے قلم شہد و شکر رقم کرنے لگتا ہے:

مرشدا کامل نماز اوست من دامان تو

ہم ان مقامات شریفہ میں خصوصیت سے ایک لطیفہ بیان کر رہے ہیں اور یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کے مقامات پر دوسرے لکھنے والوں کے ہاں اس کا اندراج ہوا ہے یا نہیں اور وہ لطیفہ یہ ہے کہ نماز کا ذکر ظہر کی نماز سے کیا جائے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہ وسلم نے فرائض کی ادائیگی میں پہلی نماز یہی (ظہر) ہی ادا کی ہے۔ اس کے خلاف مقامات حضرت مجدد الف ثانی کے مولفین نے کلام کا آغاز نماز تہجد سے کیا ہے، اور اس عاصیٔ دوراز کار (مولف) نے بھی ان حضرات (مولفین مقامات) کے اتباع میں اپنے رسالۂ معدن الجواہر جو کہ عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ العزیز کے احوال پر ہے یہی طریقہ اختیار کیا ہے۔ لیکن ان مقامات کی تحریر کے وقت آسمان کی طرف سے اس آیت کی آواز سنائی دی جو اس طرح ہے: (ترجمہ) ''نماز قائم رکھو سورج کے ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک اور صبح کا قرآن بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔'' اس آیت کریمہ میں ''دلوک الشمس'' سے مراد زوال آفتاب ہے جو نماز ظہر سے عبارت ہے اور جبریل امین علیٰ نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام دو روز تک مسلسل حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علیٰ آلہٖ من الصلوۃ افضلھا و من التسلیمات اکملھا کی خدمت میں (نماز) کے اوقات کی تعلیم اور امامت کے سلسلہ میں بیت کنانیہ کے نزدیک آئے اور نماز ظہر سے ہی شروع کیا، سعادت حاصل کرنے کی غرض سے وہ حدیث جس میں اس کا ذکر ہے۔ بطور ثبوت پیش کرتا ہوں اور اس تحریر کو حلیہ حدیث سے روشن کرسکوں اور تمام پڑھنے اور سننے والوں کو خیر البشر امام یوم حشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ وسلم کے کلام سے نواز سکوں اور وہ یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کے قریب میرے

پاس جبرئیل دو مرتبہ آئے، انہوں نے میرے ساتھ ظہر اس وقت پڑھی جب سورج زوال پذیر ہوا اور وہ معمول کے انداز کے مطابق تھا اور میرے ساتھ عصر پڑھی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہو گیا اور میرے ساتھ مغرب پڑھی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور میرے ساتھ عشا پڑھی جب شفق غائب ہو گئی، میرے ساتھ فجر پڑھی جب روزہ دار پر کھانا (۱۳۳) پینا حرام ہو جاتا ہے۔ اور جب اگلا دن ہوا تو میرے ساتھ ظہر پڑھی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا، میرے ساتھ عصر پڑھی جب سایہ اس کے ایک مثل سے بڑھ گیا تھا اور میرے ساتھ مغرب پڑھی جب روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور میرے ساتھ عشا پڑھی رات کی ایک تہائی تک اور میرے ساتھ فجر پڑھی جب روشن ہو گئی، پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ آپ سے پہلے کے انبیاء کا وقت ہے، اور وقت انہی دو وقتوں کے درمیان ہے، (اس حدیث کو) ابوداؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔

پس جب نماز کی فضیلت کی حقیقت واضح ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ پہلی نماز جو ادا کی گئی وہ ظہر کی نماز تھی تو پس جان لیجیے کہ نماز ایسی عبادت ہے جو تلاوت قرآن اور اس کے علاوہ اذکار سبحان جیسے تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر، خشوع اور خضوع پر مشتمل ہے، پس اب سب سے پہلا اور اچھا ذکر یہی ہے......

حضرت خواجہ کا مقبول طریقہ شریفہ جیسا کہ عرفان کامل اور صاحب دل مقبولوں سے متعدد مرتبہ سنا ہے کہ گرمی اور سردی کے موسم میں یہ تھا کہ سردی میں سایہ بڑھ جائے تو سفر کا آغاز کرتے تھے۔ مسنون طریقہ کے مطابق بیت الخلا تشریف لے جاتے تھے اور پہلے بائیں پاؤں اندر رکھتے اور سنن میں سنت کی رعایت سے اسی کو بہتر فرمایا گیا ہے اس کے بعد مٹی کے ڈھیلا سے استنجا کرتے اور پھر پانی سے طہارت فرماتے تھے اور اس میں سنت کے آداب ملحوظ رکھتے اور دایاں پاؤں پہلے باہر رکھتے تھے اور اس مکان (بیت الخلا) میں داخل ہوتے وقت اللھم انی اعوذ بک من

الخبث و الخبائث پڑھتے تھے بسم اللہ پڑھ کر جاتے اور باہر آتے وقت غُفرَانکَ وَالحَمدُ لِلّٰہ الذی اذھَبُ عَنّی الاذٰی و عَافَانِیُ پڑھا کرتے تھے، آپ کے تمام بڑے اعمال احادیث اور آثار سے ماخوذ تھے یہ حکم صرف زوال کے وقت بیت الخلا جانے کے لیے نہیں تھا بلکہ جب کبھی بھی جگہ کی تلاش کرتے کہ اس سے چھینٹیں اڑنے کا احتمال نہ رہے استنجا کے دوران ڈھیلا استعمال کرنے میں بڑی احتیاط کرتے تھے کہ کہیں قطرات باقی نہ رہ جائیں، مختصر یہ کہ استنجا سے فراغت کے بعد قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاتے اور وضو کرتے ہر وضو پر جہاں پانی بہاتے وہاں بار بار ہاتھ پھیرتے کہ قطرے باقی نہ رہیں۔ کیونکہ امام الائمہ سراج الامۃ (۱۳۴) امام ابی حنیفہ کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک استعمال شدہ پانی نجس عین ہے، اگرچہ امام محمد کے نزدیک طاہر نیز مطہر ہے اور اس پر فتویٰ ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی یہی ہے، لیکن وہ امام صفا کیشان حضرت ایشان (حضرت خواجہ) کا عمل غایت تقویٰ کے باعث بر عزیمت تھا۔ وضو شروع کرتے وقت آپ بسم اللّٰہ العظیم والحمد للّٰہ علی و نبی الاسلام اپنی زبان الہام ترجمان سے فرماتے تھے، (اس دوران) کلی کرتے وقت پانی کے دور تک لے جانے کو ترک کر دیا تھا کہ حضور ساطع النور میں جو اصحاب موجود ہیں ان پر چھینٹیں نہ پڑیں۔ اور ہر عضو پر پانی ڈالنے کے لیے تین مرتبہ کا طریقہ اختیار کر لیا تھا یعنی ہاتھوں سے لے کر پاؤں تک اور اپنا چہرۂ مبارک جو کہ بہترین چہرہ ہے دھوتے وقت:

یاد روئی او کنم تا خانہ ام روشن شود

آپ کمال ملائمت سے پانی کو سر سے کانوں اور نرمۂ گوش تک لے جاتے تھے البتہ پانی بہانے کی صورت میں آپ اپنے ہاتھ سے دائیں طرف کے رخسار پر پہلے ہاتھ پھیرتے اور پھر دوسرے رخسار پر پانی ڈالتے، بعض صاحب نظر اور کثیر اعتقاد رکھنے والوں نے اس معمہ کو بنظر غائر دیکھا اس امر کی رعایت اس لیے تھی کہ رسول خدا

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم طرف راست (دائیں جانب) کو تمام امور میں ترجیح دیتے تھے، چہرۂ شریفہ دھوتے وقت کلمۂ شہادت پڑھتے تھے اور پھر چہرہ مبارک پر تین مرتبہ پانی ڈالتے تھے، ایک ہاتھ میں پانی تھامے ہوئے دوسرے ہاتھ سے داڑھی شریف میں خلال کرتے تھے اور بعض اقوال کے مطابق ایک ہاتھ میں پانی لیے داڑھی مبارک میں دو مرتبہ بھی خلال کرتے تھے اور تیسری مرتبہ منہ دھوتے تھے مقصد یہ ہے کہ دوسرے قول کے مطابق خلال کو دو وسط تک کرتے تھے اور پہلے قول کے مطابق فراغت سے چہرہ دھوتے تھے، دونو بازو دھوتے وقت پانی ہاتھ سے لے کر کہنیوں تک دھوتے اور پانی کو اس سے بھی آگے لے جاتے بلکہ اس سے بھی دو تین انگلیوں سے اوپر تک لے جاتے یہاں تک کہ بازو کا کچھ حصہ بھی دھل جاتا جو بہت ہی اجر کا باعث ہے اور بازو دھوتے وقت **اللھم اتنی کتابی بیمینی و حاسبنی حسابًا یسیرا** پڑھتے اور پھر بائیں بازو کو دھوتے ہوئے۔ **اللھم لا تؤتنی کتابی سمالی او من وراء ظھری و لا تحاسبنی حسابا عسیرا** پڑھا کرتے تھے اگر چہ حضرت خواجہ کا بائیں تو مقتضیات عدم سے ہوتا تھا پھر بھی بموجب تخلیق باخلاق اللہ کے تحت کرتے تھے اور پھر بحکم **کلتا یدیہ یمین سبحانہ یمین**۔ لیکن آپ یہ سب کچھ ظاہر بینوں کے لیے کرتے تھے، اس کے بعد سارے سر، دونوں کانوں اور گردن کا مسح اس طرح کرتے تھے کہ مستحبات میں سے کوئی عمل رہ نہ جائے (۱۳۵) اس کے بعد بائیں جانب توجہ کرتے اور دونوں قدم دھوتے اور ٹخنوں سے اوپر تک پانی ڈالتے اور تھوڑی سی پنڈلی بھی دھو دیتے کہ ایسا کرنا بہت ہی ثواب کا باعث ہے، اور پاؤں کی انگلیوں میں مسنون طریقہ سے خلال کرتے تھے اور ان کی مناسبت سے ہر وقت دعائیں پڑھتے تھے۔ ہر وضو کے ساتھ مسواک لازم طور پر کرتے اور ہر نماز کے لیے ہر مرتبہ وضو کرنا ضروری قرار دیتے تھے، اگر چہ ایک وضو کے ساتھ کبھی دو نمازیں بھی پڑھتے تھے کہ اس رخصت کا حکم بھی ادا ہو جائے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

ان اللہ سبحانہ کما یحب ان یاتونی بالعزیمۃ یحب ان یاتونی بالرخصۃ فیہ

خاص طور پر کہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم مل جائے تو اسے فرائض و واجبات میں داخل کرتے تھے، رخصت کے مقابل عزیمت کو ترجیح دیتے کہ نوم العلماء عبادۃ (علماء کی نیند بھی عبادت ہے) اس امر پر شاہد ہے، حضرت خواجہ اگرچہ ''کن فکن'' پر مامور تھے جس کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ پانچویں مفتاح میں اپنے موقع پر بیان کی جائے گی۔

چنانچہ جناب قبلہ گاہی قطب الاقطابی (شیخ محمد فضل اللہ) قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ العزیز سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ جوانی کے زمانے میں عشا کی نماز اشراق کے وضو سے پڑھا کرتے تھے، لیکن مسواک کے بغیر کبھی وضو نہیں کرتے تھے، اذان کے دوران آپ کامل ادب کے ساتھ بیٹھ کر سنتے تھے اور اگر راستے میں ہوتے تو کھڑے ہو جاتے اور اگر لیٹے ہوئے ہوتے تو جلدی سے اٹھ کر بیٹھ جاتے اور موذن سے اذان سننے کے ساتھ ساتھ اس کے کلمات آہستہ آہستہ دہراتے تھے جو کچھ وہ کہتا آپ بھی اسی طرح کہتے تھے میعلتین کے وقت لا حول و لا قوۃ الا باللہ کہتے تھے، اذان سے فراغت کے بعد درود پڑھتے اسی وقت کی مناسبت سے دعا ماثورہ پڑھتے تھے چنانچہ اذان کے آغاز پر ہی وہ دعا پڑھ لیتے تھے اگر تمام دعائیں نقل کی جائیں تو کتاب کی طوالت کا سبب بنیں گی اسی بنا پر بعض دعائیں مختصر طور پر بعض مصلحتوں کے باعث نقل کی جائیں گی، خاص بات یہ ہے کہ اذان سننے کے بعد جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے کے مطابق وضو کرتے وقت پھر اس حکم کے تحت خذوا زینتکم عنہ...... کل مسجد لباس پہنتے اور پورے وقار کے ساتھ نماز کے ارادے سے مسجد کی طرف متوجہ ہوتے اور اپنے ملائک آستانہ گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھتے تھے بسم اللہ توکلت علی اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ اس کے بعد واپس جاتے ہوئے بسم اللہ ثقۃ باللہ و توکلا علی اللہ پڑھتے تھے اور

آپ کے جمال کا دیدار کرنے کے شائقین مسجد سے لے کر دولت خانہ تک صف بستہ کھڑے چشمان انتظار سے منتظر رہتے تھے:

بہ بیں یمین و یسارہ چہ بے قرار انند

(یہ مصراع) آپ کے حسب حال تھا، اپنے دیدار مطلع انوار سے پیاسوں کی تشنگی کو آب شیریں سے سیراب کرنا دراصل (۱۳۶) حوض کوثر سے سیراب کرنے کی اتباع میں تھا کہ جس کا کبھی تصور بھی نہ ہو......

بہت سی تسلیمات نظر عنایت سے قبول کرنے اور شوریدہ حال چاہنے والوں کے حال پر عنایات کرتے ہوئے مسجد میں داخل ہوتے اور مسجد میں داخل ہوتے وقت اللھم افتح لی ابواب رحمتک پڑھتے تھے اسی طرح مسجد سے نکلتے ہوئے اللھم انی اسئلک من فضلک پڑھتے تھے اور بغیر کسی توقف کے دوگانہ مخففہ تحیت مسجد ادا کرتے تھے اس کے بعد زوال کے وقت کے لیے چار سنتیں ادا کرتے پھر چار رکعت سنت موکدہ پڑھتے تھے، ان کی ادائیگی کے فوراً بعد آپ کا تکبیر کہنے والا تکبیر کہتا اور زیادہ تر آپ خود بنفس نفیس نماز کی امامت کرتے تھے اور اس دوران آپ طویل قرأت بھی کرتے تھے اور بعض اوقات اس کے بغیر بھی ادا کرتے لیکن ایسا بہت ہی کم اتفاق ہوتا تھا، غلبۂ مرض کے زمانے میں آپ نے کسی دوسرے کو امامت کا حکم دیا تھا۔ آپ کی نماز انتہائی خشوع اور طمانینت جس میں کھڑے ہونا، بیٹھنا اور رکوع و سجود مع طول قنوت سے موصوف تھی، ایسا کیوں نہ ہوتا کہ آپ کا سجدہ تو فوق عرش پر ہوتا تھا، جیسا کہ ہم نے اس کتاب ک تیسری مفتاح میں اس کا ذکر کیا ہے لیکن اس امر کی تفصیل ہم چھٹی مفتاح میں دیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ

قصہ مختصر فرض نماز میں سلام کے بعد آپ کی زبان الہام ترجمان سے تین مرتبہ کلمہ استغفار ادا ہوتا تھا، ایک مرتبہ اللھم انت السلام و منک السلام تبارک یا ذالجلال والاکرام کہتے تھے اور بغیر کسی توقف کے دو رکعت نماز ظہر

کی سنت موکدہ ادا کرتے تھے اور پھر آیۃ الکرسی بھی پڑھتے تھے، کبھی دو رکعت نفل اور بعض اوقارت چار رکعت بھی پڑھتے اور دعا بھی کرتے تھے اور دعا ہاتھ اٹھا کر کامل خشوع کے ساتھ کرتے تھے اور نماز اور کھانے کے بعد عام لوگوں میں فاتحہ پڑھنے کی رسم پڑ گئی تھی جو کہ عام سے زیادہ خواص میں بھی سرایت کر گئی تھی انہیں پڑھتے تھے اور اسے بدعت تصور کرتے تھے، ہاں اگر کوئی حاجت مند اپنی حاجت کے حصول کے لیے خود درخواست کرتا تو آپ فاتحہ پڑھتے تھے۔ دعا سے فراغت کے بعد آپ ۳۳ مرتبہ کلمہ تسبیح ''سبحان اللہ'' پڑھتے اور ساتھ ہی کلمہ تکبیر ''اللہ اکبر'' بھی کہتے تھے اور بعض اوقات ۳۳ مرتبہ کلمہ تکبیر بھی پڑھتے تھے اور آخر میں **لا الہ اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد و ھو علیٰ کل شیئ قدیر** بھی کہتے تھے یہاں تک کہ سو مرتبہ پورا ہو جاتا تھا، جیسا کہ اتباع کرنے والوں کے لیے مخفی نہیں ہے اور بعض اوقات ۲۵ مرتبہ کلمہ تکبیر ۲۵ مرتبہ کلمہ تحمید، ۲۵ مرتبہ کلمہ تہلیل مع جمیع اطوار جس کا احادیث صحاح سے ثبوت ملتا ہے پڑھتے تھے۔

ایک اور لطیفۂ شریفہ یہ ہے کہ اولو الابصار محبین پر اس کا اظہار کرنا واجبات میں سمجھتا ہوں کہ (۱۳۷) حضرت خواجہ خواہ فرض نماز ہو بلکہ تمام اعمال صالحہ قلب صنوبری جو کہ صفت جامعہ ہے، آپ نے اپنی زبان الہام ترجمان سے فرمایا بعض اوقات نیت کے الفاظ انسانوں کے درمیان معروف ہوتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں ہے کہ رسول مختار **علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ من الصلوۃ افضلھا و من التسلیمات اکملھا** اور صحابہ کبار نے زبانی نیت کی ہو۔

نماز ظہر سے فراغت کے بعد آپ دینی علوم کا درس پوری متانت کے ساتھ دیتے تھے اور کبھی دوگانہ نماز طویل قنوت کے ساتھ پڑھتے تھے کہ پہلی رکعت میں ہی ظہر سے عصر ہو جاتی تھی، جناب قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ نے شرح وقایہ حضرت خواجہ کی خدمت میں ہی پڑھی ہے، فرماتے تھے کہ مخدوم زادہ

صاحب مرتبہ حق الیقین شیخ سیف الحق و الملت والدین رزقنا اللہ سبحانہ من برکاتہ و قدس اللہ تعالی روحہ میرے شریک سبق تھے کہ حضرت خواجہ نماز ظہر کے بعد سبق دیتے تھے اور اس کے بعد کبھی نماز بھی پڑھتے تھے اور کبھی بڑی عربی کتب کا درس دیتے تھے مثلاً بیضاوی، عضدی اور شرح مواقف وغیرہ اور کبھی باغ اور صحرا کی سیر کے لیے تشریف لے جاتے تھے اور وہاں اپنا وقت عبادت شریف میں صرف کرتے تھے اور کبھی محل سرا میں چلے جاتے وہاں عورتوں کی جماعت کو زندگی کا وعظ و نصیحت کرتے تھے لیکن آخری عمر میں اکثر نماز ظہر کے بعد اپنے آستانہ ملائک تشریف لے جاتے اور وہاں اپنی صاحبزادیوں اور دیگر طالبات صادقات اور اقربات قانتات کو جمع فرما کر انہیں حدیث شریف سناتے اور ان کے حق میں خفیہ وجلیہ عنایات فرماتے تھے اور پھلوں کے موسم میں قسم قسم کے پھل ان کے سامنے رکھتے تھے اور پان کے بیڑے روپے اور اشرفیاں رکھ دیتے تھے تاکہ خفیہ صدقہ جو کہ اشرف صدقات میں سے ہے کا ثواب حاصل ہو جائے اور ظاہری عطیات یعنی نقد و اجناس بھی دیتے تھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''خیرات علانیہ دو تو یہ کیا اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو تو یہ تمہارے لیے سب سے بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ گھٹیں گے اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے'' ان دونوں صدقات کے فضائل بیان ہوئے ہیں دونوں کو ایک دوسرے سے ممیز کر دیا گیا ہے، صدقہ کی فضیلت حدیث میں اس طرح آئی ہے

''خفیہ صدقہ رب تعالیٰ کے غضب کو کم کرتا ہے اور بدظنی کو بھی دور کرتا ہے''

قصہ مختصر آپ صلہ رحمی کے طور پر دونوں صدقات کرتے تھے اور خود خالق بریات تعالیٰ شانہ کے حکم والہام مکتوبات قدسی آیات تحریر کرنے میں مشغول رہتے تھے حضرت خواجہ کے لکھنے کا وقت غالباً ظہر اور عصر کے درمیان ہوتا تھا الا ماشاء اللہ تعالیٰ تحریر کرتے وقت عبارات بدیعہ اور فقرات دقیقہ دست بستہ (۱۳۸) آپ کے سامنے حاضر رہتے تھے، لکھتے وقت ہر ایک جو کچھ چاہتا قبول فرماتے اس کے بعد الہام سبحانی

کے مطابق ان میں سے کسی ایک کو قبول فرماتے، اس طرح وہ تمام عبارتیں اور معانی جو آپ کی تحریر میں آتے وہ سب کے سب اس ذات اقدس سبحانہ سے منسوب کرتے اور بالکل یہی معاملہ عبارت نویسی کے دوران معارف اور مکاشفات کی تحریر کے دوران جناب حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا جو موروثی طور پر آپ کے نصیب میں ہوا۔

القصہ وہ سب کچھ جو وہاں تھا اس کا یہاں ظہور ہوا بے شک بیٹا باپ کا سر ہے گویا کتابت ان دونوں مشائخ کے حسب حال تھی:

یک نغمہ نشستہ دردو پردہ — یک نشأ دو ظہور کردہ

معارف بے نظیر کی تحریر کے وقت آپ کی ناک مبارک پر عینک ہوتی تھی یہاں تک کہ جب سایہ دو مثل ڈھل جاتا تو آپ کا موذن عصر کی اذان دیتا تھا، اذان کے دوران آپ سلوک مسطور بھی فرماتے تھے اور اس وقت آپ کا قلم دان شکر افشاں اٹھا لیا جاتا تھا پھر کاہلی دور کرنے کے لیے لمحہ بھر کے لیے لیٹ جاتے تھے اور اپنے اہل خانہ کے ساتھ مختصر سی بات چیت بھی کر لیتے تھے اور آنے والوں کے ساتھ کھانے کے وقت ملاقات فرماتے نماز کو جلد سے جلد ادا کرنے کے عزم سے پیشاب و استنجا بڑی احتیاط سے کرتے اور پھر وضو کر کے لباس فاخرہ میں نماز کے لیے مسجد کی طرف جاتے، مسجد میں داخل ہوتے وقت مذکورہ دعا اور بعض اوقات دوسری دعائیں بھی جو وارد ہوئی ہیں پڑھتے تھے دوگانہ تحیۃ مسجد بھی ادا کرتے تھے، اس کے بعد چار رکعت سنت کہ جن کا حدیث صحیح میں ذکر ہوا ہے ادا کرتے یعنی **رحم اللہ امرأ صلی قبل العصر اربعا** دعا کے لیے تھوڑا سا وقت (وقفہ) رکھ کر فرض ادا کرتے اس سنت پر اگرچہ یہ سنت زایدہ ہے بڑی تاکید کرتے تھے حضرت والدہ ماجدہ سلمہا اللہ سبحانہ فرماتی تھیں کہ آپ کے جوڑوں کے درد کے دنوں میں جب کہ آپ میں مسجد جانے کی قوت نہیں رہی تھی تو آپ فرض نماز گھر میں ادا کرتے تھے، ایک دن میں اس امام ہمام غوث انام

(حضرت خواجہ) کی خدمت میں حاضر تھی کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا آپ اٹھے اور نماز عصر ادا کی میں پھر اس آفتاب طلعت (حضرت خواجہ) کی خدمت میں آ گئی تو فرمایا اس جلدی کی وجہ یہ تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ صرف فرض نماز پر ہی اکتفا کرنا پڑے اور سنتیں نہ پڑھی جا سکیں اور چار رکعت (سنت) کے بعد دعائے رحم کی جائے اور حضرت مستجاب الدعواۃ کی طرف سے رسول رحمت **صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم** (۱۳۹) کو شرف صدور ہوئی ہے سے غفلت کیوں کر برتیں اور پھر اس میں وقت ہی کتنا لگتا ہے، آپ نے کبھی بھی بغیر کسی مجبوری کے اس سنت کو ترک نہیں کیا۔

اب مطلب کی طرف آنا چاہیے کہ حضرت خواجہ عصر کی نماز میں قرأت اوساط مفصل فرماتے تھے اور زیادہ تر ہر نماز کی امامت خود کرتے تھے کیوں کہ آپ ہی امام معصوم تھے دونوں طرف سلام کے بعد تین مرتبہ کلمۂ استغفار ادا کرتے ایک مرتبہ **اللھم انت السلام** آخر تک کہتے تھے **رب اعنی علی ذکرک و شکرک و حسن عبادتک** اپنی زبان شریف سے کہتے تھے اس کے ساتھ آیۃ الکرسی بھی پڑھتے تھے پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے تھے اور جو چاہتے طلب کرتے تھے دعا کو اول و آخر سے درود سے زینت بخشتے تھے اور دعا کی قبولیت سید الانبیاء علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والبرکات کے وسیلہ سے سمجھتے تھے اور دعا کے اختتام پر اپنے دونوں ہاتھ اپنے چہرہ مبارک کے دونوں طرف پھیرتے تھے اس کے بعد کلمات تسبیح، تحمید اور تکبیر مذکورہ اعداد کے مطابق پڑھتے تھے اور اس کے بعد کتب حدیث مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مشکوٰۃ المصابیح کا درس دیتے تھے اور کبھی اپنے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی سنتے اور اس کے معانی بھی بیان کرتے اور کبھی اپنے مکتوبات کی جلد اول جو کہ عرصہ دراز سے مرتب ہو کر حضور پر نور کے ہاتھ میں تھی کی سماعت بھی کرتے تھے، البتہ دوسری دونوں جلدیں یعنی ثانی و ثالث آپ کی آخری عمر مبارک میں مرتب ہوئیں ان کے مرتبین آئے اور پیش کیں جو ترتیب کے بعد نظر انور میں آئیں اور بعض اوقات مقامات مجددی

(زبدۃ المقامات وحضرات القدس) بھی سنتے تھے، البتہ مکتوبات اور مقامات کے پڑھنے کا وقت صرف عصر ہی نہیں تھا بلکہ بعض اوقات ظہر کے بعد اور کبھی فجر کے حلقہ میں بھی اس کی سماعت کا اتفاق ہوتا تھا۔

حاصل یہ ہے کہ حدیث ومکتوبات کے درس میں ہی شام ہو جاتی تھی تو سو مرتبہ استغفار کا ورد کرتے تھے مغرب کی نماز سے پہلے بعض ماثورہ دعائیں بھی پڑھتے تھے پھر وضو کرتے یا اسی وضو میں ہی ہوتے کہ آپ کا موذن بہت ہی خوش الحانی کے ساتھ اذان دیتا اور آپ بلا فاصلہ خود تکبیر کہتے پھر تکبیر میں رسالت کا کلمۂ شہادت سنتے ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے اور تمام نمازوں کی ادائیگی میں آپ یہی طریقہ اختیار کرتے اور یہ سنتے وقت کہ **قدقامة الصلوة** نماز کی نیت باندھ لیتے اور تکبیر تحریمہ کہتے اور فرض وسنت سے فراغت کے بعد باقی ماثورہ دعائیں پڑھتے اور مغرب کی نماز میں مختصر قرأت کرنے والوں کے بجائے مفصل قرأت کرتے اور فراغت کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتے اور قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتے (۱۴۰) فرض اور سنت کے درمیان تین مرتبہ استغفار کہنے کے علاوہ ایک مرتبہ **اللھم انت السلام** آخر تک بلا فاصلہ پڑھتے اور دعا کے بعد کلمات تسبیح، تحمید، تہلیل اور تکبیر جیسا کہ ظہر کی نماز میں پڑھتے پڑھا کرتے تھے، پھر ماثورہ دعائیں بھی کرتے۔

آپ نے ان ماثورہ موقتہ اور غیر موقتہ دعاؤں کے بارے میں خود ایک رسالہ تالیف فرمایا تھا جس میں ہر دعا کا فائدہ تحریر کیا ہے، اگر اس کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہو جائے تو دونوں جہانوں کی دولت اس میں مل جائے گی اس میں سے تین چار دعائیں جو اس قطب الانام (حضرت خواجہ) کے وظیفۂ صبح وشام میں شامل تھیں انہیں نفع تمام اور فائدۂ تام کے طور پر نقل کر رہا ہوں **اعوذ بکلمات اللّٰہ التامات من شر ما خلق** صبح وشام تین مرتبہ پڑھنا اس قطب الانام کا وظیفہ تھا اور نزول منزل کے بعد آپ یہ پڑھتے تھے: **اللھم عافنی فی بدنی، اللھم عافنی فی سمعی،**

اللھم عافنی فی بصری، لا الہ انت و بسم اللّٰہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ فی الارض و لا فی السماء و ھو السمیع العلیم، و بسم اللّٰہ علی نفسی و اھل و مالی، صبح وشام تین تین مرتبہ پڑھتے تھے، ان چاروں دعاؤں میں بہت سے فوائد ہیں۔

اب اصل بات کی طرف آتے ہیں کہ حضرت خواجہ ان دعاؤں کے پڑھنے کے بعد چھ رکعت نماز اوابین مع ادائے تین سلام پڑھتے اور پھر مریدین خاص اور مسترشدان کثیر اخلاص کوتوجہات دیتے تھے اور پھر کم مدت میں ہی ایک گوشہ التفات و توجہ ان اہل سعادت حضرات کوصاحب کرامات و مقامات بنا دیتے تھے:

برخاک اگر نظر کنی مشک بو کنی　　　برسنگ اگر نظر کنی آئینہ روکنی

ان کے معاملات یہاں سے وہاں جا پہنچے اور وہ جو خالی تھے کسی حال پر پہنچا دیتے، انہیں مقامات جدیدہ علیہ کے حصول کی بشارتوں سے سرفراز فرماتے اور ان کو ان کے ماضی، حال اور مستقبل کے حالات سے مطلع فرماتے، حضرت خواجہ کا توجہ دینے کا قاعدہ یہ تھا کہ طالبوں کی کثیر تعداد آتی حلقہ بناتے اور بیٹھ جاتے اور آپ پر ہر ایک پرنیم نگاہ سے توجہ فرماتے اور اولین سے لے کر آخرین تک جدا جدا طور پر ان طالبان خدا کی طرف جاتے یہ صورت مخلصین قدیمی کے لیے مقرر تھی، لیکن طالبان جدید توبہ کے عزم سے اس طریقۂ علیہ میں داخل ہونے کی درخواست کرے تو آپ بلاتوقف بکمال عنایت سے اس کی توجہ پر توجہ دیتے ہوئے مرید کر لیتے تھے اور اسے بشارت دیتے کہ "**نحضرت لک و لمن توسل بک**" **التی بواسطۃ او بغیر واسطۃ الی یوم القیامۃ** (۱۴۱) داخل طریقے کر لینے اور اسے مغرب وعشاء کے درمیان تک موقوف نہیں کرتے تھے، اس قطب الاوتاد (حضرت خواجہ) کا ارشاد اس درجہ زیادہ ہو گیا تھا کہ آپ کو طالبان صادق کوتوجہ حاصل کرنے کے لیے بڑی مشقت اٹھانا پڑتی تھی، اس لیے حاجی محمد عاشور بخاری جو کہ (مکتوبات معصومیہ) کی

تیسری جلد کے جامع ہیں انہیں اس کار دولت آثار کا صدر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ سعادت مندوں کو مثل بستہ از مریدان و مخلصین کو انعام و عطیات دیتے وقت حاضر کریں اور کوئی حاجی مذکور کی اجازت کے بغیر آپ کے سراپردہ میں داخل ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا البتہ صاحبزادگان، رشتہ دار اور خلفائے عالی مقام اس حکم سے مستثنیٰ تھے کہ ان کو توجہ دینے کے لیے حاجی مذکور کی اجازت لازم نہیں تھی ان میں سے ہر ایک کو جس وقت آپ چاہتے طلب فرما کر توجہ دیتے تھے اور انہیں اسرار عالی کی خوشخبری دیتے تھے، اس طرح محل سرا کے اندر طالبات صادقات کو توجہ دینے کے اس کار جلیل القدر کے لیے ایک صدر زنان مقرر تھیں جو طالبات کی مثل بندی کر کے حاضر کرتی تھیں مگر آپ کی صاحبزادیاں اس حکم سے مستثنیٰ تھیں، کیوں کہ طالبان ہوں یا طالبات اس قبلہ ارباب کمالات (حضرت خواجہ) کے حضور ٹڈی دل کی طرح چلے آتے تھے، اگرچہ نئے داخل ہونے والے مریدین اور بعض پرانے نیازمند بھی جب اس دولت سے مشرف ہونے کے لیے آتے تو ان میں، اکثر کو آپ مخدوم زادگان عالی درجات کے حوالے کر دیتے۔

حضرت والدہ ماجدہ سلمہا الرحمٰن تبارک وتعالیٰ فرماتی ہیں ایک خدا کی طالبہ صالحہ حضرت خواجہ کی ارادت سراسر سعادت کی غرض سے آپ کی خدمت میں بصد شوق آئی اور حضرت سے توجہ کی التماس کی اپنی موجودگی میں اس پر توجہ کرنے کا مجھے حکم دیا اور استغفار کے بغیر ہی ایسا کرنے کا حکم ہوا تو میں نے امر شریف کے تحت توجہ دی اس سلسلہ علیہ کا معمول ذکر قلبی ہے میں نے اسے یاد کروایا تو فوری طور پر برکت حضور اور آپ کے امر والا منزلت سے اس صالحہ میں اس کا اثر سرایت کر گیا، **الحمد للہ الودود**

پہلی بات کی طرف توجہ کرنا ہی اس مقام پر بہتر ہے، توجہ دینے کے دوران ایک رات حضرت خواجہ اور درویشان صفا کیشان کو توجہ دینے کی نوبت نہ آئی تھوڑے سے

وقفہ کے بعد آپ خواجگان بزرگوار قدس اللہ اسرارھم کے ختم میں مشغول ہو گئے اور حضرت خواجہ کبھی سورۂ اخلاص کے آخر میں اور کبھی درود کے آخری حصہ میں شریک ہوتے تھے اور کبھی تو صرف فاتحۂ ثواب کے دوران شرکت پر اکتفا فرماتے تھے اور اس حسنات کے وقت جو کہ نماز عشاء کا وقت تھا اور سفیدی کے غیب ہو جانے کے بعد بلکہ امام ابی حنیفہ کے نزدیک شفق معتبر ہے، اسی لمحہ آپ نے ایک خوش آواز مؤذن کی اذان (۱۴۲) سنی تو از سر نو وضو کیا، آپ اکثر چار رکعت اور بعض اوقات دو رکعت پڑھ کر تکبیر سنتے اور تکبیر تحریمہ کے وسط میں ہی صف بندی کروا لیتے اور اس نماز کی قرأت نماز عصر کی قرأت اوسط سے زیادہ مفصل فرماتے تھے۔ اور بعض اوقات اس کے بغیر بھی جناب قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ اکثر نماز عشا کے دوران ''والشمس اور والتین'' کی تلاوت فرماتے تھے، سلام کے بعد آپ تین مرتبہ کلمہ طیبہ استغفار اور ایک مرتبہ **اللھم انت السلام** پڑھتے تھے پھر دوگانہ سنت پڑھنے میں لگ جاتے، سنت کی ادائیگی کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتے اس کے بعد سنت زایدہ میں سے چار رکعت کبھی کھڑے ہو کر اور کبھی بیٹھ کر پڑھتے تھے، اس سنت کی ادائیگی کے بعد **اللھم انی اسئلک حسن الخاتمة** تین مرتبہ پڑھتے۔ یہ سنت شریفہ اعمال حسنہ کے طور پر آپ کو حضرت مخدوم (عبدالاحد) قدس سرہ سے وارثۃً ملی ہے۔

سنا ہے کہ مخدوم زادۂ مذکور اس سنت کی فضیلت کے سلسلے میں فرماتے ہیں کہ حسن خاتمہ کے لیے اس میں بہت تاثیر ہے، خاص طور پر اعمال حسنہ اور نماز نافلہ جو کہ حضرت مخدوم قدس سرہ کے ذریعہ ملی ہے، کہ انہوں نے اس سے مناسبت پیدا کر لی تھی کہ سابقہ فضل کے بغیر اس علم و عمل کے باوجود یہ محالات مطلقہ میں سے ہے بلکہ صفاتیات کے ظہور اور قبولیت حسنات آنجناب صاحب تفاوت بلاحساب تھی کہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مثل کہ جن سے فرزند صلبی وجود میں آئے، حضرت خواجہ

اور حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) اور آپ کے دیگر برادران کرام اور آپ کی صاحبزادیاں جو آپ کو مرحمت ہوئیں اس طرح حضرت خواجہ کی اولاد کہ ان میں سے ہر ایک تخم ہدایت و کوکبہ کمالات درایت کا ظہور ہوا کی کتنی تفصیل بیان کی جائے اور ان اعمال کی زیادہ تر توفیق جناب حضرت مخدوم (عبدالاحد) کو اپنے شیخ قدوۃ الواصلین شیخ رکن الدین قدس سرہما سے حاصل ہوئی، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اس معاملہ میں خود زبان دی اور ایک جگہ جو یہ لکھا ہے:

فتح

اس درویش کو عبادات نافلہ خصوصاً نفل نماز کی ادائیگی اپنے والد بزرگوار سے یہ توفیق حاصل ہوئی اور ان کو اپنے شیخ سے جو کہ سلسلۂ چشتیہ میں جذبہ قوی رکھتے تھے حاصل ہوئی اور مجھے یہ امر بندگی شیخ رکن الدین قدس سرہ سے میسر آیا ہے۔

حضرت خواجہ نے اس کی تحقیق کی تھی کہ ان (شیخ رکن الدین) کو یہ اپنے والد و پیر یعنی مکمل النفوس شیخ عبدالقدوس (گنگوہی) قدس سرہ سے میسر آیا تھا اور کتابوں سے اس قسم کے احتیاطی اعمال جیسے طہارت وضو و نماز کہ جو ان اعزہ کو حاصل تھے بمشکل ملیں گے، اس میں مطلب اولیٰ یہ ہے جس عمدہ قسم کے لطائف ہیں اور ان تمام اسرار کا ذکر ہر موضع اور اس کے مقام کے مطابق پیدا ہوتا ہے، رجوع کرتا ہوں (۱۴۳) جہاں کہیں مناسب سمجھا بات مختصر کر دی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے معارف معصومی کو کوزہ میں بند کر دیا اور پختہ یقین رکھنے والوں کی نظر میں سرخ رو ہو گیا......

اس طرح حضرت خواجہ کی روح پر فتوح کی رضامندی میسر آ گئی'' اور یہ اللہ کے لیے کچھ دشوار نہیں ہے'' (ترجمہ آیت) کیوں کہ یہ سارا کارخانہ حضرت خواجہ کی برکت سے کام کر رہا ہے اور یہ سارا دارومدار اس امام صفا کیشان (حضرت خواجہ) کی بشارات کی برکت سے متحرک ہے، معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت خواجہ یہ چار رکعت ادا

کرنے کے بعد ایک رات وتر پڑھتے تھے اور دوسری رات یہ وتر نماز تہجد کے لیے موقوف کر دیتے تھے اور غالب گمان ہے کہ وتر کی نماز کی پہلی رکعت میں آپ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی اور دوسری رکعت میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ اور تیسیر رکعت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے تھے جیسا کہ مسنون ہے، قنوت وتر میں آپ اکثر حنفی و شافعی دعا کو جمع فرما دیتے تھے، وتر سے فراغت کے بعد تین مرتبہ سبحان الملک القدوس پڑھتے یعنی دو مرتبہ آہستہ اور ایک مرتبہ بلند آواز میں کہتے تھے اور آخر میں رب الملائکۃ والروح خفی صورت میں ادا کرتے تھے، عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ میں دو رکعت نفل کے دوران حضرت خواجہ کی خدمت فیض موہبت میں بیٹھا ہوا تھا جو کہ وتر کے بعد پڑھی تھی، سوال کیا فرماتے تھے کہ میں ایک رات پڑھتا ہوں اور دوسری رات نہیں پڑھتا اور اگر پڑھتے تو اذا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ پہلی رکعت میں اور دوسری رکعت میں قل یٰا یھا الکافرون پڑھتے، اس کے بعد آپ قبلہ رو بیٹھ کر بڑی عاجزی کے ساتھ دعا کرتے اور کلمات تسبیح، تحمید اور تکبیر خفیہ طور پر پڑھتے اور خوش قسمت حضرات میں سے کوئی توجہ چاہتا تو دیتے ورنہ ایک گوشہ میں اس طرح بیٹھے اپنی مخمور نگاہوں سے عاشقوں کے دلوں کو تبسم دلبرانہ سے لبریز کرتے رہتے تھے......

جب آپ اپنے دولت خانہ ملائک آستانہ کی طرف ملائمت کامل سے مراجعت فرماتے تو دائیں بائیں سے ہر وقت نعرہ صلاۃ (صلہ کا انعام) کی صدا بلند ہوتی ان میں خوش الحانی کے غلبہ سے سرشار، فصیح البیان عرب اور محبت نشان ہندوستانی سب شامل تھے اگر راستہ میں کوئی حاجت مند اپنی حاجات میں کسی (۱۴۴) حاجت کا ذکر کرتا تو کامل توجہ سے سماعت فرماتے اور سائل کے ذہن کے مطابق اس کا جواب دیتے، آپ خود ذکر لسانی میں مشغول رہتے سوار یا پیدل اپنے حرم شریف میں داخل ہوتے، جوڑوں کے درد کے دنوں میں آپ کی عادت شریف یہ تھی کہ ضرورت سے سوار ہو کر آتے اور

اپنی مسند خلد مشہد میں بیٹھنے سے پہلے تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھتے، اور پھر بیٹھنے کے بعد سورہ آلم اور سورۂ تبارک **الذی بیده الملک** پڑھتے تھے، کبھی نماز میں اور کبھی اسی طرح سورہ مذکورہ عشاء کی نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے، چنانچہ سورہ عَمَّ یَتَسَاءَ لُوْنَ عصر کے بعد اور سُوْرَةُ الوَاقِعَةِ مغرب کے بعد پڑھتے تھے، میرے حافظہ میں یہ بات اچھی طرح سے ہے کہ سُوْرَةُ الوَاقِعَةِ نمازاوابین میں بھی پڑھتے تھے، چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی کی طرف سے سنا ہے یا نماز سے خارج ہونے کے بعد پڑھتے تھے، اگرچہ بزرگوں سے یہ سنا ہے کہ آپ نماز عصر سے عشا تک مسجد میں ہی رہتے تھے اور بغیر ضرورت کے باہر نہیں جاتے تھے، آخری ایام میں جب کہ مرض کا غلبہ ہو گیا تھا ظہر کے وقت کے سوا کہ اس لمحہ گرمی ہوتی ہے مسجد سے باہر نہیں جاتے تھے، فرض نماز جماعت کثیر کے ساتھ کلبۂ منورہ میں ہی ادا کرتے تھے۔

رات کے کھانے کے وقت حضرت خواجہ خود اپنے دسترخوان پر بنفس نفیس تشریف فرما ہوتے تھے اگرچہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی جناب زین المستورات، تاج المخدرات ام المریدین حضرت بی بی جیو (زوجۂ حضرت خواجہ) **قدسنا اللّٰہ سبحانہ سرھا الاقدس** کھانا جو کہ روغنی اور سادہ بھی ہوتا تھا کی صوفیان عظام اور خدامان کرام میں تقسیم کرنا شروع کر دیتی تھیں اور اس تقسیم کے موقع پر شور وغوغا کا ہونا لوازمات میں سے ہے ہر روز پانچ سو افراد اور بروایت مریم مکان حضرت خالہ کبیرہ (امۃ اللّٰہ) قدس سرہا کہ جن کے فضائل تعداد اور احاطہ سے باہر ہیں سات سو اصحاب آپ کے دسترخوان بابرکت سے کھانا کھاتے تھے، مہمانان ان کے علاوہ ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ خود بڑے ادب سے جائے طعام پر بیٹھے تسمیہ پڑھتے رہتے تھے اپنے ہاتھ کو کھانے میں ڈالتے دو تین انگلیاں اس کے اندر لے جاتے پھر چند لقمے تناول فرماتے اور باقی کھانا آنے والوں میں (تقسیم کر دیا جاتا) پھر بیٹیوں، بہنوں، بھائیوں کی بیٹیوں، بہنوں کی بیٹیوں اور دوسری صالحات جو ظہر کے بعد آکر آپ سے احادیث

سنتی تھیں کو خفیہ اور اعلانیہ عطیات سے سرفراز فرماتے (۱۴۵) ان کی طرف دیکھتے کہ کہیں ان کے کھانے میں کمی تو نہیں ہے اور اگر کوئی اس قبلۂ درویشان (حضرت خواجہ) کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ خود بڑی تیزی سے لقمہ کی طرف ہاتھ بڑھا دیتے کہ دیکھنے والا (کھاتے ہوئے) شرم نہ کرے۔ جو کچھ آپ خود کھاتے وہی اپنے اعزہ، درویشوں، خادموں اور نیازمندوں کو کھلاتے، بہت سی صالحات کو جاتے ہوئے کھانا ساتھ دیتے تاکہ وہ اپنے گھر جا کر اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ مل کر کھائیں، کھانے کے دوران آپ کم گفتگو کرتے تھے اور کھانے میں کبھی عیب نہیں نکالتے تھے اور اسے بدمزہ نہیں کہتے تھے اور جو کوئی بھی آتا اسے بڑے شوق اور منت سے قبول کرنے کے لیے کہتے اور ہر نعمت پر اللہ تعالیٰ کا بہت ہی شکر ادا کرتے تھے اور اس وقت کی مناسبت سے کھانے کے آخر میں ماثورہ دعائیں پڑھتے تھے جیسے **الحمد للہ الذی اطعمنی هذا الطعام وا رزقنیه من غیر حول عنی ولا قوۃ**

اسے مقدم اس لیے رکھتے تھے کہ اس سے گناہوں کی بخشش ہوتی ہے، سب سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ دھوتے پھر کھانا شروع کرتے اور کھانے کے بعد پھر ہاتھ دھوتے اور آخر میں فرماتے بحکم **اذا تعش تمش** تندرستی کے دنوں میں (کھانے کے بعد) چند قدم چہل قدمی بھی کرتے تھے، پھر تھوڑی دیر بیٹھ کر اہل حقوق کے ساتھ جتنا کہ ان کا حق ہے حرف و حکایت فرماتے اور مخلصات صالحات خاص طور پر قناعت پسند صاحبزادیوں وغیرہ پر توجہ فرماتے اور ان میں سے ہر ایک کو معاملات انتہا اور درجات علیا تک طرفۃ العین (پلک جھپکتے) میں ہی پہنچا دیتے اور انہیں اعلیٰ بشارتوں اور بلند مقامات کی تھوڑے سے التفات کے بعد ہی دے دیتے، جناب حضرت مروج الشریعت قدس سرہ سے روایت ہے کہ وہ اس وقت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ یہ وہ وقت ہے کہ بہت کم عورتیں اپنی ضروریات اور کام کے لیے بازار جاتی ہیں، وہ اپنے درمیان ایسے معارف کا ذکر پاتی ہیں کہ ان میں سے کسی ایک نے بھی

اس سے پہلے کسی عہد کے اکابر کے بارے میں لب کشائی نہیں کی ہوگی، مستورات کی اس جماعت کو توجہات عنایت کرنے کے بعد آپ وضو کرتے اور نماز قائم اللیل کے لیے طویل قرأت میں مشغول ہو جاتے اس کے بعد آدھی رات کو اپنے بستر پر جاتے اس حکم کے تحت کہ سونا بھی سنت ہے بلکہ تمام انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ سبحانہ علیہم کی سنت ہے، بسم اللہ کر کے دائیں پہلو پر لیٹ جاتے اور دائیں ہاتھ کو دائیں رخسار کے نیچے رکھ کر یہ دعا پڑھتے: **باسمک ربی وضعت جنبی و بک ارفعه ان امسکت نفسی فارحمها وان ارسلتها** (۱۴۶) **فاحفظها مما تحفظ به عبادک الصالحین** اس وقت کی مناسبت سے ماثور دعائیں پڑھتے تھے اس کے بعد دس مرتبہ **اللّٰھم باسمک اموت و احیاء** اور تین مرتبہ **استغفر اللّٰہ الذی لا الٰہ الا ھر الحی القیوم و اتوب الیه سبحانه** بھی پڑھتے اس کے ساتھ کلمات تسبیح، تحمید اور تکبیر مذکورہ نمازوں کے دوران جن کی تعداد کا بیان کیا جا چکا ہے، پڑھتے تھے، غرض دونوں پہلوؤں پر آپ کی زبان اذکار رحمٰن تعالیٰ و تقدس سے لبریز ہوتی تھی، اس دوران آپ پر بظاہر دو تین گھڑی کے لیے غفلت (نیند) طاری ہوتی جیسا کہ اکثر اکثر اولیائے کرام موفور پر ہوتی تھی:

زہے مراتب خوابی کہ بہ ز بیداریست

بقول ''علماء کی نیند بھی عبادت ہے''، سے اس حال کی تائید ہوتی ہے، اگر کمالات غفلت کے مطالعہ کا شوق ہو اور عقل عقیل حیرت کے مقام پر پہنچ کر ہوش باختہ کر دیتی ہے اور زمانے کے عقلا کو بڑا تعجب ہوتا ہے، ایسے میں اعتقاد سعادت بنیاد کے ساتھ رسالہ مبداء و معاد جو کہ جناب قطب ارشاد امام ربانی مجدد الف ثانی کی تصنیف ہے جس میں غفلت کی قدح کی گئی ہے کہ اسے (پڑھ کر) کوئی حضور کی آرزو نہیں کرے گا یہ تسلیم کر لیا کہ جناب حضرت خواجہ **آیته الکرسی، امن الرسول** اور **قل ہو اللہ** با معوذ تین اور دوسری دعائیں پڑھنے کے دوران ہی نیند سے ہم کنار ہو کر

"غفلت" کی حالت میں چلے جاتے تھے، اگر آپ کے آرام اور آیات، دعائیں، اذکار اور استغفار کا آپس میں موازنہ کیا جائے کہ جس کی مقدار مقرر تھی تو استراحت کے مقابلے میں قرأت کا پلہ بھاری ہو جائے گا اگر اسی وقت استراحت کو نیند کا وقت تصور کر لیا جائے کہ وہ سستی دور کرنے کے لیے تھی تو اس میں گنجائش ہے، اسی اندیشہ کے پیش نظر یہاں سوال و جواب ہوئے ہیں کہ "کمالات غفلت" کو عبارات رائقہ اور تقریرات شائقہ میں بیان کرنا پڑا اور اس کی تفصیل کے لیے رسالہ مبداء و معاد کا حوالہ دینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور خواب کی نفی جو کہ غفلت کا وقت ہوتا ہے، گزشتہ بحث سے اس کا مطلب واضح ہو گیا ہے، اگر یہ تصور کیا جائے کہ یہ غفلت حضرت خواجہ میں نہیں تھی تو کوئی کمال معتد یہ آپ سے متعلق نہیں رہے گا اور اس ساری تعریف کے قابل نہیں ہوگا جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کی رائے کے خلاف ہوگا جو کہ الہام پر مبنی ہے، اسی لیے میں یہ کہتا ہوں کہ وہ غفلت (۱۴۷) ممدوحہ خواب پر منحصر نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اکابر کے لیے نیند ایک قسم کی "غفلت" ہے، تقدیر کا فیصلہ تسلیم ہے اس سے میرا مطلب آنجناب کی نیند کی نفی کرنا نہیں ہے، بلکہ نیند کی کمی کو اس عبارت میں ادا کرنا ہے، ورنہ کم و بیش صرف ایک گھڑی لیٹنے کو خواب سعادت بلاحساب سے تشبیہ دینا ہے جو کہ بشریت کا تقاضا ہے، اس سوال کا ایک اور جواب بھی ہے، کہ بظاہر یہ اذکار آپ "طی لسان" کے ذریعے زبان پر لاتے اور بہت کم وقت میں ادا ہو جاتے اور باقی وقت آپ اس "غفلت" میں معروف ہو جاتے جس دولت کی خوشخبری سنائی جا چکی ہے۔

چنانچہ حضرت عزیر علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو تورات ملی وہ ہزار سیپاروں پر مشتمل تھی اور ہر سیپارہ میں ایک ہزار سورتیں تھیں اور ہر سورۃ کی ایک ہزار آیتیں تھیں اور ہر آیت کی ضخامت سورۂ بقرہ کے برابر تھی وہ ایک رکاب پر پاؤں رکھتے ہی (اس کی تلاوت) شروع کر دیتے اور دوسری رکاب تک پاؤں کے پہنچنے تک اسے ختم کر دیتے اس طرح کہ حاضرین اس کا لفظ بہ لفظ سنتے تھے۔

یہی معاملہ جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا بھی تھا کہ قرآن حکیم کی تلاوت کے سلسلے میں کہ آپ اپنی دلدل کے ایک رکاب پر پاؤں رکھتے اور دوسری رکاب تک سارا قرآن مجید تلاوت کر لیتے تھے اور حاضرین اس کا ہر لفظ جدا جدا سنتے تھے۔ ہاں یہ حدیث شریف ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے ہم پلہ ہیں، اس لیے اگر حضرت خواجہ کو زبان کی اس تیزی کی ضرورت پیش آئی اور آپ نے ایسا کیا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ جیسا کہ میں نے کہا ہے کہ حضرت خواجہ نصف دن کے قریب قیلولہ سنت کے مطابق کرتے تھے اور اس میں اس ''غفلت ممدوحہ'' کے کمالات حاصل ہو جاتے تھے، جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے تحریر فرمایا ہے اس سے زیادہ کیا لکھا جائے کہ خاص الخواص کے حضور بھی غفلت کا یہی معاملہ واقع ہوتا تھا اس لیے اس معاملے میں بات طویل ہوگئی اور ہم نے دراز نفسی سے کام لیا اب بہت کلام ہو چکا ہے اس لیے حال اور وقت کے مطابق اس پر اکتفا کرنا چاہیے......

جان لیجیے اور حضرت خواجہ کی شب بیداری کے بارے میں معلوم کر لیجیے کہ آپ بمشکل رات کو تین چار گھڑی تک کمال حسن لطافت سے (خواب فرماتے) اور پھر کبھی ایک تہائی اور بعض اوقات ایک چوتھائی رات باقی ہوتی کہ آپ تہجد کے ارادے سے اٹھ بیٹھتے، اور پھر نظر حق بین (۱۴۸) آسمان کی جانب کر کے یہ آیات کریمہ پڑھتے تھے: (ترجمہ) ''بے شک آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے وہ اس کا پیدا کردہ ہے بے شک تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا استنجا اور وضو کرتے وقت اور طہارت میں مسنون طریقہ کے مطابق کامل احتیاط فرماتے اور نماز پڑھتے دو رکعت سے لے کر بارہ رکعت تک کامل وضو کے ساتھ ادا کرتے، غالباً آٹھ رکعت سے کم نہیں پڑھتے تھے، پھر چار رکعت میں رات کو قیام گزارتے، حساب کیا گیا تو اندازہ ہوا کہ نماز میں آپ (مع نوافل) بارہ رکعت تک پڑھتے تھے، ہاں یہ جان لینا چاہیے کہ دوگانہ اولی اس کی نماز مخففہ ہے بلکہ ظاہر قرأت آپ کی قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ہوتی

تھی اور باقی دوگانوں میں قرآن مجید کی تلاوت مرتب طریقہ پر کرتے تھے اور دس راتوں میں اس طرح قرآن مجید ختم کر لیتے تھے کہ پہلی رات سورہ فاتحۃ الکتاب سے شروع فرماتے اور سورۂ آل عمران کے مابین اس آیت کریمہ **و لِلّٰہ ما فِی السمٰوٰت و ما فی الارض**...... پر منزل کرتے تھے اور دوسری رات آیت **کُنتم خَیْرَ اُمّۃٍ** کہ رکوع شروع ہی یہاں سے ہوتا ہے، سے آغاز کرتے اور سورۂ مائدہ پر ختم کر دیتے اور تیسری رات سورہ انعام سے شروع کرتے اور مابین سورۂ توبہ **مِنَ الذین اوتوا الکِتٰب حتیٰ**...... پر ختم کر دیتے، پھر چوتھی رات کو آیۃ کریمہ **وَقَالَتِ الیھودُ عُزَیر**...... کہ رکوع ہی یہاں سے شروع ہوتا ہے کی تلاوت پر ہمت باندھتے اور سورۂ رعد پر ختم کر دیتے، پانچویں رات سورۂ ابراہیم **علیہ السلام** سے آغاز کرتے اور سورۂ طٰہٰ پر ختم کر دیتے اور چھٹی رات سورۂ انبیاء علیہم السلام سے شروع کرتے اور سورۂ نمل پر ختم کر دیتے، اور ساتویں شب سورۂ قصص سے آغاز کرتے اور سورۂ یٰس پر ختم کرتے، آٹھویں رات سورہ صٰفٰت سے شروع کرتے اور حوامیم پر ختم کرتے اور نویں شب سورہ محمد علیہ السلام سے آغاز کر کے سورہ تحریم پر ختم کرتے اور دسویں رات سورۃ الملک سے شروع کرتے اور فرقان حمید کو سورہ الناس پر ختم کر دیتے۔

شروع سورہ بقرہ قرآن مجید کے آداب کے طور پر آیۃ کریمہ **اولٰئک علی ھُدی مِن رّبھم**...... پر منزل کرتے اور اس نماز میں کامل نیاز مندی اور ادائے دلگداز سے بحکم (ترجمہ) ''اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے مابین راستہ تلاش کرو'' (۱۴۹) کے تحت درمیانی طریقہ اختیار کرتے تھے اور تلاوت کے دوران جب آیت سجدہ آ جاتی تو بلا توقف سجدہ کرتے اور ہر دوگانہ کے وسط میں پورے خضوع کے ساتھ مراقبہ کرتے اور پھر استغفار پڑھتے پھر کلمات تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر اور تمجید اور اگر اس کا شمار چاہتے تو کرتے ورنہ بغیر شمار ہی پڑھتے رہتے تھے۔

بعض مخدوم زادگان اور دوسرے تہجد گذار اصحاب کہ جن کو آپ کے حرم شریف

باریاب ہونے کی اجازت تھی کو طلب فرما کر اس وقت توجہ دیتے اور خالہ محترمہ بی بی ام سلمہ[۱] مرحومہ قدس سرھا جو کہ آپ کی ہمشیرہ کی بیٹی تھیں اور بشارات عظیم سے مبشر کی گئی تھیں وہ جب کبھی سرہند شریف میں ہوتیں تو حضرت خواجہ کے ساتھ تہجد کے وقت حاضر ہوتی تھیں اور آپ نماز کی اقتدا کرتے تھے وہ غالباً اسی وقت بشارتوں سے ممتاز کی جاتی تھیں۔

مختصر یہ کہ آپ طلوع صبح صادق تک ان اعمال صالحہ اور عبادات مقبولہ میں بسر کر کے تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاتے، اس طرح بین النومین میں تہجد ہو جاتی جلد ہی اذان کی آواز سنتے اور مرحبا کہتے اور ان اعمال سے فراغت کے وقت **سبحان الملک القدوس و یا سبوح قدوس ربنا و رب الملائکة و الروح** پڑھتے اور اذان سنتے تھے۔

اگرچہ طوالت کلام کا ہم عذر کر چکے تھے اور قبل و بعد کی دعاؤں کی تفصیل نہ دینے کا عزم کیا تھا لیکن حاضرین میں سے ایک صالح نے بہت ہی عاجزی سے التماس کی کہ وہ بھی دی جائیں کیوں کہ اس سے فائدۂ عام اور بے شمار فیض حاصل ہوگا اس طرح اگر چند سطریں بڑھ بھی گئیں تو قارئین نکتہ چینی نہیں کریں گے۔

حضرت خواجہ کے شب و روز کے وظائف ترک کرنے سے قاری اور مصنف دونوں کے مابین (توازن نہیں رہتا اب سنیے) حضرت خواجہ اذان سنتے ہی فرماتے، **مرحبا بالقائلین**...... اور اس کے آخر میں درود پڑھتے تھے، **اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامة والصلوٰۃ القایمة**...... الخ آخر تک پڑھتے تھے۔

کلمہ "والدرجة الرفیعة" کے پڑھنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں ثبوت یہ ہے کہ اول یہ کہ اس کلمہ شریفہ کے متعلق حدیث پاک میں (۱۵۰) دو روایتیں ہیں، صحیح روایت موجود نہیں ہے، اس لیے بعض کہتے ہیں کہ آپ پڑھتے تھے اور بعض کا کہنا ہے

---

[۱] یعنی ام سلمٰی مراد ہیں جو حضرت خدیجہ بنت حضرت مجدد الف ثانی کی دختر تھیں (تعلیقات ۱۴۹/۵)

کہ نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ لا تخلف المیعاد پڑھنے کے متعلق امام بخاری کی روایت نہیں ہے اس لیے اس میں بھی قیل و قال ہے، کہنا چاہیے لیکن اکثر اس کے خلاف ہیں۔ اس لیے اس جملہ میں دوسرا کلمہ جو کہ اس دعا کے درمیان ہے اکثر کے قول کے مطابق معتد بہ ہے اور پہلا کلمہ دعا نقل کرنے کے بعد لکھا ہے بعض اوقات پڑھا جاتا ہے، ان دونوں کلمات کی جو حقیقت مجھ تک پہنچی ہے وہ میں نے بیان کر دی ہے۔

اب اصل بات کی طرف آتا ہوں اور دن کے پہلے حصے میں اس قبلۂ اسرار (حضرت خواجہ) کے اسرار شائقین اسرار کے انوار اس طرح ہیں اذان سننے کے بعد وضو کے لیے تیاری کرتے استنجا اور وضو مسنون طریقہ پر کرتے پھر دو رکعت سنت موکدہ اپنے آستان ملائکہ گھر میں ادا کرتے اور پھر مسجد کا رخ کرتے پھر ان دونوں رکعتوں کی قرائتیں سنت نماز مغربُ کی طرح کرتے تھے اور ان کے لیے قل یاَیها الکافرون اور قل هو الله احد مقرر کر رکھی تھیں اور شام کے وقت کے احوال کے مطابق چار دعائیں لکھ چکا ہوں وہ سنت ادا کرنے سے پہلے پڑھتے ان کے علاوہ بھی بعض دعائیں سنت پڑھنے سے پہلے پڑھتے تھے ان میں سے ایک احاطہ تحریر میں لا رہا ہوں کہ وہ اہل کمال کے لیے تحفہ بن جائے اور وہ یہ ہے:

اصبحنا علیٰ فطرۃ الاسلام و کلمة الاخلاص و علیٰ دین نبینا محمد صلی اللّٰه علیه و علیٰ ملة ابینا ابراهیم حنیفا و ما کان من المشرکین اور شام کے وقت اصبحنا، امسینا بھی کہتے تھے، الغرض سنت ادا کرنے کے بعد سو مرتبہ سبحان اللّٰه و بحمده سبحان اللّٰه العظیم آہستہ آہستہ راستے میں پڑھتے ہوئے مسجد پہنچ جاتے، تکبیر سنتے اور فرض نماز کی امامت کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ کسی کو امام بنا دیتے اور اس نماز کی قرأت قرآن الفجر کان مشهوداً کے حسب حال ہوتی اسے ظہر کی نماز کی طرح طویل قرأت کرتے اور ہر نماز کی قرأت اس کی نہج کے مطابق کرتے ایسا لگتا تھا کہ حضرت جبریل

...

علیٰ نبینا و علیه الصلوٰة والسلام نے ابھی نزول فرمایا ہے، ہر حرف سے نفی مقصود ہوتی تھی نماز ادا کرنے کے بعد تین مرتبہ استغفر اللہ کہتے ایک مرتبہ اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت (۱۵۱) یا ذوالجلال والاکرام اپنی زبان شریف پر لاتے، پھر اسی زانو پر بیٹھے بیٹھے دس مرتبہ لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہٗ لا شریک لہٗ له الملک وله الحمد بیده الخیر یحیی و یمیت و ھو علیٰ کل شیءٍ قدیر پڑھتے تھے یہی مبارک کلمہ مغرب کی سنت نماز کے بعد اسی طریقہ پر پڑھتے تھے۔ یہ بات میں نے جناب عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) قدس سرہ سے سنی ہے، اس کے بعد آپ آیۃ الکرسی پڑھتے تھے پھر قوم (جماعت مریدین) کی طرف متوجہ ہوتے یا دائیں بائیں دیکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے البتہ یہ قاعدہ آپ کی دو نمازوں یعنی فجر اور عصر کے دوران ہی کے لیے تھا کہ آپ قوم کی طرف متوجہ ہو کر یا دائیں بائیں دیکھ کر دعا کرتے تھے اس کے علاوہ باقی تمام نمازوں میں دعا کرنے کے لیے قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھتے، جیسا کہ اس سے پہلے مختلف مقامات پر ذکر کیا جا چکا ہے، کبھی ان پانچ نمازوں میں آیات کی قرأت بھی کرتے تھے اور پوری سورۃ تک نہیں پہنچتے تھے اور بعض اوقات مغرب کی نماز میں طویل قرأت بھی کرتے تھے چنانچہ سورۂ طور اور بعض اوقات فجر کی نماز میں بھی طویل قرأت ہوتی اسی طرح دوسری باقی نمازوں میں بھی پڑھتے تھے۔

اکثر اوقات طریقہ یہی تھا کہ فجر اور ظہر کی نمازوں میں طویل، عصر اور عشاء کی نمازوں میں اوسط اور مغرب کی نماز میں پھر طویل قرأت ہوتی، اگرچہ ان میں سے ہر نماز کے دوران جو کچھ پڑھا جاتا تھا اس کا ذکر ہو چکا ہے، لیکن پھر بھی اس سلسلہ کی ہر بات میں غایت درجہ کی لطافت وطراوت ہے اس لیے کوئی کوتاہ اندیش اسے محض تکرار مطالب نہ سمجھ لے، نماز فجر کی دعا سے فراغت کے بعد جو اصحاب صدق و یقین حاضر ہوتے وہ سلام عرض کرتے اور ہر ایک کو جواب مرحمت فرماتے تھے، آپ اپنا رو مبارک

ان اصحاب کی طرف کر کے مراقبہ کرتے تھے اگرچہ آپ اس مراقبہ کے دوران ذکر لسانی میں مصروف رہتے تھے اور مثال کے طور پر تسبیح، تحمید اور تکبیر تو ہر نماز کے بعد لازم تھی اور اس وقت کی مناسبت سے بعض ماثورہ دعائیں مثلاً **اللھم ما اصبح بی من نعمة او باحد من خلقک فمنک وحدت لا شریک لک فلک الحمد و لک الشکر** وغیرہ پڑھتے تھے اور شام کے وقت **ما اصبح، ما امسی** بھی کہتے تھے، اس کے بعد آپ مراقبہ کرتے اور پھر سعادت مند حاضرین پر نسبت عالی القا فرماتے تھے اور حلقہ کے دوران سورہ شریف **تبارک الذی بیدہ الملک**، سورۂ **یسین** اور سورۂ **فتح** وغیرہ حافظ سے سماعت فرماتے جو بلند آواز سے پڑھتا تھا۔

جناب عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) قدس سرہ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ کے آخری ایام حیات میں یہ طریقہ مقرر کر لیا گیا تھا کہ قرآن مجید کی سماعت ترتیب سے سورۂ فاتحہ کی قرأت سے شروع ہوتی (۱۵۲) اور ہر روز (جس قدر پڑھنے والے پڑھ سکتے تھے) پڑھتے اور ایک سال کے بعد معوذتین پر ختم ہوتا چنانچہ عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) نے اپنے حلقۂ مریدین میں یہی طریقہ اختیار کر لیا تھا۔

القصہ سورج کے ایک نیزہ یا اس سے کچھ زیادہ بلند ہونے پر آپ اپنی حق بین آنکھیں کھولتے (مراقبہ سے سر اٹھاتے) اور نماز اشتراق میں مصروف ہو جاتے اور غالباً دو دوگانہ کہ جس کی چار رکعت ہوتی ہیں حدیث قدسی کے مطابق **یا ابن آدم ارکع لی اربع رکعات من اول النہار** دو سلام ادا کرتے تھے عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) **قدسنا اللہ سبحانہ** فرماتے تھے کہ دوسرا دوگانہ رات دن کے استخارہ کے لیے پڑھتے تھے کہ مشائخ متقدمین کا یہی معمول تھا، چاروں رکعت ادا کرنے کے بعد دعا کرتے اس دوران محفل میں قہوہ بھی آ جاتا تھا، اس ضمن میں اس وقت کے موافق عالی درجات مخدوم زادگان وصوفیہ صاحب کرامات اور اہل حاجات

کے درمیان تبادلہ خیال بھی ہوتا تھا اس وقت حضرت خواجہ خود صبح کی ماثورہ دعائیں پڑھتے رہتے تھے کہ اس وقت ان کے پڑھنے کی فرصت حاصل ہوتی تھی۔ اس وقت بعض صادق اعتقاد مریدین اور مخلصین کو صحبت قہوہ کے بعد آپ توجہ بھی دیتے تھے وہ اپنی استعداد (قابلیت روحانی) کے مطابق اپنے (عروج باطنی) کی اطلاعات حاصل کرتے اور انہیں بلند و عالی شان مراتب (روحانی) پر پہنچایا جاتا اور اس دوران ہر امیر و غریب سلوک کی منزلیں طے کرتا تھا اور آپ کا کارخانۂ ارشاد جو اس وقت مامور ہوتا تھا بطریق احسن اور مستقیم سلوک سے جاری تھا، ہر وہ شخص دولت لم یزلی (بے زوال و پائندہ) جس کے شامل حال ہوتی تو وہ اس قدوۂ ارباب کمال (حضرت خواجہ) کی صحبت میں پہنچ جاتا اور اپنے نصیب کے مطابق اس نعمت میں سے کچھ چکھ لیتا...... صبح کے وقت سورۂ یٰسٓ اور ظہر کے وقت سورۃ الفتح کے پڑھے جانے کا اس راقم (مولف) کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے، چنانچہ سورہ عَمَّ یَتَسَآءَ لون، سورۃ النبا، واقعہ اور **ملک** کے عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد پڑھنے کا عمل عام تھا اور اس موقع پر سکوت اختیار کیا گیا ہے یعنی نہ تو ان دو کے پڑھنے کی نفی کی گئی ہے اور نہ ہی میں اس کے اثبات میں زبان کھول سکتا ہوں، ہاں اپنی والدہ کریمہ مدظلہا سے ملاقات کے بعد یہ عقدہ حل ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ کتاب مقامات مصومی کہ ''فواکہ ریاضی'' بھی اس کا ایک نام ہے اور ان سطور سے اس (حصہ وسطی) کی تحریر کی تاریخ (۱۱۳۳ھ) برآمد ہوتی ہے، سفر کے دوران لکھ رہا ہوں اور جناب (والدہ) کریمہ اپنے وطن (سرہند) میں ہیں جب (۱۵۳) اللہ کی رحمت واصل ہوئی نیز اس سے کتاب کا حال تحریر بھی واضح ہے اور اس کی رحمت بے غایت سے یہ ''فواکہ'' ان کی نظر سے گزرے تو یہ عقدہ حل ہو جائے گا اور پھر مذکورہ مقام پر ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا اندراج ہو جائے گا، اور اگر اس کی کوئی بنیاد ہاتھ آ گئی یا کسی معتبر سے یہ مسئلہ حل ہو گیا تو اس معتبر کا نام بھی درج کر دیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ

اب ہمیں اصل بات کی طرف آنا چاہیے اور باغ معصومی میں سے پھل چکھنا چاہیے، مذکورہ امور سے فراغت کے بعد حضرت خواجہ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے اور حفاظ، زہاد، علماء، قاریان اور مخرج دانان ہاتھ میں کتب تفسیر اور فن قرأت کے رسائل لے کر آپ کے گردا گرد بیٹھ کر فرقان حمید سنتے، آپ کو قرآن مجید کمال درجہ حفظ تھا لیکن اس کے باوجود اس کی زیارت کو عبادت جانتے ہوئے اپنی نظر پر انوار اس پر رکھتے اور تلاوت فرماتے تھے، آپ قرآن کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے اور ہر حرف کو جدا جدا طور پر دریائے فرقان تصور کرتے تھے کہ یہی کعبۂ مقصود ہے۔

تلاوت کرتے ہوئے کبھی مفسرین کے اقوال بیان کرتے اور کبھی آیات کی خود تاویل کرتے تھے اور ان کے دقائق حاضرین کی قابلیت کے مطابق القا کرتے تھے اور کہیں سکوت اختیار کرتے، تفسیر کرتے ہوئے اس کے معانی کا سوال بھی کرتے اور اس کی ہر روز کی منزل مقرر تھی جیسا کہ نماز تہجد کے دوران (معمولات) بیان کر چکے ہیں کہ دس روز میں ختم کر دیتے تھے، پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے، اس کے بعد بھی کچھ کہتے تھے اور تلاوت سے فارغ ہو کر اکثر سوار یا بعض اوقات پیدل اپنے ملائک آستان دولت خانہ کی طرف چلے جاتے کیوں کہ حضرت دائمی مرض (وجع مفاصل) میں مبتلا تھے، محل سرا پہنچ کر وضو از سر نو کرتے پھر اور آٹھ رکعت ضحیٰ ادا کرتے یہ وہ آٹھ رکعتیں ہیں کہ جن کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے والدین زندہ کر دیے جائیں تب بھی انہیں نہیں چھوڑوں گی۔

مختصر یہ کہ اشراق کی نماز کے ساتھ تہجد کی رکعات کی طرح جو کہ بارہ ہوتی تھیں وقت اور حال کے مطابق ادا کرتے تھے غالباً آپ کی وضع شریف یہی تھی جو یہاں تحریر کی گئی ہے اور کبھی آپ یہ رکعتیں باہر ہی پڑھ کر اپنے دولت خانہ ملائک آستانہ میں تشریف لاتے جیسا کہ آپ کے بعض اصحاب نے روایت کی ہے اس نماز سے فراغت تقریباً بلکہ اقرب ہے کہ (۱۵۴) آدھے دن کے وقت ہوتی تھی اور یہ وقت آپ کے

روزانہ کھانا کھانے کا تھا۔ اگرچہ ام المریدین حضرت فاطمۂ زمانی مریم مکانی (زوجۂ حضرت خواجہ) قدس سرہا اپنی بیٹیوں اور دیگر خواتین صادقات میں کچھ پہلے ہی متوسلین میں جو کہ باختلاف روایت پانچ سو یا سات سو ہوتے تھے جیسا کہ ہم اس سے پہلے رات کے کھانے کی تفصیل کے دوران بیان کر چکے ہیں، تقسیم کر دیتی تھیں اور حسب وسعت یہ خدمت انجام دیتی تھیں کیوں کہ حضرت خواجہ وظائف اور اذکار سے فارغ ہو کر آتے تو یہی وقت آپ کے کھانا کھانے کا تھا کہ اپنی طلب کے مطابق نوش جان فرماتے تھے اور بہت ہی کم کھاتے تھے یہ نہیں تھا کہ جس قدر خواہش ہوتی کھا لیتے بلکہ ریاضت کے ارادے سے کم ہی کھاتے بلکہ لذات کے اعتبار سے کم خور تھے، اس سرکار والا منزلت (حضرت خواجہ) کا خرچ یک و نیم و چند تھا جس کی تفصیل آئندہ مفتاح میں ان کی زبانی ان شاء اللہ بیان کی جائے گی اور آپ ان عطیات پر پروردگار کا بہت شکر ادا کرتے تھے اور رات کے کھانے کے دستور کے مطابق کھانا کھایا جاتا کھانے سے فراغت کے بعد اس وقت کے اعتبار سے ماثورہ دعائیں پڑھتے، ہاتھ دھوتے، تھوڑی دیر کے لیے لیٹ جاتے تا کہ قیلولہ مسنونہ بھی ہو جائے پھر اٹھ کر وہی مذکورہ عبادات میں مشغول ہو جاتے ......

شب و روز بکثرت وظائف و اذکار میں پانچ ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ، ایک ہزار مرتبہ درود بلاناغہ پڑھتے اور کلمات تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر اور تمجید کو یک جا کر کے ایک سو مرتبہ پڑھتے تھے، جو کہ مجموعی طور پر پانچ سو مرتبہ ہوتے ہیں اگر ہر کلمہ جدا جدا سو سو مرتبہ پڑھا جائے اور ماثورہ غیر موقتہ کی طرح بھی نہیں چھوڑتے تھے، آپ اپنی تمام عادات جو عبادات کی صورت میں ہوتی تھیں سنت پر عمل کرنے کا التزام کرتے تھے۔

حضرت خواجہ کی دعاؤں میں سے ایک غیر موقتہ دعا ایسی بھی ہے کہ جس کی فضیلت میں یہ لکھا گیا ہے کہ اس کو پڑھنے والا اس دنیا میں اپنی بہشت کو دیکھے بغیر نہیں رہ سکتا: **سبحان القائم الدائم سبحان الحی القیوم سبحان الحی**

الذی لا یموت سبحان اللہ العظیم و بحمدہ سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح سبحان اللّٰہ العلی الاعلٰی سبحانہ و تعالٰی۔

جمعہ کے روز تندرستی کے دنوں میں غسل کرتے اور لباس کی تبدیلی غسل پر موقوف نہیں تھی بلکہ غسل عافیت پر موقوف تھا، جمعہ کی نماز مسجد کبری میں اول وقت میں ادا کرتے تھے اور جمعہ کی راتوں کو (۱۵۵) اکثر درود پڑھا کرتے تھے، اور اس دن کو ''اکرم الایام'' سمجھتے تھے اور غالبًا حجامت بھی اسی روز مکرم میں نماز کے بعد کرواتے تھے، دونوں عیدیں شہر سے باہر مصلے پر ادا کرتے تھے اور اس دن غسل بھی فرماتے تھے، لباس فاخرہ بھی زیب تن کرتے تھے، البتہ جانے اور آنے کے راستے ایک دوسرے سے مختلف اختیار کرتے تھے، عید فطر کی نماز سے پہلے افطار فرماتے اور عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد، آپ اپنے دست مبارک سے ذبیحہ فرماتے تھے اور اس کا گوشت کھاتے تھے اور قربانی اپنے ہاتھ سے کرتے تھے ان دونوں عیدوں کے دوران فجر اور ظہر کی نمازوں کے مابین عید کے دوگانہ کے سوا کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید کی دو رکعت سے پہلے اور بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ متفق علیہ۔

عیدالاضحیٰ کے روز چلتے ہوئے بلند آواز سے تکبیرات کہتے تھے اور اس کے پورا عشرہ بال اور ناخن نہیں کٹواتے تھے اور اس عشرے میں عشاء کی نماز کی ایک رکعت میں سورۃ الفجر بھی پڑھتے تھے اور صبح عیدالاضحیٰ کی نماز کی دوسری رکعت میں بھی یہی سورۃ پڑھتے اور عید فطر کے روز افطار سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دیتے تھے اور اس صدقہ میں یہ احتیاط کرتے تھے کہ حساب کر کے دیتے تھے ان میں دور رہنے والے اور حاضرات بھی شامل ہوتے تھے۔

ماہ رمضان المبارک میں آپ عبادات دوگنا کر دیتے تھے اور اس کے ہر عشرہ

میں قرآن شریف ختم کرتے تھے، پہلے عشرہ میں مسجد میں خود سناتے تھے دوسرے عشرے میں اپنے حرم شریف کے اندر مستورات صالحات کو سناتے تھے اور مسجد میں کسی مخدوم زادہ کو کھڑا کردیتے تھے، اس کے تیسرے عشرے میں اعتکاف بیٹھتے تھے، قرآن مجید کسی دوسرے حافظ سے بھی سنتے تھے اور اکثر مخدوم زادۂ ثالث مروج الشریعت قدس سرہ سے اس کا ختم سنتے تھے اور کبھی اپنے بھتیجے عالم اجل شیخ محمد فرخ جو کہ اپنے وقت کے مولوی تھے سے سماعت کرواتے تھے، شروع شروع میں عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) قدس سرہ سے بھی سنا ہے۔(رمضان شریف) کے انوار و اسرار کا بیان خاص طور پر اس کا عشرۂ میں آخر دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ (عبادت) کرتے تھے، شب قدر کی تعیین بھی کرتے تھے اور ماہ رمضان کی شب ۲۷ کے علاوہ کسی دوسری رات کو شب قدر قرار نہیں دیتے تھے، لیکن ایسا بہت ہی کم ہوتا تھا (کہ اس ۲۷ کے علاوہ کسی شب کو شب قدر کہیں) ترویحہ کی چار رکعت سے فراغت کے بعد سبحان ذی الملک والملکوت آخر تک کسی خوش الحان (قاری) سے سنتے اور خود مراقبہ کرتے تھے......

(۱۵۶) جناب حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ سے سنا ہے کہ ۲۷ شب ماہ رمضان المبارک کہ جس کے بارے میں پختہ خیال ہوتا ہے کہ وہ شب قدر ہے، اور از روی حدیث صحیحہ بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، بلکہ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے بھی یہی واضح ہوتا ہے، حضرت خواجہ اور حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) ایک دوسرے کے نزدیک بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت خازن الرحمت نے حضرت خواجہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لیلۃ القدر کے انوار کا ظہور جلوہ گر ہو گیا ہے اور اس سال یہ مبارک گھڑی اسی رات کو ہے، حضرت خواجہ نے یہ نوید بخش مکاشفہ سننے کے بعد اپنی نظر کشفی دوڑائی، بظاہر اس کے انوار پائے گئے اور پھول باغ میں بہار دکھا رہے ہیں کہ رمضان مبارک کے آخری عشرے میں اس کے انوار جمع تھے کہ اس رات بہت ہی

زیادہ مشاہدہ میں آئے، البتہ شب قدر کا کہیں پتا نہ چلا تو آپ کے دریائے مقاطر دل میں اس سے بڑا تعجب محسوس ہوا تو اپنے خلف رشید یعنی جناب حضرت حجۃ اللہ جو کہ اس وقت آپ کے قریب ہی (بیٹھے) ہوئے تھے، کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے، کہ تمہارے تایا مکرم نے شب قدر کے انوار کی خبر دی ہے تم بھی اس امر شریف کی طرف توجہ مبذول کرو وہ متوجہ ہوئے اور اس قبلۂ درویشان (حضرت خواجہ) سے عرض کیا کہ رمضان المبارک کا یہ آخری عشرہ ہے اس کے انوار و برکات بیش از بیش ہیں لیکن شب قدر کہ جس کے فضائل میں ہے کہ "ہزار مہینوں سے یہ بہتر ہے۔" کہا گیا ہے کہ نص قطعی ہے، بالکل نظر نہیں آئی، اس کلام کے ختم ہونے کے بعد جناب حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ اس وقت حضرت خازن الرحمت **قدسنا اللہ سبحانہ باسرا ہ** کو یہ الہام ہوا تھا کہ "وقت آن پہنچا ہے" یوں کہ آپ کو شب قدر کے انوار کا انتظار تھا اس لیے سمجھے کہ اس وقت سے خبردار کیا گیا ہے، لیکن حقیقت میں وہ وقت اجل تھا جو کہ مطلوب حقیقی جلت عظمتہ سے ملاقات کا ذریعہ ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوا ہے "جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے" سے آگاہ کیا گیا تھا، یہاں کچھ راتیں شب قدر کی ضرور ہیں لیکن ان کا مشہود پردہ میں ہے، وہ مقام وہم اور قیاس آرائی کی قید سے مبرا ہے۔ چنانچہ عارف رومی کا قدس سرہ نے تقریباً اختصار سے کام لیتے ہوئے یہی فرمایا ہے:

من شوم عریاں زتن آواز خیال   تا خرام در نہایات الوصال

اس الہام کے بعد حضرت خازن الرحمت **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ** کو اس جہان فانی میں دوسرا رمضان میسر نہ آیا۔

(۱۵۷) اب اصل بات کی طرف آتا ہوں کہ حضرت خواجہ دوسرے ایام کے مقابلہ میں روزہ کی حالت میں کم کلام کرتے تھے، اگرچہ تمام دنیاوی معاملات میں بات ہی نہیں کرتے تھے ہاں اگر کوئی اہل حاجت کچھ کہتا تو آپ بھی اس سے بات کر

لیتے تھے، اس مبارک ماہ میں آپ بہت زیادہ احتیاط کرتے تھے اور روزہ کا ادب کرتے تھے، اس میں بھوک اور پیاس کو امر ربی سمجھ کر سعادت تصور کرتے تھے، جب افطاری کے وقت کا یقین ہو جاتا تو جلد ہی افطار کر لیتے تھے، (آسمان کے) ابر آلود ہونے کی صورت میں روزہ، افطار اور نماز میں (احتیاط کے طور پر) بہت تاخیر سے کام لیتے تھے۔ اور ہمیشہ اہل شہر چھوٹے بڑے خاص و عام کو افطار کی دعوت دیتے تھے، خود بھی گھر سے باہر ہی دعوت پر آنے والوں کے ساتھ بھی کھاتے پیتے اور اسی طرح سحر میں کرتے تھے۔ اس مبارک ماہ میں دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ صدقات دیتے، زکوٰۃ اور اموال نامیہ بڑی منت اور رغبت سے خرچ کرنے والوں کو دیتے تھے اور نفلی صدقات اس راقم شکستہ رقم کا قلم جہاں تک بیان کر سکتا ہے اس سے زیادہ دن و رات علانیہ اور خفیہ طور پر دیتے تھے، انعام دیتے ہوئے کبھی ملال محسوس نہیں کرتے تھے۔ بیت اللہ کا بڑے شوق سے حج کیا تھا، عمرے بھی کیے تھے، روضۂ مطہرہ رسول صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہٖ من الصلوٰۃ افضلها و من تسلیمات اکملها کی زیارت بہت ہی ذوق وشوق سے کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخصوص عنایات وتشریفات سے سرفراز کیے گئے تھے جیسا کہ سابقہ مفتاح میں میں نے بیان کیا ہے۔

کثرت مراتب کمال کے باوجود آپ اولیائے کرام کا ذکر کتابی ادب سے نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے مقابلہ میں علمائے حق شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کی رائے کو راہ نجات جانتے تھے اور اپنے ہر مرید و مخلص کو شریعت حقہ پر استقامت اور اپنے مشائخ کی محبت پر رسوخ کی تاکید کرتے تھے، صوفیہ موحدین کی تقلید کی کبھی تجویز نہیں کرتے تھے، اگرچہ اس جماعت کو سکر و حال کے غلبہ کے باعث معذور المقال خیال کرتے تھے، البتہ ان کے متبعین جو کہ اس حال سے متصف نہیں ہوتے اور وہ خود ہی ان کی متابعت کا بہانہ تراش کر ان کے مقلد بن کر زندیق ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس

بحث پر آپ نے ایک طویل مکتوب جو کہ آیات، احادیث اور اقوال مشائخ کرام سے دلائل دیتے ہوئے تحریر فرمایا ہے اور وہ مکتوبات (معصومیہ) کی جلد اول کا مکتوب ۲۹ ہے، اگر اس کا مطالعہ میسر آ جائے تو راہ نجات مل جائے گی اور اس میں شیخ محی الدین (ابن) عربی قدس سرہ کو بزرگ اور مقبول قرار دیا ہے اور انہیں خطائے کشفی سے معذور خیال کیا ہے (یعنی ان سے اپنے کشف میں خطا سرزد ہوگئی ہے) اور شیخ (ابن عربی) کی شطحیات کو قابل توجیہ اور تاویل قرار نہیں دیا، یہی بات امام ربانی مجدد الف ثانی نے شیخ کے بارے میں لکھی ہے جسے حضرت خواجہ کافی سمجھتے تھے، اور وہ مکتوب یہ ہے:

سبحان اللہ شیخ (ابن عربی) اس ساری بحث اور ان تمام خلاف جواز شطحیات کے باوجود مقبولوں میں نظر آئے اور ان کا شمار اولیا کے زمرہ (۱۵۸) میں میرے مشاہدہ میں آیا، ہاں بعض اوقات وہ دعا پر رنجیدہ ہوتے اور بعض اوقات بدگوئی پر ہنستے تھے، شیخ کا رد کرنے والا خطرہ میں ہے اور شیخ کو ان کے خلاف شرع امور سمیت قبول کرنے والا بھی خطرہ میں ہے، شیخ کو بس قبول کرنا چاہیے اور شیخ کے خلاف شرع امور کو قبول نہیں کرنا چاہیے اور قبول و عدم قبول کے سلسلے میں میانہ روی اختیار کرنی چاہیے، یہی طریقہ اس فقیر نے اختیار کیا ہے، یہ کلام (نتیجہ) حضرت مجدد الف ثانی کا ہے۔

آپ کی مجلس شریف میں کسی کی غیبت نہیں کی جاتی تھی اور مسلمان کا عیب بالکل بیان نہیں کیا جاتا تھا، طالبان صادق پر بہت ہی مہربانی فرماتے تھے اور اس حدیث قدسی "جب تم ایک طالب کو دیکھو تو اس کے خادم بن جاؤ" ان میں سے ہر طالب ولایت کے اعلیٰ مراتب پر پہنچایا جاتا تھا ان میں سے بعض کو اقطاب بنا دیا، اور ان کو مختلف علاقوں میں خلافت دے کر یا منصب قطبیت پر فائز کر کے رخصت فرمایا کرتے تھے، علماء میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے افضل و اکرم سمجھتے تھے، ان

کے بعد (امام) شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو سمجھتے تھے اس کے باوجود کہ آپ نے حنفی مسلک اختیار کر لیا تھا بعض اوقات امام شافعی کے مذہب پر بھی عمل کرتے تھے اور حتی الامکان ان دونوں مسلکوں کو جمع فرماتے تھے، اصول دین میں اس کے باوجود کہ آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح صاحب مذہب تھے لیکن اکثر مسائل میں مسلک ماتریدیہ کے مطابق عمل کرتے تھے، ان کی نظر اور نور فراست کو تجلیات نبوت کے مقتبس خیال کرتے تھے۔ اور اشعریہ کا فلسفیانہ امور کے باعث بہت رد کیا گیا ہے وہ اعلیٰ اور اقصیٰ مطالب پر بدقت تمام پہنچتے ہیں ان کی پیروی دشواری سے خالی نہیں ہے، مختصر یہ کہ ماتریدیہ کو اشعریہ کے ذریعہ سمجھتے تھے اور حق بات کو ان دونوں فرقوں سے باہر نہیں سمجھتے تھے، جاہل صوفی کو شیطان کا تسخیر کیا ہوا بندہ خیال کرتے تھے خواہ اس راہ میں ان کے ہر خس و خاشاک سے ''میں رب ہوں'' کی آواز ہی کیوں نہ آئے اور سالک بے چارہ اپنی پرستش خود کرواتا ہے اور ابلیس پر تلبیس اللہ اس کے شر سے بچائے راہ (سلوک) کے حالات کہ جو ابھی تک مقصد کو نہ پہنچے ہوں بصد جادو اور دکھاوا کے اور پھر علم ظاہری بھی اس کا معاون نہیں ہو سکتا (بہ سبب بے علمی) اس لیے یہ (جاہل صوفی) حق و باطل کے مابین تمیز نہیں کر سکتا بلکہ اس میں بہت سے اشکال پیدا ہو جاتے ہیں۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان من الملک المنان کے مابین جو اختلافات ہوئے ہیں انہیں اچھے الفاظ میں یاد کرتے تھے انہیں حب جاہ اور ریاست سے دور خیال کرتے تھے۔ کیوں کہ ان بزرگوں کے نفوس خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ من الصلوٰۃ افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی صحبت میں مطہر و پاک ہو چکے تھے، حضرت امیر (علی) کرم اللہ وجہہ کو ان جنگوں اور اختلافات میں حق بجانب سمجھتے تھے اور دوسرے گروہ کو خطا کار، ہاں خطائے اجتہادی طعن سے دور ہے اور ملامت سے بالاتر بلکہ انہیں (مجتہد) اس (خطا) کا ایک درجہ ثواب بھی حاصل ہوتا ہے۔ (۱۵۹) کے قائل تھے، ہاں حضرت امیر (علی) کو دس درجہ ثواب حاصل ہو گا

کیوں کہ وہ حق پر تھے اور دوسرے گروہ کو خطائے اجتہادی خیال کرنے سے زیادہ کلام نہیں کرتے تھے۔

(حضرت خواجہ) طریقۂ نقشبندیہ **قدس اللّٰہ تعالیٰ اسرارھم** کو سب سے زیادہ (وصول بحق)، اجل، اکمل اور افضل فرماتے تھے، اکثر طالبوں کی تربیت اس طریقہ (سلسلہ) میں کرتے تھے اور اس کی نسبت شریفہ کی بنیاد پر حضرت مجدد الف ثانی نے عمارتیں (خیالات و افکار و تعلیمات) بنائی ہیں محلات تیار فرمائے ہیں اگر اس کی یہ بنیاد نہ ہوتی تو معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا اور حضرت خواجہ نے طالبان صادق کے ایک جم غفیر کو ان کی قابلیت اور ذات کے مطابق ان عالی شان محلات اور بلند و بالا عمارتوں کی خوشخبری بخشی اور وہ نور بہار ان نظارہ کناں کو جلوہ بخشا، اگرچہ آپ نے اپنے مریدین کی طریقہ قادریہ و چشتیہ میں بھی تربیت فرمائی ہے اور ان دونوں (طریقوں) کے طالبوں کو ہی (سلوک) کی منزل مقصود تک پہنچایا ہے۔ اس حکم کے تحت کہ ''ہدیہ رد نہ کرو'' تحائف بھی قبول فرماتے اگر کوئی یا کسی کا مال مشکوک یا مشتبہ معلوم ہو جاتا یا نذر پیش کرنے والے کی مراد، مرادات دنیاوی میں سے ہوتی تو آپ ہرگز اس کی طرف التفات نہیں فرماتے تھے اور نہ ہی اس کا (ہدیہ) قبول کرتے تھے اور ایسے نذر گزار کا کام بغیر ہدیہ قبول کیے انجام دے دیتے تھے، غلطیاں کرنے والوں کو معاف فرما دیا کرتے تھے، انہیں نیکی کا حکم دیتے اور جاہلوں سے صرف نظر کرتے تھے، (ارشاد باری تعالیٰ ہے) (ترجمہ) ''اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو'' اور برے کاموں سے بچنے کی کمال درجہ تبلیغ فرماتے تھے، بلاؤں (مصائب) پر صبر کرتے تھے، بلکہ محبوب سے پہنچنے والے دکھ کو اس کے انعام سے ذوق کامل اور وجدان بالغ کے ساتھ بہتر جانتے تھے، کیوں کہ انعام اللہ سبحانہ کی مراد میں پوشیدہ ہے اور خالص ایلام سے مراد محبوب ہے جو مراد حاصل ہوئے بغیر ملتا ہے۔

آپ نے اپنے مکتوبات کی تیسری جلد کے ایک مکتوب میں جو کہ انعام کے مقابلہ میں ایلام کی فضیلت کی تحقیق کے موضوع پر ہے، میں لکھا ہے۔

فتح، بیت

ہجری کہ بود مراد محبوب از وصل ہزار بار خوشتر

شعر:

لانی فی الوصال عبید نفسی و فی الھجر ان مولی للموالی

پس آپ مصیبت کو نعمت سے بالاتر خیال کرتے تھے کیوں کہ نعمت میں اس کا کم شکر ادا کیا جاتا ہے، آپ خاص دعوت قبول کر لیتے تھے لیکن دعوت عام میں تشریف نہیں لے جاتے تھے، لیکن شادی یا کسی عزیز کے عرس (۱۶۰) پر جو کہ صدق اعتقاد سے بلائے چلے جاتے تھے اور اس مجلس میں بدعت کی بو پیدا نہیں ہونے دیتے تھے نغمہ نہیں سنتے تھے، ولادت کی محفلیں بھی پسند نہیں کرتے تھے، مریضوں کی عیادت، مصیبت زدہ حضرات کی تعزیت، جنازوں میں شمولیت، سلام کا جواب اور دعا دیتے تھے مخلوق (عوام) پر شفقت فرماتے تھے، اگر کسی ظالم حاکم کے یہاں سے کھانا آتا تو ہرگز تناول نہیں کرتے تھے، عزیز واقارب پر بہت مہربانی فرماتے تھے، چاند گرہن اور سورج گرہن کی نمازیں بھی ادا کرتے تھے، صحابہ کرام کو امت میں بہترین اولیا قرار دیتے تھے اور حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اصحاب کی صف میں شمار کرتے تھے (یعنی صحابہ کے رنگ میں رنگے ہوئے) اور اس حدیث شریف کو **مَثَل اُمَتِی مثل المَطَر لَا یُدری اَوّلُه خیرٌ ام آخره** (میری امت کی مثال اس بارش کی ہے، نہیں معلوم کہ اس کا اول بہتر ہو گا، اس کا آخر") کو حضرت مجدد الف ثانی کے وجود مبارک کی طرف اشارہ تصور کرتے تھے، کیوں کہ اس امت کا آخر ایک ہزار سال گزرنے پر بھی کہا جا سکتا ہے اور آنحضرت (مجدد الف ثانی) **قدسنا اللہ سرہ الاقدس** کا عرس ہر سال کرتے تھے اور آپ کے تابعین کو آپ کے کمالات خاص

سے حصہ وافر ملا ہے، اور روز حشر تک آپ کے تابعین پر آپ کا فیض جاری رہنے کو حقیقت سمجھتے تھے، مظلوم کی اعانت کرتے تھے اور بے کسوں کی امداد فرماتے تھے، سائل کو خالی ہاتھ لوٹانا تو درکنار اگر ہر روز سو سائل بھی آ جائیں یا ان میں سے کوئی سائل ہر روز کئی مرتبہ آپ کے در دولت پر آئے تو اسے ہر مرتبہ دیتے تھے، خلیفۂ عصر (اورنگزیب عالمگیر) جو کہ آپ کا مرید بھی تھا اس نے بصد منت یہ پیش کش کی آپ کوئی قریہ یا روزگار یا اپنی خانقاہ ملائک پناہ کے خرچ کے لیے یومیہ قبول کر لیں تو آپ نے اسے ہرگز قبول نہیں کیا، ہاں بعض رفقاء سے محتاجوں کے لیے لے لیتے، یا غائبانہ طور پر حاجت مند اصحاب میں سے بعض کی (سفارش) اس قبلۂ حاجات (اورنگ زیب) سے کی کہ ان کو ملازمت یا یومیہ دے دیا کرے، آپ اہل حقوق کی خفیہ اور اعلانیہ طور پر مدد بھی کرتے رہتے تھے، کسی یتیم کے کنویں سے پانی نہیں پیتے تھے بلکہ یتیموں کی دیوار کے سایہ میں بھی نہیں بیٹھتے تھے بلکہ اللہ کے حکم کے تحت یتیم کے ساتھ بہت ہی حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور ان کو بھی خفیہ اور اعلانیہ عطیات بھی دیتے رہتے تھے۔ اور ہر کوئی جو اپنے کام کے لیے اللہ تعالیٰ کا واسطہ دیتا اس کا کام ہر ممکن حد تک انجام دیتے اور وہ اذکار لسانی (دل میں پڑھے جانے والے) جن کا سطور بالا میں تذکرہ کیا گیا ہے خفیہ طور پر کرتے تھے ہاں بہت کم مواقع پر مثلاً ایام تشریق (عید کے موقع پر قربانی کے ایام میں) کی تکبیرات اور وتر کے بعد ایک مرتبہ **سبحان الملک القدوس** کہتے تھے، ذکر خفی کو ذکر جہر سے افضل سمجھتے تھے اور اس دلیل کہ (ترجمہ آیت) ''اپنے رب کو بآواز بلند اور آہستہ (خفیہ) یاد کرو'' اور ان اذکار کے سوا جن کا ثبوت صحیح حدیثوں میں ملتا ہے کوئی دوسرا ذکر زبان پر نہیں لاتے تھے بلکہ دل میں ذکر کرتے تھے، اور ختم **لا حول ولا قوۃ الا باللہ** اور اس کے شروع اور آخر میں سو سو مرتبہ درود پڑھتے اسے پانچ سو مرتبہ حصول مطالب اور بیماری سے شفا کے لیے پڑھتے تھے، حضرت مجدد الف ثانی کی نیاز (۱۶۱) دینی چاہیے اور ان کی روح

شریف سے حصول مطالب کے لیے مدد طلب کرنی چاہیے، البتہ لا حول ولا قوۃ کا ختم اہل طریق کی طرح نہیں کرتے تھے اگرچہ ایسا کرنا بھی بہتر شمار کرتے تھے لیکن خواجگان (نقشبندیہ) قدس اللہ اسرارھم کو زیادہ ملحوظ رکھتے تھے بلکہ غیر اہل طریق کو اس میں داخل نہیں فرماتے تھے، میں نے آپ کے اصحاب (مریدین) سے ایسا ہی سنا ہے۔

کسی مریض کے ہاں عیادت کے لیے جاتے تو کم وقت کے لیے بیٹھتے تھے اور مریض پر پہلی نظر پڑتے ہی سات مرتبہ اسئال اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیک (اے بزرگی والے رب عرش عظیم کے رب بے شک تو ہی شفا دینے والا ہے) پڑھتے اور اکثر مریضوں کی دفع مرض کے لیے توجہ کرتے تھے اور انہیں خلعت عافیت پہناتے تھے، چنانچہ مردوں کو جو فاسق ہونے کے باعث عذاب میں مبتلا ہوتے ان کا عذاب اٹھانے کی کوشش کرتے اور انہیں بحار مغفرت میں پہنچاتے، ایام بیض (چاند کی تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں رات) میں مسلسل تین یوم تک روزہ رکھتے تھے، کبھی تو اس ماہ کے آغاز میں آپ روزے رکھتے اور کبھی اس کے آخر میں اور ماہ ذی الحج کے آخری عشرہ کو رمضان المبارک کی طرح بہت ہی متبرک خیال کرتے تھے اور سرائے دوہڑی میں جو کہ شہر مبارک سرہند شریف سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے اعتکاف کرتے تھے، اس کے باغ میں بیٹھتے، روزہ رکھتے اور اکثر وہاں روزانہ سکوت کی حالت میں بیٹھتے اور پھر عیدالاضحیٰ کی رات کو شہر تشریف لاتے، یوم عاشورہ کا روزہ بھی دو روز پہلے ہی رکھتے (یعنی عاشورہ کے روزے سے پہلے بھی دو روزے رکھتے) اور بعض اوقات پورے دس دن بھی روزہ رکھتے تھے، کسی دن کو ایک دوسرے پر فضیلت نہیں دیتے تھے لیکن جیسا کہ شرعی طور پر جمعہ کے روز کی فضیلت ثابت ہے اسی طرح ماہ رمضان اور ماہ ذی الحج وغیرہ کو فضیلت دیتے تھے۔

کسی دن کو منحوس قرار نہیں دیتے تھے کیوں کہ سید الانام علیہ و علی آلہ

الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے بعد اس سرزمین سے نحوست کو ختم کر دیا گیا اور وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین اس سلسلہ میں نص قطعی ہے۔

سفر کے سلسلے میں آپ نے مسنون طریقہ اختیار کیا تھا یعنی سفر بروز جمعرات یا بروز پیر کو کرتے تھے یہی دو دن مقرر تھے، نہ کہ (باقی دنوں) کو نحوست کے باعث، باقی دنوں کے ایام اللہ اور عباد اللہ کے مطابق صحیح حدیث نبی اکرم علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق عمل پیرا تھے۔ ہاں سفر کا جب فیصلہ کرتے تو استخارہ کر لیا کرتے تھے، اگر اس استخارہ سے سفر کے لیے راستہ معلوم ہوتا تو سفر کرتے ورنہ نہیں کرتے تھے، بلکہ کسی بڑے کام کو کرنے سے پہلے بھی استخارہ کر لیا کرتے تھے۔ آپ مطیع، متواضع، ملتجی، لرزاں اور خاکسار رہتے تھے، شرزہ خان مرحوم جو کہ کابل کے قلعہ دار کے منصب پر فائز تھے اور حضرت خواجہ کے بلاواسطہ مرید بھی وہ حضرت خواجہ کی تعریف میں اکثر رطب اللسان رہتے تھے اور وہ آپ کی تعریف میں بزرگی کے کلمات کہتے تھے کہ آپ بہت ''خاکی'' تھے ان تمام کمالات کے باوجود جو آپ کو حاصل تھے آپ مطلقاً (۱۶۲) خاکساری فرماتے تھے، نبوت کو ولایت سے افضل قرار دیتے تھے بے شک وہ ولایت اس نبی کی ہی کیوں نہ ہو، حضرت انبیاء علیہم السلام کی فضیلت ان کی نبوت سے ہے نہ کہ ان کی ولایت سے، حضرت حق سبحانہ عزشانہ ایک موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے ''ذٰلک الکتٰبُ، یٰایھا النبی اور یٰایھا الرسول'' اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ولایت کا درجہ نبوت سے زیادہ ہوتا تو وہ اپنے واجب الاحترام کلام میں یا ایھا الولی کہہ کر خطاب فرماتا، صحو کو سکر سے زیادہ افضل شمار کرتے تھے اور ارباب سکر کو ان کے مقدمات شطحیہ مثلاً انا الحق اور سبحانی کہنے والوں کو معذور تصور کرتے تھے، طریقت اور حقیقت کو شریعت کے تابع قرار دیتے تھے، اولیائے عشرت [۱] کو اولیائے عزلت [۲] میں سے سمجھتے تھے، کلمۂ حق کے اظہار میں

---

[۱] عشرت، مع شعور حق تعالیٰ کے ساتھ لذت کا حاصل تھا۔

[۲] عزلت، مخالطت خلق سے خارج ہو جانا، انقطاع از ماسویٰ گوشہ نشینی۔

کسی قسم کا خوف محسوس نہیں کرتے تھے:

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست　　　　　ہم قصہ غریب و حدیث عجیب ہست

سبحان اللہ و بحمدہٖ آپ علمائے اہل حق کا اثبات کرتے اور فلاسفہ کو بغیر تجزیہ کے قبول نہیں کرتے تھے ...... حضرت خواجہ کے یہ تمام معاملات ہم نے بعض طالبوں کی ترغیب پر یہاں بطور کلمات قدسیہ یک جا کر دیے ہیں تاکہ ان امور میں سے جن کی بھی پیروی ممکن ہو کی جا سکے ...... کیوں کہ حضرت خواجہ کے تمام کمالات تحریر میں لانا محالات میں سے ہے......

(حضرت خواجہ) نے اپنی اولاد کی بہت ہی (اعلیٰ پیمانے) پر تربیت کی تھی ان پر بہت ہی مہربانیاں کیں اور ان سب (۱۶۳) کم سن اصحاب پر بہت ہی عنایت فرماتے تھے، اپنے بڑے بھائی حضرت خازن الرحمت ...... محمد سعید قدسنا اللہ بسرہ العزیز کا اس قدر ادب کرتے تھے کہ موسم گرما میں سرہند شریف کی بڑی مسجد میں جہاں کہ ہوا مناسب ہوتی تھی جا کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور حضرت خازن الرحمت قدس سرہ باغ فتح میں مقررہ عبادات میں مصروف ہوتے تھے اور آپ جب یہ چاہتے کہ اپنے دولت خانہ کی طرف روانہ ہوں تو میانہ پالکی میں سوار ہوتے تو جاتے ہوئے حضرت خواجہ کی نظر مبارک اس بلند مقام سے حضرت خازن الرحمت کی میانہ شریفہ (پالکی مخصوص) پر پڑتی جو کہ دو تیر انداز کے فاصلہ پر ہوتی تو آپ پورے کھڑے ہو جاتے اور تلاوت کرتے یہاں تک کہ حضرت خازن الرحمت اپنے اصحاب کے ساتھ آہستہ سے بات کرتے ہوئے اپنے دولت خانہ شریف میں داخل ہو جاتے آپ اسی طرح کھڑے رہتے، یہاں تک حضرت خواجہ کو اس وقت تک زیادہ مرض لاحق نہیں ہوا تھا اور ابھی کھڑے ہونے کی طاقت باقی تھی تو بھی آپ نے یہ ادب کرنا ترک نہیں کیا، حضرت خواجہ کے بعض اصحاب نے عرض کیا کہ جناب خازن الرحمت کو اس طویل تواضع کی اطلاع نہیں ہے، فرمایا کہ اس کی نمائش کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

قدسنا الله سبحانه باسرارهما و رزقنا الله تعالیٰ من برکاتهما و یرحم الله عبداً قال آمینا

کنز دوم

مکتوبات (معصومیہ) قدسی سمات کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ (وہ خطوط) درختوں کے پتوں کی طرح ہیں جن کا ہر ورق معرفت کردگار کا دفتر ہے جو خزاں اور بہار میں جمعیت خاطر کے لیے بے قرار ہو کر اس قبلۃ الاخیار وقدوۃ الابرار (کے مکتوبات) کی ورق گردانی کرتے ہیں وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے صفحات مبارکات میں سے ہر صفحہ کلام رب العالمین کی تاویلات اور اس کی سطور لامع النور میں سے ہر سطر حدیث سید المرسلین **صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و علیٰ آلهم و صحبه و صحبهم و اتباعه و اتباعهم و سلم و بارک** کی شرح پر مشتمل ہے، ہاں بعض مکاتیب تو (صرف) بتصریح تاویلات کے موضوع پر ہیں یا اسماء الٰہی **جلت عظمة** میں سے کسی اسم کے معانی کے بیان پر مبنی ہیں یا کسی سائل کے سوال پر بعض احادیث کی کسی تقریب سے شرح بیان کی گئی ہے جو وقت و حال کے موافق آپ کے قلم عنبریں رقم سے تحریر میں آئی ہیں، **ان شاء اللہ تعالیٰ** نقل کیے جائیں گے۔

چوں کہ یہ مقامات معصومی سفر کے دوران معرض تحریر میں لائی جا رہی ہے اور آنحضرت والا منزلت (حضرت خواجہ) کے مکتوبات شریفہ کی آخری جو جلدیں اس وقت موجود نہیں ہیں اور اس کی صرف جلد اول ہی اس عاصی تباہ کار (مولف) کی غمگسار اور مونس جان ہے سے تفصیلات بیان کی جائیں گی، اگرچہ ان آخری دو جلدوں میں بظاہر مجھے یاد نہیں ہے کہ ان میں تاویلات ہیں یا نہیں کیوں کہ مجھے ان کے متعدد بار مطالعہ کا موقع ملا ہے اور ان کے ہر کلمہ سے بہت ہی فوائد حاصل ہوئے ہیں ان آخری دو جلدوں میں زیادہ تر اپنے صاحبزادگان اور خلفائے عالی درجات کے لیے بشارات درج ہیں، بہرحال اگر یہ جلدیں اس دوران میسر آ گئیں تو اس ''فوائد''

ریاضی'' میں سے جس میں میوہ دار درخت ہیں میں سے فوائد کثیرہ نقل کیے جائیں گے،
(۱۶۴) اس وقت جو کچھ حاضر ہے فائدہ عام کی غرض سے ایثار کر کے حضرت خواجہ کے باغ میں گل و ریحان لا کر اہل نظارہ کے لیے پیش کر رہا ہوں۔

جلد اول مکتوب ۱۳ بنام حافظ محمد شریف میں جو اسم مبارک اللہ کی بزرگی پر مشتمل ہے پیش کر رہا ہوں:

فتح

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ آپ کو کمال کے مرتبہ پر فائز کرے، شفقت آثار مطلوب حقیقی چونکہ تصور اور فہم سے بالاتر ہے اور (انسانی) فکر و عقل سے ماوراٗ ہے اس مقدس بارگاہ میں معرفت، عدم معرفت ہے اور علم جہل ہے، جب وہ جلوہ فرماتا ہے تو بے چارہ طالب عدم کا رخ کرتا ہے۔

''میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارے غم خانۂ دل میں محبوب خوش ہے پھر اس کے دیدار کا حوصلہ کس میں ہے'' (ترجمۂ شعر)

اس لیے اس کا طالب سوائے اس کے کہ ہجر سے قرار حاص کرے اور ناامیدی سے آرام، اور کوئی چارہ کار نہیں ہے،

''عاشقوں کو معشوق سے سوائے خسارہ اور جاں گدازی کے کچھ نصیب نہیں ہوتا'' (ترجمہ شعر)

وجود موہوب کے بعد اگر اس کو علم اور شعور میں واپس لے آئیں تو وہ مطلوب کو اپنی استعداد اور یافت کے مطابق پائے گا اور اپنے حوصلہ و طاقت سے زیادہ بھاگ دوڑ نہیں کرے گا کیوں کہ مقید اگرچہ اپنے گمان میں تمام قیود سے آزاد ہو جائے وہ پوری طرح آزاد نہیں ہو سکتا، پس نارسائی ہر وقت اس کو دامن گیر ہے اور ناامیدی ہمیشہ اس کو نقد وقت ہے۔

''سب لوگ وصل کی صبح کو ڈھونڈتے ہیں لیکن یہاں تو میں ہوں اور شام

ناامیدی کیوں کہ میں ہجر کا ڈسا ہوا سیاہ بخت ہوں، میری رات کی صبح نہیں ہوتی'' (ترجمہ شعر)

دردمند عاشق کے لیے آرام نہیں ہے وہ کسی قسم کا بھی قرار نہیں رکھتا آگ کی جدائی سے اس کا سینہ ہمیشہ جلتا رہتا ہے، وہ جدائی کے غم سے ہمیشہ زخمی جگر رہتا ہے، جب محبوبوں کے سردار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائمی حزن اور ہمیشہ فکر کے ساتھ رہتے ہوں تو پھر دوسروں کا تو ذکر ہی کیا ہے ظلال و اعتبار کے ساتھ آرام حاصل کرنا اس پاک ذات کے ساتھ آرام حاصل کرنا نہیں ہے ذات سے محبت کرنے والا اس کے ساتھ خوش نہیں ہوتا۔

اس ذات **سبحانہ و تعالیٰ** کا پاک نام لفظ مبارک ''اللہ'' ہے گویا کہ یہ اپنے مسمیٰ کے عدم دریافت کی نشاندہی کرتا ہے، معرفت کا لام چونکہ الہ کے لام کے ساتھ مل کر اس میں مدغم اور لاشے ہو گیا ہے اور وہی اللہ کا لام باقی رہ گیا ہے، شاید کہ اس ضمن میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب معرفت اس پاک ذات سبحانہ کے ساتھ منتہی ہو جاتی ہے اور فانی و مستہلک ہو جاتی ہے تو معروف کے سوا بغیر کسی کمی و بیشی کے کچھ باقی نہیں رہتا اور جب معرفت نہ رہی تو عارف بھی عدم (۱۶۵) سے جا ملا کیوں کہ علم کو عالم کے ساتھ اتحاد ہے اس اسم مبارک کی عظمت میں ہے کہ اکابر علماء اس مسئلہ میں حیران رہ گئے ہیں اور اس کی حقیقت تک نہیں پہنچ سکے تو اس کے مسمیٰ کی حقیقت تک کس طرح پہنچ سکتے ہیں:

چو نام ایں ست نام آور چہ باشد

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ یہ اسم مبارک (اللہ) سریانی زبان کا لفظ ہے اور ایک دوسرا گروہ اس پر یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ عربی نام ہے اور اس کے عربی

لفظ ہونے کی صورت میں بعض کے نزدیک یہ لفظ جامد ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ مشتق ہے اگر مشتق ہے تو یہ تحقیق کے ساتھ معلوم نہیں ہے کہ اس کا مادہ الہ لام کی فتح سے ہے جو کہ عَبَدَ کے معنی میں ہے یا اَلِهَ لام کی کسرہ سے ہے جس کے معنی تحیر کے ہیں یا اَلِهتُ الی فُلانٍ سے ہے ای سکنت الیه (مجھے فلاں سے سکون حاصل ہوا) یا اَلِهَ سے جبکہ وہ کسی ایسے امر سے ڈرا جو اس کو پیش آیا۔ یا اَلِهَ الفصیل سے ہے اذا اولِعَ باُمِهٖ (ترجمہ اونٹنی کا بچہ اپنی ماں سے جدا ہو گیا جبکہ وہ اپنی ماں کا شیفتہ ہو جائے) یا وَلَهَ سے جبکہ مستحر اور مخبوط ہو، ایک اور گروہ یہ کہتا ہے کہ اس کی اصل لا ہے مصدر لا یَلِیُه لیها جبکہ وہ پوشیدہ اور دور ہو جائے اور بعض فضلا اس امر پر اتفاق کرتے ہیں کہ یہ اسم عَلَمِ ذات ہے اور بعض اس پر ہیں کہ اصل میں یہ صفت ہے جو ذات تعالیٰ پر غالب آ گئی ہے اور اسم عَلَم کا حکم اختیار کر لیا ہے جیسا کہ الثریہ مختصر یہ ہے کہ اس (یعنی اسم اللہ) کی بزرگی اور اس کی حقیقت کو نہ پانا اس کے مسمیٰ کی بزرگی اور اس کی عدم یافت کی دلیل ہے۔

''اللہ کتنا عمدہ لفظ یا کیسا نام ہے کہ یہ ہر خاص و عام کے ورد زبان ہے''۔
(ترجمہ شعر) انتہی مکتوب شریف۔

جلد اول ہی کا مکتوب[۱] ۸ بنام شیخ عبداللطیف لشکر خانی جو کہ سورۃ والیل بڑے عجیب انداز اور فصیح عربی میں وعظ و تذکیر کے عمدہ نکات پر مشتمل ہے جسے تمام و کمال یہاں نقل کیا جاتا ہے:

فتح

تمام تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو بڑی شان والا ہے۔ ایسی تعریف

---

[۱] حالیہ اشاعتوں میں یہ مکتوب نمبر ۹ ہے۔

جس کو ہمارا رب پسند کرتا ہے اور ان سے راضی ہوتا ہے اور اس کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کی شان میں قرآن مجید میں قَابَ قُوسَیْنِ او اَدْنٰی وارد ہوا ہے اور آپ کو آل و اصحاب پر جو نہایت نیک و متقی اور پاک ہیں پر درود و سلام ہو، پس میں تم کو رفیق اعلیٰ اور ہدایت کی اتباع کی دعوت دیتا ہوں بے شک تجھے اپنے رب کی طرف لوٹ جانا ہے اور تم جان لو کہ بلاشبہ اس شخص پر عذاب ہو گا جس نے جھوٹ بولا اور اللہ سے روگردانی کی تو تجھے نفس اور شیطان اور خواہشات کے ساتھ جنگ کرنی چاہیے پس تمہیں بھڑکتی ہوئی آگ سے ڈرایا جس میں وہی داخل ہو گا جو بڑا بدبخت ہے تیرے لیے لازم ہے کہ پرہیزگاری اور تقوٰی اختیار کرے اور مسکینوں اور قرابت داروں پر خرچ کرے اور عنقریب اس متقی شخص کو اس سے بچا لیا جائے گا جو کہ (۱۶۶) اپنا مال خرچ کرتا ہے تا کہ تزکیہ و طہارت حاصل ہو، دنیا کی زینت کی طرف آنکھیں دراز نہ کرے اس شخص کی طرف بھی مائل نہ ہو جو ظالم اور گمراہ ہے اور قبروں میں جانے اور بوسیدہ ہونے اور جنت اور اس کی نعمتوں اور دوزخ اور اس کے عذاب کو مت بھول، اور رات کے وقت جبکہ وہ چھا جائے اور دن میں جب کہ وہ روشن ہو جائے غور و فکر کر اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں جلدی کر اور جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے ان سے باز رہ اور اس دن کی شفاعت کبرٰی کے لیے کوشش کر جب کہ کسی مرد اور عورت کو مال اور اولاد کوئی نفع نہیں دیں گے۔ بیشک یہ باتیں اس کے لیے نصیحت ہیں جو ڈرتا ہے اور ایسے قلب سے جو ہدایت سے پھرا ہوا اور خواہشات میں پھنسا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف شکایت ہے کیا وہ نہیں جانتا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے اور اسی کی

طرف لوٹ کر جانا ہے اور بے شک وہ نہایت پوشیدہ اور چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے۔ پس اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس نے پستی سے بلندی کی طرف متوجہ ہو کر ترقی کی اور راتوں کی تاریکی میں اپنے گناہوں پر رویا اور یہ معلوم کر لیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور بلاشبہ وہ عرش پر تجلی افروز ہے اور مخلوق میں اس کی قدرت کی تاثیر کو دیکھ لیا اور یقین کر لیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی مالدار بناتا اور مفلس کرتا ہے۔ وہی ہنساتا اور رلاتا ہے وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ اس وقت وہ اپنے نفس سے فنا ہو گیا اور اپنے رب سے بقا حاصل کر لی پس وہ نہایت قوت والا ہو گیا کہ جس کی نگاہ کبھی نہ بہکی اور نہ اس نے حد سے تجاوز کیا اور اس کو قیامت بھی غمگین نہیں کرے گی اور جس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جس روز کہ انسان اپنے کیے کو یاد کرے گا اور بے شک اس روز اللہ تعالیٰ اس کو قرب کے درجات عنایت فرمائے گا جب کہ دیکھنے والوں کے لیے دوزخ ظاہر کی جائے گی پس اس بارے میں پرہیزگار لوگ رغبت کرتے ہیں اور اچھے لوگ محنت صرف کرتے ہیں۔

اس پر سلامتی ہو جس نے ہدایت پر عمل کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو لازم جانا ان پر اور ان کی آل پر قیامت تک اعلیٰ درجہ کی رحمتیں ہوں۔

مکتوبات (معصومیہ) کی جلد اول مکتوب نمبر ۱۱۳ بنام حضرت مخدوم زادہ عالی قدر جامع علوم ظاہری و باطنی خواجہ محمد نقشبند قدس سرہ نے اس آیۃ کریمہ اللہ نور السموٰات والارض کی تاویل میں تحریر کیا ہے جو مکمل طور پر یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حدیث میں وارد ہوا ہے ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا کی وہ میرا نور ہے، (یعنی) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلی چیز جس کو پیدا کیا وہ نور محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ تھا اور تمام علوی وسفلی مخلوق کو اس نور سے پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ گویا یہاں اپنی تعریف اس نور کے ساتھ کرتا ہے جہاں یہ فرمایا ہے ''اللہ آسمانوں اور زمینوں (۱۶۷) کا نور ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس نور کا مالک ہے کہ جس نے نور سے سب آسمان اور زمینیں اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا کیا۔ اس نور کی صفت جو کہ اس ذات تعالیٰ کی طرف منسوب ہے اور وہ نور گویا تعین اول اور حقیقت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے کنایہ ہے جو طاقچہ میں رکھے ہوئے ایک چراغ کی طرح ہے اور کاف تشبیہ کا مشکوٰۃ پر داخل ہونا اس وجہ سے ہے کہ وہ مشکوٰۃ یعنی مصباح (لیمپ) پر مشتمل ہے اور یہاں مشکوٰۃ آنسرور عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے بدن عنصری کو تصور کرنا چاہیے المصباح فی زجاجۃ یعنی چراغ شیشہ کی قندیل میں روشن ہے اور وہ قندیل گویا اس خلاصۂ موجودات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مبارک باطن ہے کہ اس نور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے باطن مبارک کی راہ سے بدن عنصری کے ساتھ تعلق پیدا کر لیا ہے اور باطن یعنی حضور سرور کائنات صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا قلب مبارک ہے یا آپ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی ہیئت وحدانی ہے جو کہ عالم خلق اور عالم امر کے دس اجزا کی ترکیب سے حاصل ہوئی ہے، یا ہم کہتے ہیں کہ ''زجاجہ'' تعین وجودی سے کنایہ ہے جو کہ تعین

ثانی ہے کیوں کہ تعین اول جو کہ تعین حبی ہے مافوق کی نسبت سے تعین وجودی کے احاطہ میں ہے اور ممکن ہے کہ زجاجہ تعین علمی سے کنایہ ہو کیوں کہ علم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے ساتھ ایک خصوصیت ہے جو کہ کسی دوسری صفت کو نہیں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبوبیت کے ساتھ اس صفت کے لیے ایک راز ہے کہ کوئی دوسرا اس کا محرم نہیں ہے اس لیے ہمارے عالی حضرت (مجدد الف ثانی) قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے مطابق اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب صفت یہی صفت ہے اور یہ بھی قیاس ہے کہ زجاجہ تعین وجودی اور مشکوٰۃ تعین علمی ہو، مختصر (طور پر یہ کہہ سکتے) ہیں کہ الزجاجۃ دراصل وہ آبگینہ ہے جس کے معنی میں بھی ہو کمال صفائی تازگی کے باعث کَاَنَّھا کوکب دُرِیٌّ (یعنی وہ ایک درخشاں ستارہ ہے)

جاننا چاہیے کہ تعین اول اور حقیقت محمدی ہمارے عالی حضرت (مجدد الف ثانی) کے نزدیک تعین حبی ہے، پہلی چیز جو کہ مرتبہَ اطلاق اور پوشیدہ خزانے سے ظہور ہے میں آئی اور متعین ہوئی وہ ''حب'' ہے جو کہ اعتبار وجود کا مبداء ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے ''کنت کنزاً مخفیا فا حببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف (میں ایک پوشیدہ خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ میں پہچانا جاؤں) اس کا ثبوت ہے کہ یہ تعین حبی جو کہ آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوبیت ذاتیہ کا منشا ہے دائرہ کا مرکز ہے اور اس کا محیط خلت ہے جو کہ حقیقت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔ یعنی مرکز کا حسن ملاحت کے حسن سے مناسب

رکھتا ہے (۱٦۸) اور محیط کا حسن صباحت کے حسن سے مشابہت رکھتا ہے، یعنی صباحت حسن ایک تفصیل ہے جو بیان ہو سکتی ہے جیسا کہ عالم مجاز میں اس کو خوش قامتی اور رخساروں کو صباحت اور آنکھ و ابرو کی لطافت وغیرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی "ملاحت" ایک معنوی حسن اور ذوقی ادا ہے جو کہ تعبیر کی حدود سے باہر اور مذکورہ خوش قامتی و لطافت سے ماوراء ہے جس سے اس حسن کو تعبیر کرتے ہیں، کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

"وہ محبوب ایسی شان کا مالک ہے کہ جو کچھ بھی ہے وہی ہے اے حریفو اس کو طلب کرو کہ وہ کہاں ہے" (ترجمہ شعر)

یہ ایک تعین کا مرکز و محیط ہے جو کہ اس کے اشرف اور اسبق اجزا کے ساتھ مسمیٰ ہے کہ اس کا مرکز حب ہے، دوسرا تعین تعین وجودی ہے کیوں کہ یہ حب ہی ہے جو وجود اور ایجاد کی وجہ سے بنی ہے، تعین علمی تعین وجودی کے نیچے ہے اور اس کے حصوں میں سے ایک حصہ ہے لیکن سب سے زیادہ جامع حصہ ہے جیسا کہ اس کی تحقیق دوسرے مقام پر لکھی جا چکی ہے۔

اب ہم اصل امر کی طرف آتے ہیں کہ وہ روشن چراغ جو کہ شیشہ میں ہے وہ یُوْقَدُ جلایا جاتا ہے اور اس کے نور کو زیادہ کیا جاتا ہے بہت بابرکت اور مفید درخت سے جو کہ زیتون کا درخت ہے کہ شام کی پاک سرزمین میں اگتا ہے یہ مبارک درخت گویا حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خُلّت کی حقیقت سے کنایہ ہے اور چونکہ آنخضرت (ابراہیم علیہ السلام) شجرۂ انبیاء ہیں اور قرآن مجید میں آپ کے حق میں درج ہے (ترجمہ) "اور ہم نے اس پر اور اسحاق پر برکت نازل کی" اس وجہ سے شجرۂ مبارک کو آپ سے تعبیر کر سکتے ہیں اور

زیتون کو آپ کے ساتھ یہ مناسبت ہے کہ اس کے اگنے کا مقام شام کی زمین ہے، یہ درخت مبارک ہے جیسا کہ منقول ہے کہ ستر پیغمبروں نے اس کے لیے برکت کی دعا کی جن میں ایک حضرت خلیل علیہ السلام بھی ہیں اور یہ بھی روایت ہے کہ زیتون پہلا درخت ہے جو حضرت نوح کے طوفان کے بعد پیدا ہوا اور حضرت خلیل علیہ السلام بھی پہلے اولوالعزم رسول ہیں جو کہ نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد دنیا میں آئے، چونکہ خلت کی حقیقت زمین اور آسمان کے طبقوں سے بہت بلند ہے (اس لیے اس کے بارے میں کہتے ہیں) ''نہ وہ مشرقی رخ ہے اور نہ وہ مغربی رخ'' ارشاد ہے'' قریب ہے کہ اس درخت کا تیل خود بخود روشنی دے اگر اس کو آگ مس نہ کرے'' یعنی حقیقت خلت روشنی اور ہدایت دینے میں (۱۶۹) اس درجہ کی ہے کہ اس کے بغیر محبت کی آگ اس سے مشتعل ہو کر روشنی دینے والی ہے اور اس کی صباحت و ملاحت کی آمیزش کے بغیر مطلوب کی طرف رہنمائی کرتی ہے، جب ولایت ابراہیم ولایت محمدی علیہما الصلوٰۃ و السلام کے ساتھ مل جاتی ہے اور محبت کا شغل خلت سے روشن کیا جاتا ہے اور اس ولایت کی صباحت اس ولایت کی ملاحت کے ساتھ مل جاتی ہے اور محیط کے کمالات مرکز میں رونما ہو جاتے ہیں یعنی ''نور پر نور ہو جاتا ہے'' اور پھر صباحت کا نور ملاحت کے نور کے ساتھ یکجا ہو جاتا ہے ابراہیمی نور محمدی نور علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے پھر ملاحت صباحت کے ساتھ رنگین ہو جاتی ہے۔

''باپ نور ہے اور بیٹا بھی ایک نور اس سے مراد ہے نور علی نور''۔
(ترجمہ شعر)

ان دونوں نوروں کے اجتماع اور سعدین سے محبوبیت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم بہت اعلیٰ درجہ پر پہنچ جاتی ہے پھر معاملہ عبودیت کے دو طاقوں سے ایک طوق تک آ جاتا ہے اور ملت ابراہیم علیہ السلام کے اتباع کے امر سے جو مقصود ہے وہ پوری طرح ظہور پذیر ہو جاتا ہے اور کما صلیت (جیسا کہ تم نے درود بھیجا حضرت ابراہیم پر) کی دعا مکمل طور پر قبول ہو جاتی ہے، اس لیے یہ کمال حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے حق میں کامل طور پر حاصل ہو جاتا ہے پھر جس امر کی دعا کی جائے وہ قبول ہوگی" اللہ سبحانہ کی اس پر حمد ہے اور اس کی تمام نعمتوں پر بکثرت تعریف ہے" اس امر کے حصول کے بعد جو توجہ جو کہ یہ خود ان پسماندگان کے حال پر تھی بہت کم ہو گئی ہے، امت کے افراد میں سے ایک فرد کو ان کی رکھوالی پر مقرر کر دیا ہے اور خود خاص خلوت میں محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ خلوت رکھتا ہے۔ اور بعض امور جن کی تفصیل یہاں مختصر طور پر بیان کی گئی ہے کی تفصیل کے لیے ہمارے عالی حضرت (مجدد الف ثانی) کے مکتوبات قدسی آیات سے رجوع کریں، والسلام۔

جلد اول ہی کے مکتوب ۷۶ بنام مرزا امان اللہ برہانپوری میں بھی ہے جس میں سورۂ اخلاص کی تاویل کی گئی ہے یہاں مکمل طور پر نقل کر رہا ہوں:

مع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم، مصرعہ:

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

(یعنی دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے)

(۱۷۰) کہنے والے سے زیادہ معزز ذات نے فرمایا ہے **قل ھو اللّٰہ احد** اس میں کلمہ ھُو گویا غیبت ہویت کی جانب اشارہ ہے اس ذات کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو شیون و اعتبارات سے یہاں تک کہ اطلاق کی قید سے بھی بلند و معرا ہے اور **اللّٰہ** سے مراد قابلیت اولی اور وحدت ذاتیہ ہے جو تجرد اور تمام اوصاف کمال سے متصف ہونے کے خاص اعتبار کے لیے ذات تعالیٰ و تقدس کی قابلیت ہے اور **احد** احدیت مجردہ سے کنایہ ہے جو صفات و اعتبارات سے مجرد ہونے کے ساتھ مقید ہے **اللّٰہ الصمد** واحدیت کی طرف اشارہ ہے جو کہ صفات افعالیہ و تمام صفات ثبوتیہ و شیون و اعتبارات ذاتیہ کے اوصاف کمال سے متصف ہونے کا مرتبہ ہے اس لیے مقام صمدیت کے لیے یہ اتصاف ناگزیر ہے اس لیے **ھو الصمد** کے بجائے **اللّٰہ الصمد** آیا ہے کیوں کہ اتصاف کی قابلیت خاص اسی مرتبہ کے لیے ہے اور اس مرتبہ میں جس کی تعبیر ھو سے واقع ہوئی ہے یہ قابلیت برزخیت کبریٰ کے وسیلہ کے بغیر جو کہ مقام لاحق ہے ہرگز ملحوظ نہیں ہے **لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا** صفات سلبیہ اور تنزیہات و تقدیسات ذاتیہ کی طرف اشارہ ہے کہ جن کی تفصیل اور اسی طرح شیون ثبوتیہ کی تفصیل اللہ واحد وقہا کے سوا کوئی نہیں جانتا، پس یہ سورہ شریفہ الفاظ کے اختصار اور قلت کے باوجود مراتب وجوب کی جامع اور اسرار و معارف الٰہیہ پر حاوی ہے اور لفظ مبارک **صمد** جس طرح سے کہ مرتبہ وجوب کے شیون و کمالات کا جامع ہے اسی طرح مراتب کونی و تعینات امکانی کی طرف اشارہ کرتا ہے کیوں کہ صمدیت احتیاج کا مطالبہ کرتی ہے اس لیے یہ مبارک سورۃ اجمال کے طور پر تمام وجوبی اور امکانی مراتب کی جامع واقع ہوئی ہے اور کوئی کمال ایسا نہیں رہا

کہ جس کی خبر اس سورۃ نے نہ دی ہو اس کے قاری کو چاہیے کہ اس پر سرسری نظر نہ ڈالے بلکہ اس کے معانی و اسرار سے بے خبر نہ رہے پھر کمال صفات کے ملاحظہ اور جمال لازوال کے مشاہدہ سے بے بہرہ نہ رہ جائے اور اخلاق کمال کے ساتھ متخلق ہونے اور اوصاف جمال کے ساتھ متحقق ہونے کا کچھ حصہ حاصل کرے اور ہویت ذات تعالیٰ کے ساتھ کچھ یقین حاصل کرے اور اجمال و تفصیل کے مرتبہ سے قابلیت کے مطابق بہرہ مند ہو جائے پھر صمدیت باری تعالیٰ جل عظمتہ کے ملاحظہ سے اپنی ذاتی احتیاج اور فطری فقر کا مطالعہ کرے اور خیر و کمال کے اوصاف کلی طور پر حق تعالیٰ کے ساتھ منسوب و مخصوص جانے اور نفس امارہ کی انانیت سے مکمل طور پر رہائی حاصل کرے۔ اس وقت اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا حاصل ہو جائے گا پھر صفات تنزیہ و تقدیس سے کہ جن کے ساتھ یہ سورہ ختم ہوتی ہے اس کے حق میں نعمت تمام ہو جائے گی۔

(۱۷۱) جان لینا چاہیے کہ سالک جس قدر بھی عروج کے درجات پر ترقی کرتا اور قرب پیدا کرتا اور فنا و بقا سے مشرف ہوتا ہے ہر وقت اس کو دوئی و بیگانگی لاحق رہتی ہے اور وہ اس بارگاہ کے ساتھ کسی قسم کی بھی مجانست اور اتحاد پیدا نہیں کرتا اور اس کی ذات و صفات میں کوئی مشارکت حاصل نہیں کرتا کیوں کہ بندہ ہمیشہ بندگی کا طوق گلے میں ڈالے ہوئے ہے اور وہ سبحانہ و تعالیٰ ہمیشہ اپنے تنزیہ و تقدس کے ساتھ موصوف ہے (مثل مشہور ہے) خاک کو عالم پاک کے ساتھ نسبت ہی کیا ہے؟ آپ نے اپنے اور بعض اپنے دوستوں کے جو واقعات اور کشوف و احوال تحریر کیے تھے بہت پسندیدہ ہیں ان کے مطالعہ سے بہت فرحت ملی، اللہ تعالیٰ فتوح اور ترقیات کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے، بالنون والصاد۔

جلد اول ہی کا مکتوب ۹۷ بنام حقیقت آگاہ خواجہ محمد حنیف کابلی جو تمام بندگی کی تحقیق اور اس کے ساتھ سورہ قل اعوذ برب الناس کے اسرار پر مشتمل ہے، تمام و کمال یہاں نقل کر رہا ہوں:

فتح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بندگی کی حقیقت اور طاعات کی حلاوت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب توجہ کا قبلہ بارگاہ صمدیت کے سوا اور کوئی نہ ہو اور تمام معاملات میں مرجع حقیقی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا نہ ہو، خواہشات نفسانی کی تدبیر سے گزر کر تمام امور اس لم یزل و لا یزال کی مقدس بارگاہ کے سپرد کر دے اور اعتماد کی پشت فانی اور تباہ ہونے والے امور پر نہ رکھے کیوں کہ اس کا نتیجہ مطلب اعلیٰ سے دوری اور محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اے برادر! دنیا میں کسی کی طرف سے رجوع کرنے کا باعث اور کسی موجود پر اعتماد کرنے کا سبب یا تو یہ ہوتا ہے کہ وہ مربی ہے اور ظاہری و باطنی تربیت اس کے ساتھ وابستہ ہے اور یہ آیت پاک **قُلْ اَعُوْذُ برب النّاس** کے مطابق اصل مربی اللہ تعالیٰ کی مقدس بارگاہ ہے اور ظاہر و باطن کی تربیت حقیقت میں اس سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ وابستہ ہے پیر، استاد، ماں، باپ اور جو ان کی طرح ہیں یہ سب دنیا میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کے حکم سے مربی ہیں، ان کی طرف شریعت حقہ کے موافق رجوع و تواضع کرنا چونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اس لیے حقیقت میں اس عنوان سے ان کے ساتھ تواضع اور رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تواضع و رجوع کرنا ہے یا سلطنت و بادشاہت ہوا کرتی ہے اور سلطنت و بادشاہت بھی آیت کریمہ **مَلِکِ النّاس** کے مطابق اس جل سلطانہ کے لیے ہے۔ یا

معبودیت اور الوہیت ہوتی ہے کیوں کہ عقل و عرف کی رو سے دنیا میں رجوع و اعتماد اور تواضع و خشوع اله اور معبود کے ساتھ ہونا درست بلکہ واجب اور لازم ہے۔ یہ معبودیت اور الوہیت بھی اس آیت کریمہ اِلٰہِ النَّاسِ کے مطابق بے چون حقیقی کی مقدس بارگاہ کے لیے مسلم و مخصوص ہے، نفس انسانی اور وسوسہ شیطانی کہ جس کے شر سے پناہ مانگنے کا حکم اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس آیۃ (ترجمہ) "میں وسوسہ ڈالنے والے پیچھے ہٹ جانے والے کے شر سے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے خواہ وہ جنات میں سے ہو یا آدمیوں میں سے ہو" میں فرماتا ہے (۱۷۲) یہ دونوں دشمن گھات لگائے بیٹھے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس حقیقی مربی اور معبود اور حقیقی بادشاہ سے بندہ کو دور کر دیں اور اس کے ماسوا میں گرفتار کر دیں اور نمایاں و پوشیدہ شرک کی طرف رہنمائی کریں اس قسم کے ملعون کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا لازم ہے، ہمیشہ پناہ مانگتے رہنا چاہیے اور ان تینوں اوصاف کو جو کہ اس سورۂ مبارکہ میں مذکور ہیں کامل طریقہ پر اس مقدس بارگاہ میں منحصر تصور کرنا چاہیے تاکہ دشمن کے شر سے محفوظ رہے اور بارگاہ قدس میں راہ پائے، ربنا آتنا من لدنک رحمۃً وَهِيِّئ لنا من امرنا رَشَدًا

جلد اول کے مکتوب ۵۲ بنام ارشاد مآب میر محمد نعمان قدس سرہ فصیح عربی میں یہ مکتوب ہے جو آیۃ کریمہ یٰاَیُّها الذین امنوا اتقوا الله حق تقاته کی تاویل اور مع التی تلها کے مفہوم پر مشتمل ہے جو اتفاق سے مکمل نہیں ہو سکا لیکن جس قدر ہے من و عن نقل کیا جاتا ہے۔

متن

حققنا اللّٰه سبحانه و ایاکم بکمال الانقطاع ......الخ اللہ تعالیٰ

ہمیں اور آپ کو اپنے ماسوا سے کمال انقطاع اور بے تعلقی کے ساتھ متحقق اور مشرف کرے ایسے کہ باطن کی آنکھ میں نہ اس کا عین باقی رہے اور نہ اثر باقی رہے تا کہ کامل انقطاع حاصل ہو جائے جس کی طرف اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اشارہ کیا گیا ہے وَ تَبَتَّلْ الیہ تَبْتِیْلاً یعنی نفس اور تمام لطائف عالم امر و عالم خلق سے اور کمالات وجودیہ سے جو کہ ان لطائف کی طرف رجوع کرتے ہیں کامل انقطاع کر لے اور تقویٰ کی حقیقت یہی انقطاع اور بے تعلقی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان یٰآیہا الذین اٰمَنُوْا اتقوا اللّٰہ حَقَّ تُقٰتِہٖ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے یعنی صورتاً ایمان لانے والو ماسوی اللہ سے قطع تعلق کر لو اور اللہ تعالیٰ کی طرف خلوت اختیار کرو اور حضرت ذات مطلق کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے موانع اور قیود سے پوری طرح قطع تعلق کر لو جیسا کہ قطع تعلق کرنے اور الگ ہو جانے کا حق ہے۔ اس طرح پر کہ تمہاری ذات اور تمہاری طرف لوٹ آنے والے کمالات کا کچھ بھی اثر باقی نہ رہے اور تمہاری فنائیت تمام لطائف عالم خلق و امر میں سرایت کر جائے اور تم اس موت کے ساتھ ہرگا نہ مرو جو کہ موت سے پہلے ہے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو یعنی ہمیشہ تمام احوال میں اسلام حقیقی سے مشرف ہو چکے ہو کہ اسمیہ ہونا مدام و استمرار پر دلالت کرتا ہے، اس لیے اس آیت کریمہ میں (۱۷۳) دائمی موت اور فنا پر ترغیب ہے تا کہ اس پر جو اسلام اور بقا مرتب ہو وہ بھی دائمی ہو بخلاف صاحب تجلی برقی کے کہ وہ دائمی موت (فنا) سے نہیں مرا تا کہ یہ تجلی بھی اس کے حق میں دائمی ہو جاتی، جان لیجیے کہ تجلی برقی کسی چیز میں خالص تجلی ذاتی سے نہیں ہے اور بلاشبہ وہ تجلی ذاتی شان الٰہی کے ملاحظہ کے ساتھ ہے جو کہ جلدی پوشیدہ ہو جانے والی ہے

اور ذات جب جلوہ افروز ہے تو اس کے لیے پوشیدگی نہیں ہے اور تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو یعنی حقیقت جامعہ کلیہ جس کو حقیقت محمدیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ اس رسی کو مضبوط طریقہ سے پکڑنا حضرت ذات مطلق کی بارگاہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہو جائے اور اسماء و اعیان جزیہ کے متفرق ہونے کے ساتھ تم بھی متفرق نہ ہو جاؤ، اس لیے اسمائے جزیہ اور طریق متفرقہ جب تک حضرت اجمال تک منتہی نہیں ہوں گے اس وقت تک تم بارگاہ ذات مطلق تک نہیں پہنچو گے اور تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو اس کے بعد تم کو حقیقت جامعہ میں جمع کیا جب کہ تم اسماء کے متفرق ہونے کے ساتھ دشمن تھے کیوں کہ ان کے بعض کا مقتضی دوسرے بعض کے مقتضی سے ٹکراتا تھا پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اس طرح پر کہ تم کو ایک ہی حقیقت جامعہ میں جمع کر دیا اور تم کو ایک قلب واحد یعنی قلب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر کر دیا پس تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے جو کہ ایک حقیقت سے پیدا ہوئے ہیں اور اس سے فیوض لینے والے ہیں جیسا کہ سب بھائی ماں سے اخذ کرتے ہیں۔

یہ قلیج خان کے نام مکتوب ۱۱ ہے جو ان کے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے جس میں آیات کی تفسیر اور احادیث کی شرح بھی ہے، کامل طور پر نقل کر رہا ہوں:

فتح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وآلہٖ اجمعین آپ کے مکتوب گرامی نے جو چند سوالات اور دل کش اشعار پر مشتمل تھا، مشرف کیا، اپنی ناقص سمجھ کے مطابق ہر سوال کے حل میں کچھ لکھا جاتا ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ

سلامت روی کی توفیق دینے والا ہے۔

پہلے سوال کا حاصل یہ ہے کہ **سَبقَتْ رحمتی غضبی** (میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے) کا تقاضا یہ ہے کہ تعداد میں اہل رحمت اہل غضب سے زیادہ ہوں حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کیوں کہ گنہگار انسانوں اور جنات کی تعداد ان دونوں گروہوں کے نیکوں سے زیادہ ہے اور شرع اسلامی کے مکلّف یہی دو گروہ ہیں اس لیے رحمت کا سبقت لے جانا کس طرح درست ہوسکتا ہے اور اس پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے۔

(۱۷۴) جواب، دنیا میں اللہ جل شانہ کی رحمت مومن اور کافر دونوں کے شامل حال ہے آیہ کریمہ ہے **وَرحُمتی وسعت کل شَی** (اور تیری رحمت ہر چیز پر محیط ہے) اس پر دلالت کرتی ہے اور کل قیامت کے دن اللہ کی رحمت مومنوں کے ساتھ مخصوص ہوگی اور کافر اس سے محروم ہوں گے قرآن مجید میں ہے **فَسَا کْتبُهَا لِلّذین یَتَّقُونَ ویُؤتُونَ الزکٰوۃ** (پس میں وہ رحمت ان لوگوں کے ہاتھ ضرور لکھوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکٰوۃ دیتے ہیں) اس موضوع پر دلالت کرتی ہے رحمت کا غضب پر سبقت رکھنا دنیا میں سب کے لیے ہے آخرت میں مومنین کے ساتھ مخصوص ہے، مومنین کی ایک جماعت جو کہ گناہوں کے کسب کرنے کی وجہ سے غضب الٰہی کی مستحق ہو چکی ہے ان کو کمال مہربانی اور رحمت سے بخش دیا اور جنت میں داخل کر دیا جائے گا، ان کے بارے میں رحمت الٰہی غضب الٰہی پر سبقت کرے گی، اگر غضب پر رحمت کی سبقت نہ ہوتو ہم جیسے گناہگاروں کو دنیا و آخرت میں نجات کی کوئی امید نہ رہے یہ سبقت رحمت ہی کی وجہ سے ہے کہ ہم اس قدر گناہوں کے باوجود روئے زمین پر چل رہے ہیں اور ہلاک نہیں ہوتے اور قسم قسم کی نعمتوں سے

لذت اندوز ہیں اور قیامت کے روز نجات کے امیدوار بھی ہیں اگر ہم غضب پر سبقت رحمت کا مطلب ان لوگوں کی تعداد کے اعتبار سے شمار کریں جن پر رحمت اور غضب ہوا جیسا کہ سائل کا ذہن اس جانب گیا ہے تو بھی درست ہے کیوں کہ اہل رحمت اہل اطاعت انسان، جن اور فرشتے ہیں، اہل غضب کافر انسان اور جن ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ فرشتوں کی تعداد انسانوں اور جنوں سے زیادہ ہے اور اہل رحمت کو اہل اطاعت انسانوں اور جنوں کے ساتھ مخصوص کرنا ہے اور ملائکہ کرام کو ان میں شامل نہ کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیوں کہ یہ سب امر الٰہی کے ساتھ مامور اور اہل طاعت ہیں، (ارشاد باری تعالیٰ ہے) (ترجمہ)
''اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جو کچھ بھی حکم دیتا ہے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس چیز کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ اس کی تعمیل کرتے ہیں'' جو کوئی بھی امر الٰہی سے مامور ہے وہ مکلفین میں سے ہے اور مکلفین کا مطلب یہ لینا ہے کہ اس کے افراد میں اہل طاعات اور گنہگار سب ہوں نا قابل قبول ہے اگر اس کو مان لیا جائے تب بھی اہل تکلیف ان دو قسم یعنی (انسان اور جن) میں احصار مسلم نہیں ہے، بظاہر انسانوں اور جنات کے علاوہ مختلف اجناس سے اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ہیں جن میں اہل طاعت بھی ہیں اور گنہگار بھی، وہ اپنے اپنے عمل کی مناسبت سے عذاب وثواب دیے جائیں گے جیسا کہ روایت میں درج ہے اور اہل رحمت کی تعداد کا زیادہ ہونا ان کے اندازے کے مطابق ہوگا (قرآن مجید میں ہے) (ترجمہ)

''اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔''

دوسرے سوال کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا جب کہ وہ دن ختم نہ ہوگا کوئی نبی یا غیر نبی جنت میں نہیں جائے گا ایک

مختصر دنیا کی زندگی کا حساب پچاس ہزار سال میں لینا خاص طور پر مومنوں کا حساب انصاف سے دور معلوم ہوتا ہے۔

جواب۔ حساب تو بہت تھوڑی مدت میں ہو جائے گا، بدور السافرہ (۱۷۵) میں تحریر ہے کہ اس روز اعمال کے حساب کا فیصلہ ایک ساعت کی مقدار میں ہو جائے گا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مخلوق کے محاسبہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ جس طرح ان کو اس دن کے ابتدائی حصہ میں رزق دیا جاتا ہے اسی طرح ایک ساعت میں ان کا حساب کر لیا جائے گا اور تفسیر قاضی بیضاوی میں اللہ پاک کا ارشاد نقل ہوا ہے ''کہ مخلوق کا حساب اتنی مدت میں کر لیا جائے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے'' اور ایک شخص کا حساب دوسرے کے حساب سے مانع نہیں ہوگا، قیامت کے دن کی اس قدر طوالت حضرت مالک یوم الدین اللہ جل جلالہ کی عظمت اور بزرگی و جاہ و جلال اور بے نیازی کی وجہ سے ہے، بزرگوں کے دروازے پر انتظار کرنا ناگزیر ہے اور یہ انتظار استغنا اور ملال کے مطابق ہوگا، اس دن کی سختی اور عذاب کی طرح جو کافروں اور فاسقوں کے ساتھ مخصوص ہے، قرآن مجید میں ہے (ترجمہ) ''اور وہ دن کافروں پر بہت ہی تنگی کا ہوگا'' اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مقربین یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور تمام اہل اطاعت اور تقوی اس دن اس سختی اور عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ ''ان کو اس دن کی بہت بڑی پریشانی غمگین نہیں کرے گی اور ان سے فرشتے ملاقات کریں گے'' ان میں سے بعض حضرات عرش کے سایہ میں ہوں گے اور بعض نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے بعض مسندوں پر اور بعض مشک کے چبوتروں پر اور بعض مساجد میں

ہوں گے یہ سب نیک اصحاب آراستہ مقامات میں قرب الٰہی کی لذت سے بہرہ مند ہوں گے، جنت کے کھانوں کے خوان اور مشروبات کی صراحیاں ان کو ملیں گی، جب کہ دوسرے سختی میں مبتلا ہوں گے بعض جنت میں جائیں گے وہاں سے پھر میدان حشر میں آ جائیں گے، بعض لوگوں کے لیے وہ دن اس قدر شدت اور طوالت کے باوجود فرض نماز کے وقت سے بھی کم ہو جائے گا اگرچہ اہل اطاعت کے لیے بھی اس دن ایسا وقت آ سکتا ہے کہ جس میں وہ خوف زدہ ہو جائیں لیکن ہمیشہ کا خوف و ہراس اور دائمی عذاب اور سختی باغی لوگوں کے لیے ہو گی، نیک لوگوں کا معاملہ الگ میدان حشر یا برزخ یا جنت میں جہاں کہیں بھی ہوں گے قرب کے درجات میں ہوں گے، جو مصائب بھی ہیں وہ گناہگاروں پر ہیں۔

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب تک وہ دن ختم نہیں ہو جاتا بنی آدم میں سے کوئی شخص بھی خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی بہشت میں نہیں جائے گا، عجب ہے، آپ نے یہ کہاں سے درج کیا ہے؟ قرآن اور حدیث سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ اس کے خلاف ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ (ترجمہ) ''بے شک اہل جنت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش دل ہوں گے'' ایک اور مقام پر فرمایا ہے (ترجمہ) ''جنت والوں کے لیے اس دن بہترین ٹھکانا ہو گا اور دوپہر کے لیے بہترین آرام گاہ ہو گی''، قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''اور روایت کی گئی ہے کہ بلاشبہ اس دن کے آدھے حصے میں حساب سے فراغت ہو جائے گی اس لیے اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں چلے جائیں گے'' (۱۷۶) اس بارے میں بہت سی احادیث ہیں ان میں سے بعض یہاں بیان کی جاتی ہیں:

بدور السافرہ میں لکھا ہے کہ ابن مبارک، طبرانی اور ابن حبان نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما سے روایت کی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا قیامت کے دن تمام مخلوق کو جمع کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اس امت کے فقراء کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہو جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم نے کیا عمل کیا؟ وہ جواب دیں گے ''اے ہمارے رب تو نے ہمیں آزمائش میں ڈالا تو ہم نے صبر کیا اور تو نے امور کا والی غیروں کو بنایا'' اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم نے سچ کہا تو وہ دوسرے لوگوں سے ایک زمانہ پہلے جنت میں داخل کیے جائیں گے، اہل مال و جاہ کا بھی حساب ہو گا اور اس کی شدت باقی رہے گی، صحابہ نے سوال کیا کہ اس دن مومنین کہاں ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے لیے نور کے منبر رکھے جائیں گے ان پر بادل سے سایہ کیا جائے گا اور یہ دن مومنین کے لیے ضیافت کے دن کی ایک ساعت سے بھی کم ہو گا، ابن جریر (رضی اللہ عنہ) نے سعید الصواف سے روایت کی ہے انہوں نے کہا کہ مجھ کو یہ روایت ملی ہے کہ بے شک قیامت کا دن مومنین کے لیے چھوٹا کر دیا جائے گا، اتنا کہ عصر اور مغرب کے درمیانی وقفہ کے برابر ہو گا، وہ جنت کے باغ میں قیلولہ کریں گے، یہاں تک کہ لوگ حساب سے فارغ ہو جائیں، اللہ پاک کا فرمان ہے۔ (ترجمہ) ''اہل جنت کے لیے اس دن بہترین ٹھکانا ہو گا اور دوپہر کے لیے بہترین آرامگاہ ہو گی'' اس کا یہی مفہوم ہے کہ، قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوسکتا ہے کہ کافروں پر اس دن کی شدت کی وجہ سے ہو، قاضی بیضاوی نے اللہ تعالیٰ کے اس قول ''فی یوم کان مقدارہٗ خمسین الف سَنَۃٍ'' کی تفسیر بیان

کرتے ہوئے لکھا ہے:

کہ اس دن کی طوالت یا تو کفار پر اس دن کی شدت کی وجہ سے ہے یا اس دن میں حالات ومحاسبات کی کثرت کے باعث ہے یا یہ کہ وہ حقیقت میں ایسا ہی ہے۔ تفسیر کواشی میں تحریر ہے کہ وہ دن کافروں کے لیے شدت کے باعث پچاس ہزار سال کا ہوگا لیکن مومنین کے لیے اس کا دورانیہ فرض نماز کے برابر ہوگا، اور مذکورہ تفسیر میں اس آیت (ترجمہ) ''ایک دن میں جس کی مقدار تمہارے شمار کے مطابق ایک ہزار سال ہے'' لکھا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ''مخلوق کے تمام اعمال اور منصوبے قیامت کے روز اس کی طرف لوٹیں گے اور اس دن کی مقدار ایک ہزار سال کے مساوی ہوگی'' اس لیے پچاس ہزار سال کے برابر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ یہ دن کفار میں بہت سخت ہوگا یہاں تک کہ پچاس ہزار سال طویل ہوگا لیکن مومنین پر آسان ہوگا یہاں تک کہ فرض نماز ادا کرنے کے برابر ہوگا، کتاب بدور السافرہ میں ہے کہ احمد، ابویعلیٰ، ابن حبان اور بیہقی نے اسے سند حسن کے ساتھ ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق سوال کیا گیا جس کی مدت پچاس ہزار سال ہے کہ یہ دن کتنا طویل ہوگا؟ (۱۷۷) آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر آسان ہوگا یہاں تک کہ فرض نماز سے بھی آسان ہوگا جو وہ دنیا میں پڑھتا ہے، ایک اور روایت یہ ہے کہ مومنین کے لیے ظہر وعصر کے درمیانی وقفہ کے برابر ہوگا، اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نسبت سے ہر چیز انصاف کے خلاف اور ظلم نہیں ہے اگر وہ تمام مخلوقات کو دوزخ میں بھیج دے تو یہ کوئی زیادتی نہیں ہوگی کیوں کہ یہ اپنی ملک وملک میں

اس کا تصرف ہے کسی دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا ظلم ہے اور وہ سبحانہ وتعالیٰ مطلق طور پر تمام کائنات کا مالک ہے وہ اپنی ملکیت میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے اس سے اس کے کسی فعل کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا جا سکتا اور لوگوں سے ان کے افعال کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

تیسرے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث پاک **جفُّ القلم بما هو کائن** (قلم ہر ہونے والی چیز کو لکھ کر خشک ہو گیا) کے مطابق یوں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کیے ہوئے امور پر مجبور ہوا اس لیے اس طرح کام معطل ہو جائے گا اور اس آیت (ترجمہ) ''ہر دن وہ ایک نئی شان میں ہے''، (ترجمہ) ''اللہ جس حکم کو چاہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہے ثابت رکھتا ہے'' کے معنی پھر کیا ہوں گے؟

جواب۔ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے ازل سے مقدر درج کر دیا ہے کہ میں اپنے ارادہ اور اختیار سے بعض اوقات ایسا اور ایسا کروں گا، تقدیر ازلی کے مطابق حق تعالیٰ ہمیشہ اپنے اختیار کے ساتھ کام میں ہے اور بیکار نہیں ہے اور اس پر کوئی جبر نہیں ہے، یہ تقدیر ازلی کے اپنے اختیار سے کروں گا اختیار کی تائید کرنے والی ہے اس کے منافی نہیں ہے اور جس کتاب میں مٹانا اور قائم رکھنا ہوتا ہے وہ لوح محفوظ ہے اور اس کا محو اور اثبات بھی ازل میں مقدر ہو چکا ہے اور قلم خشک ہو چکا ہے اور یہ جو آپ نے لکھا ہے **وَ عِندَہٗ علم الکتِاب** (کتاب کا علم اس کے پاس ہے) دراصل اعتراض کی بنیاد پر اس مبارک آیت پر رکھنا غلط ہے، قرآن مجید میں ہے (ترجمہ) ''اور اس کے پاس ام الکتاب ہے'' یا ہم یوں کہتے ہیں کہ قلم کا خشک ہونا ہمارے اعتبار سے ہے کیوں کہ ہم وقت کے گرفتار

ہیں اور اللہ تعالیٰ کہ جس پر زمانہ جاری نہیں ہے ماضی و مستقبل اور ازل و ابد اس تعالیٰ شانہ کے نزدیک آن واحد ہے، اس لیے تقدیر و خلق ایک ہی آن میں واقع ہے مقدم و موخر ہونے کی اس بارگاہ میں گنجائش نہیں ہے۔

چوتھے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ سید عالم علیہ و علٰی آلہ الصلوۃ والسلام نے مقام محبوبیت حاصل ہونے کے باوجود مقام حیرت کی آرزو کیوں کی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **رب زدنی تحیراً فیک** (اے میرے رب اپنے بارے میں میرا تحیر زیادہ کردے)

جواب۔ جاننا چاہیے کہ حیرت معرفت سے کنایہ ہے **اعرفهم باللہ اشد هم تحیرا فیه** (اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ معرفت والا اس کے بارے میں سب سے زیادہ تحیر والا ہوگا) اس لیے ''تحیر'' کی زیادتی کا سوال کرنا زیادتی معرفت کا سوال کرنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کوئی انتہا نہیں ہے ''محبان و محبوبان'' سب کے سب معرفت کی زیادتی کے طالب ہیں یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ معرفت کا حق ادا ہو سکتا ہے اور معرفت کی کوئی انتہا ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس سوال کے بعد کمال معرفت کے ایسے درجے پر پہنچے (۱۷۸) ہوں جس کے اوپر کسی اور درجے کا تصور نہیں کیا جا سکتا یا یہ دعا امت کی تعلیم کے لیے ہے۔

پانچویں سوال کا حاصل (و جواب) میرے مخدوم! کمال محبت کا مقتضا محبّ و محبوب کے درمیان سے دوئی کا دور ہو جانا اور بشریت و امکان اور ان دونوں کے احکام سے پوری طرح آزاد ہو جانا ہے کیوں کہ جس قدر امکان و بشریت ممکن ہے اس قدر وہ مطلوب کے لیے محال ہے اور دوئی

سے خالی اور دور ہونا ممکن نہیں ہے شیخ عطار فرماتے ہیں۔

''کیا تو نہیں دیکھتا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسی عظیم ہستی کو کامل فقر حاصل نہیں ہوا اب تو بھی رنجیدہ نہ ہو۔'' (ترجمۂ شعر)

اسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہوگا '' کاشکے محمد کا رب محمد کو پیدا نہ کرتا'' اور یہ بھی فرمایا '' میں تیری حمد کا احاطہ نہیں کرسکتا تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی تعریف خود کی ہے'' اس لیے جہاں تک ممکن سے امکان باقی ہے واجب لذاتہ کی جہاں تک کہ اس کا حق ہے تعریف کرنے سے عاجز ہے، چونکہ معروف میں فنا ہونا ہی معرفت ہے اس لیے معرفت کا حق حاصل نہیں ہوگا چونکہ فنا کا کمال دوئی کا ختم ہو جانا ہے جو کہ وجوب ذاتی کو مستلزم ہے اس لیے (حدیث پاک میں آیا ہے) ''ہم نے تم کو نہیں پہچانا جیسا کہ تیرے پہچاننے کا حق ہے'' یا ہم اس طرح کہتے ہیں کہ اس حدیث کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے میں کلام ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا '' اے عائشہ مجھ سے بات کر'' کسی قوی کیفیت کے ورود کے وقت ہے کیوں کہ وجود اس کے برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس وقت چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو دوسرے امور میں مصروف رکھے تاکہ اس مرتبہ کچھ وقت کے لیے ہلکا ہو جائے اور تباہی و بربادی میں نہ پڑے، مولوی (رومی) کہتے ہیں۔

''میرے شعر میں جو میرے تکلفات ہیں یہ میرے لیے کلمینی یا حمیرا کا مصداق ہیں'' (ترجمۂ شعر)

کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ اصطخری سگ بانوں کے ساتھ سیر وتفریح کے لیے صحرا میں جایا کرتے تھے تاکہ کچھ دیر اپنے وجود کے بارے میں آرام

حاصل کریں۔

چھٹے سوال کا حاصل یہ ہے کہ میت کی روح کو ثواب پہنچانے کے لیے تیسرے یا دسویں روز کھانا کھلانا اور تیسرے روز پھول دینا کہاں سے ثابت ہے؟

جواب۔ میرے مخدوم کسی رسم یا دکھاوے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے لیے کھانا کھلانا اور اس کا ثواب میت کو بخشنا بہت اچھی بات اور بڑی عبادت ہے لیکن وقت مقرر کرنے کی کوئی قابل اعتماد اصل ثابت نہیں ہے، تیسرے روز مردوں کو پھول دینا بدعت ہے، البتہ عورتوں میں سوگ دور کرنے کے لیے تیسرے روز کوئی خوشبو لانا روایت میں وارد ہوا ہے کیوں کہ میت کی منکوحہ کے علاوہ باقی رشتہ داروں میں سے کسی کو تین دن سے زیادہ سوگ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، تیسرے روز خوشبو لائیں تاکہ مرنے والے کی منکوحہ کے علاوہ باقی عورتیں سوگ ختم کردیں۔

(۱۷۹) ساتویں سوال کا حاصل یہ ہے کہ آپ نے ان پیرزادوں کے بارے میں پوچھا ہے جو وراثت کے طور پر باپ کی جگہ سجادہ نشین ہوجاتے ہیں اور مرید کرتے ہیں۔

جواب: میرے مخدوم! ایسے باپ کی جانشینی کے لیے جو کہ مقتدیٰ ہو معنوی وراثت ہونی چاہیے جو کہ معنوی ولادت سے وابستہ ہے جس سے مراد باپ کے کمالات کے ساتھ متحقق ہونا ہے، ظاہری ولادت کا نتیجہ ظاہری وراثت ہے جو کہ باپ کے مال کا حاصل کرنا ہے نہ کہ معنوی وراثت کا حاصل کرنا جو کہ ارشاد و تکمیل ہے، اس لیے صرف ولادت صوری کی وجہ سے ولادت معنوی میں دخل دینا خطرناک ہے۔ رسمی پیری مریدی سے کچھ فائدہ نہیں ہے، آپ نے نابالغ لڑکے کے بارے میں

دریافت کیا تھا کہ اگر کوئی کامل اپنی فراست باطنی سے یہ معلوم کر لے کہ اس کا بچہ بالغ ہونے کے بعد اس کا انتظام کر لے گا اور وہ معنوی وراثت حاصل کر لے گا اور لوگوں کو اس سے بیعت کرا دے اور اس بچے کو اپنا جانشین بنا دے تو گنجائش ہے، والسلام علیکم

اس مبارک جلد (اول) کا تیسواں مکتوب بنام سیادت پناہ میرک شیخ ہے جو کہ اس آیۃ کریمہ **ما عند کم ینفد وما عنداللّٰہ باق** کے اسرار پر مشتمل ہے یہ بھی کامل طور پر نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

اللہ تعالیٰ آپ کی ذات بابرکات کو اپنی عنایات میں شامل فرما کر باطنی جذبات اور واردات کے ساتھ سربلند رکھے:

''دوست کی جو بات بھی بیان کی جائے پسندیدہ ہے''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے (ترجمہ) ''جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہونے والا ہے اور جو کچھ اللہ پاک کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے'' یہ آیت مبارکہ قرب کے مراتب کی جامع اور اہل اللہ کے سیر وسلوک کے نسخہ کا حاصل ہے اس میں کلمہ **ما** جو کہ اس آیت کے آغاز میں ہے اس کا عموم تمام مراتب نفی کو شامل ہے اور اس آیۃ کے رموز کے ساتھ متحقق ہونا ماسوا کے نام ونشان باطل کر دیتا ہے اور کامل فنا سے ملا دیتا ہے جو کہ ولایت کا رکن اعظم ہے اور **ما عِندَ اللّٰہِ بَاقٍ** کے مراتب کا جامع ہے اور بقا کے لیے جو کہ فنا پر مبنی ہے ایک رمز ہے اور ولایت کا دوسرا رکن ہے، ولایت کے مراتب میں تفاوت ان ہر دو رکن کے حصول میں سالکوں کے قدموں کے تفاوت کے اعتبار سے ہے، کوئی شخص ان دونوں ارکان میں جس قدر راسخ قدم رکھتا ہے ہوگا اتنا ہی کمالات ولایت میں کامل ہوگا، سالکین میں

سے ہر شخص ان دونوں کمالات کے حاصل کرنے میں بقدر ہمت اور قابلیت کوشش کرتا ہے اور قابلیت رکھنے والا ہے جو اس آیت پاک کے اسرار کے بحر زخار میں غوطہ زنی کر کے ان دونوں کمالات کے جواہر نفیسہ سے کامل حصہ حاصل کرتا ہے اور مراتب نفی کو طے کر کے اثبات کے بلند درجات سے کچھ حصہ پاتا ہے۔

''پردۂ غیب میں بہت سی سعادتیں ہیں دیکھیے کہ کس کی جیب میں ڈالتے ہیں۔'' (ترجمۂ شعر)

(۱۸۰) اللہ تعالیٰ نبی اکرم اور آپ کی آل امجاد علیہ و علیہم الصلوٰت والتسلیمات والتحیات والبرکات کے طفیل ہم جیسے درویشوں کو ان رموز کے ساتھ ایمان نصیب فرمائے اور اس سے ایک گھونٹ عطا کرے۔ (آمین)

یہاں آپ کے مکاتیب شریفہ ختم ہو گئے جو کہ آیات کے اسرار اور تاویلات اور احادیث کے بیان اور انوار پر مشتمل تھے۔

اگرچہ ایسے بہت سے اور مکاتیب بھی ہیں جن میں احادیث کا ذکر ہوا ہے لیکن اختصار کے پیش نظر انہیں پر کفایت کی جا رہی ہے، اس کتاب کی تالیف کے وقت ایک کثیر التقریر طلب علم نے سوال کیا کہ اس قدر اذکار جو اس کتاب میں شامل ہیں اختصار کی رعایت کے کیا معنی ہوئے؟ ''اختصار'' کا لفظ سائل پر منحصر ہے۔ جو کہ معدن الجواہر کی طرح ہے نہ کہ طوالت پر کیوں کہ یہ کتاب تمام فصول و ابواب جو کہ مفتاح اور کنز کی بشارت کو حاصل ہے چالیس اجزا سے کم میں (مکمل) ہوتی نظر نہیں آتی بلکہ اس سے بڑھ جانے کے امکانات ہیں، ان مقامات کی تحریر کے لیے اللہ سبحانہ سے ایسی زندگی طلب کرنا چاہیے جو موانع اور آفات سے پاک ہو، اگر کثیر العقیدت شائقین کی ہمت کا قصور ملحوظ خاطر نہ ہوتا تو اس کے تحریر شدہ ابواب (مفتاحات) ہی چالیس اجزا

تک پہنچ جاتے بلکہ اب تک معاملہ یہاں تک نہ پہنچتا بلکہ قلم اب تک مفتاح ہی کامل شوق سے لکھ رہا ہوتا، یہ بات میرے تجربہ میں آئی ہے ایک عزیز نے اس قسم کے مقامات پر مشتمل ایک کتاب تالیف فرمائی ہے اس مقدمہ کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے تیس سال سے بھی زیادہ عرصہ اس کے لیے صرف کیا انہوں نے اسے مکمل کیا یا نہیں ان کا اس دار پرملال سے وصال ہو چکا ہے، اس کے باوجود کہ محبین کی اکثریت نے جانفشانی کی اور حضرت خواجہ کے مقامات سننے کا شوق رکھنے والے اس کی طرف التفات ہی نہیں کرتے، بلکہ تعجب نہیں ہے کہ بعض بوالہوس اس کا تمسخر کریں، اور اپنے (اعمال) کا کارخانہ برباد کر دیں، چونکہ حضرات القدس اور زبدۃ المقامات میں اختصار سے کام لیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی ہر مجلس میں شہرت ہے، کہاں تک اطناب کیا جائے اور اعزہ عالی مقدار کا وقت برباد کروں:

عمر بہ گذشت و حدیث درد ما آخر نہ شد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

''اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کی ہیں اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں ان کافروں پر مدد دے۔''

مفتاح پنجم

حضرت خواجہ کے ملفوظات اور تصرفات (کرامات)

کا بیان اور اس سے مماثل دوسرے امور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱۸۱) و کان حقا علینا نصر المؤمنین اللھم صلِ و سلم علیٰ سید الرسل و افضل الانبیاء سیدنا و مولانا محمد و آلہٖ و صحبہٖ و اتباعہٖ الیٰ یوم الجزاء و صل علیٰ جمیع الانبیاء و سائر الاولیاء و العلماء و الشھداء والصالحین والملائکۃ المقربین الیٰ یوم الدین۔

عالم معانی کی دنیا کے بلدان، وحیٔ آسمانی کے ورق خوانان، خوشگوار نشہ کے ساقیان، جلوۂ نور بہار کے شاہدان، بادۂ وحدت کے سرخوشان، عالم کثرت کے گرفتاران، اسمای ربانی کے شارحان، آیات قرآنی کے مفسرین، انوار لاریب کے ناظران اور پردۂ غیب کے اسرار کے کاشفان، عالی فطرت دانشوران، دارالحکمت کے ساکنان، نکتۂ نجیب کے منتخبان، قصۂ عجیب کے سامعین، ملت بیضا کے سمندر کے غواصان (خوطہ خوران)، اسرار صحبت کے رقاصان، محفل قیومی کے طلت افروزان، مجلس معصومی کے بہجت سروشان، گزار احمدی کے نکہت پایان، اسرار سرمدی کے خلوت گزینان، فواکۂ ریاضی کے رہبرداران، انوار سوادی و بیاضی کے محققان، بار امانت کے حاملان، مرتبۂ استقامت کے واصلان، قبلۂ اصحاب کرامات سے مستفیضان، قدوۂ ارباب ولایات، گوش سراپا ہوش سے نعرۂ ''ہای ہو'' گویان کہ جو حضرت خواجہ کے اسرار گہر بار، ملفوظات فرخندہ نکات اور بلند درجہ کی کرامات سننے کے منتظر ہیں پر یہ بات واضح ہے کہ آپ کے عظیم تصرفات و ملفوظات، گہرا علم اور پر تحقیق عمل (۱۸۲) دراصل شریعت غرا اور ملت بیضا سے مطابقت رکھتا ہے اور مشائخ مقتداء کی محبت میں

استقامت کامل حاصل ہے اور یہ تینوں خصائص آپ کی ذات اقدس میں بدرجہ اتم موجود ہیں، جس کی تفصیل میں نے سابقہ ابواب میں بیان کر دی ہے۔ اور باقی مختلف قسم کی کرامات اور خرق عادات جن کا تعلق عالم فانی سے ہے صاحب بصیرت اصحاب کے لیے چنداں قابل اعتبار نہیں ہیں، بلند پرواز شہباز ہمیشہ اپنی ہمت کو بلند رکھتا ہے، وہ دونوں بازوؤں میں کتاب و سنت لے کر عالم قدس کی طرف پرواز کرتا ہے۔ حق جل و علا کے اس قسم کے امور پر بغیر تحقیق کے ان اسرار پر اعتبار کر لیا جائے جن کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے، لیکن گمراہ فرقوں مثلاً جوگیہ، براہمہ اور فلاسفہ کا تو اس میں کوئی دخل ہی نہیں ہے، اگرچہ ان تینوں مذکورہ گمراہ فرقوں کی خوارق عادت حد و حساب سے باہر ہیں ان کی سخت ریاضت اور شدید مجاہدات ہی کے نتیجہ میں ان سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ اگر ان کی یہی ریاضتیں انبیائے کرام علیہم السلام کی متابعت میں ہوتیں تو کبریت احمر ہو کر نورٌ علیٰ نور ہو کر ظہور پذیر ہوتیں۔

بے عقل افلاطون اپنی عقل کے غرور میں مغرور تھا، جب حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی دعوت ملی تو اس نے بدگمانی کرتے ہوئے کہا "ہم تو ہدایت یافتہ قوم ہیں ہمیں کسی ہدایت دینے والی کی حاجت نہیں ہے" ...... (تو اس انکار کے باعث) وہ ابدی عذاب میں گرفتار ہو گیا۔ "ہم اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے ہیں......" (۱۸۳) افلاطون بے دولت کا اس دعوت سے انکار کا سبب بھی وہی کرامات تھیں جو اس سے ریاضات شاقہ کے باعث سرزد ہو جاتی تھیں۔

سلطان وقت شیخ ابو سعید ابوالخیر سے کہا گیا کہ فلاں تو اڑتا ہے، فرمایا کہ چیل اور مکھی بھی تو اڑتی ہیں، فلاں تو پانی پر چلتا ہے، کہا کہ یہ تو آسان ہے پرندے اور مولے بھی تو پانی پر چلتے ہیں، کہا گیا کہ فلاں ایک لمحہ میں ایک شہر سے دوسرے شہر جاتا ہے، فرمایا کہ شیطان بھی تو ایک سانس میں مشرق سے مغرب جاتا ہے، اس قسم کی باتیں بے وقعت ہیں مرد تو وہ ہے جو خلقت سے مل کر رہے اور اس کی بیوی بھی ہو اور

اس (کے باوجود) اس کا دل ایک لمحہ کے لیے بھی حق جل وعلا سے غافل نہ ہو۔

میں نے رسالہ معدن الجواہر کے معدن سوم کے دیباچہ میں جو کہ عالی حضرت (شیخ محمد صبغۃ اللہ) **قدسنا اللہ سبحانہ** کے تصرفات، خرق عادات اور کرامات سے متعلق ہے، لکھا ہے جسے اس موضوع کی مناسبت سے یہاں نقل کر رہا ہوں:

حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے کلیم **علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام** کے متعلق فرماتا ہے:

(ترجمہ) ''اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں دیں'' اس لیے اگر حضرت حق جل وعلاء (کے قول) پر اعتماد ہو کہ اس نے انبیاء کرام کو بکثرت کرامات اور خرق عادات سے موصوف کیا تھا اور اکابر حضرات نقشبندیہ **قدس اللہ تعالیٰ ارواحھا و اھالیھا و اسرار موالیھا** کو حضرات انبیاء **علیھم الصلوٰۃ والسلام** کی کمال متابعت کے باعث کرامات تو ان کی پشت پا کر دیں اور خرق عادات کو ان کی انگشت شہادت کے اشارے پر رکھ دیا۔

ایک شخص نے قطب المحققین وارث المرسلین حضرت خواجہ نقشبند **قدس اللہ تعالیٰ سرہ** سے کرامت کا تقاضا کیا، تو فرمانے لگے کہ یہ کیا کم کرامت ہے کہ اس گناہوں کے بوجھ سمیت میں زمین پر موجود ہوں، اور مجھے ہلاک نہیں کیا گیا؟ سنو! سنو! خرق عادات کی پانچ قسمیں ہیں، ایک قسم تو وہ ہے جو حضرات انبیاء سے ظہور پذیر ہوئیں جسے معجزات کہا گیا ان کا اظہار واجب ہے، اگرچہ ان بزرگوں عام انبیاء پر عموماً اور حضرت خاتمیت رسالت پر خصوصاً **صلوٰۃ و سلام** ہو (۱۸۴) کی بعثت کا مقصد خلق خدا کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دینا ہے، اور دوسری قسم اولیاء کرام **علیھم الرضوان** سے ظہور میں آنے والی ہیں ان کو ظاہر کرنے سے زیادہ چھپانا ہی بہتر ہے، لیکن ان اولیاء میں سے ایک جماعت تو ان کرامات کے اظہار پر (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) مامور ہوتی ہے اور وہ اہل خدمات ہیں مثلاً وہ خدمت قطبیت، غوثیت

اور امامت وغیرہ اگرچہ یہ بھی دعوت وارشاد خلق پر مامور ہوتے ہیں، لیکن عوام کی نظر تو ان کے خرق عادت پر ہی لگی ہوتی ہے اس لیے ان اکابر سے ایک قسم کی خرق عادت جلوہ گر ہوتی ہے جسے کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ تسلیم کہ اولیاء کی کرامات برحق ہیں ...... اولیاء سے جو خوارق عادات ظہور میں آتی ہیں کرامت کا نام دیا جاتا ہے اسے تصرف بھی کہا جاتا ہے، کرامت کی ایک اور قسم ایسی ہے جو عام مومنوں سے سرزد ہوتی ہے لیکن یہ شاذ و نادر ہی ظہور میں آتی ہے اسے ''فراست'' کہتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے، ''مومن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ تو اللہ کے (عطا کردہ) نور سے دیکھ لیتا ہے'' شاید اسی پر شاہد ہے، اور (خرق عادت) کی وہ قسم جو کفار ناہنجار مثلاً جوگیہ، براہمہ اور فلاسفہ سے ظہور میں آتی ہے اسے ''استدراج'' کہا جاتا ہے اور قرآن مجید کی یہ آیۃ شریفہ ان کے حسب حال ہے (ترجمہ) ''(کفار نے مکر کیا) اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے زیادہ خفیہ تدبیر والا ہے'' (خرق عادت) کی ایک اور قسم وہ ہے جو جھوٹے جادوگروں سے ظہور میں آتی ہے جسے جادو کہا جاتا ہے کیوں کہ جادو برحق ہے اور جادوگر کافر، ان کے حال کی خبر دیتا ہے۔

جب یہ تمام معاملات و امور واضح ہو گئے تو اب میں یہ کہتا ہوں کہ اس امت کے اولیاء سے ہر وقت کرامات سرزد ہوتی رہتی ہیں، کبھی کم اور کبھی زیادہ کے تفاوت کا سبب یہ ہے کہ یہ عظیم الشان طبقہ اپنے ''عروج'' کے وقت بہت بلندی پر چلا جاتا ہے اور ''نزول'' کے وقت بہت نیچے آ جاتا ہے، زیادہ تر انہی حضرات سے خوارق سرزد ہوتے ہیں، اس جماعت کے مقابلہ میں جس کو زیادہ نزول ہوتا ہے جبکہ معاملہ فضل اس کے برعکس ہے اور جن کو ''عروج کامل'' کے بعد بہت ہی نزول ہوتا ہے سے زیادہ افضل ہیں اور وہ نزول کم کرتے ہیں، جیسا کہ آنسرور علیہ الصلوۃ والسلام عروج کے وقت بہت بلندی پر تشریف فرما ہوتے اور نزول کے وقت بہت ہی نیچے تک تشریف لاتے ان کی دعوات، خلقت میں شمولیت بھی ہوتی۔ بے شک نبوت اور رسالت

ولایات ثلاثہ صغریٰ، کبریٰ اور علیا کے انوار سے ماخوذ ہیں، ان کے سمندروں کے قطرات ہیں اور مقطعات قرآن دراصل ان کے اسرار کے رموز ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و انصارہٖ۔

(۱۸۵) اب میں اصل بات کی طرف آتا ہوں کہ بعض اولیاء اللہ اس قبیل کے ہیں کہ جن سے خوارق عادات سرزد ہوتے ہیں جن کو آشنا اور بے گانہ سب بیان کرتے ہیں لیکن ان (اولیاء) کو ان خوارق کے وجود کا مطلق علم نہیں ہوتا کیوں کہ یہ طبقۂ اولیاء ان (کرامات) اور اسرار خفیہ کے اظہار کے پابند نہیں ہوتے............

چونکہ یہ اولیاء بزرگوار اپنے آپ کو حق جل و علاء کی محبت میں فنا کر چکے ہوتے ہیں اگر اس کا کچھ ان کو حاصل ہوتا ہے تو وہ انہی کو ہوتا ہے۔ اگر وہ واصل ہوتے ہیں تو وہی ہوتے ہیں ان کا باطن ماسواء سے اس قدر منقطع ہو چکا ہوتا ہے کہ اگر ان کی عمر ہزار سال بھی ہو جائے تو ان کو "اخطار ماسوا[1]" کے تکلف کے سوا کچھ یاد نہیں آئے گا۔ اور نہ ہی ان کے دل میں کوئی خطرہ وارد ہو گا۔ بلکہ بعض حضرات نے تو ان کے بارے میں کہا ہے کہ اس حقیقت شعار طبقہ میں سے بعض کو تو اپنی ولایت کا بھی علم نہیں ہوتا اور اس سے ان کی ذات کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا......اس بحث کی تحقیق مکتوبات قدسی آیات سے بخوبی واضح ہے......معدن الجواہر کا اقتباس یہاں تمام ہوا[2]......

اب کامل ہوشمندی کے ساتھ ایک عجیب نکتہ سماعت فرمایئے، کہ سب سے بڑا معجزہ آیات قرآنی ہیں کہ قاف سے قاف تک اس کا نزول امن و امان ہی ہے یہ اس کی شان ہے کہ اکابر علماء نے اس کے دقائق کے حل سے عاجزی کا اظہار کیا ہے، اور اپنے حوصلہ اور قابلیت کے مطابق کچھ نہ کچھ لکھا ہے اور اپنی کوتاہی کا اعتراف کیا ہے، اس کی تلاوت ہر چھوٹے بڑے کے لیے آسان ہے اور اسی سے دنیائے اسلام میں مسلمانی ہے، قرآن مجید کا زندہ معجزہ یہ ہے کہ قیامت تک اس میں کوئی خلل نہیں ہو گا

---

[1] آگاہ ہونا، اخطار، جمع خطر   [2] تکرار نکات سابقہ

اور یہ اسی کامل بلاغت اور اس صرافت کے ساتھ ساری امت کے لیے حجت رہے گا۔
اس کی تلاوت میں شفا ہے اور اس کی قرأت دوا ہے، اس کے کلمات سے قادر جلیل جل سلطانہ کی ثنا ہوتی ہے، اس کے صفحات سے گناہگار انسانوں کے لیے رحم بھی نمایاں ہے (اس سے ارشاد ہے) ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو'' جس نے تباہ کار گناہگار کو اس کی رحمت کا امیدوار بنا دیا ہے، خستہ دل اور شکستہ حال اصحاب کو بھی اس (امید رحمت) سے سرفراز کیا ہے، امر الٰہی کی تعظیم اسی کے ذریعے ظہور پذیر ہوئی، خلقت پر اس کی شفقت کا بھی اسی سے علم ہوتا ہے'' پس یہ واجب الاحترام کلام ہے اور یہ ایسا امام ہے (۱۸۶) جس کی اقتداء لازم ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہوتا ہے تو اسے سیدھے و صحیح راستے کی طرف ہدایت مل جاتی ہے۔

حضرت عالی درجات عالی جناب امام ربانی مجدد الف ثانی اور امام صفا کیشان حضرت خواجہ محمد معصوم اس حکم کے بموجب کہ کریمانہ اخلاق پیدا کرو آپ کا کلام قرآن کے معانی کا حامل، آپ کے مقالات محکم بیان کے مالک جو سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ وسلم کے اخبار کے ترجمان ہیں، آپ کے رموز دراصل محبوب رب العالمین علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ من الصلوٰۃ افضلھا و من التسلیمات اکملھا کے اسرار ہیں، پس تمام تلفظ یا تصرف اسی سے محقق ہے۔ ....

اس وقت کہ حضرت خواجہ کے وصال کو ۵۴ سال گزر چکے ہیں اور اس بعد زمان کے باعث یہ معلوم نہیں ہے کہ آپ کے اصحاب اب کہاں ہیں؟ اور اگر ہیں (زندہ) تو وہ بہت ہی کہیں دور افتادہ علاقوں میں ہیں سوائے میری حضرت والدہ ماجدہ کے اور وہ بھی اپنے وطن (سرہند شریف) میں تشریف فرما ہیں اور اگر آج سے بہت پہلے اپنی والدہ کریمہ یا آپ کے دوسرے (اصحاب) سے آپ کے بارے میں کچھ سن رکھا تھا حافظہ کی کمزوری کے باعث اب بھول چکا ہے۔ الا ماشاء اللہ سبحانہ. اس لیے آپ کو وہ

ملفوظات جو کسی شک وشبہہ کے بغیر ہیں ان کو اس فصل کی تحریر کے وقت ضمیر میں حاضر پا کر نقل کر دینا ہی سعادت خیال کیا، اور تصرفات کے مقدمات بھی اسی قبیل کے ہیں

اس مفتاح کی فتح میں دو کنز ہیں ایک سرخ اور دوسری سفید جو اس حدیث شریف کے موجب ہیں کہ میں نے تمہیں سرخ اور سفید دو کنز عطا کیے'' کہ اس کمترین (مولف) کا حضرت خواجہ کی ذات مبارک سے ''نیابت و وراثت'' کا تعلق بھی ہے......

پس یہ مفتاح (حسب ذیل) دو کنزوں پر مشتمل ہے:

کنز اول میں حضرت خواجہ کے ملفوظات ہیں چونکہ ملفوظ کو تصرف پر تقدم حاصل ہے یعنی بالکل اسی طرح جیسے سرخ کو سفید پر ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر ہر ملفوظ کو احمر جانتے ہوئے اس کا عنوان ہی احمر رکھ دیا ہے اور دوسری کنز حضرت خواجہ کے تصرفات پر ہے اس لیے ہر تصرف کے آغاز میں ابیض لکھا جائے گا، ان شاء الله الودود۔

کنز اول

جب زیرک منصف اور سعادت مند جمعیت اندیش نیک نیتی، خلوص اور عقیدت سے ان ملفوظات قدسی سماعت کا مطالعہ کریں گے تو وہ آپ کے ہر ملفوظ کو تصرف تصور کریں گے، کیوں کہ اس خیر الاولیاء (حضرت خواجہ محمد معصوم) کا ہر نکتہ تصرف سے خالی نہیں ہے، کیوں کہ تصرف بے ملفوظ روا ہے......

احمر

(۱۸۷) میری والدہ ماجدہ سلمہا ربہا فرماتی تھیں کہ ایک روز میں خلوت میں تھی یعنی اس وقت فرزندوں یا مریدین میں سے کوئی بھی حاضر نہیں تھا کہ اچانک حضرت خواجہ اس ضعیفہ کے پاس تشریف فرما ہوئے اور فرمانے لگے۔ جب آدمی پر غم اور اندوہ طاری ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ یہ کلمات مبارکات کا ورد کرے۔

''استغفر اللّٰه سبحان اللّٰه و الحمد للّٰه و لا اله الا اللّٰه و اللّٰه اکبر و لا حول و لا قوة الا باللّٰه''

جس سے تمام کدورتیں، غم اور حزن ختم ہو جائیں گے، غوث الانام (حضرت خواجہ) کے اس کلام کے بعد میری والدہ ماجدہ فرماتی تھیں کہ حضرت خواجہ اکثر میرے حال کے بارے میں مذکورہ کلمات فرمایا کرتے تھے کیوں کہ ان پر بہت سے غم اور مصائب طاری رہتے تھے اور انہی کو دواء کے (بطور پڑھتی تھیں) اب اس راقم سیاہ کار (مولف) اس کار (تالیف) کو سب سے بڑا انعام تصور کرتے ہوئے کامل فرحت کے ساتھ اپنے اوقات شکرانۂ الٰہی میں بسر کرتا ہے اور تصرفات میں سے یہ ملفوظ جمع کیے ہیں، (ترجمہ آیت) ''پس تم ناشکر گزار نہ بن جانا''

احمر

اس عاجز ترین مخلوق (مولف) کی خالوں میں سے ایک خالہ بیان کرتی تھیں کہ حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ نفی واثبات کے ذکر میں کہ جس کی شرط حبس نفس ہے کوئی مرض مانع ہو تو اسے چاہیے کہ وہ دم کو چھوڑ کر بغیر حبس نفس کے ہی ذکر کرے۔

احمر

میں نے حضرت حجۃ اللہ **قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس** سے سنا ہے کہ ایک روز نصیحت کے دوران حضرت خواجہ یہ آیت پڑھ رہے تھے ''اور تمہیں میری نصیحت نفع نہ دے گی اگر میں تمہارا بھلا چاہوں جب کہ اللہ تمہاری گمراہی چاہے، وہ تمہارا رب ہے اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے''

احمر

حضرت خواجہ کے ہمشیرزادہ اور مولف کے عم بزرگوار عرفان پناہی زبدۃ الواصلین شیخ عبداللطیف سے منقول ہے کہ حضرت خواجہ شیخ محی الدین ابن عربی کی اصطلاح کے مطابق تعینات خمسہ جو کہ تعین وحدت، احدیت، روحی، جسدی اور مثالی سے عبارت ہے جس کے پہلے دو تعین کا تعلق مرتبۂ وجوب سے ہے اور باقی تین تعین

عالم امکان سے مربوط ہیں اور انبیاء کرام کو'' حضرات خمس'' بھی کہا جاتا ہے، مجھے تلقین فرماتے تھے کہ جس کی ''یادداشت'' اہل حضور کے لیے لازم ہے۔

احمر

خدا پرست خان کی زبانی ایک روایت مفتاح ثالث کی کنزوں میں سے ایک کنز میں نقل کی جاچکی ہے کہ کیسے دو فرشتے آپ کو شربت پلاتے تھے، اکثر کہا کرتے تھے (یعنی خدا پرست خان روایت کرتے تھے) کہ ایک روز وہ امام ہمام (حضرت خواجہ) ایک خاص خلوت میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اس نے میرے کثرت ارشاد (۱۸۸) سے ایک دنیا کو سرسبز و شاداب کر دیا ہے اور بہت سے خود پرستوں (مغروروں) کو خدا پرست بنا دیا ہے، اور ہماری دعوت ارشاد (کو قبولیت) عام دی، آپ (اس مناسبت سے) یہ دو شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

منادیست در کوچۂ می فروش ۔۔۔ کہ امروز ہرگز نبا بند ہوش
گریبانش گیرند و دامن کشند ۔۔۔ کشاں کشاں تا بہ دیواں مستاں برند

احمر

راقم سیاہ کار (مولف) کی جدۂ محترمہ قدس سرہا جو کہ حضرت خواجہ کی ہمشیرہ تھیں کی تعریف میں آپ فرماتے تھے کہ ان کے گھر کی چڑیاں بھی ذکر کرتی تھیں۔

احمر

مرحومی سیادت دستگاہی نواب مکرم خان جو کہ حضرت خواجہ کے مخصوص مخلصوں میں سے تھے، روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ صحیح مسلم کا درس دے رہے تھے اور مخدوم زادۂ ثالث حضرت مروج الشریعت قدس سرہ اس سے استفادہ کر رہے تھے کہ اچانک آپ کا چہرۂ انور سرخ ہو گیا بلکہ آنکھیں پرنم ہو گئیں اور فرمانے گے کہ (اس وقت) تمام یاران (حاضرین) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ہیں۔

احمر

فرماتے تھے کہ کھاتے وقت اگر کسی کے گھر کتا آ جائے تو پہلے اسے کھانا دے کر نکال دینا چاہیے۔

احمر

بادشاہ جنت آرام گاہ خلد مکان (اورنگ زیب عالمگیر) جو کہ حضرت خواجہ کے مریدان خاص میں سے تھا، آپ اسے کفار کی تعظیم کرنے یعنی انہیں سونے کے پان دان میں پان کا بیڑا دینے اور ان بدبختوں کو راجہ اور مہاراجہ جیسے خطابات دینے اور انہیں بلاد مسلمین کے والی مقرر کرنے پر بڑی سختی سے منع فرمایا کرتے تھے......

احمر

ایک بادشاہ (اورنگ زیب) سے حضرت خواجہ کے اپنے برادر اصغر حضرت شاہ جیو (شیخ محمد یحییٰ) قدس سرہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہ جیو بھی معزز ہیں وہ تو خلقتاً نہایت منسکر مزاج ہیں پھر بھی معلوم نہیں کہ (ان پر) مسلمانوں کی دلآزاری کا الزام کیوں کر ہے، یہ ایسا واقعہ ہے کہ اس کتاب میں اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں ہے، ہمارا مقصد تو خزائن معصومی میں سے ایک احمر کو اخذ کرنا ہے۔

احمر

طبقۂ امراء میں سے ایک صالحہ حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے ارادہ سے حضرت خواجہ کی خدمت گرامی میں کمال شوق و ذوق کے ساتھ آئیں آپ نے اسے تلقین ذکر میں مشغول کرنے سے پہلے توبہ کرنے کے فرمایا تو اس نے بڑی سادہ لوحی سے عرض کیا کہ جناب مجھ سے تو کوئی خطا سرزد نہیں ہوئی ہے کہ میں توبہ کروں میں تو نماز پڑھتی ہوں، روزے رکھتی ہوں، زکوۃ دیتی ہوں (۱۸۹)، تسبیح بھی پڑھتی ہوں اور اپنے شوہر کی فرمان برداری بھی کرتی ہوں کہ کوئی کام اس کے حکم کے خلاف نہ کروں،

آپ غصہ میں آ گئے اور فرمانے لگے کہ مجھے اپنا مرید بنا لو اس پر دوسری صالحہ خواتین نے اسے سمجھایا کہ ہم سے جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ جل و علاء کے حضور کب قابل قبول ہے، اس پر استغفار کرنا اس امر پر گواہ ہے، اس پر اس نے اپنے کہے ہوئے پر ندامت محسوس کی اور چند روز کے بعد اس قطب الارشاد (حضرت خواجہ) کے فرمان کے مطابق بڑی عاجزی کے ساتھ حاضر ہو کر توبۂ نصوح کی درخواست کی۔

احمر

جناب قبلہ گاہی قطب الاقطابی (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس** فرماتے تھے حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کے نبیرے شیخ محمد عابد نے میری موجودگی میں آپ سے سوال کیا کہ کیا حضرت غوث الثقلین کو کمالات نبوت حاصل تھے یا نہیں؟ تو اس پر آپ نے جواب دیا کہ حضرت غوث اعظم (شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ) بہت بزرگ تھے اس لیے حسن ظن یہی ہے کہ انہیں حاصل تھے، مدت دراز کے بعد جبکہ حضرت خواجہ محمد سعید جہان فانی سے انتقال فرما گئے اور آپ کے فرزندوں و مریدوں نے حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں رجوع کر لیا تو شیخ محمد عابد نے وہی مذکورہ سوال میری موجودگی میں حضرت خواجہ محمد معصوم سے دریافت کیا تو حضرت خواجہ فرمانے لگے، ایسا نہیں ہے جیسا کہ ان تمام اسرار و معانی کے بانی حضرت مجدد الف ثانی ہیں جنہوں نے اس کی اس طرح تحقیق کی ہے یہ دولت (کمالات نبوت) صحابہ کرام کے عہد میں عالمگیر تھی اس کے بعد تابعین کے زمانے میں بھی بہت تھی اور تبع تابعین کے دور میں کہیں کہیں پائی جاتی تھی، اس کے بعد یہ پردۂ اخفا میں چلی گئی یہاں تک کہ اولیائے امت میں اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا، پھر محض کمالات ولایت کے ذوق اور حلاوت کے ساتھ شکر کے غلبہ میں وہ ولایت کو نبوت سے افضل کہنے لگے، ہمہ اوست کے اعتقاد کے زمانہ میں اسی قسم کے معاملات رہے اور کبھی جمع محمدی کو اجمع از جمع الٰہی سمجھا جانے لگا، تجلی ذاتی کے زمانے

کوصورت متجلالہ کہا گیا اور الف کے معنی واضح ہونے کے بعد کہ ان ہزار سالوں میں امور میں تبدیلیوں کے سلسلہ میں بہت بڑا دخل ہے کہ اس وقت تک ہمارے عظیم پیغمبر کو مبعوث ہوئے (ہزار سال ہو گئے تھے)...... ہمارے پیغمبر علیہ و علیٰ کل من الصلوٰۃ وافضلھا و من التسلیمات اکملھا خاتم رسل ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مجدد الف ثانی جیسے عارف کامل کو بنایا اور آپ کے فرزندوں اور مریدوں کو ان کے نصیب کے مطابق ان کا حصہ پہنچایا، یہ اس کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے"

احمر

حضرت شیخ صبغت اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم کے بڑے بیٹے شیخ محمد اسماعیل سلمہ اللہ تعالی الخلیل جو حضرت خواجہ کے سب سے بڑے پوتے بھی ہیں فرماتے تھے کہ ایک روز (۱۹۰) ایک تقریب میں کھانے کے دوران حضرت خواجہ نے توقف فرمایا، یہاں تک کہ کھانا ٹھنڈا پڑ گیا، جب آپ محل (گھر) میں تشریف لائے تو کھانا طلب فرمایا تو حضرت زہرا عصرام المریدین (زوجۂ محترمۂ حضرت خواجہ) قدس سرھا نے خادمہ کو کھانا گرم کرنے کا حکم دیا تو حضرت خواجہ فرمانے لگے کہ میری بھوک خوب گرم ہے اس لیے کھانا بھی گرم ہی کرنا چاہیے۔

احمر

یہ روایت بھی مخدوم زادہ محمد اسماعیل سے منقول ہے کہ آپ اپنے والد بزرگوار مرشد عالی مقدار (شیخ محمد صبغت اللہ) فرماتے تھے حضرت خواجہ نے فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات قدسی سمات کا مطالعہ ظاہری و باطنی ترقیات کا موجب ہے، جاننا چاہیے کہ حضرت خواجہ نے یہاں حضرت مجدد الف ثانی کے نام مبارک کے ساتھ اپنا اسم مبارک لینا بے ادبی خیال کیا ہے ورنہ یہاں (مکتوبات حضرت مجدد کے ساتھ مکتوبات معصومیہ) بھی شامل ہے جو اہل بصیرت سے

پوشیدہ نہیں ہے۔

احمر

مولف کی خالاؤں میں سے ایک خالہ محترمہ لاولد تھیں، انہوں نے اپنی بہنوں میں سے ایک بہن کا بچہ پیدا ہوتے ہی گود لے لیا اور اس خوشی میں اسباب جشن مرتب ہوئے اور ان محترمہ کو زندگی کی حلاوت محسوس ہونے لگی اس طرح چار پانچ سال گزر گئے کہ قضائے الٰہی سے وہ بچہ (قریب مرگ) ہوگیا...... اس وقت حضرت خواجہ اتفاق سے وہاں تشریف لائے تو اس خالہ نے آپ سے عرض کیا کہ میں اپنا تمام گھر اور اس میں موجود تمام نقد و اجناس اللہ کے لیے نذر کروں گی اگر میرا بچہ (تندرست) ہو جائے، آپ نے فرمایا کہ خدا عزوجل کو تیری نذر و نیاز کی کوئی پروا نہیں ہے، تو دو تین گھنٹوں کے بعد بچہ واقعی فوت ہوگیا۔

احمر

ایک روز حضرت خواجہ اپنے اصحاب کے ساتھ سورج طلوع ہونے سے قبل حلقۂ ذکر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ مشاہدہ کیا کہ ساری دنیا کے ملک وملکوت کی جماعتوں نے میرا احاطہ کرلیا ہے اور نماز پڑھ رہی ہیں اور مجھے سجدہ کر رہی ہیں تو اس کا تردد پوری طرح مجھے محسوس ہوا تو میں اس سر کے جاننے کی طرف متوجہ ہوا تو معلوم ہوا کہ کعبۂ شریف میری ملاقات کے لیے آیا اور اس نے میرا احاطہ کرلیا ہے۔ تو اس وقت یہ معلوم ہوا کہ وہ جماعتیں جو مجھے سجدہ کر رہی تھیں وہ حقیقت میں کعبہ کو سجدہ کر رہی تھیں۔ لیکن یہ معاملہ خاصی دقت نظر کے بعد جا کر معلوم ہو سکا۔ اسرار معصومی جاننے کے شیدا جو کہ دراصل بحار احمدی (معارف شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی) کے غواص بھی ہیں سے یہ بات پوشیدہ (۱۹۱) نہیں ہے کہ یہی معاملہ جناب امام ربانی مجدد الف ثانی کے ساتھ پیش آیا تھا، جس کی تفصیل آپ کے مقامات میں پوری طرح درج ہے......

احمر

عالی حضرت (شیخ محمد صبغۃ اللہ) قدس سرہ کی زبان الہام ترجمان سے چند مرتبہ یہ سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ نے مجھے اور راقم بے مقدار (مولف) کے جد بزرگوار شیخ عبدالقادر کو اتفاقی طور پر عبدالملک کے والد (شیخ فرید کہروال شطاری) جو کہ غوث گوالیاری (شاہ محمد غوث گوالیاری) کے پاس پہنچا اور پیغام دیا کہ تمہارے پیر (شاہ محمد غوث گوالیاری) کے فاسد عقائد ان کے رسالہ معراجیہ سے جو کہ ان کی تصنیف ہے ظاہر و واضح ہیں جو کہ انہوں نے بیان کیے ہیں لیکن چونکہ ہماری آپ سے ہم وطنی (توطن سرہند) کی نسبت ہے اور کبھی کبھار شادی یا عرس کی مجالس و دعوت میں ہم تمہیں دستور قبائل کے مطابق مدعو کریں لیکن ہماری شرط یہ ہے کہ "اگر تمہارے عقائد تمہارے پیر جو کہ عین الحاد و زندقہ ہیں سے بالکل مختلف (مخالف) ہوں" تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ حق تعالیٰ مجھے اسی اعتقاد (عقائد گوالیاری) پر استقامت بخشے یا قائم رکھے اس قسم کے دو بڑے کلمات انہوں نے کہے تو آپ نے انہیں اپنی مجالس میں آنے سے منع فرما دیا ...... یہ پوشیدہ نہیں ہے کہ غوث گوالیاری کے عقائد فاسد تھے کہ وہ علم سیفی میں بہت مشہور ہو گئے تھے کہ ان کے صرف ایک مرتبہ "یا مرغ" کہنے اور انگلی کا اشارہ کرنے سے ایک ہزار انسانوں کے سر تن سے جدا ہو جاتے تھے۔

اسی طرح مجھے بعض ثقہ حضرات سے سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ جناب حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسالہ معارف لدنیہ میں بہت تفصیل سے لکھا ہے اور ان کے (اس قسم کے) کلمات میں سے ہر کلمہ نقل کر کے لکھا ہے کہ انصاف کریں کہ یہ کفر ہے یا نہیں۔

غور کیجیے کہ جس تکفیر کی حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک محقق ہو چکی ہو اسے محبوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ باہم ملانا (مخالطت) شریعت حقہ کی رو سے خیانت

اور مسلمانوں کی بے عزتی کے مساوی ہے (اسی لیے حضرت خواجہ نے ان کے بیٹے عبدالملک سے ہم مجلسی سے منع فرمایا تھا) ان مقامات کے لکھتے وقت وہ رسالہ شریفہ (معارف لدنیہ) موجود نہیں ہے ورنہ اس میں چند "فقرات خبیثہ" جو کہ حضرت مجدد نے تحریر فرمائے ہیں نقل کرتا اگر اس کتاب کی تکمیل کے بعد بھی رسالہ مذکورہ (معارف لدنیہ) ہم دست ہو گیا تو کتاب کے خاتمہ میں اس میں سے چند فقرات آنحضرت والا منزلت (خواجہ محمد معصوم) کی تبعیت میں نقل کر کے ترمیم کروں گا۔ **ان شاء اللّٰہ تعالیٰ**۔ "اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر بے شک تو سب سے زیادہ دینے والا ہے۔"

احمر

(۱۹۲) حضرت خواجہ کے وہ پوتے اور نواسے جو آپ کے حین حیات ابھی خرد سال تھے کبھی کبھی آپ کے آستانۂ ملائک پناہ میں جمع ہو کر اپنی عمر کے تقاضے سے شور وغل کرتے تھے، ام المریدین (آپ کی زوجہ محترمہ) **قدس سرھا** ان سے کہتی تھیں کہ باہر جا کر کھیلو، حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ انہیں کھیلنے دو اور انہیں ایسا کرنے سے منع نہ کرو............

احمر

حضرت خواجہ کے مریدین مقیم ولایت (افغانستان و وسطی ایشیا) ولایتی پھل مثلاً سیب، ناشپاتی، انگور اور بہی[۱] بطور نیاز لایا کرتے تھے، آپ تناول کرتے وقت فرماتے تھے کہ میرا رزق ان پھلوں میں ہے، اگر مجھے اس دیار میں ان درختوں کے پاس لے جائیں تو کیا اختیار ہو گا، **الحمد للہ سبحانہ** کہ وہ میرے لیے لے آتے ہیں اور مجھے یہ میرے وطن میں ہی بھیج دیتے ہیں کہ اس ذات نے مجھے اس قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے۔

---

۱ بہی، ایک میوہ کا نام ہے جس کا تخم بہدانہ ہے (لغات فیروزی ٦٦)

احمر

قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت خواجہ اپنے جد بزرگوار حضرت مخدوم (شیخ عبدالاحد) جو کہ صاحب کرامت اور فضیلت و معرفت کے جامع گزرے ہیں کے مزار کی زیارت کے لیے گئے، ان کی تربت خلد منزل سے جب آپ خانقاہ ملائک پناہ (آستانہ خود) کی طرف روانہ ہوئے تو یہ فقیر آپ کی پالکی پکڑے آپ کے ہمرکاب تھا کہ راستے میں آپ نے مراقبہ سے قدرے سر اٹھایا اور مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے جد بزرگوار بڑی تیزی سے میرے پیچھے آئے، میرا دامن تھام کر فرمانے لگے حضرت حق سبحانہ نے تمہیں کمالات وراثت سے نوازا ہے کیا ہی اچھا ہو اگر تم اس بحر بے کراں سے ایک قطرہ ان خشک لبوں (طالب فیض مرحومین) میں ڈال دو کہ تم نے دنیا کو اپنے فیض سے سرسبز و شاداب کر دیا ہے میں ان سب سے زیادہ کا امیدوار ہوں، تو میں نے توجہ دی تو انہیں یہ سب کچھ حاصل ہو گیا اور وہ شکریہ کہتے ہوئے کامل خوشی کے ساتھ اپنے مرقد میں تشریف لے گئے، جاننا چاہیے کہ مخدوم مذکورہ قدس سرہ کمالات ولایت میں جو کہ اس امت مرحومہ کے اولیاء کرام اور اصفیاء عظام میں رائج ہے، میں شان عظیم رکھتے تھے، لیکن کمالات نبوت علیٰ اربابھا الصلوٰۃ والبرکات ایک ہزار سال گزرنے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بطریق وراثت عنایت ہوئے تھے، چنانچہ اس امر کی تفصیل حضرت خواجہ کی زبانی اس احمر میں بیان کی جا چکی ہے جس کا تعلق حضرت غوث الثقلین قدس سرہ سے ہے......

احمر

(۱۹۳) راقم سیاہ کار (مولف) کی جدۂ محترمہ (حضرت خدیجہ بنت حضرت مجدد الف ثانی) قدس سرہا، توجہ لینے کے لیے اپنے برادر بزرگوار یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں گئیں، تو آپ نے فرمایا کہ آپ کے والد گرامی (حضرت

مجدد الف ثانی) کی نعمت لینے کے لیے آپ خواہ یہاں تشریف لائیں یا مجھے اپنے گھر طلب کر کے لے لیں، میں تمہارے لیے ایثار کروں گا۔

احمر

ایک روز حضرت خواجہ کا ایک تقریب سے سرہند تشریف (اللہ تعالیٰ اسے آفات و بلیات سے بچائے) کے ایک کوچہ سے گزر ہوا وہاں بلند و بالا عمارات اور عالی شان محلات آپ کی نظر سے گزرے تو آپ نے ہمرکاب اصحاب سے ان کے ساکنین کے بارے میں دریافت فرمایا تو چند ناخلف اور کمینوں کے نام آپ کو بتائے گئے کہ جنہوں نے کبھی علم و معرفت کی خوشبو تک نہیں سونگھی تھی، یہ سن کر آپ نے یہ عربی شعر زبان مبارک سے ادا فرمایا:

(ترجمہ) "ہم جبار (اللہ تعالیٰ) کی بنائی ہوئی قسمت پر راضی ہیں کہ اس نے ہمارے لیے علم اور جاہلوں کے لیے مال مقرر کر دیا۔"

راقم الحروف (مولف) نے اس ملفوظ میں تصرف کرتے ہوئے اس احمر پر ایک ابیض کا (اضافہ کیا ہے) اور وہ یہ کہ اس عربی شعر کے ارشاد کے وقت وہاں صرف دو تین ہی بلند و بالا مکانات آپ کی نظر انور میں آئے تھے لیکن اس پر آپ نے اشارہ فرما دیا تھا کہ ان جاہلوں کے پاس بہت ہی دولت ہوگی یہ نکتہ اخوی محمد پناہ جو کہ اس کتاب کی اس مفتاح کی نقل حاصل کرنے والوں میں اولین شخص ہیں بتاتے ہیں کہ اس وقت تک تقریباً ایک ہزار اس قسم کے پرشکوہ اور بلند ترین مکانات اس قوم کے اس مبارک شہر (سرہند) میں موجود ہیں ان لوگوں کے اموال، نقد اور اجناس کے بارے جو کچھ معتبر اصحاب نے بتایا ہے بیان سے باہر ہے۔

احمر

مخدوم زادہ عالی درجہ معرفت پناہ حقیقت دستگاہ حضرت شیخ محمد اسماعیل سلمہ ربہ (۱۹۴) سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ عبادات کے سلسلہ میں مجھے بہت

سے لوگوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے کہ انہیں اس میں استقامت حاصل ہے کہ وہ ساری رات نماز ادا کرتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں لیکن ایسے اصحاب کہ معاملات میں پختہ قدم ہوں اور اس پر بھی استقامت رکھتے ہوں صرف دو تین ہی نظر آتے ہیں۔

احمر

مخدوم زادہ مذکور (شیخ محمد اسماعیل) سے سنا ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ پالکی میں سوار ہو کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں آپ کی نظر ایک سفید داڑھی والے (بوڑھے) آدمی پر پڑی کہ جس نے اپنی پشت پر لکڑیاں اٹھا رکھی تھیں (آپ نے اسے دیکھ) کر فرمایا کہ اہل جنت اسی قسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ اس عمر (کبرسن) میں بھی محنت کر کے رزق حلال کماتے اور اپنے بچوں کی پرورش کرتے ہیں، آپ کے مقبول مریدوں میں سے حضرت خواجہ عبداللطیف بھی اس وقت آپ کی سعادت بابرکات میں ہمرکاب تھے، انہوں نے آپ کے حضور عرض کی کہ اگر وہ نماز بھی پڑھتا ہے تو خوب ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا تمہیں اپنی نماز پر اعتماد ہے؟ مجھے خود اپنی نماز پر مطلق اعتماد نہیں ہے۔

احمر

ایک صالحہ جو کہ حضرت خواجہ کے مخلصین میں سے تھی اور حضرت شاہ جیو (شاہ محمد یحییٰ بن حضرت مجدد الف ثانی) قدس سرہ کی اہل خانہ بھی تھیں ایک روز حضرت خواجہ تک یہ بات پہنچائی گئی کہ ایک مرتبہ اس صالحہ کی زبان سے حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کی شان میں گستاخانہ کلمہ سرزد ہوا تھا تو آپ فرمانے لگے کہ اگر یہ بات واقعی اسی طرح سے ہے تو میں اس صالحہ کو اپنی ارادت سے خارج کرتا ہوں "اللہ تعالیٰ سے اس کے غضب سے پناہ مانگتا ہوں اور انبیاء کے غضب و اولیاء کے غضب سے بھی" اس دل خراش بات کو سن کر آپ کی خدمت میں اس سے برأت کے لیے اقدام کیا اور کہا کہ اس ذوالجلال کی قسم ہے کہ مجھ سے اس قسم کا ناملائم کلمہ

سرزد نہیں ہوا، تو آپ نے فرمایا کہ رجوع مشروط ہے کہ اگر ایسا ہوا ہے تو تو مردود ہے ورنہ نہیں، اسے آخری عمر کور (نابینا پن) ہو گیا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس نے قسم کھاتے وقت یہ کہا ہو گا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہو تو مجھے کور ہو جائے۔

احمر

حضرت خواجہ کے چچا کی بیٹی کا انتقال ہو گیا، اس رات آپ بہت ہی بے چین رہے آپ نے تہجد کی نماز کے وقت ام المریدین (زوجہ حضرت خواجہ) سے فرمایا ''الحمد للہ سبحانہ اب تم خاطر جمع رکھو کہ فلاں کی ہمشیرہ جس کا آپ نے نام بھی لیا تھا ایمان کیساتھ گئی ہے۔ (خاتمہ باایمان)

احمر

(حضرت خواجہ) فرماتے تھے کہ ہزار سال گزرنے کے بعد تجدید کا معاملہ حضرت مجدد الف ثانی سے متعلق ہو گیا ہے یعنی اس عرصہ میں جس قدر فیض کسی کو پہنچے گا وہ آپ کے وجود شریف کے توسط سے ملے گا اگرچہ وہ اس وقت کے اقطاب، شرفاء اور اوتاد ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے ہر وہ شخص جو آپ کی ذات جامع البرکات سے محبت رکھتا ہو اور کمال کا دعویدار ہو تو اس کو قبول کر لینا چاہیے اگر اس کے اعمال صوریہ کم بھی ہوں (۱۹۵) اور اس نے فرائض وسنن کی ادائیگی میں کفایت کی ہو اور اس میں آپ کی جس قدر محبت زیادہ ہو گی تو اس سے اسی قدر کمالات کا ظہور ہو گا، لیکن اس شخص کے مقابلہ میں جو کہ ہزارہا فضائل وخوارق رکھتا ہو، ریاضات شاقہ اور مجاہدات شدیدہ میں بھی اپنے اوقات صرف کیے ہوں اور ''مجدد'' کا منکر ہو یا ان کی محبت سے بے نصیب ہو وہ معرفت کے حصول میں بھی بے نصیب ہے۔ ایسی حالت میں صورت رشد ہو یا صورت بے معنی دونوں ہی میں نفع کم ہے۔ پس سمجھنا چاہیے اور ''تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا''

احمر

کہتے ہیں کہ جب ناصر علی کے وہ اشعار جو انہوں نے حضرت خواجہ کی منقبت میں کہے ہیں جب آپ تک پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ یہ اپنے عہد کا ملک الشعراء ہوگا اور جناب قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) سے سنا ہے کہ آپ حضرت وحدت قدس سرہ کے کلام کے بارے میں فرماتے تھے کہ وہ بہت ہی ''شیریں گفتار'' ہیں۔

احمر

(حضرت خواجہ) فرماتے تھے کہ فرزند تین قسم کے ہوتے ہیں وہ قابلیت میں اپنے باپ کی طرح ہوں، یا والد کی طرح راہنما اور یا وہ نا قابل (نااہل) ہوتے ہیں، وہ جو اپنے باپ کی طرح ہو جیسے خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) حضرت مجدد الف ثانی کی طرح ہیں اور وہ جو اپنے والد سے بھی بہتر ہوں جیسے شیخ عبیداللہ مجھ سے بہتر ہیں وہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے فرزند ثالث اور اکثر ہم نے انہیں ''مروج الشریعت'' کے نام سے یاد کیا ہے اور وہ جو نا قابل ہوں یعنی اپنے باپ سے بدتر ہوں چنانچہ آپ اپنے بارے میں یہی فرمایا کرتے تھے باوجود اس کے کہ آپ ورع وتقویٰ، زہد وتوکل، استقامت، قطبیت، امامت، خلافت، قیومیت، عظمت ولایت اور بطریق وراثت میں کمالات نبوت کے حامل ہونے کے باوجود آپ پر بہت شکستگی اور دید قصور کا غلبہ تھا، اعمال ونیات کے سلسلہ میں جو آپ کے بارے میں سنا ہے اور آپ کے کلام شریف سے معلوم ہوتا ہے کسی ایک بھی شخصیت سے متعلق کسی دور میں بھی معلوم نہیں ہے، جبکہ بہت سے مشائخ کرام کے احوال اکثر کتب میں مندرج ہیں:

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

احمر

حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی ''کن ومکن'' کے درجہ پر مامور ہیں۔

احمر

حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ مرید کو مرشد کے باطن سے فیض اس وقت ملتا ہے جب کہ وہ اپنے شیخ کو ''جماعت مقطوعین'' کے علاوہ تمام اولیاء سے افضل سمجھے یہاں تک کہ اپنے پیروں کے پیر سے بھی، اس دوران حضرت مرشدی قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) نے عرض کی کہ اس حکم سے حضرت مجدد الف ثانی کو مستثنیٰ کر دیں، کیوں کہ مریدین آپ کے واسطہ سے (۱۹۶) یہ اعتقاد نہیں رکھتے، تو حضرت خواجہ فرمانے لگے کہ جب سلوک کا معاملہ درمیان تک پہنچ جائے اس وقت مجھے افضل ہی سمجھا جائے لیکن جب سالک کا کام (مدارج سلوک) تکمیل کو پہنچ جائیں اور وہ مسند ارشاد پر بیٹھ جائے تو مجھے آنحضرت (مجدد الف ثانی) کے برابر تصور کرے، اگر میرے علاوہ دوسرے مریدین کا حضرت مجدد الف ثانی سے واسطہ ہو تو وہ ہر وقت آنحضرت کو افضل نہ جانے بلکہ اگر غلبۂ حال کے باعث وہ اپنے پیر کو افضل سمجھے تو اس کی گنجائش ہے، اس مقام کی تحقیق میں حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ کی توجیہ یہ معلوم ہوئی کہ چونکہ حضرت خواجہ بھی اپنے مرشد (حضرت مجدد الف ثانی) جیسی اصالت رکھتے تھے اس لیے راہ سلوک کی منازل کے دوران کہ جنہیں طے کرنا ابھی باقی ہو اپنی افضلیت کا اعتقاد رکھتے تھے اور درجۂ تکمیل پر واصل ہونے کے بعد آپ کے ساتھ مساوات کا حکم فرماتے تھے اور دوسرے جو محض آپ کے ضمنی (طفیلی) ہوتے ہیں اس راہ فیض کے مسدود ہونے کا امکان ہو سکتا ہے، ماسوائے اس کے کہ وہ غلبۂ حال میں ہو وہ معذور تصور ہو گا......

احمر

جب کبھی حضرت خواجہ کا دانت مبارک ٹوٹتا تھا تو آپ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتے تھے کہ الحمد للہ سبحانہ اور ٹھنڈا پانی بڑی رغبت (حلاوت) کے ساتھ پیتے تھے۔

احمر

فرماتے تھے تمام کمالات کا حصول سرور کائنات **علیہ و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ افضل الصلوۃ و اکمل التسلیمات** کی اتباع سے ہی ممکن ہے۔

احمر

فرماتے تھے کہ عمر کا بہترین حصہ جوانی ہے کہ اس حصے میں انسانی قوی درست ہوتے ہیں اس لیے چاہیے کہ معرفت الٰہی جو تمام چیزوں میں سب سے اعلیٰ ہے حاصل کرنے میں مصروف ہو جائے، بڑھاپا عمر کا سب سے گھٹیا حصہ ہے، جو کہ وہم محض ہے، اور گھٹیا اشیاء کے حصول کی تمنا صرف ''ہوا و ہوس'' ہے .... یہ کلمہ نہایت جامع ہے کہ یہ تو شیطان مردود کی تمنا ہے ان معنوں میں کہ عمر اشرف حصول معرفت میں صرف کی، اور ارزل عمر کے دوران تو توبہ اور رجوع حق تعالیٰ ہی کے لیے ہے، لیکن یہ ناشائستہ کار ہونا ہی نہیں چاہیے (یعنی جوانی ضائع کرنا) ......

احمر

فرماتے تھے کہ وہ حالت جو نیند کے دوران طاری ہو وہ اس حالت سے بہتر ہے جو بیداری کی صورت میں طاری ہوتی ہے (۱۹۷)، وہ حالت جو موت کے بعد طاری ہوگی وہ اس حالت سے بہتر ہے جو نیند کے دوران عمل میں آئے، اور وہ حالت جو قیامت کے روز طاری ہوگی وہ مذکورہ دونوں حالتوں یعنی نیند اور موت سے بالاتر ہوگی، ان امور کی تفصیل اور حالت نوم و موت اور حشر کی حالت بیداری، زندگی اور دنیا پر اس کے تفوق کی وجوہات مکتوبات قدسی آیات میں بیان کی گئی ہیں۔

احمر

رسالہ یاقوتیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی **قدس سرہ** کے کلام میں جو حقیقت کعبۂ حسنأ کے بارے میں ہے مختلف عبارات پائی جاتی ہیں اس

لیے حضرت خواجہ ان کے جمع و تطبیق میں کوشاں رہتے تھے، اور عالم غیب سے اس حقیقت کے ظہور کے ملتجی تھے، طالبان یقین جو کہ حضرت کے اردگرد رہتے تھے ان بلند معارف کے سننے کے منتظر تھے، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی اقامت کے دنوں میں سے ایک دن آپ نہایت انبساط کے ساتھ تھے، خلوت میں مخدوم زادوں کو مخاطب فرمایا کہ ہم نے اس باب میں غور کیا، تو اس اعجوبۂ حقیقت کو اصل الاصل (مرتبۂ خارج) کے ساتھ ملحق پایا اور تمام حقائق پر فائق دیکھا اور محسوس ہوا کہ جملہ اشیاء کی حقیقتیں حقیقت کعبہ کو سجدہ کرتی ہیں اور مقام عبودیت کے جملہ مراتب حتیٰ کہ نبوت و رسالت اس حقیقت عالیہ سے فروتر ہیں جس جگہ بھی امکان کا کوئی اثر ہے اور عابدیت کا کوئی شائبہ تو وہ سب اس حقیقت کعبہ سے نیچے ہیں، مقام عبودیت یہاں پر ختم ہوا ہے، اور ماوراء اس کے حقیقت معبودیت صرفہ ہے، تو لاچار یہ حقیقت عالیہ حقائق ملکی اور بشری سے فوق ہوگی، کیوں کہ حقیقت کعبہ فی الحقیقت مجرد اعتبار ہے ذات تعالیٰ و تقدست پر، گویا پہلا نور جسے ذات پر اعتبار کیا گیا یہی حقیقت کعبہ ہے، بلکہ یہ حقیقت سرادقات (پردہ ہا) عظمت ہیں جو کہ حجاب ذات تعالیٰ کے ہیں، نہ ان معنی میں کہ یہ سرادقات ذات پر زائد ہیں (جیسا کہ صفات میں ہے) بلکہ ان معنی میں کہ عظمت ذاتیہ لازم کبریائی ذات کے ہے اور ذات تعالت و تقدست کا حجاب ہوئی ہے، یہ بات سمجھ لو۔

پھر عمیق نظر ثانی اور دقیق فکر کے دوران یہ سر واقع ہوا اور معلوم کر لیا گیا کہ حقیقت کعبہ کو باوجود اس قرب و منزلت کے جو کہ بیان ہوا ہے ترقی اور عبور اپنے ماوراء میں نہیں ہے یعنی سرادقات سے بالاتر ترقی نہیں کیونکہ حقیقت کعبہ عبارت انہی سے ہے، کیوں کہ ترقی و عروج (یعنی مراتب قرب میں) انسانی خاصہ ہے۔ کوئی بھی اس امر میں اس میں شرکت نہیں رکھتا، اس لیے لاچار کعبہ کا اپنے ماوراء سے کوئی حصہ نہیں ہوگا، محسوس ہوا کہ کاملین افراد انسانی خصوصاً حبیب، خلیل اور کلیم علیھم و

علیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات، اگرچہ طبعی (مکان) ان کے کعبۂ حسناء کی حقیقت سے نیچے ہیں لیکن بطریق ترقی و عروج کے ان کا گزر اور حصہ ماورائے سرادقات (۱۹۸) ثابت ہے، اس لیے کعبۂ مکرمہ اگرچہ اپنے اصلی مقام کے اعتبار سے تمام حقائق افراد عالم پر فوقیت رکھتا ہے، لیکن بوجہ ترقی اور عروج کے جو کہ انسان کا خاصہ ہے بعض کاملین کو حقیقت کعبہ کے مافوق پر تحقیق و ثبوت میسر ہے، اور اس وجہ سے کعبہ بھی ان کے انوار سے بہرہ اندوزی کا منتظر رہتا ہے، ایک اور فرق کعبہ اور کامل افراد انسانی میں یہ بھی واضح ہوا اور وہ فرق ہے مکان اور مکانۃ (یعنی مرتبہ کا) جیسا کہ بعض روحانیات فرشتوں وغیرہ سے اگرچہ باعتبار مکان کے بشر سے فوق ہیں مگر قدر و منزلت جس پر افضلیت کا مدار ہے، بشر کے لیے ہی معلوم ہے، جیسا کہ عالم مجاز (جو کہ حقیقت کے لیے پل ہے) میں مشاہدہ ہے، مثال کے طور پر بادشاہوں کے لیے غلام اور خدام بادشاہ کے نزدیک ہر وقت رہتے ہیں، مگر ان کا مرتبہ وزراء کا نہیں جو قدر و منزلت وزراء کو حاصل ہے اس میں سے ان کو کچھ نصیب نہیں ہوتا۔

احمر

حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) قدس سرہ کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادگان اور مریدین کمال نیاز مندی کے ساتھ حضرت خواجہ محمد معصوم کے حلقۂ ارادات میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کی صاحبزادیوں میں سے ایک کو جو کہ بہت صالحہ تھیں بہت کم عرصہ میں آپ نے فنائے قلب کی بشارت دی جو کہ درجات ولایت میں سے درجۂ اول ہے، چونکہ وہ صاحبزادیاں اور خواتین مریدین جو آپ سے عرصہ سے وابستہ تھیں وہ کمالات ارجمند سے سرفراز ہوئی تھیں اس لیے اس صالحہ نے ان بشارات کو کم درجے کی تصور کیا اور سب سے بڑی صاحبزادی کے ذریعہ یہ عرض کی کہ میری ہم چشمان تو آپ کی توجہ سے مراتب کمال تک پہنچ گئی ہیں مجھے تو ان (کم درجہ) بشارات سے شرم آنے لگی ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اپنے والد بزرگوار کے حین حیات

تم پچاس سال کی ہو گئی تھیں اس وقت شرم کیوں نہ آئی کہ میں اس مرتبہ کو کیوں نہ پہنچی یہاں آ کر تمہیں چند دنوں کے اندر اس بلند مقام سے مشرف کیا گیا ہے، شکرانہ الٰہی بجا کیوں نہیں لاتی ہو، کیوں کہ یہ نص قطعی ہے کہ (ترجمہ) ''اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا۔ ''[1]

احمر

حضرت خواجہ جب سفر حج کے ارادہ سے نکلے تو پورا خانوادہ رخصت کرنے کے لیے شاہ جہان آباد تک ساتھ تھا اور اس شہر تک تمام چھوٹے بڑے اس امید سے تھے کہ اس سفر سعادت میں آپ کے ساتھ جائیں لیکن اس کے بعد جب ام المریدین زہراء عصر (زوجۂ حضرت خواجہ) کا استخارہ اس کے موافق نہ ہوا تو ان کو دو مخدوم زادوں یعنی شیخ محمد اشرف اور شیخ محمد صدیق قدس سرہما، دیگر صاجبزادیوں اور مرید خواتین سمیت اجازت دے دی کہ وہ دارالاشاد سرہند شریف چلے جائیں۔ اور خود بہ شوق تمام اس سفر کے لیے روانہ ہو گئے، قصہ مختصر تین چار گھڑی کے بعد حضرت خواجہ اپنے گھر دوبارہ تشریف لے گئے تو اہل خانہ میں حیرت پھیل گئی (۱۹۹) کہ کیا وجہ ہے وہاں جا کر آپ نے مخدوم زادہ شیخ محمد صدیق اور مولف کی والدہ محترمہ جو کہ ان دنوں کم سن تھے کو پکڑا ان کو حویلی کے خیموں میں سے ایک خیمہ میں لے گئے اور دونوں کو اپنا مرید کیا اور ایک خادمہ کو بھی بیعت کی سعادت بخشی فرمانے لگے کہ تمہارے ساتھ تمہاری نسبت ہم خانگی کی ہے تمہاری ہمارے ساتھ ارادت رہ گئی تھی راستے میں ہمیں خوف محسوس ہوا کہ یہ طویل سفر ہے، اور زندگی کی امید کم اس لیے واپس آیا ہوں کہ تمہیں مرید کرلوں تا کہ تم اس سعادت سے محروم نہ رہ جاؤ، یہ فرمانے کے بعد پھر پالکی پر سوار ہو گئے اور منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئے۔

---

[1] قرآن مجید ۱۴ / ۷

احمر

فرماتے تھے کہ شاہ جہان بادشاہ برد اللّٰہ سبحانہ مضجعہ کے حقوق ہندوستان کے تمام مسلمانوں پر تا قیامت باقی رہیں گے کہ اس ملک سے اسلام جا چکا تھا تو اس نے اسے بصد احترام بحال کیا اور اس کے شعائر مثلاً گائے ذبح کرنا اور تعمیر مساجد جو کہ اس کے عہد سے پہلے منع کر دیا گیا تھا اس نے نئے سرے سے انہیں رائج کیا اور اس نے تخت نشین ہونے کے بعد اپنے ہاتھ سے اپنا ختنہ کیا، اللہ تعالیٰ اسے اس کی بہترین جزا دے۔

احمر

حضرت شیخ صبغۃ اللہ (عالی حضرت) قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت خواجہ سرہند شریف کے شاہی باغ کی سیر کے لیے تشریف لے گئے تو میں بھی ہم رکاب تھا راستے میں میں نے اصالت کے مسئلہ پر سوال کیا جس کا تعلق ''تخمیر طینت'' سے ہے فرمانے لگے کہ اس امت مرحومہ میں حضرت مجدد الف ثانی کو اس (بقیۂ تخمیر طینت) سے ولادت کی سعادت ملی ہے اور اپنے بعد آپ نے اپنے مخلصین میں سے ایک مخلص کو اس (اصالت) کی بشارت سے سربلند فرمایا تھا اور حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کو یہ سعادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملے گی، اور اس میں ''اس ایک مخلص'' سے مراد خود حضرت خواجہ محمد معصوم کی ذات مبارک ہے جنہیں یہ بشارت (اصالت) دی گئی ہے۔

احمر

ایک روز حضرت خواجہ اپنے برادر بزرگوار حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کی قبر کی زیارت کے لیے گئے، وہاں کچھ دیر مراقبہ فرمایا اور جلد ہی اپنی حق بین آنکھیں کھول دیں اور اپنے احباب سے فرمانے لگے کہ حضرت خازن الرحمت اس طرح اپنے اہل خانہ کے ساتھ ہم آغوش تھے جیسے وصال سے قبل، اس لیے میں سخت

شرمساری کے باعث وہاں ٹھہر نہ سکا۔

احمر

ایک روز عالی درجات مخدوم زادوں کے مابین اس موضوع پر بحث ہوئی کہ ہندوستان کے آم (۲۰۰) بہتر ہیں یا وسطی ایشیا (ولایت) کے خربوزے، ہر ایک نے اپنے ذائقہ کے مطابق گفتگو کی، آخر فیصلہ یہ ہوا کہ اس معاملہ میں حضرت خواجہ جو ارشاد فرمائیں اس پر سب کا اتفاق ہوگا، راقم (مولف) کی والدۂ شریفہ جو کہ حضرت خواجہ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں اور انہیں حضرت کی خدمت میں کمال درجہ کی قبولیت (قرب) حاصل ہے اپنے بھائیوں کے درمیان ہونے والے مذاکرے کو آپ کی خدمت اقدس میں عرض کرنے کے لیے تجویز کیا تو انہیں (والدہ محترمہ) کو آپ نے خلوت خاص میں طلب فرمایا تو انہوں نے بحث کی روداد آپ سے عرض کی، تو آپ جواب میں فرمانے لگے کہ شاہ جہان بادشاہ نے جو کہ صاحب طبع تھا ایک روز اپنے ایک مقرب خاص طاہر خان جو کہ تورانی سنی اور حضرت خواجہ کا مرید بھی تھا سے پوچھا کہ میرے ہندوستان کے آم افضل (بہتر) ہیں یا تمہارے ولایتی خربوزے؟ طاہر خاں نے عرض کیا کہ خربوزہ افضل ہے، بادشاہ نے فرمایا کہ نہیں آم افضل ہے، لیکن خربوزہ اتنا نازک ہوتا ہے کہ اس میں ہندوستان تک پہنچنے کی تاب ہی نہیں ہوتی (یعنی راستے میں ہی خراب ہو جاتا ہے) اور ہم لوگ (ولایتی) اسے سرکھیت ہی کھا لیتے ہیں، اس لیے وہ آپ کے حضور نہیں پہنچ پاتا وہ آم سے بہرحال بہتر ہے، اس پر بادشاہ نے مناظرانہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے کہا کہ وہ آم جو تجھ تک پہنچتے ہیں ممکن ہے کہ ان خربوزوں سے افضل ہوں لیکن وہ آم جو میں تناول فرماتا ہوں وہ تم تک نہیں پہنچتے وہ بے شک ان خربوزوں سے بہتر ہیں جن کا تم تعارف کروا رہے ہو، طاہر خان خاموش ہو گیا اور شاہ جہاں اس پر غالب آ گیا، یہ روایت بیان کرنے کے بعد آپ نے اپنی زبان الہام ترجمان سے ''فرمایا کہ شاہ جہان بہت لطیف الطبع اور شریف المذاق

تھا اس کی تشخیص بے معنی نہیں ہو سکتی۔"

احمر

عالی حضرت (شیخ محمد صبغۃ اللہ) سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ نے حضرت خیر الانبیاء سید المرسلین علیہ و علیھم الصلوٰۃ والبرکات کے اس موی مبارک کے بارے میں جو سرہند شریف میں ہے فرمایا کہ مجھ پر کشف ہوا ہے کہ وہ واقعی بالکل صحیح ہے۔

جان لینا چاہیے کہ اس کنز میں چوالیس احمر پورے ہو گئے ہیں اب طوالت کے خیال سے انہیں چوالیس ملفوظات پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ صاحب بصیرت اصحاب پر واضح ہے کہ مختصر کلام ہی دلالت کے لیے کافی ہے، ان کے علاوہ بہت مسموعات جو اکابر سے سنے سابقہ ابواب میں ان کا تذکرہ آ چکا ہے کیوں کہ آپ کی ہر حکایت بلا شبہ احمر ہی تو ہے اور توفیق خداوندی سے ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ تالیف ہونے والی کنز اور ابواب میں ان سے پردہ اٹھایا جائے گا۔

کنز دوم

حضرت خواجہ کے تصرفات (کرامات) کا بیان

(۲۰۱) داناؤں پر یہ امر واضح ہے کہ سابقہ ابواب میں درج ہونے والے تمام معارف دراصل آپ کے تصرفات ہی ہیں، لیکن سعادت مندوں کے لیے ان عظیم الشان قیوم (حضرت خواجہ) کے خوارق عادات اجزائے ایمان کی طرح طراوت بخش ہیں (اس لیے یہاں ان کا بیان کیا جا رہا ہے اللہ رحمٰن کی توفیق سے ہر تصرف کو لفظ "ابیض" کا عنوان دیا ہے جیسا کہ ملفوظات کے آغاز کو "احمر" (سے تعبیر کیا ہے):

ابیض

جناب عالی حضرت (شیخ محمد صبغۃ اللہ) قدس سرہ سے روایت ہے کہ ایک

روز حضرت خواجہ نے ام المریدین (زوجہ محترمہ) قدس سرھا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج قطب المحققین وارث المرسلین حضرت خواجہ نقشبند قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ کا ظہور شریف ہوا فرماتے تھے کہ آج تمہارے گھر میں میری ایک بیٹی (جو چند واسطوں سے میری اولاد ہے) تشریف لائے گی اگر کسی نے اس کے ظاہری لباس فقر پر تمسخر کیا تو اس کا ایمان خطرے میں پڑ جائے گا، ام المریدین نے آپ کی یہ بات سنی اور خود مکان کی چھت (ذروہ) پر جا کر سراپا انتظار بیٹھ گئیں یہاں تک کہ وہ عالم کی مخدوم زادی تشریف لائیں اور ان کے احترام پر مامورین نے ان کا انتہائی ادب کیا اور تواضع کے ساتھ گھر میں لے آئے اور ان کے شایان شان خدمات بجا لائے، چند دن وہ قیام پذیر رہیں، رخصت کے وقت نیازمندی کے تمام لوازم پورے کیے گئے اور مخدوم زادی کامل فرحت و خوشی کے ساتھ رخصت ہوئیں، جس پر (حضرت ام المریدین اور حضرت خواجہ) نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ حضرت خواجہ بزرگ (بہاء الدین نقشبند قدس سرہ) کا حکم جو کہ بجا لانا واجب تھا، پر عمل کیا۔

ابیض

خدا پرست خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے بعض کاموں میں سے جو میرے سپرد تھے ایک کام سے متعلق مجھے آپ سے کچھ معلوم کرنا تھا میں بڑی تیزی کے ساتھ حضرت قطب الانام (حضرت خواجہ) کی خدمت میں گیا تو دیکھا کہ آپ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضہ کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں اور روضہ کے اندر احاطۂ خارجی تک پہنچ گئے آپ کے ساتھ نیازمندوں کی کثیر تعداد تھی میں ادباً جو اشکال درپیش تھی کے بیان کی جرات نہ کر سکا، اور زیارت کی سعادت میں مصروف ہو گیا، زیارت سے فراغت کے بعد اور لوگ رخصت ہو گئے تو میں جس مقام پر سوال کے لیے حاضر ہوا تھا، آپ نے مجھے طلب فرمایا اور بغیر سوال کے میرے اشکال کا تسلی بخش جواب دیا۔

ابیض

یہ بات مجھے خان مذکور (خدا پرست خان) سے بارہا سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ بادشاہ اسلام حضرت خلد مکان (اورنگ زیب) (۲۰۲) جب کشمیر جنت نظیر کی طرف متوجہ ہوا (تو براہ سرہند گیا) اس کے لشکر کی افواج اس کثرت سے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضری ہوئی کہ قلم اس کے بیان وشرح سے عاجز ہے۔ ان میں سے ایک شخص کو پابند سلاسل (زنجیر ڈال کر) کر کے لائے اس کے والدین جو کہ آپ کے قدیم مریدوں میں سے تھے بھی حاضر خدمت تھے، نے عرض کیا کہ ہمارا یہ بیٹا تیر عشق سے زخمی ہے اور دن رات مرغ نیم بسمل کی طرح بے قرار رہتا ہے، شاہی ملازمت کی بالکل پروا نہیں کرتا ہم آپ کی توجہ فضل کے امیدوار ہیں، اس پر آپ نے اسے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نوکری جو جاتی رہے اس کا ملنا بہت دشوار ہے اور اپنے والدین کی رضامندی بھی لازم ہے، تم اس کام میں مصروف ہو جاؤ تو باطل اور فضول خیالات سے چھٹکارہ پالو گے اور حقیقت کے میدان میں لوٹ آؤ گے یہاں تک کہ تم معرفت کے باغ کا میوہ بھی حاصل کرلو گے جو کہ نوکری اور کسب حلال سے مانع نہیں ہے:

ز اسرار حقیقت بہرہ ور کن عشق بازاں را — بطفلاں واگزار ایں ابجد عشق مجازی را

اس جواں نے جو زنجیر عشق میں گرفتار تھا اس شعر کے جواب میں حافظ علیہ الرحمت کا یہ شعر پڑھا:

در کوئی نیک نامی مارا گزر ندادند — گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

آپ فرمانے لگے میں نے تمہاری تقدیر (قضا) بدل دی ہے آپ کا یہ فرمانا ہی تھا کہ اس کی عقل جو جا چکی تھی واپس آ گئی اور وہ فوری طور پر لوہے اور عشق کی دونوں زنجیروں سے آزاد ہو گیا، اور آپ کے ساتھ ارادت کی سعادت حاصل کر لی۔ اور اپنے نصیب کے مطابق ثمر معرفت چکھا اور آپ کے حکم کے مطابق اپنے والدین کی اتنی رفاقت کی اور دوسروں کی طرح ملازمت بھی کرنے لگا۔ اور معمول کے ذکر وفکر میں بھی

مصروف ہو گیا۔ یہ حضرت خواجہ کا ایک ادنیٰ سا تصرف تھا، رزقنا اللہ سبحانہ من برکاتہ۔

ابیض

ایک روز حضرت خواجہ کامل رغبت کے ساتھ آم کھانے میں مشغول تھے کیوں کہ پھلوں میں سے آم آپ کا سب سے مرغوب پھل تھا جیسا کہ سابقہ احمرات میں ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کس طرح شاہ جہان بادشاہ نے طاہر خان کے جواب میں (آم کو خربوزۂ ولایتی سے بہتر قرار دیا تھا)، قصہ مختصر خواتین مریدین میں سے ایک صالحہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اللہ والوں کی کھانے میں اس قدر رغبت کیوں کر ہے؟ وہ اپنے اس خیال کو دور کرنے کی کوشش کرتی لیکن ایسا نہ ہوتا تھا جونہی آپ نے اس ناملائم خطرہ کا احساس کیا تو آپ نے اپنی حق بین آنکھیں اس صالحہ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ والے جو کچھ کھاتے ہیں وہ نور ہو جاتا ہے تو ہر نور کو جس قدر چاہو کھاؤ؛

ابیض

حضرت خواجہ کے اصحاب (مریدین) میں سے ایک سے روایت ہے کہ ایک شخص کہیں سے آپ کی خانقاہ ملائک پناہ میں آیا وہ خانقاہ کے کثیر اخراجات دیکھ کر ہوش کھو بیٹھا، اس نے اس کے متعلق صوفیہ سے سوال (۲۰۳) کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ذریعۂ معاش (وجہ معیشت) کا مقرر کرنا آپ (حضرت قیوم) کو پسند نہیں ہے، توکل کامل کے سوا کچھ بھی آپ کو منظور نہیں ہے۔ اس نے خلوت میں حضرت خواجہ سے عرض کی تو آپ نے لوہے کو خالص سونا بنا کر دے دیا، پھر پتھر لائے اور لوہا طلب فرمایا اور پتھر کو اس کے ساتھ چسپاں کر کے اسے خالص سونا بنا دیا، اور میں سفر حج کے لیے روانہ ہو گیا، واپس آکر میں نے اسے آپ کے حضور پیش کیا...... تو حضرت نے وہ پتھر اس سے لے لیا اور ایک طاقچہ میں رکھ دیا اور مجھے رخصت فرما دیا، دو تین سال کے بعد وہ عزیز سفر سے واپس آیا اور سرہند شریف پہنچا اور حضرت کی

خدمت میں حاضری دی اس سے فرمایا کہ تمہارا پتھر اس طاقچہ میں پڑا ہوا ہے اور اسے یہاں رکھنے کا سبب یہ تھا کہ اگر اس سفر میں جو تمہیں درپیش ہے یہ کسی چور کے ہاتھ لگ جاتا تو تمہاری روح اسی وقت عالم آخرت کی طرف پرواز کر جاتی اسے لے لو اور دیکھ لو اور اس کے سامنے بہت سے پتھر طلب فرمائے، اور فرمایا کہ سونا بن جاؤ تو یہ کہتے ہی وہ سونے کے ہو گئے......

ابیض

جناب مرشدی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت خواجہ حضرت رحمٰن تبارک و تعالیٰ کے اپنے اوپر احسانات کا تذکرہ فرما رہے تھے، فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ احرار قدس سرہ کی ہر سال کی آمدنی ایک لاکھ پچاس ہزار تھی اور آپ کی خانقاہ شریف کا خرچ ایک لاکھ تھا اور میری خانقاہ ملائک پناہ (مجددیہ) کو ہر سال ایک لاکھ حاصل ہوتے ہیں لیکن خرچ ایک لاکھ پچاس ہزار ہے، اس کے باوجود میں مقروض نہیں ہوں، بلکہ اللہ سبحانہ کے فضل سے کشائش (خوشحالی) بھی شامل حال ہے، اس سے زیادہ کیا تصرف ہوسکتا ہے؟

ابیض

اس کے بعد حضرت خواجہ کا سفر حج کا ارادہ پختہ ہو جاتا ہے، اور اس کے اسباب بھی مہیا ہو گئے تو آپ کو کشف کے ذریعہ معلوم ہوا کہ تیرے اس دیار (ہندوستان) سے باہر جانے اور ان پرانوار دیار (حرمین الشریفین) پہنچنے پر سرزمین ہند مختلف مصائب کا شکار ہو جائے گی اور یہاں کے باشندوں کو ان کے بعض برے اعمال کی جزا و سزا ملے گی، بالکل اسی طرح ہوا کہ آپ کے دریائے شور سے گزرنے کے بعد زبردست قحط پڑا اور اپنی پوری شدت (۲۰۴) کے ساتھ نمودار ہوا اور سلطنت کا اختلاف قتل عام کا سبب بنا اور ''امور عظام'' میں بہت سی تبدیلیاں ہوئیں جو کہ دنیا کی ہلاکت و مفلسی کا باعث بنیں...... آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی

نیابت اور قدرت تصرف کے باوجود آپ نے ان معاملات میں دخل نہ دیا لیکن آپ کے واپس آ جانے سے ملک میں امن و امان کا ظہور ہو گیا۔

ابیض

ایک روز دارالسرور برہانپور میں شادی کی مجالس میں سے ایک مجلس میں یا کسی اہم شخصیت کے ہاں عرس کے موقع پر ایک اجتماع تھا وہاں اس علاقے کے اکثر اکابر، شرفاء اور مشائخ حضرت خواجہ کے بارے میں حرف و حکایات بیان کرنے میں سرگرم عمل تھے اور وہ بھی جس نے آپ کے مبارک جمال کو نہیں دیکھا تھا ہر ایک اپنے خیال (استعداد) کے مطابق بعض تو اعتقاد کے ساتھ اور بعض طنز کے طور پر کچھ نہ کچھ بیان کر رہے تھے کہ آپ کی شہرت کس قدر عالمگیر ہو گئی ہے، اور آپ کی مشیخت کا شہرہ آسمانوں تک جا پہنچا ہے۔ اس تحریر کے وقت حضرت خواجہ کے تصرف سے میرے دل میں وہ واقعہ آ گیا کہ وہاں کے مشائخ زادوں میں سے ایک کی شادی تھی کہ ناگاہ اس جوان کو جس کی شادی کی تقریب میں یہ اجتماع ہوا تھا بسم اللہ پڑھنے سے پہلے ہی جن کے آسیب میں مبتلا ہو گیا، تو یک دم شادی غم میں تبدیل ہو گئی دیکھتے ہی دیکھتے اس لڑکے کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی گئی، اتفاقاً اس مجلس میں ایک بڑا عامل بھی تھا جس کا کام یہی تھا مدعو کیا گیا تھا اس نے کہا کہ میں حاضرات کو بلاتا ہوں اور اس سلسلے کے جو علوم وہ جانتا تھا ان کو پڑھنے سے دریغ نہ کیا لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا، اس کشمکش میں ایک پہر سے زیادہ گزر گیا کہ اچانک پریاں حاضر ہوئیں اور اس ملا صاحب سے خطاب کرتی ہوئی بولیں کہ ہمیں عرصہ دراز سے حضرت قیوم شیخ محمد معصوم کی زیارت کی آرزو جو پوری نہیں ہوتی تھیں آج یہ تمنا پوری ہو گئی ہے کہ ہم سب آپ کی خدمت میں پہنچ گئی تھیں اور گھر کو ایک جاروب کش کے حوالہ کیا اس نے جب گھر کو خالی پایا تو اس نے اس لڑکے کو نقصان پہچانے کی کوشش کی، بہر حال اس لڑکے کو اس جلاد سے خلاصی دلا دی گئی ہے، اور اس حقیقت کا اس طرح اظہار کیا کہ حضرت خواجہ

کی حویلی مبارک میں ایک سدرہ کا درخت ہے جس پر ہم پہنچ گئیں اور حضرت خواجہ اس درخت کے نیچے چوکی پر بیٹھ کر ظہر کی نماز کے لیے وضو کر رہے تھے کہ تمہارے مؤکل وہاں پہنچے اور ہمیں طلب کیا اور اس لڑکے کے آسیب کا قصہ بیان کیا تو حضرت خواجہ نے از راہ عنایت ہمیں اس کام کے لیے اجازت دی اور فرمایا کہ وہاں جلد پہنچو اور اس لڑکے کو اس ظالم کے چنگل سے نجات دلاؤ، ان پریوں کو دولت (دیدار و صحبت) میسر آ گئی اور حاضرین نے ان کی زبانی آپ کے اوصاف و مناقب سنے اور بصد (۲۰۵) جان آپ کے معتقد ہو گئے، ان میں سے اکثر نے راہ سرہند اختیار کی جب وہ اصحاب آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے اس لڑکے کے والد اور عامل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں ان پریوں کو نہ بھیجتا تو اب تک تمہارا بیٹا اس سرکش جلاد دیو سے خلاصی نہ پاتا یہ تصرف جو اس لڑکے کی جاں بخشی سے متعلق ہے مجھے کئی بار حضرت مرشدی قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) سے سننے کا اتفاق ہوا ہے۔

ابیض

خدا پرست خان مرحوم حضرت قیوم (خواجہ محمد معصوم) کے اکثر خوارق و کرامات بہت ہی ذوق و شوق کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے کہ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اپنے شب و روز آپ کی درگاہ عرش اشتباہ و خانقاہ ملائک پناہ میں خزاں ہو یا بہار بسر کیا کرتا تھا کہ اتفاق سے میرے ہی خاندان کے چھ معزز مہمان عین غربت کے دنوں میں کہ جو فقر کے لوازمات میں ہے میرے ہاں آ گئے اور میں نے بڑی شرمساری کے ساتھ آپ کے مخارج پر ایک نظر ڈالی اور آپ کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی، مغرب کی نماز کے بعد جو کہ آپ کا معمول و دستور ختم خواجگان قدس اسرارھم ہر شب کو ہوتا تھا ان دنوں آم کی فصل کا موسم تھا اس وقت آموں کے طشت لائے گئے تو آم تقسیم کرنے والوں کی عادت یہ تھی کہ ہر وہ شخص جو ختم میں شریک ہوتا تھا ان کو بیس، بیس آم دیے جاتے تھے اور جو اس میں شریک نہیں تھا اسے دس آم ملتے تھے مجھے تنہا

دیکھ کر حضرت خواجہ نے مجھے بھی شریک سمجھا اور آپ کے روئے جمال کا مشاہدہ کیا تو اچانک تقسیم کرنے والے نے ختم کے بعد دستور کے مطابق مجھے دس آم دیے اس وقت حضرت خواجہ نے نہایت کرم کرتے ہوئے مجھے اپنے پاس بلایا اور ایک طشت اپنی طرف کھینچا دس آم گنے اور مجھے عنایت فرمائے اور فرمایا کہ یہ تمہارے ایک مہمان کا حصہ ہے، اسی طرح آپ نے چھ مرتبہ گنا اور ساٹھ آم عنایت کیے اور خفیہ طور پر مجھے چھ اشرفیاں بھی مرحمت فرمائیں، اور فرمانے لگے کہ تم میرے بیٹوں کی طرح ہو، اب جب کبھی خانقاہ میں مہمان آئیں تو فوراً مجھے اطلاع کیا کرو، اس سے تمہیں بہت ہی کشائش و آسودگی حاصل ہوگی اور بالکل اسی طرح ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا، یہ تصرف دراصل تین تصرفات پر مشتمل ہے۔ اور اس میں (مجھ جیسے) فدویوں پر بے شمار عنایات (کی خوشخبری ہے......)

ابیض

حضرت خواجہ کے پانچویں مخدوم زادے قطب المحققین حضرت سیف الحق والملت والدین قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس (۲۰۶) نے اپنے مکتوبات میں مکتوب نمبر ۱۴۱ جو بنام شیخ محمد باقر لاہوری ہے، حضرت خواجہ کا ایک تصرف تحریر کیا ہے، یہاں اس مخدوم زادہ کی عبارت کو بعینہ نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

ایک مخلص نے کابل میں حضرت خواجہ کو خواب میں دیکھا تو آپ نے ایک تبرک کا آدھا حصہ اسے دیا جب بیدار ہوا تو اس کا باقی حصہ اس نے اپنے سامنے پایا۔ تم کلامہ الشریف

ابیض

معرفت و کمالات دستگاہی مخدوم زادۂ گرامی شیخ محمد اسماعیل سلمہ اللہ الخلیل فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت خواجہ نماز کے لیے وضو کرنے میں مصروف تھے کہ

اچانک آپ نے عین وضو کے دوران خادمۂ سعادت مند جس کا نام مامادرسو تھا کے ہاتھ سے پوری قوت کے ساتھ آفتابہ کھینچا اور پورے ہوش کے ساتھ اسے دیوار پر دے مارا وہ شدت ضرب سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، خادمہ دوسرا آفتابہ لے کر آئی تو آپ نے وضو کیا، خادمہ اس واقعہ سے حیرت زدہ ہو کر ہوش کھو بیٹھی اس نے ام المریدین حضرت بی بی جیو (زوجہ حضرت خواجہ) قدس سرہا کی خدمت میں سارا ماجرا عرض کیا اور ام المریدین نے آپ کی خدمت میں اس اسرار کا سوال کیا اور ماما درسو کا خوف بھی بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ ماما درسو کیونکہ خوفزدہ ہو گئی ہے، قصہ یہ ہے کہ میرے مخلصین میں سے ایک پر شیر ظاہر ہوا تھا اور اس کو ہلاک کرنے کے لیے اس کے قریب پہنچ گیا تھا اس نامراد نے مدد کے لیے التجا کی تھی آپ نے فرمایا کہ وہ آفتابہ ہی میرے نزدیک ترین اسلحہ تھا جو میں نے شیر کے سینے پر دے مارا اور اس کو جنگل کے بادشاہ (شیر) سے خلاصی دی اور نجات بخشی۔

(ایک یہ بھی روایت ہے) کہ ایک روز حضرت خواجہ کے ایک مرید میر محمد طاہر نے آپ کے تصرفات میں سے یہ کرامت بیان کی کہ میں بنگالہ میں کہیں جا رہا تھا کہ اچانک راستے میں ایک غراتے ہوئے شیر نے پوری تندی کے ساتھ مجھ پر حملہ کر دیا اس بے چینی میں میں نے اپنے پیر بزرگوار (حضرت خواجہ) کو یاد کیا اور اپنے مرشد عالی مقدار کی مدد کا منتظر تھا کہ میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا کہ آپ وہاں تشریف لائے اور آپ ک دست مبارک میں آفتابہ تھا وہ آفتابہ آپ نے اس شیر پر دے مارا کہ شیر کی قوت ماند پڑ گئی اور وہ غائب ہو گیا، آپ کا مقصد اس سے میری جان بچانا تھا، غالب گمان وہ ہے جو اس میر نے مجھے بتایا (یعنی اس واقعہ کا تعلق اس سے زیادہ معلوم ہوتا ہے نہ کہ سابق الذکر سے) میر صاحب فرماتے تھے کہ اس آفتابہ کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے جو میں نے ازراہ سعادت (تبرکاً) وہاں سے پکڑ لیے تھے اب تک میرے پاس موجود ہیں، جب میر مذکور اس سفر سے واپس آئے اور حضرت خواجہ

کی خدمت میں قدم بوس ہوئے تو اس کے بیان کے بغیر ہی آپ نے سب کچھ بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائے الحمد للہ سبحانہ کہ بروقت تمہیں مدد پہنچ گئی ورنہ شیر تمہارا کام تمام کر دیتا۔

راقم (مولف) کا یہاں ایک تصرف میں دو تصرفوں کا ذکر کرنا اور ایک ابیض میں دو ابیضوں کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انہیں یہ معلوم (۲۰۷) نہیں ہے کہ یہ آفتابہ کیا اسی شیر پر مارا گیا ہے یا کسی دوسرے کی جاں بخشی کروائی گئی ہے۔

ابیض

شہزادی علیۃ الالقاب فلک احتجاب گوہر آراء بیگم سے روایت ہے کہ میرے والد یعنی شاہ جہان کے ساتھ جب حضرت خواجہ کا ''سلام'' کے موضوع پر مناظرہ ہوا تو حضرت خواجہ نے اپنی زبان الہام ترجمان سے فرمایا'' نہ میں دوبارہ آنا چاہتا ہوں اور نہ ہی سلام کہنا چاہتا ہوں'' ایسا ہی ہوا کہ اس قول کے بعد کہ آپ شاہ جہان کے عہد میں دوبارہ (محل) میں تشریف ہی نہ لائے۔

ابیض

حضرت خواجہ نے (جنگ تخت نشینی کے دوران) سلطنت کی بشارت (اورنگزیب) عالمگیر کو مرحمت فرمائی تھی بلکہ اس کی تسلی کے لیے آپ نے اپنے دستخط کے ساتھ لکھ کر اس کے حوالے کر دی اور خود سفر حجاز کے لیے روانہ ہو گئے تو شہزادی گوہر آراء بیگم نے اپنی والدہ ماجدہ سے کہا کہ میرا بھائی عالمگیر بادشاہ ہے۔ اس نے (حضرت خواجہ سے) ہندوستان بہت ہی کم قیمت میں خریدا ہے، کہ فقط بارہ ہزار روپے میں، کیوں کہ اس نے اس سفر (حج) کے لیے بارہ ہزار روپے بطور نیاز حضرات کی خدمت میں بھیجے تھے۔

ابیض

جب سعد اللہ خان نے شاہ جہان بادشاہ کے حضور حضرت خواجہ کی غیبت

(تکذیب) کی اسی وقت وہ قولنج کے درد میں مبتلا ہو گیا، اور وہ اپنے ناشائستہ کلمہ پر متنبہ ہو گیا تو اس نے اپنے بھتیجے کے ہاتھ پانی کا ایک کوزہ اور پانچ سو روپے بطور نیاز حضرت خواجہ کی خدمت سراسر سعادت میں بھیجے تاکہ اس پانی پر آپ دم کر دیں تو آپ نے اسے بالکل قبول نہ فرمایا آہ و زاری بھی کی، بعض بڑے صاحبزادگان جو کہ اس واقعہ کے دوران تین چار منزل تک ہمراہ تھے نے بھی کہا لیکن آپ نے انکار فرما دیا جب مایوس ہو گئے تو سعد اللہ خان کو یہی جواب پہنچا دیا آپ کا یہ جواب سنتے ہی وہ فوت ہو گیا، لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ چند روز تک مزید اسی تکلیف میں زندہ رہ کر اس دنیا سے رحلت کی، انبیاء اور اولیاء کے غضب سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔"

شیخ الاسلام (خواجہ عبداللہ انصاری) ہروی فرماتے ہیں:

الٰہی ہر کرا خواہی بر افتد گوئی با دوستان تو در افتد

مخدوم زادہ ثانی حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے غیرت معصومی کی تلوار اس جماعت (بدگویان) کے حق میں تیز چھری (کارد) کی طرح ہے۔

ابیض

مدینۂ سکینہ سے رخصت ہوئے وقت حضرت خواجہ کے دل مبارک میں یہ خطرہ محسوس ہوا کہ (۲۰۸) داراشکوہ کی متشرع اصحاب خصوصاً سلسلۂ علیہ نقشبندیہ اور حضرت مجدد الف ثانی کے خاندان کے ساتھ عداوت بہت مشہور اور واضح ہے اور وہ اس جماعت کو نقصان پہنچانے کے در پے ہے، اور اس دیار (ہندوستان) میں سلطنت کے برگشتہ ہونے کی خبر ہے اور دوسرے بھائی بھی طالع آزمائی کرنے میں مصروف ہیں، پس ایسا ہی ہوا جیسا کہ ارشاد فرمایا تھا۔

ابیض

حضرت خواجہ کے اکابر خلفاء میں سے ایک سے روایت ہے کہ (ایرانی گروہ کے) اہل ایران کے ایک امیر نے حضرت کو پیغام بھیجا کہ کل میں آپ کی خدمت کثیر

البرکت میں آؤں گا، اس لیے آپ نے مہمان کے اعزاز کے لیے خانقاہ ملائک پناہ میں پر تکلف فرش بچھایا، اور نماز عصر تک اس کا انتظار کیا بلکہ کوئی چیز بھی تناول نہ فرمائی کہ مہمان کے ساتھ کھائیں گے مقصد صرف یہ تھا کہ اخلاق کی شرط قائم رہے، اسی دوران آپ کو یہ خبر ملی کہ اس سے اس رافضی کی غرض محض مذاق کرنا تھا بلکہ وہ اس وقت سوار ہوا اور شہر سے باہر چلا گیا، اتفاق سے اس وقت آپ کے خلیفہ اول عرفان پناہی خواجہ محمد حنیف (کابلی) مع مخلصین کابل سے حاضر خدمت ہوئے، انہوں نے نیاز کی دیگر اشیاء کے ساتھ ولایتی کردیں (کاردہا) بھی پیش کیں، آپ نے تربوز طلب فرمایا ایک کارد پکڑی تربوز کو اپنے دست مبارک سے چیرتے (کاٹتے) ہوئے فرمایا لاکہ رافضی کا سر قلم کروں، اسی طرح ہوا کہ یہاں تربوز کٹا اور دوسری طرف اس رافضی کا سر تن سے جدا ہوا یعنی یہ کام بیک وقت ہوئے۔

ابیض

اس فقیر (مولف) کی خالاؤں میں سے ایک جو کہ حضرت خواجہ کی منجھلی بیٹی تھیں ان کی ہمیشہ یہ آرزو رہتی تھی کہ ان کے ہاں نرینہ یا مادینہ اولاد پیدا ہو، ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہوتی تھی ایک روز انہوں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کی کہ اس سلسلہ میں دعا فرمائیں، فرمانے لگے چند دن پہلے میں دیگر مصروفیات سے فارغ تھا میں نے لوح محفوظ پر نظر ڈالی اور اس سلسلہ میں واجب تعالیٰ و تقدس کی معلومات کو پڑھا تو مجھے بالکل یہ نظر نہ آیا کہ تمہارے ہاں فرزند تولد ہو گا اور اس معاملہ میں میں نے سخت کوشش کی اور دعا کی کہ مجھے اللہ تعالیٰ اپنی خاص الخاص عنایت سے نوازے، تو الہام ہوا کہ "اگر تو کہے یا چاہے" یہ دو لفظ الہام ہوئے کہ سارے پہاڑ سونے کے کر دیے جائیں اور اسے کسی محتاج کے حوالے کر دو لیکن ان کے ہاں تولد فرزند نہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور نہ ہی اس لم یزل کی حکمت کا تقاضا ہے اس کے عوض انہیں آخرت میں بے شمار عنایات سے نوازا جائے گا۔

ابیض

حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کے فرزند شیخ لطف اللہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے داماد تھے اور مذکورۂ صدر ابیض میں (اولاد کا جو تذکرہ آیا ہے انہی سے متعلق ہے) انھوں نے اپنی اہلیہ سے (مایوس ہوکر) اپنی ایک کنیز کو محرمہ بنا لیا (یعنی خادمہ سے نکاح کر لیا) اور اس سے اولاد کی تمنا مدت تک لگائے رکھی، اتفاق سے اسے حمل ہو گیا، اور نص قرآنی "مکر اللّٰہ" ظاہر ہوئی تو حضرت خواجہ کی خدمت میں اطلاعاً عرض کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ کچھ نہیں ہے۔ یہاں تک کہ ایام حمل پورے (۲۰۹) ہو گئے اور درد زہ شروع ہو گیا، اور ان کے ہاں جشن منانے کے اسباب بھی مہیا کر لیے گئے، ام المریدین حضرت بی بی جیو (زوجہ حضرت خواجہ) قدس سرہا اور دوسری صاحبزادیوں نے دوبارہ آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت آپ تو اس کی نفی فرما رہے ہیں لیکن وہاں تو تولد کے آثار ظاہر ہو چکے ہیں فرمانے لگے کہ خواہش ہے کہ سنو کیا پیدا ہوتا ہے؟ کہ اچانک اس کے پیٹ سے غلیظ پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ نکلا اور اس کا پیٹ خالی ہو گیا، آپ کا یہ تصرف اب تک بہت ہی مشہور ہے۔

ابیض

حضرت میر محمد نعمان (بدخشی) قدس سرہ کے نبیرے سیادت پناہ نعمان خان کے ساتھ اس سفر اکبر آباد کے دوران ایک روز صحبت میسر آئی اس میں اس بات کا ذکر بھی آیا کہ حضرت خواجہ کے مقامات جب تحریر میں آ جائیں اور آپ کے تصرفات کی تحریر کا وقت آئے ایک تصرف میری زبانی (روایت) بھی لکھا جائے، حمد اللہ سبحانہ کہ ایک سال کے بعد میں اس وعدۂ حسنہ کے تحت اس بات کو یہاں نقل کر رہا ہوں، فرماتے تھے کہ اکبر آباد میں ایک عزیز بہت ہی صاحب کمال تھے، انہوں نے اس کا نام بھی بتایا تھا لیکن راقم (مولف) کے حافظہ سے غائب ہو چکا ہے، وہ ان کی ہمشیرہ زادہ اور اولین خلیفہ بھتیجا اپنی وفات کے قریب انہوں نے ہمشیرہ زادے کو اور مجھے اپنے پاس

بلایا اور وصیت کی کہ تمہارا کام (سلوک) ابھی تک نامکمل ہے، تمہیں چاہیے کہ میرے وصال کے بعد حضرت شیخ محمد معصوم کی خدمت میں جاؤ اور میرے نصیب کے مطابق ان سے کچھ حاصل کرو، تو اس مستعد مرید نے بڑے شوق کے ساتھ اپنے شیخ کی وصیت کو قبول کیا، اس کے شیخ نے جواب میں کہ ایسا معلوم ہوتا کہ یہ تمنا آج کے اس قول (عہد) کے بارہ سال بعد جا کر پوری ہو گی اور تجھے یہ دولت (فیض معصومی) میسر آئے گی، انہوں نے یہ کہا اور فوت ہو گئے، اس کلام کے بعد وہ عزیز کئی مرتبہ کابل اور لاہور گئے اور سرہند شریف بھی پہنچے لیکن ان کے دل میں اس کا مطلق خیال نہ آیا یہاں تک کہ ایک مرتبہ سفر کابل سے واپسی پر جس روز سرہند پہنچے تو یہ سعادت لم یزلی ان کے شامل حال ہوئی، تو انہیں وہ دولت جاودانی ملی تو کامل اشتیاق کے ساتھ آپ کی ملازمت کے قصد سے خدمت گزاری میں جا پہنچے اور خانقاہ ملائک پناہ میں حاضر ہوئے آپ کے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا اور اپنے آپ کو حضرت قیوم (حضرت خواجہ) کے قدموں میں ڈال دیا...... تو حضرت خواجہ نے اس کا سر اپنے قدموں سے اٹھایا اور فرمایا کہ تمہارے پیر کی وصیت کو آج کے دن ٹھیک بارہ سال پورے ہو گئے ہیں، جب اس عزیز نے حساب کیا تو وہ حضرت کے ارشاد کے عین مطابق تھا، نیز آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ تمہارے پیر جو صاحب کمال تھے اس کے کہنے سے ان کی کرامت عیاں ہو گئی، اور میرے پاس تمہارے آنے کی مدت بارہ سال مقرر فرمائی تھی جو تم پر اور حاضرین پر بھی واضح ہو گئی ہے وہ عزیز ایک عرصہ تک خانقاہ شریف (سرہند) میں رہا اور اپنے نصیب کے مطابق (۱۱۰) معرفت کے مراتب پر فائز ہوا، خلافت یاب ہو کر اپنے وطن مالوف یعنی اکبرآباد کے لیے رخصت ملی (مرخص) اور وہاں جا کر ایک دنیا کو ہدایت کی راہ دکھائی۔

ابیض

حضرت کے بڑے مخدوم زادے شیخ محمد صبغۃ اللہ قدسنا اللہ سبحانہ

الاقدس فرماتے تھے کہ جوانی کے دنوں میں جب کہ میں ابھی غیر شادی شدہ تھا تو اخراجات کے معاملے میں چند روز تک تشویش رہی تو حضرت والدہ ماجدہ نے نہایت مہربانی سے یہ بات حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کی تو فرمایا کہ آج میں نے اپنے فرزند محمد صبغۃ اللہ کے فقر (غربت) کا کاسہ (پیالہ) توڑ دیا ہے، اس کے بعد مجھ پر ظاہری فقر کبھی غالب نہ آیا اس کے باوجود کہ میری روزی مقرر نہیں تھی لیکن میرے اخراجات بہت زیادہ تھے۔

ایضاً

ابتداء میں مخدوم زادۂ خامس شیخ سیف الحق و الملت والدین قدس سرہ کے ہاں ظاہری فقر بہت زیادہ تھا، ایک روز ان کی والدہ زہراء عصرام المریدین نے یہ بات حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کرتے ہوئے اس بلا (غربت و نداری) سے نجات کے لیے آپ سے دعا و توجہ کے لیے کہا، فرمانے لگے کہ آج شب میری التجا قبول ہو جائے گی اور اس پر اس قدر دولت سایہ فگن ہو گی کہ برادری کے دیگر افراد اس پر حسد کریں گے، اور وہ آج سے ہی شروع ہو جائے گی۔ جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا تھا اسی طرح سے ہوا اور اسی دن سے اس کا آغاز ہو گیا۔

ایضاً

جملۃ الملک جعفر خان کی اہلیہ فرزانہ بیگم ایک ایسے مرض میں مبتلا ہوئیں کہ ماہر اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے اور اس کی موت کی اطلاع دے دی، اور دوسرے صلحاء بھی اس سے کامل مایوس ہو گئے آیت کریمہ میں ہے (ترجمہ) ''میرے ہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں''، بیان کر کے قضائے مبرم کا فیصلہ ان تک پہنچایا، جعفر خان نے ایک قاصد کے ہاتھ نیاز بھیج کر خواجگان بزرگوار **قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم** کے ختم کی حضرت خواجہ سے درخواست کی اور ساری حقیقت حال لکھ کر سلامتی کی بشارت طلب کی، حضرت خواجہ نے ایک مکتوب میں صحت کی بشارت

لکھی جو مکتوبات کی جلد ثالث میں ان کے نام مکتوب میں موجود ہے کہ قاصد کے پہنچنے سے پہلے ہی صحت ہو جائے گی اور اسی کے آخر میں یہ بشارت بطور نصیحت لکھی:

فتح

میرے مخدوم و مکرم! ماسوائے حق جل و علا کی گرفتاری امراض قلبیہ میں سب سے شدید مرض ہے، اس کے ازالہ کی فکر اہم مقاصد میں سے ہے،:

درخانہ اگر کس است یک حرف بس است

اگر گھر میں کوئی ہے تو ایک حرف ہی کافی ہے

(۲۱۱) انتہا کلامہ العالی قدسنا اللہ

ابیض

حضرت حجۃ اللہ (محمد نقشبند ثانی) ضعف دل کے مرض میں کامل شدت کے ساتھ مبتلا تھے اس سختی کے باوجود صحت کا کشف بھی ہوا تھا جس کی شہرت شمس نصف النہار کی طرح ہے۔ لیکن جب ان کی اپنی نظر میں شفا معلوم نہ ہو سکی تو انہوں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں تحریری صورت میں التجا کی تو آپ نے زبانی و تحریری دونوں صورتوں میں صحت کی بشارت دی اس کے جواب کا حضرت خواجہ کے مکتوبات کی جلد سوم کا مطالعہ کرنے والے نظارہ کر سکتے ہیں، اس مکتوب کرامت اسلوب کے چند الفاظ تبرکاً نقل کر رہا ہوں:

فتح

فقیر آپ کی شفایابی چاہتا ہے بلکہ دیکھتا ہے، والسلام

اسی بشارت علیہ کی بدولت حضرت مخدوم زادہ کو شفا کاملہ حاصل ہوئی، وہ مدت دراز تک زندہ رہے اور خواتین و مردوں کی قابل ذکر تعداد کو ولایت کمال تک پہنچایا۔

ابیض

حضرات مخدوم زادہ عالی قدر کی والدہَ ماجدہ ام المریدین زہراء عصر (زوجہَ

حضرت خواجہ) اس درجہ کے ضعف دل کے مرض میں مبتلا ہوئیں کہ انہوں نے گھر اور بچوں کو چھوڑ کر ایک صالحہ کے ہاں قیام کر لیا اور خود کو ایک حجرہ میں بند کر لیا اور کسی مخلص و خادمہ کو وہاں باریاب ہونے کی اجازت نہیں تھی یہاں تک کہ اپنے فرزندوں کے چہروں تک اچھے نہیں لکھتے تھے، ان کی صاحبزادیوں نے اس دوران خدمت کی سعادت حاصل کی اور یہ سلسلہ تقریباً ایک سال تک جاری رہا، یہاں تک کہ ۲۷ رمضان المبارک کہ اس رات شب قدر تھی، حضرت خواجہ نے اپنی عالی قدر صاحبزادیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا مجھے الہام ہوا ہے کہ اس مرتبہ تیرے ہاں دو عیدیں ہوں گی، ایک عیدالفطر کہ اس میں سارا عالم شریک ہے دوسری ''عید شفاء جو تیری زوجہ، تیرے لیے اور تیری اولاد کے لیے ہو گی، جب یہ خوشخبری (بشارت) حضرت بی بی جیو) (زوجہ حضرت خواجہ) کو سنائی گئی تو انہوں نے اسے بالکل قبول نہ فرمایا کہ میرے مرض میں ابھی تک خشخاش کے دانہ کے برابر بھی افاقہ نہیں ہوا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صبح عید کے دن اس تکلیف سے خلاصی مل جائے؟ حضرت خواجہ بہ نفس نفیس وہاں تشریف لے گئے، آپ نے ان کے لیے خلعت منگوایا تو اسی وقت شفا ہو گئی، کپڑے (بدل کر) پہنے، ڈولی پر سوار ہو کر اپنے دولت خانہ کو منور فرمایا، حضرت خواجہ جو عید کی نماز کے لیے گئے ہوئے تھے وہاں عید ثانی (صحت یابی زوجۂ خود) کے طور پر بہت سے صدقات ایثار فرماتے ہوئے اپنے آستانہ ملائک پناہ تشریف لائے، کیوں کہ آپ کو زوجۂ محترمہ کے مرض کے باعث بہت سے امور کی نگرانی کرنا پڑتی تھی، اس لیے میں نے اس ابیض میں ایک احمر بھی درج کر دیا ہے، جسے ہوشمندی کے کانوں سے سنو۔

احمر

(۲۱۲) راقم سیاہ کار (مولف) کی والدۂ شریفہ سلمہا ربہا روایت فرماتی ہیں کہ موسم بہار میں حضرت خواجہ کے گھر میں بہت سے پھول کھلے تھے، حضرت خواجہ نے

مجھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ پھولوں کے یہ تختے تمہاری والدہ کے بغیر مجھے آتش شعلہ معلوم ہوتے ہیں۔

ابیض

حضرت خواجہ کے اصحاب (مریدین) میں سے ایک عارف روایت کرتے ہیں کہ سیادت پناہ میر غضنفر داراشکوہی حضرت خواجہ کے منظور نظر خاص تھے، سفر حجاز کے ارادہ سے حج کے لیے کمر ہمت باندھی اور آپ (قبلہ ارباب ولایت حضرت خواجہ) سے اجازت لیے بغیر ہی بڑے شوق، ذوق اور طنطنہ کے ساتھ روانہ ہو گئے اور بہت سا سامان تجارت بھی ہمراہ لے لیا، دریائے شور کے کنارے پہنچ کر جہاز میں سوار ہو گئے، (اسے روانہ ہوئے) چند دن گزرے تھے کہ باد مخالف چلنے لگی، اور جہاز کو کنارۂ ظلمات پر پہنچا دیا، سدّ سکندری بھی نمودار ہو گئی، جہاز پر سوار تمام لوگوں نے یہ صلاح دی کہ ایک شخص اپنی جان دے دے تو نقارے بجائے جائیں جس سے پرندے اڑیں اس سے ممکن ہے کہ ہمیں باد مخالف سے نجات ملے اور جہاز اس تباہی سے بچ جائے، عین اس وقت میر مذکور نے حضرت خواجہ کو یاد کیا اور آپ کے فیض باطن سے مدد و توجہ کی درخواست کی (بطور عہد) کہا کہ اگر ہم سب جہاز پر سوار لوگ اور سامان آپ کے تصرف برکت سے بچ جائے تو اس کا چوتھا حصہ آپ کی نیاز ہو گی اور عند الملاقات پیش کر دوں گا، اسی وقت جبکہ جہاز ڈوب رہا تھا تو جہاز پر سوار تمام لوگوں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ تشریف فرما ہوئے ہیں ان میں سے بعض لوگوں نے جو پہلے سے آپ کے جمال مبارک کی زیارت کر چکے تھے پہچان لیا، وہ اصحاب جو اس دولت (زیارت) سے محروم تھے انہیں بھی زیارت ہو گئی انہوں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ نے سلام کا جواب دیا، آپ نے اپنی ہتھیلی سے اس جہاز پر ضرب لگائی اور ان کی نظروں سے غائب ہو گئے، جس سے چند ہی لمحوں (میں چہاردوسہ نفس) اپنی اصل حالت میں آ گیا تو تمام اہل جہاز سلامتی مال و جان سے باہر آ گئے اور منزل مقصود پر جا

پہنچے (انہوں نے) روضۂ حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی، اور ہندوستان جانے کے لیے واپس روانہ ہو گئے ...... انہی ایام واپسی کے زمانے میں آپ نے میر مذکور کو خط لکھا، جو کہ آپ کے مکتوبات کی دوسری جلد میں درج ہے چونکہ وہ جلد اس وقت (میرے پاس) موجود نہیں ہے، اس لیے اس خط کو یہاں نقل نہیں کیا، بالجملہ اس مکتوب شریف کا ایک مصرعہ مجھے اس وقت یاد ہے جسے سعادت کے طور پر نقل کر رہا ہوں:

(۲۱۳) نشان آشنا داری بیا نزدیک من بنشیں

حاصل کلام یہ ہے کہ میر مذکور جب اپنے وطن دار الخلافہ شاہ جہان آباد پہنچ گئے تو کچھ عرصہ وہاں مقیم رہنے کے بعد سرہند شریف کی زیارت کا شوق غالب آیا، تو حضرت خواجہ کی خدمت سراپا سعادت میں حاضری کے اشتیاق سے چل پڑے اور نیاز کی رقم کا آٹھواں حصہ ساتھ لے لیا اور حضور لامع النور کی خدمت میں پہنچ گئے، جب قوم بوسی کی سعادت نصیب ہوئی تو آپ نے بلا توقف اپنے دائیں ہاتھ سے کپڑا ہٹایا اور میر مذکور کو اپنی کف مبارک دکھائی اور جہاز پر ضرب لگانے سے جو زخم آیا تھا (اس کا نشان) نمایاں تھا، فرمانے لگے کہ اب تک میری ضرب سے جو زخم آیا تھا وہ ابھی تک پوری طرح صحیح نہیں ہوا ہے۔ تم نے میری نیاز کو آدھا کیوں کر دیا ہے؟ اور چوتھے حصے کے بجائے آٹھواں حصہ کر دیا ہے تو میر مذکور نے عرض کیا کہ میری اہلیہ جو کہ آپ کی مخلصات صادقہ ہے، نے یہ جرأت کی ہے، اور آپ کے کرم کو ملحوظ رکھتے ہوئے آدھی نیاز کے لیے قرض لیا ہے، عنقریب ادا کر دی جائے گی، کہ ماما جو کہ میری بیٹی کی طرح ہے سے خرچ ہو گئی تو میں بخوشی اسے ہی بخش دوں گا۔

یہ تصرف، چند تصرفات اور ملفوظات پر مشتمل ہے......

ایضاً

ایک روز اس درویش (مولف) کو بادشاہ غفران پناہ خلد منزل قطب الدین

محمد معظم شاہ عالم (بن اورنگ زیب عالمگیر) سے صحبت میسر آئی (جب کہ اسے سلطنت ملی تو اس ملاقات میں حضرت خواجہ کا ذکر بھی آیا، وہ کہنے لگا کہ حضرت خواجہ نے مجھے سلطنت کی بشارت دی تھی اور اس کو پینتالیس سال بیت چکے ہیں، یہ سارا قصہ مجھے خدا پرست خان سے تقریباً ستر مرتبہ سننے کا اتفاق ہوا ہے، اور اسے تحریر میں لایا گیا ہے، تین احمروں نے اس ایک ابیض میں روپوشی کی ہے (سموے ہیں)۔ کہنے لگا کہ اورنگ زیب جب اپنے پانچویں سال جلوس (۱۰۷۴ھ/ ۱۶۶۳ء) میں جنت نظیر کشمیر گیا تو راستے میں بصد شوق و آرزو وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں سرہند شریف گیا، مجھے معلوم نہیں ہے کہ بلدۂ لاہور سے یا جب کہ بادشاہ زادہ محمد معظم شاہ کو جب دکن کی صوبہ داری ملی تو اسے رخصت کے وقت شہزادہ سرہند بھی آیا اور اس نے وہاں کے مشہور شاہی باغ میں پڑاؤ ڈالا، تو اس وقت اس نے حضرت خواجہ کے قدیم مرید میر رفعت گرزدار کو آپ کی خدمت بابرکت میں بھیجا اور خود اپنے والد کے خوف سے حاضر نہ ہو سکنے کا عذر کیا، میر مذکور حاضر ہوئے (۲۱۴) اور دستور کے مطابق السلام علیکم عرض کیا، جواب میں وعلیکم السلام سے سرفراز ہوئے، کیوں کے میر مذکور کی ہمیشہ سے یہی عادت تھی، اور حضرت خواجہ نے بھی از راہ شفقت یہی جواب دیا، القصہ شہزادہ کا پیغام بطریق احسن پہنچایا گیا، آپ فرمانے لگے کہ ہمارا سلام بھی شہزادہ سے کہہ دینا، اور کہیئے کہ اس کامل اشتیاق احتیاج کے باوجود ملاقات میں خوف مانع ہے، ہم فقیروں کے ساتھ اس شخص (اورنگ زیب) کی کامل شناسائی ہے......شہزادے نے دوسرے دن بھی سرہند شریف میں قیام کیا، اور میر مذکور کو بصد عاجزی پھر بھیجا کہ مجھے اپنے والد کی طرف سے خوف ہے، لیکن حضرت خواجہ کو کسی کا خوف نہیں ہے بلکہ درخواستگزاروں کی پرورش مقصود رہتی ہے، اس لیے وہ بھی رحم کا امیدوار ہے:

ترحم یا ولی اللہ ترحم

الغرض حضرت خواجہ نہایت مہربانی فرماتے ہوئے خود (اس کے پاس) تشریف

لے گئے، شہزادہ یہ خوشخبری سن کر فوراً آگے بڑھا اور غسل خانہ تک آپ کا استقبال کیا، اور سلام عرض کیا اور خود بڑی سرعت کے ساتھ آپ کے قدموں میں گر پڑا، اس وقت وہ نہایت تواضع و انکسار کے باعث سادہ لباس پہنے ہوئے تھا اس لیے آپ کو خیال آیا کہ شاید یہ داروغۂ غسل خانہ ہے، آپ نے پوچھا آپ کا اسم شریف کیا ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ''فقیر محمد معظم'' تو آپ کو معلوم ہوا کہ یہی شہزادہ ہے جو اس قدر تواضع کے ساتھ پیش آیا ہے، فرمانے لگے تم نے فقراء کا بہت ادب و احترام کیا ہے .... تمہارے والد کی وفات کے بعد ہندوستان کی سلطنت تمہیں ملے گی، اور یہ خلعت فاخرہ تم ہی پہنو گے، لیکن یہ کام جلدی نہیں ہو گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا، پینتالیس سال کے بعد یہ فرخندہ بشارت پوری ہوئی اور اس وقت تک اس کی اولاد میں بادشاہت موجود ہے، ہر چند مخالفوں نے دوسروں کو (تخت نشین) کرنا چاہا لیکن ایسا نہ ہو سکا......

ابیض

(۲۱۵) ایک صالحہ نے جو حضرت خواجہ کی ارادت مند تھیں اس وقت روایت بیان کی کہ میرے والدین (جدین) حضرت کے خاص مریدین میں سے تھے، اتفاق سے بادشاہ وقت نے پنجاب کے پرگنات میں سے ایک پرگنہ جو کہ گجرات کے قریب واقع تھا کی خدمت ان کے سپرد کی؛ وہ وہاں سے ہمیشہ حضرت خواجہ کی خدمت میں نیاز نامے (خطوط) ارسال کیا کرتے تھے جن کے جواب میں حضرت بھی نواز شناموں سے نوازا کرتے تھے، ایک مرتبہ میری جدہ نے سرہند شریف جا کر حضرت خواجہ کی قدم بوسی کے لیے اپنے شوہر سے اجازت مانگی، ان کے شوہر نے اسے اپنی سعادت سمجھتے ہوئے بلا تامل اجازت دے دی، اس نے دو خچر ایک بقیمت پانچ سو روپے اور دوسرا تین سو روپے میں خرید کر اپنے بیوی کے حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ خچر جو پانچ سو روپے میں خریدا ہے میری طرف سے حضرت خواجہ کی خدمت میں نیاز ہے، جو تم آپ

سے ملاقات کے بعد پیش کر دینا، دوسرا خچر تمہارے لیے ہے اور ان کے درمیان ردوبدل نہ کرنا، یہ کہہ کر اس نے اسے رخصت کر دیا، وہ صالحہ نہایت ذوق وشوق کے ساتھ چل پڑی، یہاں تک کہ سرہند شریف کا فاصلہ صرف ایک مرحلہ رہ گیا تو مردود شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ خچر تبدیل کر لیے جائیں اور قیمتی خچر خود رکھ لوں کہ وہ زیادہ بوجھ اٹھا سکتا ہے، اور دوسرا بطور نیاز پیش کر دوں گی، جونہی اس کے دل میں یہ وسوسہ آیا نیاز کے لیے دیا گیا بیش قیمت خچر فوراً مر گیا تو اس مخلصہ کو اس کا بہت ہی صدمہ ہوا کہ مجھے ایک طرف تو پیر بزرگوار سے خجالت اٹھانی پڑے گی اور دوسری طرف اپنے شوہر سے بھی شرمندگی ہوگی، .... اس حیرت و پریشانی کے عالم میں اسے حضرت خواجہ کی مہربانی یاد آئی جس سے اسے تسلی ہوئی، بہرحال امید و ناامیدی کی کشمکش میں بادل دو نیم دوسرے روز بھی قیام کیا اور سرہند شریف پہنچ گئی، حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضری دی اور آپ کی عنایات سے بہرہ ور ہوئی، کچھ دیر کے بعد عرض کیا کہ میرے شوہر نے خچر بطور نیاز دیا ہے امید ہے شرف قبولیت بخشیں گے، اس پر آپ نے فرمایا کہ وہ خچر جو میرے لئے تھا مر چکا ہے اب میں تمہارا خچر کیوں کر لے لوں۔ اس نے بہت ہی منت ساجت سے کام لیا، آپ نے منظور نہ کیا اس کے باوجود اس مخلصہ نے اپنے بہت سے فضائل حضرت خواجہ سے معلوم کیے اور چند دنوں کے بعد رخصت ہوگئی جب اپنے شوہر کے پاس پہنچی تو وہ بزرگ بھی صاحب کشف تھے اپنی اہلیہ کی بدنیتی سے اس کے بیان سے پہلے ہی آگاہ ہو گئے اور پانچ سو روپے بطور نیاز بصد انکسار بذریعہ ہنڈی سرہند ارسال کیے، جسے آپ نے قبول فرما لیا، البتہ یہ جان لینا چاہیے کہ اس تصرف کی راویہ (۲۱۶) ان جدین کی مادری اولاد تھیں پدری میں سے نہیں تھیں۔

ابیض

ایک روز ایک عزیز کی طرف سے حضرت خواجہ کی عفت مآب صاحبزادیوں سے

متعلق نامناسب باتیں آپ کی خدمت عرض کی گئیں اور اس نے اپنی طرف سے کچھ اس طرح بڑھا چڑھا کر بھی بیان کیا کہ حضرت خواجہ کی طبیعت مبارک جوش میں آ گئی کہ میری منجھلی خالہ بیان کرتی ہیں کہ ظہر کی نماز کے بعد کا وقت تھا اور آپ اپنے مکتوبات قدسی نکات تحریر فرمانے میں مصروف تھے کہ آپ کی عینک بینی مبارک سے گر پڑی اور آپ کی زبان الہام ترجمان سے نکلا کہ وہ (غیبت کرنے والا) مر گیا ہے، آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ درد قولنج میں مبتلا ہو گیا اور پانچ چھ دن اس تکلیف میں رہ کر فوت ہو گیا۔

''ہم اللہ قیوم سے پناہ مانگتے ہیں اور امام معصوم کی غیرت سے بھی۔''

ابیض

حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر (خلد مکان) کی طلب بلکہ حضرت رحمٰن تعالیٰ کے الہام کے بموجب عمر کے آخری حصہ میں دارالخلافہ شاہ جہان آباد کا سفر اختیار فرمایا تھا وہاں انہیں اپنے برادر گرامی حضرت خواجہ محمد معصوم سے ملاقات کا اشتیاق ہوا تو آپ نے حضرت خواجہ کو طلب فرمانے کے لیے مکتوب لکھا جو آپ کے مکاتیب میں درج ہے، اس مکتوب میں آپ نے ایک ہندی دوہڑہ بھی لکھا جسے یہاں تبرکاً نقل کیا جا رہا ہے:

نہ مجھ پنکھ نہ پانو بل اور پیا بست ہیں دور
نہ میں چلوں نہ اڑ سکوں مروں بسور بسور

اس کے معنی یہ ہیں کہ نہ تو میرے پر ہیں اور نہ ہی میرے پاؤں میں طاقت اور معشوق کی منزل بھی دور ہے، نہ مجھ میں جانے کی ہمت ہے اور نہ ہی اڑنے کے قابل ہوں (تاب نہیں ہے) اور غم خوردہ دل میں ہی مرتا جا رہا ہوں۔

جب یہ محبت بھرا خط حضرت خواجہ کے پاس پہنچا تو آپ نے بھی اس کے جواب میں فقرہ محبوبانہ تحریر فرمایا ہے اور وہ آپ کے مکتوبات (معصومیہ) کی تیسری جلد کا پہلا

مکتوب ہے، جسے حصول سعادت کے لیے یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے،
مصرعہ (ترجمہ) آنجناب کی طرف سے مجھے مکتوب ملا۔
سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہم سے غم دور کیا۔ عقیدت و نیاز مندی کے مراسم کی ادائیگی کے بعد عرض ہے کہ عنایت نامۂ نامی و مکتوب گرامی جو کہ آپ نے نہایت لطف و مہربانی سے ملا طاہر کے ہاتھ (۲۱۷) اس بے تسکین مسکین کے نام ارسال فرمایا تھا، وصول کر کے سعادت منذ ہوا، جس میں مہربانی و بندہ پروری کے باعث شوق آمیز واردات اور عشق انگیز فقرے درج تھے، کے مطالعہ نے اہل اشتیاق کی آگ کو دو چند اور ان کے شعلۂ شوق کو سر بلند کر دیا، (ترجمۂ مصرعہ)

پانی روغن لفظ کی مانند آگ کا مدد گار ہو گیا

بے شک لطف محبوب اس کی بے نیازی کی طرح عشق افزا اور آتش انگیز ہے، مشتاقین کی حالت سوختہ کو یہ ہندی مصرعہ واضح کرتا ہے۔
''عاشق بغیر بجھے ہوئے چونے کی کنکری کی مانند ہے، جب اس پر پانی پڑے اس وقت آگ کی طرح ہو جاتا ہے۔'' (ترجمہ)
عاشق مسکین کو نہ ناراضی کی تاب ہے نہ عنایت کی طاقت اور نہ غصے کی برداشت ہے نہ مہربانی کا حوصلہ، مصرعہ

وصل ہجر سے زیادہ جان لیوا ہے (ترجمہ)

حدیث پاک میں ہے ''اگر وہ اس پردے کو اٹھا دے تو اس کی مخلوق میں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی صفت بصر پہنچے اس کی ہر چیز کو جلا دے'' اس مفہوم کی شاہد ہے۔

''میں تسلیم کرتا ہوں کہ ہمارے غم خانۂ دل میں یار خوش خرام ہے لیکن اس کے دیدار کا حوصلہ و طاقت کس میں ہے'' (ترجمہ شعر)

''بے شک بادشاہ کی بخششوں کو اس کی بار بردار سواریاں ہی اٹھا سکتی ہیں''

عاشق کی ہستی جب تک درمیان ہے سیکڑوں آزمائشوں کی مورد ہے، اس کی بھلائی فنا ہونے میں ہے اس کی کامیابی ہستی کو ترک کرنے میں ہے ممکن سے زیادہ بے مراد معلوم نہیں کہ کوئی ہو، کمال کی نفی کرنا اس کے حق میں کیا کمال ہے اور اچھائی کی نفی کرنے میں اس کی اچھائی ہے، جس کا کمال، کمال کی نفی کرنے میں ہو اور اس کی بھلائی اس کی نیستی میں ہو وہ اپنے اللہ کے کمال کی کیا خبر رکھتا ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی ہستی کے جمال کو کس طرح معلوم کرے گا مگر وہ شخص جو کہ اپنی ہستی کے جال میں اس کی ہستی کا شکار کرے اور وجود موہوب کے ساتھ موجود ہو جائے اس اعتبار سے عارف ہی معروف ہوگا اور واجد ہی موجود ہوگا، بات طویل ہوگئی ہے،

بندے کو چاہیے کہ اپنی حد کو پہچانے

آپ نے اس مسکین کی آمد کا انتظار ظاہر فرمایا ہے

(ترجمہ مصرعہ) دوست کا ایک اشارہ ہمارے لیے سر کے بل دوڑنے کا باعث ہے

فقیر کے لیے سعادت ہے کہ آنجناب کی خدمت میں پہنچے اور بے حد فرحت و شادمانی والی صحبت کی برکات سے مستفید و سعادت مند ہو سکے،

انتہی۔ مکتوب المقدس قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس

یہ مکتوب مبارک ارسال کرنے کے بعد حضرت خواجہ نے سفر کے لیے کئی مرتبہ استخارہ فرمایا، روانگی کے لیے راستہ نظر نہ آیا، لیکن ان کے امر شریف کے پیش نظر اس کو استخارہ تصور کرتے ہوئے (۲۱۸) عازم سفر شاہ جہان آباد (دہلی) ہوئے سرہند سے

صرف سات میل کے فاصلہ پر سرائے الوہ ہے جہاں آپ نے پہلی بار منزل فرمائی، وہاں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر منکشف ہوا کہ حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کا تابوت پہنچنے والا ہے، اور الہام ہوا کہ کہاں جا رہے ہو؟ دہلی سے روانگی کے بعد تمہارے بھائی کا سنبھالکہ کے مقام پر وصال ہو جائے گا، چلو اور ان کے مدفن کا سامان مہیا کرو، حضرت خواجہ محمد معصوم کے فرزندان اور مریدین جو اس وقت وہاں موجود تھے، کو آپ نے اس سے آگاہ فرمایا، آپ سفر (ملتوی کرتے ہوئے) واپس وطن (سرہند) پہنچے، بیٹھے ہوئے تھے کہ قاصد یہ وحشت ناک خبر لایا یعنی جیسا فرمایا تھا ویسا ہی وقوع میں آیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون (ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہمیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے)......

ابیض

بدیع الزمان خان جو فصیح اللسان، کثیر البیان اور راسخ الاعتقاد تھے اپنے والدین کی حضرت خواجہ کے ساتھ محبت کو بڑے ولولے، شوق اور رسوخ کے ساتھ مجالس اور خلوتوں میں کامل حلاوت کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے، ایک روز یہ حکایت سنائی کہ موسم برسات میں اورنگزیب اکبرآباد میں شکار کی غرض سے دریائے جمنا میں سخت طغیانی کے دوران کشتی پر سوار ہو کر نکلے تو اس وقت ایک کافر بدبخت نہایت تیزی کے ساتھ آداب مجرا کے لیے دریا میں چلا گیا جملۃ الملکی اسد خان، جو کہ بادشاہ کی نگرانی پر مقرر تھا اسے منع کیا لیکن وہ نہ مانا تو خان مذکور (کے والد نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا) وہ گھوڑے کی زین سے الگ ہو کر دریا کے وسط میں شمال سے آنے والی ایک تند موج کی زد میں آ کر غرق ہونے لگا تو اس وقت اس کے ذہن میں حضرت خواجہ کی یاد آئی اس نے دیکھا کہ حضرت حاضر ہیں اور فرماتے ہیں کہ فوراً نفی و اثبات کا ذکر حبس نفس کے ساتھ کرو، اس نے ایسا ہی کیا تو وہ دریا میں پانی کے اوپر آ گیا، بادشاہ نے کشتی کو سیدھا کیا اور غوطہ خوروں کو حکم دیا کہ اس مغل کو باہر نکال لائیں تو انعام کے مستحق ہوں گے وہ

گئے انہوں نے اسے پہچان لیا اور یہ بھی جان گئے کہ اس کے نیچے کوئی آدمی ہے، ......
انہوں نے ڈوبنے والے کو بچا لیا اور دیکھا کہ پانی میں اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچی ہے،
انہوں نے فوراً اسے بادشاہ کے حضور پیش کر دیا، اسد خان نے عرض کیا کہ اے بادشاہ
اسے آپ کی وجہ سے نجات ملی ہے، تو ڈوبنے والے نے کہا کہ اس میں تیرا کوئی کمال
نہیں ہے وہاں تو صرف میں اور میرے پیر تھے، اگر مدد معصومی میرے شامل حال نہ
ہوتی تو اب تک ان شور انگیز (۲۱۹) موجوں میں سے میں کبھی ساحل تک نہ پہنچتا، (یہ
بتا کر) وہ شاہی عنایات سے نوازا گیا بادشاہ کے ساتھ شکار کھیلا ان دونوں گھوڑوں کو بھی
کچھ نہ ہوا...... عین غرقاب میں اس نے اس سے خلاصی کے لیے دو سو یا ایک سو روپے
حضرت خواجہ کی نیاز کے لیے نیت کی، جان بچ جانے کے بعد اس نے بادشاہ سے
اجازت لی اور سرہند شریف کا رخ کیا، جب وہ دارالخلافہ پہنچا تو اپنے گھر والوں سے
نیاز کی رقم طلب کی تو اس کی اہلیہ نے کہا کہ مجھے بھی اس سعادت سے بہرہ مند کرو،
غرض وہ دونوں میاں بیوی دارالارشاد (سرہند) پہنچے، جب حضرت خواجہ کی خدمت
لامع النور میں گئے تو نیاز کی رقم آپس میں تقسیم کر لی آدھی رقم اس نے اپنی بیوی کو دی
کہ وہ اندر جا کر محل زنانہ میں دے دے اور باقی نصف رقم اس نے خود حضرت کی
خدمت میں پیش کی تو آپ فرمانے لگے کہ وعدہ تو تم اکیلے نے کیا تھا اب دو کیوں کر
ہو گئے؟ یہاں یہ ابیض ختم ہوا جو (دو ابیضوں پر مشتمل ہے)۔

اے مرشد، قیوم، امام کامل، رحیم، قوی تصرف والے یہ عاصی، تباہ کار، شکستہ
روزگار، (مولف مقامات معصومی) بھی ظلمت معصیت کے سمندروں میں غرق ہے اور
اس گرداب درد سے نجات محض تیری توجہات کی برکت سے ممکن ہے، اس جلیل
الاعتبار کام کو شروع کر کے تیرے الطاف کے لیے منتظر بیٹھا ہوں ......

اگرچہ عین بے چینی میں اپنے حال پر تمہاری بے شمار عنایات کا مشاہدہ بھی کر چکا
ہوں، چنانچہ ان میں سے بعض کا عنقریب تذکرہ بھی کروں گا اگرچہ آپ نے اپنی

روحانیت سے مجھے اسرار باطن کے باب میں بھی تربیت فرمائی تھی جس سے میرا (روحانی) معاملہ ترقی پذیر ہے۔ جس کا ذکر اداء شکر کے طور پر ہر مقام پر کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی توفیق سے...... ان کی کامل دستگیری کا امیدوار بھی ہوں......

گناہوں کے اس ہجوم میں اگر زندگی کے آثار ہیں تو وہ محض حضرت خواجہ کے تصرفات سے ہیں اور کل بروز قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے حضرت حق سبحانہ مجھے تمام احباب سمیت حضرت خواجہ کے جھنڈے تلے جمع کرے اور جب اس رستخیز میں آواز آئے میں اسی ارشاد معصومی کی نوبت سنو......

(۲۲۰) چونکہ آغاز سے ہی اس کرامت سے مانوس ہوں اور امیدوار ہوں کہ دم واپسیں پر بھی اسی نعمت سے نوازا جاؤں...... [۱]

ابیض

ایک روز یہ مسکین (مولف) مختلف اسفار میں سے ایک سفر کے دوران ایک صحرا میں جب کہ سورج کی گرمی پوری شدت کے ساتھ پڑ رہی تھی اخراجات کی تنگی میں گرفتار تھا، یہاں تک کہ میرے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں تھی، بھوک اور پیاس میری عادت کا حصہ بن گئی تھیں، اسی اثناء میں میرے بیٹے ابو داؤد نیاز احمد مدعمرہ نے جو کہ میرا رفیق سفر تھا حضرت خواجہ کی روح پرفتوح سے مدد کی درخواست کی اور کہا کہ اس وقت حضرت خواجہ مدد کو آئے ہیں فقیر (مولف) نے اسے ہر طرح مبالغہ کیا کہ ایسا کرنا ترک ادب کے مساوی ہے، اس نے یقین کامل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ اپنی بات دہرائی تو اسی وقت غیب سے ایک آدمی آیا جسے میں نے نہیں دیکھا ہوا تھا، کہا کہ نواب نظام الملک نے یہ مبلغ پچاس روپے تمہاری نیاز کے لیے بھیجے ہیں لے لو اور رسید لکھ کر اسے دے دی اس کے بعد میں نے اپنے حال پر بہت ہی فراخی کا مشاہدہ کیا۔

---

[۱] سابقہ مطالب کی تکرار

ابیض

ایک روز جبکہ اعتماد الدولہ محمد امین خان مرحوم اور امیر الامراء حسین علی خان کے درمیان جنگ ہو رہی تھی کہ میں (مولف) بھی لشکر ظفر میں موجود تھا اس وقت ہر طرف سے تیر و تفنگ بارش کی طرح برس رہے تھے، موت کی تلوار ہر خاص و عام تک پہنچ چکی تھی اور مال و اسباب تباہ ہو چکا تھا، کچھ باقی نہیں بچا تھا لیکن سب کچھ سیکڑوں ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا اگر کوئی چیز سالم تھی تو وہ بھی اپنی جگہ سے دوسری جگہ جا چکی تھی، حتیٰ کہ امیر الامراء اور اس کے مقربین کے خیمے تک باقی نہیں رہے تھے، اس وقت یہ حقیر (مولف) سعادت و شجاعت شعار، ولایت و شرافت آثار، محمد شریف بیگ عرب جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کے خاص معتقد اور حضرت خواجہ کے فدوی بے رنگ تھے، کے خیمہ میں تھا، یہ بزرگ بھی میری طرف سے دعا فاتحۂ خیر کا سن کر میدان جنگ کی طرف لپکے خواتین (۲۲۱)، مردوں اور بچوں کی ایک کثیر تعداد کو اس آوارہ (مولف) کے ساتھ حسن ظن پیدا ہو گیا تھا، اس خیمہ کے گرد بہت سا مال و دولت جمع ہو گیا تھا اور ہر طرف ایک قیامت کا سا سماں بندھا ہوا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت خواجہ وہاں تشریف لائے ہیں اور اپنی مبارک انگلی سے اس خیمۂ (محمد شریف بیگ عرب) کے گرد دائرہ کھینچ کر فرماتے تھے کہ یہ خیمہ آفات سے محفوظ رہے گا، میں نے حاضرین کو اس کی خوشخبری سنائی اور فرماتے تھے کہ تیری وجہ سے کہ تو اس میں موجود ہے محمد امین خان کو فتح ہو گی، میں نے یہ بات وہاں بلند آواز سے سب کو بتائی، عارف سریع السیر شیخ محمد زبیر سلمہٗ ربہٗ کے مرید حاجی قندھاری نے جو کہ خود صاحب کشف و شہود ہیں مصالحت وقت اور محبت و یگانگت کے باعث مجھے ایسا کرنے سے منع کیا کہ اس وقت امیر الامراء اور غیرت خان کے پاس ایک لاکھ (محفوظ) فوج موجود ہے جبکہ ہماری طرف سے ایک ہزار فوج بھی حاضر نہیں ہے، اس لیے عالم اسباب میں فی الحال اس کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے حضرت خواجہ کی طرف سے

یہ خوشخبری ملی ہے۔ جس میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہیں ہے، کیوں کہ برکات معصومی دراصل فتح آسمانی ہی ہیں یعنی آیت کریمہ (ترجمہ) ''اور مدد نہیں ہے مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس ہے'' اس کے شامل حال ہوگئی تو اس کم تعداد فوج کے اس کثیر فوج کا بہت سا مال غنیمت ہاتھ لگا، گویا کہ بحکم (ترجمہ) ''بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گر.ہ پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے'' بلکہ فتح مند ہونے کے بعد محمد شریف نے روایت کی کہ اس شدید جنگ کے دوران ساٹھ سے زیادہ جنگی سوار کارگزار نہیں تھے یہ فتح تو محض حضرت خواجہ کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ بہر حال (فتح کی خوشی) کے شادیانے سن کر بہت سے امراء نے ہر طرف سے اس بے اعتبار فوج کو جمع کیا اور وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے تھے..........

اس عاصیٔ دور از کار (مولف) نے سرہند شریف سے نکلنے کے بعد اپنے آپ کو اس سفر کے دوران دارالخلافہ شاہ جہاں آباد میں مقید کر لیا تھا جس کی تفصیل اس کتاب کے خطبہ میں گزر چکی ہے، صرف حضرت خواجہ کے تصرفات کی برکات کے باعث اس سے باہر آنے کی سعادت و فراخی میسر آئی، اور اکبر آباد میں حلاوت دیکھتے ہوئے لشکر کے ساتھ شاہ جہان آباد سے سفر کیا اس میں حضرت خواجہ کے واضح اشارات اور صحیح بشارات شامل حال تھیں......[1]

ابیض

(۲۲۲) ایک قنات پسند صالحہ سے روایت ہے کہ میرا بیٹا فسق و فساد میں مبتلا تھا، ایک روز میں نے اس کی اصلاح کے لیے حضرت خواجہ سے فاتحہ پڑھوائی، فرمایا کہ بابا غمگین نہ ہو بہت جلد اس کا فسق صلاح میں بدل جائے گا، آخر چند ہی دنوں میں اس کرامت (بشارت) سے وہ متقی و صالح ہو گیا۔

---

[1] تکرار مطالب

ابیض

منصبداروں میں سے ایک ایسا عہدہ دار جو شاہی خدمات پر بھی مامور تھا اور وہ نسبی اعتبار سے سید بھی تھا اور بظاہر وہ کامل استقامت بھی رکھتا تھا ایک روز اس عاصی (مولف) سے اپنے احوال بیان کرنے لگا کہ جوانی کے عالم میں جب مجھے ظاہری دولت بھی میسر تھی تو میں نے فسق و فجور کے تمام اسباب مہیا کر لیے اور شب و روز اپنے نفس اور شیطان کے طابع بسر کرنے لگا، خزاں و بہار سب کے سب شراب نوشی و معشوقوں کے حوالے کر دیے اور اہل صحبت سے یہ ترانہ اپنی زبان حال سے کہتا تھا:

توبہ موسم جوانی بکن آنچہ میتوانی　　　که بروزگار پیری نہ کند کسی جوانی

یہاں تک کہ ایک روز خوش نصیبی اور کریم ذونوال کے محض فضل سے اپنے خال اکرم جو کہ حضرت خواجہ کے مرید اور فصیح البیان شاعر بھی تھے کے ہمراہ سرہند شریف حاضر ہوا اور ان امام معصوم کی صحبت میسر آئی، نماز عصر کے وقت میری کمر میں ایک غیر شرعی قسم کا زرین کمر بند (غوطہ) تھا، مجھے حضرت خواجہ کے قریب (۲۲۳) جگہ ملی میرے سلام عرض کرنے پر مجھ بندۂ شرمندہ سے ارشاد فرمایا کہ اب نماز کا اعادہ (دوبارہ ادا کرنا) لازم ہو گیا ہے کہ نامشروع کپڑے کے ساتھ نماز جائز نہیں ہے، عرض کیا کہ استقامت ایک مشکل امر ہے لیکن حضرت کی توجہ سے اس میں سے بعض پر عمل کرنا ممکن ہو سکتا ہے، فرمانے لگے کہ استقامت اختیار کرو اس صحبت (کی برکت سے) تا حال مجھے استقامت میسر آ گئی ہے جس کے لیے اس نعمت کے حصول پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ جو کہ حضرت کا تصرف عالی ہے۔ اور استقامت کو کرامت پر فوقیت دی گئی ہے۔ ورنہ یہ کم حوصلہ کہاں؟

بحر معانی کے واقفوں، قلزم سخن دانی کے مستغرقوں پر یہ بطریق احسن واضح ہے کہ حضرت خواجہ کے تصرفات و کرامات آسمان کے ستاروں کی طرح درخشاں و تابندہ ہیں۔ اگر کثرت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو انہیں ان سے بھی زیادہ کہا جائے تو

درست ہوگا آپ کے حسنات آپ کے جد اکبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح آسمان کے ستاروں جتنے ہیں ...... حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حسنات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حسنات میں سے ہیں اور طریقۂ علیہ نقشبندیہ کا انتساب بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، چونکہ حضرت خواجہ اس طریقہ کے امام ہیں اس لیے تمام مقامات میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نصیبۂ خاص کے ہر وقت امیدوار رہتے ہیں بلکہ اس میں سے نصیب کامل آپ کو ملا ہے، ''پس سمجھو اور انکار کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ''۔ (ترجمہ آیت)

حضرت خواجہ کے تصرفات و کرامات کا شمار اور حساب تو صرف علام الغیوب (اللہ تعالیٰ) کو ہی ہے، لیکن (اس کتاب کی) تالیف کے وقت آپ کے چھتیس تصرفات میرے دل میں حلاوت انگیز ہوئے، ان شاء اللہ تعالیٰ لطائف کے بیان کی خاطر چند لطائف عنقریب عرض کروں گا۔......[1]

(۲۲۴) لطیفۂ اول

اگرچہ کنز سابق میں چوالیس احمر اور چھتیس ابیض بھی بیان ہو چکے ہیں جو مل کر ۸۰ ہوتے ہیں اور دن رات کی نمازوں کی رکعات، فرض، واجبات، سنن موکدات و متطوعات کی کل تعداد بھی اسی ہی ہے، اس طرح پانچ فرض مع وتر کی تعداد بیس ہوتی ہے، سنن موکدہ کی بارہ رکعتیں، بارہ ہی اشراق کی اور تہجد کی بھی بارہ ہی ہیں اور زوال کی سنتیں بھی چار ہیں جو سنت نماز عصر کی طرح کی ہیں، قیام اللیل کی سنتیں بھی چھ رکعت ہیں، وتر سے قبل چار رکعت ہیں اور وتر کے بعد دو رکعتیں اور نماز اوابین کی بھی چھ رکعتیں ہیں۔ جیسا کہ اکثر (فقہا) کا قول ہے اور ظہر کی نماز کے بعد چار رکعت نفل ادا کرنا ہی اولیٰ ہے۔ جیسا کہ حضرت خواجہ کے اعمال میں اکثر اس کا (اہتمام)

---

[1] تکرار مطالب

ہے[۱]۔

لطیفہ دوم

جیسا کہ شب و روز کے فرائض، وتر، سنن موکدہ، نماز عصر کی چار سنتیں رکعتوں کی مجموعی تعداد جیسا کہ اس کتاب کی مفتاح چہارم میں بتحقیق بیان کی جا چکی ہے جو کہ چھتیس تک پہنچی ہے اور آپ کا ہر تصرف قبولیت اور کثرت ضیاء کے باعث ان رکعات کی طرح ہے۔ اس لیے اس مناسبت سے ان کی تعداد ۳۶ پر اکتفاء کی ہے۔

لطیفہ سوم

چونکہ حضرت خواجہ کی عمر مبارک بہتر سال تھی جس کا نصف چھتیس ہوتا ہے اس لیے یہاں (تصرفات و کرامات کی تعداد کے اندراج میں) آپ کی عمر کے نصف کی رعایت رکھی گئی ہے اور یہاں خواجہ عالی شان، معدن الفضل والعرفان محمد ہاشم کشمی قدس سرہ کا اتباع (تشابہ) کی گئی ہے کہ انہوں نے زبدۃ المقامات میں حضرت مجدد الف ثانی کی کرامات آپ کی عمر مقدس ۶۳ سال کی رعایت سے اس کا نصف ۳۱ (کرامات) درج کی ہیں۔

لطیفہ چہارم

اگرچہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا نصاب کامل اکتالیس ہے اس اعتبار سے اسی احمر (۲۲۵) اور ابیض خزائن معصومی میں سے مجھے ہمدست ہوئے ہیں اگرچہ چوالیس احمر ہیں جو کہ زکوٰۃ کے کامل مستحق ہیں، لیکن ابیض چھتیس ہیں ۷ احمرات کو اپنے ساتھ منطبق کر کے زکوٰۃ کا کامل مستحق قرار دیا ہے پس یہ محتاج رجامند (مولف) اس قبلۂ کونین (حضرت خواجہ) سے دنیا و آخرت میں زکوٰۃ کا طالب ہے۔

---

[۱] دی گئی تفصیل کے مطابق یہ تعداد ۸۲ بنتی ہے۔

لطیفہ پنجم

ماہ رمضان شوال کے چھ روزوں سمیت چھتیس کا ہوتا ہے اس اعتبار سے آپ
کے تصرفات بھی جو کہ ابیض ہی ہیں اس سے کامل مناسبت رکھتے ہیں اور گیارہ ماہ کے
۳۳ روزے یعنی ہر ماہ تین روزے ہوں، اول ذی الحج کے ۹ روزے، یوم عاشور کا
ایک روزہ اور پندرھویں شعبان کا ایک روزہ ان سب کو ملا کر شمار کیا جائے تو ان کی کل
تعداد اسی ہوگی جو کہ اس مفتاح کے احمرات و ابیضات کی مجموعی تعداد کے برابر ہے جو
کہ نصاب و زکوٰۃ و صیام کے سلسلہ میں اس قطب الانام امام ہمام (حضرت خواجہ)
کے حد کمال کو ظاہر کرتی ہے یہ ناقابل اور پست فطرت مسکین (مولف) جس نے اپنی
ساری عمر گناہوں اور خطاؤں میں بسر کی ہے اس غوث البریات سے تمام حالات میں
صدقات کا امیدوار ہے............

مفتاح ششم

(۲۲۷) حضرت خواجہ کے اس جہان سے فردوس الجنان کی طرف انتقال اور آپ کے روضۂ منورہ کی تعریف کا بیان اور اس سے متعلق دیگر امور

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحمت والا ہے۔

(جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) (ترجمہ) ہر جان کو موت چکھنی ہے اور تمہارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو یہی دھوکے کا مال ہے، بے شک تمہیں انتقال فرمانا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے، جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے، اور جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ان کی سواریاں گروہ گروہ جنت کی طرف چلائی جائیں گی یہاں تک کہ جب وہاں پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے اور ان کے داروغہ ان سے کہیں گے سلام تم پر تم خوب رہے تو جنت میں جاؤ ہمیشہ رہنے اور وہ کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنا وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث بنایا کہ ہم جنت میں رہیں جہاں چاہیں تو کیا ہی اچھا ثواب کامیوں کا......

اللھم صل و سلم علیٰ سیدنا و مولانا و شفیع ذنوبنا محمد نبی الرحمت و شفیع الامۃ ...... اصحاب قبور کے آثار کا مشاہدہ کرنے والوں، یوم قیامت کے انوار کے منتظر، نیند اور موت کو زندگی پر ترجیح دینے والوں، زمینوں اور آسمانوں کی تخلیق پر غور کرنے والوں، دارالقرار کی حقیقت کے واصل، ''سبحانک فقنا عذاب النار'' کے قائلین، (۲۲۸) اس آیۂ کریمہ کہ (ترجمہ) ''دنیا کا جینا (تو دراصل) آخرت کا سرمایہ ہے[۱]'' کے مفہوم کے سمندر کے غوطہ خوروں، ''متاع الغرور[۲]'' کا نظارہ کرنے والوں، قرب و وصال کی دولت کے خواہشمندوں، وہم اور

---

[۱] [۲] قرآن مجید ۵۷/ ۲۰

خیال کے پردہ کے کاشف، اس آیۃ کریمہ (ترجمہ) ''مجھے مسلمان اٹھا اور ان سے ملا جو تیرے ''قرب خاص کے لائق ہیں'' کے پیروکاروں، اس آیۃ شریفہ (ترجمہ) ''بے شک اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا'' کے معنوں پر غور کرنے والوں، (اس نص قطعی) (ترجمہ) ''جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ ہی بیٹے، مگر وہ جو اللہ کے حضور سلامت دل کے ساتھ حاضر ہوا'' (کے عمل) سے خوف زدگان اور انبیاء کرام کی اتباع میں حضرت رب کریم کے جمال یزال کے شائقین کہ جن کی شان میں کیا گیا ہے کہ (ترجمہ) ''بے شک یہ ہمارے مخلص بندے'' ہیں۔ خدا رسیدہ اولیاء کے متعلق یہ سنا ہے کہ انہوں نے اس خواہش (وصال) کی تمنا میں اپنے لیے نذر واجب قرار دیا ہے کہ اگر حکیم اس مرض کو لاعلاج کہے اور موت کی خبر دے تو میں بہت سے روپے اللہ تعالیٰ کی نذر دینا کے طور پر دوں گا، اب تو آپ اپنا سارا وقت کار وصل جو کہ اختراع وہم اور خیال آرائی سے پاک حقیقت ہے، میں صرف کرنے لگے اور اب اس یقینی امر (وصال) کے سوا آپ کو دوسرا تصور ہی نہ آتا تھا اور اسی کی تجلیات وظہورات ہی دکھائی دیتے تھے، مشاہدات ومکاشفات سے بھی (شفاء وزندگی) کی تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ مخفی نہ رہے کہ بارگاہ خداوندی کے مقربین جنہوں نے دریائے نبوت میں خودکو غرق کیا ہوتا ہے، بہت دور تک جا چکے ہوتے ہیں اور باریک بینی سے کالیا ہوتا ہے وہ امواج حیرت کے سوا کچھ نہیں دیکھتے انہوں نے برخس وخاشاک سے ''انی انا اللّٰہ'' سنا ہوتا ہے پس مجبوراً ان کا دیکھنا، سننا اور سمجھنا غیر فہمیدہ ہوتا ہے، اس موقع پر حضرت خواجۂ بزرگ خواجہ نقشبند قدس سرہ نے فرمایا ہے:

نظم

''جو کچھ تم نے دیکھا، سنا اور سمجھا ہے یہ سب کچھ ''غیر'' ہے اور کلمہ ''لا'' کی حقیقت سے اس کی نفی کرو'' تم کلامہ شریف......

مطلوب حقیقی جلت عظمتہ سے ملاقات کا وعدہ اس آیۃ کریمہ (ترجمہ) ''جسے

اللہ سے ملنے کی امید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے" سے واضح ہوتا ہے، تو اسے (وعدۂ وصل) کو آب حیات سے زیادہ مرغوب جانتے ہیں اس کے ذائقہ کے آرزومند ان ثمرات طیبات سے تسکین حاصل کرتے ہیں، اور اسی دائمی فرحت کی امید سے ان کے اوقات شیرین رہتے ہیں اور دراصل یہی "موتی قبل ازموت" ان کو میسر آتی ہے جو کہ ان کے کام کو ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہے، اس وقت اسے موت ثانی کی مدد سے اس کا ہر بال اسے حیات ابدی کی خبر دیتا ہے، جس سے وہ لامحدود حظ حاصل کرتا ہے (۲۲۹) تو وہ شوق کامل کے ساتھ (اللہ تعالیٰ) سے ملاقات کہ جسے موت (اجل) کہتے ہیں، کی آواز سنتا ہے، عارف رومی قدس سرہ نے ان امور کا کیا خوب احاطہ فرمایا ہے:

وعدۂ وصل چوں رسد نزدیک　　آتش شوق تیز تر گردد

تو وہ (سالک) بے اختیار ہو جاتا ہے، اس وقت آپ کے متعلقین میں سے ایک نے جو کہ آپ کے خاص مرید بھی تھے آپ کی سلامتی کی دعا کی اور کہا "اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت سے رکھے" تو آپ نے غصہ کے ساتھ آنکھیں کھول کر اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا:

من شوم عریاں زتن او از خیال　　تا خرام در نہایات الوصال

(اسی معاملۂ وصال میں) جناب امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ کی راہ میں بہت سی رقم نذر کی جیسا کہ ہم اس سے پہلے اس امر کی طرف واضح اشارہ کر چکے ہیں، اس کے بعد جب طبیبوں نے عرض کی کہ حضرت کا مرض لاعلاج ہے تو آپ نے مزید رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کی، اس سلسلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا قرآن مجید میں بطریق شرح واضح طور پر بیان کی گئی ہے، جو (وصال) کے شوق و محبت کی نزاکتیں ہیں، ہر زندگی کی خواہش رکھنے والا اور اس معاملۂ (وصال) کی حقیقت سے بے خبر اس حالت میں مریض کو تسلی دے گا...... اس

سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش ''لن ترانی '' اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ رب العالمین کے محبوب بھی ہیں دولت وصال سے مشرف ہوئے جو کہ دنیا میں ممکن نہ ہو سکا اور اس کا تعلق آخرت سے جا کر ہوا، اسی طرح دیدار خداوندی کاملین کو بھی موت اور حشر کے بعد ہوگا، جو بہت سے مراتب میں حالت دنیاوی سے زیادہ اصیل (کامل) ہے۔ لہٰذا مقربین اور ابرار میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے حوصلہ اور قابلیت کے مطابق اس (وصال) کی آرزو کی ہے۔

اگر حضرت خواجہ نے اس معاملہ وصال میں لب کشائی نہیں کی ہے تو وہ محض حضرت مجدد الف ثانی کے انتہائی ادب اور رعایت کی وجہ سے ہے کہ کہیں حضرت مجدد الف ثانی کے ساتھ برابری کا تصور نہ آ جائے اس کے باوجود کہ بطریق اصالت آپ کمالات مجددی میں کامل ملکہ رکھتے تھے، محض حروف معارف سنیہ آپ کے قلم مبارک سے (۲۳۰) نکلے اور اپنے لیے اس معاملہ میں حصول ایمان کی دعا اور اس مشرب سے کمال انکساری کے ساتھ اسے لکھا ہے جو کہ آپ کے کلام کا اتباع کرنے والوں پر ظاہر ہے۔ کہ آپ نے اس معاملہ (مقدمہ) میں اس لیے سکوت اختیار فرمایا ہے لیکن آپ کے کلام کے بلند پایہ معانی کو سمجھنے والے اور بساط دولت انبساط کے حاشیہ نشین جنہیں اسی محبوب کلام سے کامل آشنائی حاصل ہو چکی ہے ان پر اس تمنا (وصال) کی (حقیقت) واضح ہو چکی ہے......

(حضرت خواجہ) نے واضح الفاظ میں نوم و موت و حشر کو زندگی پر ترجیح دی ہے اس لیے روئے سخن کسی بھی طرف جائے آخر کار وہ شاہراہ مقصود پر آ جائے گا اور چند ایسے جواہر آبدار خزائن معصومی اور دفائن قیومی میں سے بدست ہو جائیں گے جو اسے پر کر دیں گے جو کہ مطلب اعلیٰ کی طرف رہنمائی کریں گے، اس مفتاح (باب) کو دو کنزوں پر منقسم کیا ہے، اس کی پہلی کنز ایسے خزائن رحمت پر مشتمل ہے جو اس دنیا پر سایہ فگن ہو کر انسانوں کو عافیت، حلاوت، شفقت اور مختلف قسم کی خیرات بخشتے ہیں،

اس کی دوسری کنز تو آئی ہی جنت سے ہے جو کہ ننانوے رحمتوں کی حامل ہے جو کہ آخرت کے لئے ذخیرہ ہے بلکہ اس کا جو بقیہ ہے اس کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے، جس نے مومنین کو پر امید بنا دیا ہے۔ یعنی اس کی کنز اول ایسے مقدمات کو حاوی ہے جن کا تعلق حضرت خواجہ کے وصال اور آخری مرض موت (انتقال) سے متعلق ہے اور دوسری کنز کا تعلق ایسے امور سے ہے جو وصال کے بعد وقوع پذیر ہوئے......

کنز اول

جیسا کہ میں نے کئی مواقع پر بتایا ہے کہ حضرت خواجہ کی طینت اصلی اور فطرت جبلی میں اس کے باوجود کہ اس میں محبوبیت ذاتی بھی شامل تھی کمال تمکین کے باوجود کبھی کبھی سوگوار ہو جاتے تھے اور (وصال کے) کثرت شوق سے بے قرار ہو کر روزانہ سورج نکلنے سے پہلے بیدار ہو جاتے اور روزانہ اس کی شعاعوں سے خبردار رہتے اور رات کو ماہتاب غیب (نور خدا) کے ظہور کے منتظر رہتے ''وصل عریاں'' سے مختص ہونے کے باوجود آپ شب و روز بے قرار رہتے تھے جو کہ ''**ھل من مزید**'' کے تحت اس کے امیدوار تھے جو کہ آپ کی طینت پاک کی خاصیت تھی، حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ **صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم** دائمی طور پر حزن اور فکر کی حالت میں رہتے تھے (۲۳۱) ہاں ہر وہ نعمت جو حضور سرور کائنات **علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام** کے نصیب میں آئی اس امت کے اتقیاء میں کہ وہ آپ **صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم** کے الوش خور ہیں میں سرایت کر گئی ہے کیوں کہ خادم ہمیشہ اپنے مخدوموں کے پس خوردہ (الوش خور) کے امیدوار رہتے ہیں......

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ حضرت مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد اکثر غم و گریہ میں رہتے تھے جب بعض احباب آپ سے صحرا و باغ کی سیر کے لیے کہتے تو آپ کامل سوز کے ساتھ یہ شعر پڑھتے تھے:

وکانت لنا بالفراق لیالی سرقنا ھن من ایدی الزمان

(حضرت خواجہ ان دنوں) اپنے اصحاب اور خاص احباب کو (حضرت مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد) اس ہجر کا سوگ منانے کی ترغیب دیتے تھے، اور آپ حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) اور حضرت شاہ جیو (شیخ محمد یحییٰ برادر اصغر خود) قدس سرہما کی رفاقت شریفہ میں زیادہ وقت گزارنے لگے تھے، حضرت خواجہ کو حضرت خواجہ محمد سعید کے ساتھ جو حسن اعتقاد تھا وہ آپ کے مکتوبات کی جلد ثالث کے تیسرے مکتوب سے بخوبی عیاں ہے، بلکہ آپ کے سارے اس کلام سے جو آپ نے حضرت خواجہ محمد سعید کے احوال کے بارے میں لکھا ہے یا کسی تقریب سے آپ کے قلم شریف سے نکلا ہے سمجھنے والوں پر آشکارا ہے۔ آپ کی حضرت شاہ جیو (شیخ محمد یحییٰ) پر نظر عنایت اور آپ کی جس طرح تربیت کرنا چاہتے تھے مکتوبات قدسی سمات کا مطالعہ کرنے والوں پر پوری طرح روشن ہے۔

اصل مقصد یہ ہے کہ حضرت خواجہ محمد معصوم کے وصال سے آٹھ سال پہلے حضرت خواجہ محمد سعید کا وصال ہوگیا جس سے آپ کو بہت ہی غم اور بے اندازہ حزن ہوا، اس کے بعد آپ نے باغ کی سیر کے لیے جانا بالکل بند کر دیا لیکن کبھی کبھار کسی تقریب سے تشریف لے جاتے تھے اور حضرت خواجہ محمد سعید کی اولاد کی تربیت بڑی فرحت کے ساتھ کرتے اور اپنے ذمہ لے لی تھی۔

ابیض

مولف کی والدۂ ماجدہ سلمہا اللہ تعالیٰ اپنی والدہ یعنی ام المریدین (زوجۂ حضرت خواجہ) قدس سرہا سے روایت کرتی ہیں کہ ایک روز چھوٹے صاحبزادے قطب العارفین شیخ محمد صدیق قدس سرہ حضرت خواجہ محمد سعید (خازن الرحمت) کے دو چھوٹے بیٹوں شیخ محمد یعقوب و شیخ محمد تقی رحمہما اللہ سبحانہ کہ ان کے ہم عمر تھے آپ کی حویلی شریفہ میں اکٹھے ہی داخل ہوئے، میں نے دور سے دیکھتے ہوئے عرض کیا کہ محمد صدیق (اپنے کمالات میں) زیادہ ہے یا دونوں؟ فرمانے لگے

یتیمی کے باعث ان دونوں کی تربیت میں نے زیادہ کی ہے۔ البتہ آپ (حضرت خواجہ محمد سعید) کے بڑے فرزندان مرتبہ کمال تک پہنچ چکے ہیں، چنانچہ ان کے حالات اس کتاب کی مفتاح ہشتم میں بیان کیے جائیں گے، ان شاء اللّٰہ الودود

(۲۳۲) (دوسری روایت یہ ہے) حضرت خواجہ کے مکان شریف میں بیر کا ایک درخت (درخت سدرہ، بیری) تھا اس کا پھل اپنی نفاست سے متصف تھا آپ نے اپنی یہ عادت شریف بنا لی تھی کہ اس درخت کا پہلا پھل حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کی خدمت میں ارسال فرماتے تھے اور نماز چاشت وظہر کے لیے آپ اسی درخت کے سایہ میں وضو کرتے تھے، حضرت خواجہ محمد سعید کے وصال کے بعد آپ نہایت افسوس (غم) کے ساتھ اس درخت کی طرف دیکھتے، کبھی آنکھیں پرنم کر کے یہ ہندی زبان کا دوہڑہ پڑھتے تھے،:

آنگن میرے بیر ہیں اور پیو بن بیر نہ کھاؤں
ایک بیر کی آونے بیر بیر بل جاؤں[1]

فارسی زبان (اب اردو میں) اس کے معنی اس طرح ہوں گے۔

(ترجمہ) ''میرے آنگن میں بیر (پھل) موجود ہیں لیکن پیا بن مجھے مطلق نہیں بھاتے ایک جوانمرد (مراد ہے ملک الموت جو پیا سے ملائے گا) کے آنے پر میں بار بار اس پر نثار ہو جاؤں''۔

حضرت شیخ محمد سعید کے مرض کے دنوں حضرت خواجہ بہت بے قرار رہتے تھے اور اکثر ان کی عیادت کے لیے جایا کرتے تھے، انہی دنوں (دوران تالیف کتاب حاضر) مخدوم کریم صاحب مقام کمال وتکمیل شیخ محمد اسماعیل سلمہ اللّٰہ الجمیل حضرت مجدد الف ثانی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کے خزائن میں جو کہ دو احمروں سعیدی ومعصومی پر مشتمل ہے ایک ابیض اپنے اس مخلص (مولف) کو اپنی کمال سخاوت سے

---

[1] اس دوہے کی تصحیح وترجمہ جناب ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے کیا ہے جس کیلئے مرتب ان کا شکر گزار ہے

عنایت فرمایا اور اس مفتاح میں اس کو ان کے حکم کے مطابق مناسب خیال کر کے نقل کر رہا ہوں:

ابیض

مخدوم (شیخ محمد اسماعیل) فرماتے تھے کہ میرے والد ماجد متعالی حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ قدس سرہ ایک تقریب سے بلدۂ سہارنپور تشریف لے گئے، وہاں حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفہ شیخ بایزید ہوتے تھے جن کے والد شیخ بدیع الدین حضرت مجدد الف ثانی کے مشہور خلفاء میں سے گزرے ہیں، وہاں شیخ بایزید مذکور نے نیاز مندی اور خدمت گزاری کا خوب حق ادا کیا، ان کی حویلی میں نیم کا ایک درخت بھی تھا، شیخ بایزید نے عرض کیا کہ یہ درخت بہت ہی متبرک ہے کہ اس کے سایہ میں اس کے تنے (چوب) کے ساتھ حضرت مجدد الف ثانی تکیہ لگا کر بیٹھے تھے، وہ بیان کرتے ہیں میں حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کی بیماری کے ایام میں سرہند شریف حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں گیا تھا اس وقت آپ حضرت خواجہ محمد سعید کی عیادت کے لیے جا رہے تھے تو میں بھی ساتھ گیا، اس وقت حضرت خواجہ محمد سعید نے مجھ سے پوچھا کہ وہ نیم کا درخت تمہاری حویلی میں کیا اب تک موجود ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جی ہاں موجود ہے، تو حضرت خواجہ نے حضرت خواجہ محمد سعید سے پوچھا کہ اس درخت کا سوال آپ نے کیوں کیا ہے؟ تو حضرت خواجہ محمد سعید نے اس درخت کے فضائل میں اپنی زبان مبارک یوں کھولی (۲۳۳) اور کہنے لگے کہ ایک مرتبہ حضرت مجدد الف ثانی جہانگیر بادشاہ کی رفاقت میں وہاں (سہارنپور) تشریف لے گئے تھے، آپ اس درخت کے سایہ میں اس فقیر (خواجہ محمد سعید) سمیت بیس اکابر صوفیہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے آپ نے خان سامان شیخ حبیب سمیت سب کو سرہند جانے کا حکم دیا تو ہم بلاتوقف آپ کے حکم شریف پر روانہ ہو گئے جب ہم دریائے جمنا پر پہنچے اور کشتی میں سوار ہو گئے تو عین دریا کے درمیان ملاحوں

نے اجرت کی درخواست کی میں (خواجہ محمد سعید) یہ سمجھا کہ میاں شیخ حبیب کے پاس سفر کا خرچ ہوگا اور اسی طرح شیخ حبیب یہ سمجھے کہ میرے پاس زاد راہ ہوگا، جب حقیقت معلوم کی تو پتا چلا کہ دونوں ہی تہی دست ہیں، تو میں نے سارے (شریک سفر) صوفیہ سے (رقم کا) سوال کیا تو سب نے افلاس کا عذر کیا، شیخ حبیب نے اپنا قیمتی ونفیس کمربند اتار کر ملاحوں کو دیا اور کہا کہ تم دریا عبور کرو (تو ہم پار) جا کر تمہاری اجرت تمہیں دے کر اپنا خوطہ (کمربند) تم سے لے لیں گے، اس وقت کمر بند کی قیمت کا اندازہ کر کے وہ کشتی چلانے میں محو ہو گئے، میں کیا دیکھتا ہوں کہ رو بروئے دریا ایک بہت بڑا لشکر آ گیا ہے، ملاح جو اسی طرف سے آ رہے تھے کہنے لگے کہ ہم تو صحرا کو خالی دیکھ کر آئے تھے لشکر کا نشان تک وہاں نہیں تھا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے نمودار ہوا ہے، القصہ جتنا ہم اس کے قریب ہوتے گئے وہ لشکر ہمیں اتنا ہی بڑا نظر آنے لگا اور ان کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں، گھوڑوں اور انسانوں (فوجیوں) کی تکلیف دہ کثرت سے ساحل پر ہو گیا پھر ہا و ہو کا شور جب ختم ہوا تو معلوم ہوا یہ بادشاہ کا لشکر ہے جو سہارنپور سے گزرتا ہوں یہاں آیا ہے ان میں میں حضرت مجدد الف ثانی کو تلاش کر رہا تھا ہر ایک نے آپ کی طرف اشارہ کیا کہ اچانک میں نے حضرت کا مشاہدہ کیا اور آپ کے دیدار پر انوار کا شرف حاصل ہوا آپ نے دعائے خیر فرماتے ہوئے ہر ایک (کشتی سوار صوفیہ) کو الگ الگ خرچ عنایت فرمایا اور حضرت بی بی جیو (زوجۂ محترمہ حضرت مجدد الف ثانی) کے لیے بہت سے روپے مرحمت فرما کر رخصت کیا، جب میں چھکڑے (بہل) پر سوار ہوا تو لشکر اور اہل لشکر کا وہاں نشان تک نہیں تھا اور وہی جنگل اور دریا کا کنارہ تھا اس پر ملاحوں نے اس راز کو جاننے کی درخواست کی تو میں نے کہا کہ تم نے بھی یہی دیکھا ہے لیکن جب ان کی درخواست حد سے زیادہ ہو گئی تو میں نے بتایا یہ تو حضرت مجدد الف ثانی کی کرامات میں سے ایک کرامت تھی، جس پر وہ بصد جان آپ کے معتقد ہو گئے، شیخ

محمد اسماعیل یہ روایت بیان کرنے کے بعد کہتے تھے کہ (میرے والد) عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) نے جب یہ روایت شیخ بایزید سے سنی تو اس امر پر تعجب کرتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے احوال لکھنے والوں نے آپ کا یہ عالی شان تصرف کیوں تحریر نہیں کیا؟......[1]

(۲۳۴)...... (اس آیۃ شریف) کہ (ترجمہ) ''اس کے سوا کوئی خدا نہیں، ہر چیز فانی ہے سوائے اس کی ذات کے اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے'' کے مطابق حضرت خواجہ نے اپنی آخری عمر مبارک بوجوہ اپنے اس جہان فانی سے انتقال کے اپنے مخلصوں کو اشارے فرما دیے تھے اور دراصل وہ تمام انوکھے اشارات تصرف نازنین اور ابیض یقین کی حیثیت رکھتے ہیں:

ابیض

سرکار معرفت مدار (حضرت خواجہ) کا سب سے بڑا خزانہ اور آپ کی محبوب ترین متاع آپ کا کتب خانہ، کتب متداولہ اور غیر متداولہ ایسی کتب پر مشتمل تھا جو کمیاب تھیں، آپ نے اپنے وصال سے دو تین سال پہلے اپنے فرزندان گرامی، اور عزیز القدر صاحبزادیوں میں بطور وراثت تقسیم فرما دیں، چند دن کے حلقہ سے فراغت کے بعد اسی صحبت کے دوران آپ نے نص قرآنی کے مطابق (ترجمہ) ''اور پھر تقسیم کرتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم و مساکین آ جائیں تو اس میں سے انہیں بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ اچھی بات کرو'' یہاں تک کہ بعض مخلصین جو اس زمرے میں نہیں آتے تھے انہیں صرف تفضّل کے خیال سے کتابیں عنایت کیں چنانچہ ان میں سے بعض کے پاس اس فقیر (مولف) نے وہ مرحمت شدہ کتابوں کی خود زیارت کی ہے

(۲۳۵)...... جب ام المریدین حضرت بی بی جیو (زوجۂ حضرت خواجہ) قدس سرھا نے اس تقسیم کتب کے بارے میں جو کہ آپ کے وصال کے قرب کی علامت تھی سنا

---

[1] مکررات

تو ناخوشی کا اظہار کیا اور اس تلخی کے ساتھ جو زوجیت کے لوازمات میں سے ہے آپ سے اس راز کے متعلق سوال کیا، جس پر آپ نے اپنی زبان درفشاں سے فرمایا کہ دوسری بیوی جو کہ تمہارے نکاح سے پہلے فوت ہوگئی تھیں کے فرزندوں کو کچھ نہیں دیا جس پر ام المریدین (زوجۂ حضرت خواجہ) نے تکرار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس میں سے فرزند (اولاد) ہیں تو انہیں بھی دے دیں......

ابیض

۱۱ شعبان المعظم کی رات کو شب برأت ہوتی ہے، اس شب نص قرآنی (ترجمہ) ''اس میں حکمت والے تمام کام بانٹ دیے جاتے ہیں'' کے مطابق تقدیر اموات آئندہ لکھ دیتی ہے، حضرت خواجہ نے اسی سال اس دنیا سے انتقال فرمایا، اچانک آپ نے ایک چاندرات کو اس امر کا مشاہدہ فرمایا کہ اس نے روشنی حاصل کر لی ہے یا نہیں؟ دیکھنے اور غور کرنے والوں نے ہر ممکن طریقہ سے اس کا سراغ لگانے کی کوشش کی لیکن وہ ہرگز اس کے نور کو نہ دیکھ سکے۔ بلکہ چاند کو لوہے کے توے کی مانند مشاہدہ کیا، اس کے باوجود کہ آسمان پر کسی طرف بھی بادل موجود نہیں تھے، جب آدھی رات ہوئی تو فرمانے لگے کہ معلوم ہوا ہے کہ کسی قطب کا نام اس ہستی کے صفحہ سے محو کر دیا گیا ہے کہ ماہ نے اس کے غم میں جو نیلا پوشاک پہنا ہوا تھا سارے آسمان کو سیاہ بنا دیا گیا ہے، جستجو کرنے والوں میں سے کسی نے بھی اس حقیقت کا اندازہ نہیں لگایا، اس کے بعد اسی سال ربیع الاول کے ماہ میں آپ کا وصال ہوگیا تو ہر ایک کا ذہن آپ کی اس بات پر پہنچا کہ آپ نے اپنے وصال کی طرف اشارہ فرمایا تھا، گویا ایک واضح کرامت تھی جس کا ظہور ہوا تھا۔

اس قسم کے ایسے اتنے مقدمات اس راقم سیاہ کار (مولف) نے اس قطب ارشاد (حضرت خواجہ) کے متعلق سنے ہیں کہ اگر درختوں کے ورق بنا کر لکھا جائے تب بھی یہ مطالب پورے نہیں ہو سکتے۔

ابیض

کہتے ہیں کہ ایک روز حضرت خواجہ نے اس باغیچہ میں ورود فرمایا جہاں آج کل آپ کا روضۂ منورہ ہے، اسی موقع پر آپ نے فرمایا کہ عنقریب یہ مقام ایک صاحب کمال فقیر کا مسکن بننے والا ہے، اس قول کے سننے کے بعد لوگ اس فقیر کا انتظار کرنے لگے جس کے متعلق آپ نے یہ بشارت دی تھی لیکن جب وصال کے بعد آپ کا اپنا روضۂ مقدسہ وہاں بنا تو اس کا مفہوم سمجھ میں آسکا، بلکہ اس عزیز نے بتایا کہ آپ نے اپنی قبر مبارک کے لیے جگہ کی بھی نشاندہی فرمادی تھی اور وہاں آپ نے کچھ دیر کے لیے مراقبہ بھی کیا تھا......[1]

حضرت خواجہ اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے (۲۳۶) ایک رحمت مآب خواب میں حضرت خواجہ مجدد الف ثانی کے دیدار پر انوار سے مشرف ہوئے تو آپ نے حضرت مجدد الف ثانی سے حقائق و اسرار دریافت کیے، حضرت مجدد الف ثانی نے جواب میں فرمایا کہ اے بیٹا ہاں (بعد وصال) سب کچھ رحمت ہی ہے جونہی آپ بیدار ہوئے تو آپ نے یہ خوشخبری اپنے مخلصین کو سنائی کہ ہم جیسے گناہگاروں کے لیے یہ (وصال) مزید رحمت کا امیدوار ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے۔

کہتے ہیں کہ آپ کو اپنے وصال سے چھ ماہ پہلے یہ نیک خواب آیا تھا اس کے بعد آپ جتنا عرصہ زندہ رہے اکثر تکلیف میں ہی مبتلا رہے اس سلسلے میں آپ کے بعض مخلص اور صاحب کمال اصحاب آپ سے سوال کرنا چاہتے تھے لیکن آپ کی ہیبت اور انتہائی ادب کے باعث ایسا نہ کر سکے۔ چنانچہ نواب مکرم خان مرحوم نور اللہ مرقدہ نے مخدوم زادۂ ثانی حضرت حجۃ اللہ (محمد نقشبند) قدس سرہ سے جب کہ وہ اپنے آخری ایام حیات میں تیسرے حج سے واپس آتے ہوئے دارالخلافہ (دہلی) پہنچے تو یہی سوال ان سے کیا کہ اس نیک خواب میں جو سچا واقعہ دیکھا جس میں ایک قوم

---

[1] مکررات

نے دوسرے قیوم کو رحمت خداوندی بہ نیابت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی تھی ...... کے متعلق امید ہے کہ اس کا ظہور ہوا ہوگا، کیوں کہ اس آیۃ کریمہ (ترجمہ) "بے شک اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر" کے مطابق کفار ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مکمل طور پر محروم (مایوس) ہیں اور نعوذ باللہ (کافروں کے لیے بنائے گئے) جہنم کے طبقات میں تو ان کے لیے رحمت کی اک کرن بھی نہیں پہنچتی اس کے باوجود کہ وہ دائمی طور پر جہنم میں رہیں گے ہمیشہ کے عذاب میں مبتلا نہیں رہیں گے وہ سمندر[1] کی مانند اس عذاب میں رہیں گے، وہ آگ کے ایسے عذاب میں جو پیاس اور بھوک وغیرہ پر مشتمل ہوگا صدیوں رہیں گے جیسا کہ آیۃ پاک میں ہے (ترجمہ) "وہ اس میں قرنوں رہیں گے" اور یہ مدت تین حقبہ تک ہوسکتی ہے اور یہی شیخ محی الدین ابن عربی قدس سرہ کا بھی نظریہ ہے، یہ حدیث بھی اس موقع پر نقل کی جاتی ہے کہ جہنم میں ان کے لیے قدرے نرمی پیدا ہوگی لیکن پھر ہوا ان کو جلا دے گی ...... محدثین کے نزدیک یہ حدیث موضوع ہے، حضرت حجۃ اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ حکم صرف مومنین کے لیے ہے جیسا کہ اکثر اصحاب کا عقیدہ ہے، لیکن نواب مذکور (مکرم خان) کی اس جواب سے تسلی نہ ہوسکی اور کہنے لگے کہ مومنوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے شامل حال ہونے کا ثبوت تو قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ملتا ہے، تو مخدوم زادہ نے ارشاد فرمایا کہ اولیا کی معلومات انبیائے کرام کی کمال متابعت کی وجہ سے علوم شرعیہ کے مطابق ہیں اس لیے وہ مجتہدین کے رنگ میں احکام وحی کی طرح ہیں اس سے زیادہ بھی نہیں کہ دین مکمل ہو چکا ہے (۷ـ۲۳) اور نعمت بھی کامل کر دی گئی ہے۔ لیکن نواب نے کئی وجوہات کی بنا پر سوال و جواب کا سلسلہ اختیار کیا تھا، آنحضرت (حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی) قدس سرہ جنہوں نے ان دنوں سرہند شریف جانے کا ارادہ فرما لیا تھا، کہا کہ وطن پہنچ کر اس کا

---

[1] سمندر، ایک خیالی جانور ہے جو آگ میں پیدا ہو کر اسی میں رہتا ہے اگر باہر نکلے تو مر جائے گا۔

تسلی بخش جواب تحریر کروں گا، لیکن راقم سیاہ کار (مولف) کو یہ معلوم نہیں ہے آپ نے اس باب میں کچھ تحریر فرمایا تھا یا نہیں ....

میں نے اپنی بڑی خالہ سے سنا ہے کہ بیماری کے دنوں میں حضرت خواجہ اپنے حجرۂ مقدسہ میں محبوب حقیقی جلت عظمتہ سے راز و نیاز میں مصروف ہوتے تھے اور اس وقت آپ کا ارشاد غایت درجہ عظمت کے ساتھ دنیا کو محیط تھا مردوں اور عورتوں کی فوج کی فوج کہ ان کی صحیح تعداد تو عالم الغیب ہی بہتر جانتا ہے گویا کیڑوں مکوڑوں کی طرح چلے آ رہے تھے ایک روز خواتین کا بہت ہی ہجوم تھا ان میں بعض خادمات مغنیہ بھی تھیں وہ گانے کی آواز کے ساتھ مخدومات کے منع کرنے کے باوجود ہنگامہ کر رہی تھیں، حضرت خواجہ جو کہ اس وقت ان کی آواز سن رہے تھے بالکل خاموش تھے جو کہ آپ کے قاعدہ کے خلاف تھا، کیوں کہ امر معروف اور نہی منکر آپ کا شیوۂ مرضیہ تھا اور اہل ارادت کے دلوں پر آپ کی ہیبت کا اس قدر غلبہ تھا کہ غیر شرعی حرکت کرنے کی کسی میں مجال نہیں تھی۔ میں نے اپنے بھائی شیخ محمد عبیداللہ مشہور بہ میاں حضرت و ملقب بہ مروج الشریعت قدس سرہ جو کہ اس وقت حاضر تھے سوال کیا، کہ آپ نے اب اس قسم کا رویہ (وضع) کیوں کر اختیار کیا جس کا اس سے پہلے کبھی ظہور نہیں ہوا، فرمانے لگے اس وقت آپ کے جلالی و جمالی دونوں طرح کی تربیت بیک وقت شامل حال ہوتی تھی لیکن اب صرف (خالص) تربیت جمالی کا ظہور ہو رہا ہے، بے شبہ اگر اس وقت دن رات آپ کے مبارک کانوں میں ڈھول بھی بجائے جائیں تو جمال کے بکثرت ظہور پذیر ہونے کے باعث آپ ان کی طرف بری نظر سے نہیں دیکھیں گے یہ سب کچھ (۲۳۸) دراصل بحار رحمت کی امواج کے غلبہ کے باعث ہے آخر کار آپ کا سارا وجود مسعود ہی عین رحمت بن گیا، یہی وجہ ہے کہ گناہگاروں کو انتقال سے پہلے اس قسم کے خواب تازگی بخشتے ہیں، سبحان اللہ کیا خواب ہے جو کتاب (قرآن مجید) کے مطابق اور ایسا عجیب واقعہ ہے جو سورج سے زیادہ روشن ہے، جیسا کہ یہ آیۃ کریمہ

(ترجمہ) ''تم فرماؤ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو بے شک اللہ سب گناہ بخش دیتا ہے، بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' اس قطب انام (حضرت خواجہ محمد معصوم) کے خواب کی سچائی کی شہادت کے لیے کافی ہے......[۱]

(۲۳۹) ...... قیامت کے روز کے خوف سے آپ کے شب و روز خوف زدہ رہتے تھے کہ کل کو (میرے ساتھ) کیا معاملہ ہوگا اور مجھے کس طبقہ میں داخل کیا جائے گا؟ آپ کے مکاتیب شریفہ سے بھی اس کا اظہار ہوتا ہے، چنانچہ تیسری جلد کے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

فتح

اس امر کا افسوس ہے کہ عمر کا بہترین حصہ (جوانی) ہوا و ہوس اور گناہوں کی نذر ہوگیا، جس کے دکھ سے میرے کردار پر در و دیوار زار و قطار رو رہے ہیں ہر پتھر و روڑا زبان حال سے فریاد کناں ہے......

عزیزوں میں سے ایک صاحب نے جو منکسر مزاج بھی ہیں اپنے عہد کے ایک فاضل سے روایت کی ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ کی محفل خلد نشان جو کہ آپ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام تھے خوف خاتمہ کا تذکرہ ابہام کے طور پر جو ہر خاص و عام کے شامل حال ہوتا ہے، ہو رہا تھا کہ آپ فرمانے لگے کہ میرا خاتمہ اللہ سبحانہ کے فضل سے خیریت سے ہونے کا یقین نہیں ہے، خوف کہاں اور ابہام کیسا (اصحاب نے) ترک ادب کرتے ہوئے اس امر کا تکرار کیا کہ صاحب معاملات کے لیے نفس ابہام نہیں ہے، لیکن جماعت معطوعین (اولیاء اللہ) اس خوف سے مبرا ہے۔

احمر

فرماتے تھے کہ جب کمال کا معاملہ اس حد تک پہنچتا ہے تو جسم کو سر سے پاؤں

---

[۱] مکررات

تک خوف سے شناسائی نہیں ہوتی بلکہ وہ فرار کا راستہ اختیار کرتا ہے لیکن شریعت کے احترام میں اس باب میں جو کچھ بھی کہا جائے اس کی گنجائش ہے، یہاں تک کہ جب اپنے باطنی کمالات پر یقین حاصل ہو جائے جو کہ ایمان ثانی جس کا اس آیۃ کریمہ (ترجمہ) ''اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر'' میں ہے اور اس دعائے ماثورہ ''**اللّٰھم انی اسئلک ایماناً لیس بعدہ کفر**'' جو کہ اس امت کی تعلیم کے لیے فرمایا گیا ہے سے اس امر کا ثبوت فراہم ہو جاتا ہے، اس قسم کے بلند پایہ اسرار کا اظہار خیانت ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کو فناء اتم کے حصول کے بعد یہ ایمان ثانی حاصل ہوا اور یہ وہ ایمان ہے (۲۴۰) جو کہ جو زوال سے مبرا اور خلل سے محفوظ ہے، اس ایمان کے برخلاف جس کا اس سے قبل ذکر کیا جا چکا ہے جسے زوال بھی ہے اور خلل سے بھی محفوظ نہیں ہے، **حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل**، ان دونوں ایمانوں کی تفصیل دونوں قیوموں (حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم) کے مکتوبات سے واضح ہے۔

مجھے حضرت خواجہ کے اکابر اصحاب سے یہ سننے کا موقع ملا ہے کہ حضرت خواجۂ عالی شان کے مرض (وجع مفاصل) کا آغاز کس طرح ہوا؟ کہ ایک روز آپ عین تندرستی کے عالم میں مشکوٰۃ شریف کا درس دے رہے تھے کہ اس حدیث پر جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، پر پہنچے اور وہ حدیث یہ ہے کہ ''**قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم یوّر اھل العافیۃ یوم القیامۃ حین بعطی اھل البلاء الثواب لو ان جلودھم کانت قرضَتْ فی الدنیا بالمقاریض**'' کہ یکا یک آپ کے دست مبارک سے لے کر پنڈلی شریف تک سخت ہو گئے اور درس بند کر دیا حاضرین مجلس کو بس اتنا معلوم ہوا کہ آپ کو پنڈلی کا درد لاحق ہو گیا ہے، قصہ مختصر کہ وہ درد اتنا بڑھا کہ گوشت اور جلد اس کی زد میں آ گئے، آپ پر یہ ظلم اس فرنگی کافر نے کیا جسے سلطان وقت (اورنگ زیب عالمگیر) کی طرف سے

آپ کا معالج مقرر کیا گیا تھا، گویا آپ کو صدیقیت کے باوجود جو کہ آپ کے ساتھ ثابت ہے آپ کو شہادت کبریٰ کا مرتبہ بھی حاصل ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ آپ کے سارے بدن مبارک میں شدید درد خصوصاً پنڈلی اور زانو کو محیط ہو جاتا تھا اور وہ کافر (معالج و جراح سکندر بگ جراحی کے دوران) ہر قسم کی دست درازی کرتا تھا، لیکن آپ نے کبھی بھی اس کے دشمنانہ معالجہ کے دوران آہ تک نہ بھری بلکہ آپ اس وقت قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہو جاتے تھے، آپ نے حتیٰ الامکان کبھی نماز جمعہ اور جماعت ترک نہیں کی تھی، (اس دوران آپ اکثر موقع کی مناسبت سے عربی و فارسی کے اشعار پڑھتے رہتے تھے[۱])

(۲۴۱) یہ تمام اشعار آپ کے مکتوبات قدسی سمات میں بھی درج ہیں۔

قصہ مختصر کہ ایک مرتبہ اس شدت درد کے دوران ام المریدین حضرت بی بی (زوجۂ محترمۂ حضرت خواجہ) کا ہاتھ آپ کے بدن مبارک کو لگ گیا جس سے آپ کے سارے بدن پر رعشہ طاری ہو گیا تو ام المریدین نے نہایت حیرت سے سوال کیا کہ زخمی تو بدن کا صرف ایک جز ہے یعنی پنڈلی اور زانو لیکن جسم کے تمام اجزاء میں یہ رعشہ کیسے پہنچ گیا؟ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میرا کون سا عضو ہے جو زخمی نہیں ہے، مرض کے غلبہ اور درد کی شدت کے باوجود جیسا کہ آپ کے مخلصین (اہل حضور) کو معلوم ہے آپ کامل تمکین، وقار، صبر و شکر اور اس غفار عزیز کی رضاء بقضا کے تحت کبھی ایسی حرکت بھی نہیں فرماتے تھے جو کہ شفاء میں مانع ہو بلکہ (اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیال کرتے ہوئے) اس سے بہت لذت محسوس کرتے تھے کیوں کہ آپ کے اور آپ کے والد بزرگوار (حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی) کے نزدیک محبوب (اللہ تعالیٰ) کی جفا اس کے انعام سے زیادہ لذت بخش ہے۔

حضرت والدۂ کریمہ مدظلہا (والدۂ مولف) فرماتی تھیں کہ حضرت خواجہ کو وصال

---

۱ یہ تمام اشعار متن کتاب میں ملاحظہ کریں۔

سے تین چار روز پہلے اتنا شدید درد لاحق ہوا کہ آپ نے چاہا کہ پانچ وقتی نماز میں سے کوئی نماز (باجماعت) ادا کرلوں لیکن کھڑے ہونے کی کوئی صورت نہیں نکلتی تھی، اتفاق سے آپ کی خدمت گار اور مزاج شناس ماما درسو نے کوئی ایسی ترکیب کی جس سے نماز اچھے طریقہ سے ادا ہو گئی، نماز سے فراغت کے بعد آپ نے مخدوم زادۂ برجادہ شیخ محمد عبید اللہ قدس سرہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مست کی نماز کے لیے (شریعت میں) کیا حکم ہے؟ کتابوں میں اس امر کی جستجو کر کے جواب دو، اس کے بعد فرمانے لگے کہ میں تنہا نماز ادا نہیں کرتا ہوں بلکہ میرا سجدہ تو عرش پر ہوتا ہے، یہاں تک کہ یہ خادمہ جو اس وقت رکوع، سجود میں میری معاون تھی کا سجدہ بھی عرش پر ہوتا تھا، میرے والد و مرشد (شیخ محمد فضل اللہ) حضرت خواجہ سے روایت کرتے ہیں کہ (وصال سے) چھ ماہ قبل ہی آپ یہ فرمانے لگے تھے کہ میری ہر نماز خواہ وہ فرض ہو یا نفل کے سجدے عرش پر معلوم ہوتے ہیں، بلکہ تمام نمازوں کے ساتھ یہی معاملہ ہے، جس کا اظہار الفاظ میں دشوار ہے، یہ حدیث شریف سید البشر **علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰت و السلام** اس پر صادق آتی ہے کہ "**الساجد یسجد علیٰ قدمی اللّٰہ فلیسجد و لیرغب**" کے انوار ان دنوں بہت زیادہ جلوہ گر ہیں، اگرچہ یہ کیفیت دائمی (۲۴۲) ہو چکی ہے لیکن اب ایک دوسری ہی حالت سے گزر رہے ہیں، مخدومی معرفت دستگاہی مرحومی شیخ، ابوالقاسم قدس سرہ جو کہ عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) کے بڑے بیٹے اور حضرت خواجہ کے سب سے بڑے پوتے بھی ہیں بیماری کے غلبہ کے ایام میں شاہ جہان آباد سے حضرت خواجہ کی خدمت میں (سرہند شریف) پہنچے اور اس حال میں آپ کا مشاہدہ کیا اور فرمانے لگے کہ جس کسی کو حضرت ایوب **علیہ الصلوٰۃ و السلام** کے صبر کا مشاہدہ کرنا ہو وہ جلد آ کر حضرت خواجہ کا پر انوار دیدار کر کے صبر ملاحظہ کر لے......

خال اکرم قدوۂ اصحاب تحقیق مخدوم زادۂ اصغر حضرت شیخ محمد صدیق **قدس اللّٰہ**

سرہ سے روایت ہے کہ عالم اسباب میں اس مرض کے دوران دوائیں اور دعائیں بھی کی گئیں، ایک روز حضرت خواجہ نے بشری تقاضا کے تحت اپنے فرزندان عالی درجات جو کہ صاحب تصرف و کرامت بھی ہیں سے کہا کہ اس مرض سے نجات کے لیے توجہ کریں اور مجھے خاص طور سے طلب فرما کر یہ حکم دیا تو آپ کے حکم کے مطابق صاحبزادگان نے توجہ فرمائی تو کچھ عرصہ کے لیے درد میں قدرے کمی واقع ہوئی گویا کہ اپنی اصل حالت میں ہو گئے یعنی جیسے کہ تندرستی کے ایام میں تھے ویسے ہو گئے اور یہ معاملہ عافیت کا ایسا دائمی ہوا کہ جو خلل اور زوال سے مبرا تھا۔

صوبہ کابل کے دیوان ارشد خان مرحوم جو کہ بعد میں حضرت خلد مکان (اورنگ زیب عالمگیر) کے عہد میں (بھی) دیوان رہے نے حضرت خواجہ کا یہ تصرف مکرر بیان کر کے مشتاقین کے دلوں کو حیات ابدی سے سیراب کیا ہے اور اس احقر (مولف) کو ایک ایسا ابیض بخشا ہے جو ایک احمر کا بھی حامل ہے:

ابیض

بیان کرتے ہیں کہ میں اور امانت خان اور میرے چند رشتہ دار جن میں سے ہر ایک اس غوث الانام (حضرت خواجہ) کا ارادت مند تھا، حضرت خواجہ کی زندگی کے آخری سال حضرت مجدد الف ثانی کے عرس کے موقع پر سرہند شریف میں تھے، ان دنوں حضرت خواجہ پر مرض کا شدید غلبہ تھا، یہ عرس ۲۸ صفر مظفر میں تھا اور اس ہادی ارباب کمال (حضرت خواجہ) کا وصال ۹ ربیع الاول میں ہوا گویا اس (عرس) اور (وصال حضرت خواجہ) میں گیارہ دن سے زیادہ کا فرق نہیں ہے اس وقت عالی مقام مخدوم زادگان روغنی اور (۲۴۳) سادہ کھانا عزیزوں اور درویشوں وغیرہ میں تقسیم کر رہے تھے اور حضرت خواجہ اپنے گھر میں تھے ہم ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت خواجہ کی تشریف آوری کا آوازہ بلند ہوا، کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ایک ڈولی یا میانہ (راوی نے ان دونوں میں سے ایک کا نام لیا تھا) پر سوار عرس کی محفل

میں داخل ہوئے اور اسی سواری پر ہی بیٹھے رہے (مرض و درد) کی شدت کے باعث آپ میں طاقت ہی نہیں تھی کہ نیچے اترتے اور مسند نشین ہوتے وہیں پر آپ کو سادہ کھانا دیا گیا کیوں کہ آپ کو پرہیز کرنے کا اختیار دیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود میرے دل میں خیال آیا کہ اگر آپ ذرہ نوازی اور بندہ نوازی کرتے ہوئے اس توشۂ خاص میں سے کچھ مجھے عطا فرمائیں تو یہ میری بہت ہی خوش نصیبی ہوگی، لیکن کمال ادب سے میں اس خوشگوار تمنا کا اظہار نہ کرسکا، وہاں اس وقت لوگوں کا بہت ہی شور وغل تھا اور ہر شخص آپ کی عنایت کا بصد شوق امیدوار تھا، کہ (اچانک) اس بندہ (ارشد خان) کا نام اپنی زبان الہام ترجمان پر لائے اور طلب فرمایا، میں حاضر ہوا اور آپ کے نزدیک چلا گیا۔ اس کھانے سے جس میں سے آپ نے دو تین لقمے کھائے تھے، فرمانے لگے کہ چونکہ میں بیمار ہوں اور حکیم نے میرے لیے سادہ کھانا تجویز کیا ہے، میں یہی کھا رہا ہوں اگر یہ کھانے کا تمہیں شوق ہے تو لے لو اس پر میں نے بخوشی اور کامل سعادت کے ساتھ لے لیا کچھ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کیا اور خود بھی کھالیا۔

مخدومی اقطاب دستگاہی عارف سریع السیر شیخ محمد زبیر مدظلہ جو کہ ان دنوں (دوران تالیف مقامات معصومی) حضرت خواجہ کی مسند ارشاد پر سجادہ نشین ہیں اور ان کی ہدایت و ارشاد کا سلسلہ اس وقت چار دانگ عالم کو محیط ہے، فرماتے تھے کہ میں نے سنا ہے، کہ حضرت خواجہ نے اپنے وصال سے دو تین روز قبل عبدالملک کے سوا سرہند شریف کے ایسے درویشوں کے نام خطوط لکھے جو آپ کے نزدیک قابل اعتبار تھے، (عبارت رقعہ یہ ہے):

فتح

کہ فقیر محمد معصوم دنیا سے جا رہا ہے اس کے لیے دعا کریں جو کہ خاتمہ بالخیر میں معاون ہو۔

ان میں سے ہر ایک گوشہ نشین بادیۂ ربانی نے اپنے حوصلہ اور استعداد کے

مطابق اس مخدوم حقانی (حضرت خواجہ) کو اس کا جواب دیا ان میں سے ایک سید مرزا بھی تھے جو صاحب کمال تھے، اس وقت ان کا مرقد شریف سرہند کے بازار کے درمیان واقع ہے، انہوں نے اس رقعہ کے جواب میں دو اشعار لکھے تھے..........

میری (مولف) والدہ ماجدہ سلمہا ربہا فرماتی ہیں کہ ایک روز آپ کے آخری ایام حیات میں مجھے آپ کی خلوت خاص میں باریاب ہونے کا موقع ملا تو میں نے سنا کہ آپ یہ شعر کامل شوق کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

تو دستگیر شوای خضر پی خجستہ کہ من
پیادہ می روم و ہمرہان سوار انند

(۲۴۴) اس کے بعد آپ نے اپنی زبان مبارک سے ایک صالحہ کا نام لیا کہ میں نے اسے ایک رقعہ لکھا ہے جس میں منقولہ شعر بھی تحریر کیا ہے۔

مجھے (مولف) کو اپنی والدہ کریمہ سے یہ بھی سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ انہی دنوں عفت مآب شہزادی روشن آراء بیگم رحمها اللہ سبحانہ کا ایک عریضہ جس میں کامل نیازمندی کا اظہار کیا گیا تھا موصول ہوا، اس میں یہ شعر درج کیا گیا تھا:

من کیستم کہ با تو دمی دوستی زنم
چندیں سگان کوی تو یک کمتریں منم

آپ نے یہ شعر اپنی زبان مبارک سے پڑھا اور فرمانے لگے کہ طبقۂ سلاطین خاص طور پر مستورات میں مشائخ کے ساتھ اس قسم کی محبت جو کہ محبت الٰہی کا نمونہ ہے، بہت ہی کمیاب ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو کہ شامل حال ہے کہ اس قسم کے عجیب امور میرے زمانے میں جلوہ گر ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی معرفت جو کہ تخلیق آدم کی غایت اولیٰ ہے ہمارے وسیلہ سے شاہ و گدا تک پہنچ رہی ہے، (جیسا کہ قرآن مجید میں ہے) (ترجمہ) ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔

میں نے سنا ہے کہ حضرت خواجہ کے وصال سے ایک دن پہلے عبدالملک آپ کی عیادت کے لیے آئے جیسا کہ آپ کو ان کے بعض مشائخ کے عقیدہ میں فساد (انتشار) معلوم تھا اور اس سے پہلے ان دونوں حضرات کی عدم ملاقات کا سبب بھی یہی تھا، اس

واقع کی طرف اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے جو باہوش مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں ہے، خدام نے چاہا کہ انہیں (عبدالملک) کو باہر سے ہی رخصت کر دیں لیکن حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیے بغیر یہ دشوار تھا، اس لیے آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا، کہ وہ عبدالملک جو اس سے پہلے کبھی حاضری کی سعادت حاصل نہیں کر سکے تھے، عیادت کے لیے آئے ہیں، چونکہ ان ایام میں آپ نہایت ضعیف ہو چکے تھے اور آپ کے ظاہری حواس باطنی حواس کی شکل میں بارگاہ خداوندی کی طرف متوجہ تھے عرض کیا گیا کہ اگر حکم ہو تو انہیں باہر سے رخصت کر دوں، فرمانے لگے کہ انہیں بلا لیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اس وقت مخدوم زادوں کا وہاں اجتماع تھا ان کے ساتھ جو بات چیت ہوئی اس میں تصرف ظاہر ہوا اور ایک ابیض نے جلوہ فرمایا کہ آپ نے حضرت مخدوم زادۂ عالی قدر شیخ سیف الحق و الملت والدین قدس سرہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ سیف الدین ...... یہی شیخ ہیں جنہوں نے اسمائے سیفی کے ورد سے سلطان وقت کو مسخر کر لیا ہے، جو محض مشیخت کا مرتبہ حاصل کرنا ہے جس سے اصل مقصد سے دور ہو گئے ہیں، اور انہوں نے اکابر اولیاء اللہ کی صحبت (۲۴۵) کی ضرورت کا احساس تک ختم کر دیا ہے، میرا بیٹا سیف الدین اسے (ورد سیفی سے تسخیر سلاطین) منہدم اور بے کار کر دے گا، ...... ایسے لوگوں کی تمام تر مشیخت حب جاہ کے لیے ہے جو برباد ہو جائے گی، اس مبارک قول کے بعد بہت جلد مخدوم زادہ (خواجہ سیف الدین) کے ارشاد کا غلغلہ چار دانگ عالم میں مشہور ہو گیا کہ ارباب دعوت (مشائخ شطاریہ) کا نام ونشان تک نہ رہا۔

حضرت قبلہ گاہی قطب الاقطابی (والد مولف) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس جو کہ حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کے مصاحب و ندیم تھے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ کے آخریں مرض کے دوران انتہائی کمال کے ساتھ آپ کی خدمت کی گئی لیکن ایک روز آپ نے اپنے تیسرے فرزند حضرت مروج الشریعت سے

خطاب کرتے ہوئے فرمایا اس وقت آپ کے سارے فرزندان گرامی بھی موجود تھے کہ تم سب کی خدمت کا حق ہے لیکن حضرت حق سبحانہ تمہاری والدہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے خدمت کا واقعی حق ادا کر دیا ہے کہ کسی دوسرے کی خدمت کا محتاج نہیں رہنے دیا۔

حضرت والدہ ماجدہ (مولف) **سلمها الرحمٰن** فرماتی تھیں کہ حضرت خواجہ نے اپنے وصال سے ایک یا دو شب پہلے رات کے کھانے کے وقت پوچھا کہ گھر میں کیا پکایا گیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ کھچڑی فرمانے لگے کہ اگر اس میں ذرا سا گھی ڈال کر مجھے دے دیں تو میں بھی کھالوں، عرض کیا گیا کہ بخار کے باعث اور درد کی وجہ سے آپ کو اس سے پرہیز ہے، اس پر آپ خاموش ہو گئے، اور اس کے بعد آپ نے کبھی کوئی چیز طلب نہیں فرمائی بلکہ اگر کبھی منت سماجت سے کہا جاتا کہ آپ کھانے کی کوئی چیز لے لیں تو قبول نہ فرماتے، البتہ مہمانوں کے کھانے کے لیے کھانا مہیا کرنے کی تاکید فرماتے رہتے، خاص طور پر اپنی ہمشیرہ جن کا نام (خدیجہ) لے کر بہن جی اور ان کی اولاد کو کھانا کھلانے لئے کہتے۔

وصال کے روز مرض میں شدت کے باوجود اپنے بڑے فرزند عالی حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ **قدسنا اللہ سبحانہ** جو کہ اس وقت حاضر خدمت بھی تھے بلکہ مختلف اقسام کی ادویات لا کر آپ کے منہ مبارک میں ڈال رہے تھے سے مخاطب ہوئے کہ میرے نزدیک آ جاؤ وہ نزدیک تو تھے ہی مزید قریب ہو گئے، فرمانے لگے کہ اللہ کی رضا والدین کی رضا میں ہے یہ بات سنتے ہی شیخ صبغت اللہ آپ کا ہر فقرہ سننے کے لیے سراپا گوش ہو گئے .... فرمایا کہ تمہاری یہ ادا ہماری نظر میں ہمیشہ مقبول و محبوب رہی ہے اس وضع میں کبھی بھی کسی قسم کی تبدیلی نہ کرنا، دوسری بات یہ کہ تمہارے بہن بھائی جو تم سے چھوٹے ہیں اگر ان سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے (۲۴۶) تو ان سے زیادہ باز پرس نہ کرنا ان سے اتفاق اور اخوت کا رشتہ زیادہ مضبوط رکھنا، تیسری بات یہ

ہے کہ سلاطین وقت کے ساتھ انتہائی ضرورت کے علاوہ کبھی صحبت نہ رکھنا، وہ آداب بجالائے اور حق سبحانہ سے توفیق کی استدعا کی۔

مجھے (مولف) اپنے والدین کریمین اور شہر (سرہند) کے دیگر بہت سے صلحاء سے یہ سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ ۹ ربیع الاول کی رات کو ایک فرشتہ نے سرہند شریف کے ہر گھر میں یہ آواز دی کہ صبح قیوم وقت (حضرت خواجہ محمد معصوم) اس دنیائے فانی سے دارالبقا (آخرت) کی طرف کوچ کر جائیں گے، جس کسی کو آپ کے جمال وکمال کا نظارہ کرنا ہو وہ پہنچ جائے اور اس موقع سے مستفید ہو..........

بعض اصحاب کا یہ بھی کہنا ہے وہ خبر (وصال) دینے والا انسان تھا لیکن تھا کوئی خدا رسیدہ کہ اس کی پرسوز آواز ہر گھر تک پہنچ گئی بلکہ یہ آتش سوز سرہند کے قصبوں تک جا پہنچی، کہتے ہیں کہ اس آواز نے لاہور اور پشاور کے مخلصین کو بھی مدہوش کر دیا، یہاں تک کہ دور دراز کے رہنے والے جن کے وہم وگمان میں بھی یہ ماجرا (وصال) نہیں تھا، اس رات کو کچھ لکھ کر رکھ دیا کہ شاید اس شورش آمیز آواز کا کوئی نتیجہ برآمد ہو جب وہ وحشت اثر خبر (وصال) مشہور ہوئی تو ہر ایک کو اس (آواز غیبی) کی حقیقت کا علم ہوا کہ دراصل وہ آپ کے وصال کی خبر تھی جو پہنچائی گئی اور ساری کائنات نے گویا ماتمی لباس پہن لیا جس نے دلوں کو تاراج اور گھروں کو ویران کر دیا، دوسرے روز جو کہ اس ہادی ارباب کمال (حضرت خواجہ) کے وصال کا دن تھا اس شدت کا زلزلہ آیا جو دنیا کو محیط تھا کہ آپ کی مقدس حویلی کے طاقچوں کے شیشے الگ الگ ہو کر زمین پر گر کر ٹوٹ گئے، دراصل یہ زلزلہ ان زلزلوں کا پیش خیمہ اور یہ ولولہ ان ولولوں کا سر حلقہ تھا۔

اس راقم بے مقدار (مولف) کے والد بزرگوار قدس سرہ نماز چاشت کے لیے حضرت خواجہ کی حویلی کے صحن میں تھے، جب دوگانہ نماز ادا کر چکے تو کیا دیکھا کہ قبلہ کی الٹی طرف دوگانہ ادا کر رہے ہیں (اس روایت کو سن کر) مجھے خوب یاد ہے کہ

میرے دل میں آیا یا تو زلزلے نے انہیں الٹا کر دیا یا اس صدمہ سے بدحواس ہو کر وہ مشرق کی جانب ہو گئے تھے۔

اس امر پر اتفاق ہے کہ آپ کا آخری کلام لفظ ''سلام'' تھا، کسی نے اس کے بارے میں کچھ قیاس آرائی بھی کی ہو گی لیکن غالب گمان یہی ہے کہ حضرت سید المرسلین علیه و علیهم من الصلوٰة افضلها و من التحیات اکملها امت پروری و غلام نوازی فرماتے ہوئے (وصال کے وقت) تشریف لائے، (اسی طرح) حضور نبی کریم صلی اللّٰه علیه وسلم، دیگر انبیاء، فرشتوں اور اولیا عالی مقام کی تشریف آوری بھی ممکن ہے ہوئی ہو اس لیے آپ کا یہ سلام آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا، اس سلام کی دوسری توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس وقت آپ کی حاضری سے رخصتی کا سلام ہو، پس اس کی صرف یہی دو توجیہات ہو سکتی ہیں اگرچہ پہلی تاویل دوسری سے زیادہ قوی ہے اگرچہ اور بھی وضاحت کی گئی ہیں اگرچہ پہلی تاویل دوسری سے زیادہ قوی ہے۔ اگرچہ اور بھی وضاحت کی گئی تھی جو چنداں قابل اعتماد نہیں ہے، حاصل کلام یہ کہ وصال سے دو تین گھنٹے قبل آپ نے فرمایا تھا:

احمد

السلام علیکم!

اس سلام کے وقت آپ کے بہت سے مخلصین، فرزندان اور مریدین حاضر تھے ان میں سے بعض باہر جا رہے تھے (۲۴۷) اور کچھ اندر آ رہے تھے اس وقت ہر ایک آپ کی جدائی سے آہ و فغاں کر رہا تھا گویا ایک ہنگامہ گرم تھا، کسی کو بھی ''سلام'' کی تخصیص پر غور کرنے کا خیال نہ آیا۔

الغرض شنبہ ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ آپ نے جان جان جاناں کے سپرد کر دی، (آیۃ کریمہ ہے) (ترجمہ) ''کہیے ہم اللہ کا مال ہیں اور ہمیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے''......

گویا فیض کا آفتاب چھپ گیا اور ہدایت کا چاند غروب ہو گیا، گنبد افلاک سے غلغلہ خاموشی میں بدل گیا، زمین پر مٹھاس کڑواہٹ میں بدل گئی، حاضرین کی ولایت ماند پڑ گئی اور اہل بصارت کا نور زوال پذیر ہو گیا، صرف چاند ہی بے نور نہیں ہوا بلکہ عطارد نے بھی اس شاہ (حضرت خواجہ) کو فراموش کر دیا، زہرہ نے بھی رقص چھوڑ دیا، سورج غبار حوادث سے تاریک ہو گیا، مریخ نے بھی محاسبہ کا عمل ترک کر دیا، مشتری دشمنوں کی ہیبت سے چھپ گیا اور زحل شرمسار ہو گیا، ہندوستان میں ان گنت مصائب کا ظہور ہوا، آسمان بے نور ہو گیا، فرشتے بے سرور ہو گئے کیوں کہ آپ کی قیومیت ہی مکنونات کی رضا اور خوشی کا موجب تھی، یقیناً آپ کے وصال سے ساری کائنات پر اس قدر حزن و ملال ہوا کہ اس دوران دنیا میں اس قدر فتنے اٹھے کہ کاغذ کے پرزے پر اس کی تفصیل لکھنے کی گنجائش ہی کہاں ہے، ان شاء اللہ اگلی کنز میں ان فتنوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

حضرت وحدت قدس سرہ فرماتے ہیں:..........

بگو سال وصالش ''غیب داں بود''   کہ بود از جام غیب از جام مدہوش [1]

(۲۴۸) جاننا چاہیے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قیومیت کا مفہوم اس طرح ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا'' یہ امر اس پر دال ہے کہ اگر حضرت حق سبحانہ کی صورت عالم مثال میں تصور کی جائے تو وہ ''انسان کامل جامع'' کی شکل میں ظہور فرمائے گا، اس مخلوق کے خلاف جو اس کی قابلیت نہیں رکھتی، اس لیے انسان ہی کو خلافت کے قابل قرار دیا گیا، اس منصب عظیم القدر (خلافت) کا آغاز حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوا اس کے بعد عظیم الشان پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے مخصوص کیا گیا، اس کے بعد جب نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا

---

[1] یہ طویل نظم (بصورت مرثیہ) متن میں ملاحظہ کریں۔

تو پھر اللہ تعالیٰ نے نہایت فضل و احسان فرماتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تخمیر طینت میں سے دو اصحاب کو منتخب فرما کر انہیں دنیا کا قیوم بنا دیا، قیوم دراصل وزیر کی طرح ہے، اگرچہ تمام ظاہری و باطنی نعمتیں سلطان کی طرف سے ہیں جو وزیر تقسیم کرتا ہے اور ملک وملکوت کی مہمات اسی وزیر (قیوم) کے مشورہ سے انجام دی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اس سے قبل ذکر ہوا کہ قیوم ثانی چونکہ حضرت خواجہ تھے اس لیے (آپ کے وصال سے) اندوہ ناک عالم نے تقسیم (کے مذکورہ عمل) سے روگردانی کر لی معلوم نہیں کہ اس سے قبل دنیا نے ایسے باکمال عزیز کی وفات پر ماتم کیا ہے؟ معلوم ہوتا تھا کہ آسمان نے رونے (برسنے) پر کمر باندھ لی ہے کہ آپ کو دفن کرتے وقت اسے اتنی تکلیف ہوئی کہ قبر میں کیسے اتارا جائے، آخر آپ کے لیے عالی شان خیمہ تنا گیا اور سخت کوشش کے بعد آپ کے جسم مبارک کو قبر میں اتارا گیا، اہل زمین مردوں و عورتوں نے اس موقع پر اس قدر آہ وزاری کی کہ اس واقعہ کو قید تحریر میں لانا دشوار ہے۔

میں نے سنا ہے کہ بازار نشین فاحشہ عورتوں نے اپنے دیگدان (چولہے) بند کر دیے، برہنہ سر ہو کر اس قدر غم و گداز کا اظہار کیا کہ دوسری عورتوں کے بارے میں ہمیں ایسا کرنا یاد نہیں ہے، بہشت کی حوریں جنت سے نکل آئیں اور اس سوز میں حصہ لیا، گویا کسی طرح بھی اہل عالم کی تسلی وتشفی نہیں ہوتی تھی ....

کنز دوم

اس فلک میں جو بے مدار ہے اور خزاں و بہار کی زادگاہ (جنم دینا، بدلنا) ہے یہ بادۂ روزگار جو ایک مستی اور سو خمار رکھتا ہے (کا کیا بھروسا یعنی دنیا کا رنگ بدلنا) حضرت خواجہ کے جنت الفردوس میں چلے جانے کے غم نے ہم سب کو دارالحزن میں پہنچا دیا، آسمان کی شورش اور فرشتہ کی صدائے مہیب نے زمین اور پہاڑوں کو پانی پانی (۲۴۹) کر دیا، کسی نماز کے لیے حضرت خواجہ کی صاحبزادیوں میں سے بعض نے وضو

کرنے کے لیے صحن حویلی کی طرف توجہ کی تو وہاں برہنہ سر عورتوں کا اس قدر ہجوم تھا جو کہ قیاساً چالیس ہزار سے کم نہیں ہوں گی، انہوں نے ان کے بارے میں بہت غور کیا تو کچھ معلوم نہ ہو سکا، انہوں نے (وصال کے) دوسرے یا تیسرے روز اپنے بھائیوں سے اس ہجوم نساء کے بارے میں سوال کیا، یہی سوال دیگر اطراف سے بھی کیا گیا یعنی عورتوں کے اژدہام کے بارے میں پوچھا گیا لیکن کوئی بھی ان کی شناخت نہ کر سکا تو برادران گرامی (صاحبزادگان حضرت خواجہ) نے فرمایا کہ دراصل یہ بہشت سے حوریں آ کر آپ کے ماتم میں شریک ہوئی تھیں اور دنیاوی عورتوں کی شکل میں آ کر بیٹھ گئی تھیں ان کے شعلہ ہائی سرد فلک پر جلوہ گر ہو کر اہل بصیرت (کو اپنی طرف متوجہ کر رہے تھے) اور دنیا کی عورتوں کی گرم آہوں سے آگ مشتعل ہو رہی تھی......

غم واندوہ کا یہ اثر جب فاحشہ عورتوں پر بھی [illegible] ت ومخلصات پر کیا گزری ہوگی۔

مخدومی مخدوم زادگی میاں شیخ اہل اللہ رحمۃ اللہ سبحانہ رحمةً و اسعةً جو کہ عالی حضرت (شیخ محمد صبغۃ اللہ) کے فرزند تھے اور حال ہی میں بلدۂ شاہ جہان آباد میں فوت ہوئے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے فرزندان گرامی میں سے ایک نے خواب میں دیکھا کہ حضرت خواجہ کو دفن کرنے کے بعد دیکھا کہ آپ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے میں مشغول ہیں، عرض کیا یہ دعائے مستجابات کس کی مشکل کشائی کے لیے کر رہے ہیں، فرمایا کہ وہ نوحہ خوان جو اس افسوسناک حادثہ (وصال حضرت خواجہ) سے متاثر (ہراساں) ہوئے ان کے لیے درگاہ کریم میں مغفرت کا سوال کر رہا ہوں، یہ مکاشفہ مخدوم زادۂ ثالث حضرت مروج الشریعت (خواجہ عبیداللہ) قدس سرہ سے منسوب ہے......[1]

اخوند سجاول (سرہندی) جو کہ اکثر مخدوم زادگان کرام کے استاد علم فقہ کے ماہر

---

[1] تکرار مطالب

اور قدیم اصحاب میں سے تھے، کو حضرت خواجہ کو غسل دینے کی سعادت نصیب ہوئی تھی، (کی روایت) مجھ تک پہنچی ہے کہ آپ کے جسم مبارک کو دھونے کے دوران جب پانی آپ کے منہ مبارک کے قریب لایا گیا تو آپ سے عرض کیا کہ مجھ میں اتنی جسارت نہیں ہے کہ آپ کے دہن مبارک کو کھول سکوں تو اس پر آپ نے زندہ انسان کی طرح اپنا دہن مبارک کھول کر پانی پیا، آپ کو مسنون لباس کفن دیا گیا، جو کہ چادر، لفافہ اور قمیص پر مشتمل تھا جو سفید اور عمدہ قسم کا تھا، عمامہ نہیں پہنایا گیا کیوں کہ یہ بدعت ہے، اگرچہ علماء و مشائخ نے اسے تجویز کیا ہے لیکن جناب (۲۵۰) حضرت رسالت خاتمیت **علیه و علٰی آله و صحبه افضل الصلوٰت و اکمل التحیات** کو بھی نہیں دیا گیا، (حضرات کا یہ) دستور یاد رہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک کوئی بدعت بھی حسن نہیں ہے اگرچہ وہ صبح صادق کی طرح ظاہر کیوں نہ ہوئی ہو بلکہ آپ تمام بدعات کو ضلالت تصور کرتے تھے۔

حضرت خواجہ کی نماز جنازہ صندل پورہ میں جو کہ سرہند شریف کی مشہور گزرگاہوں میں سے ہے، پڑھائی گئی جو کہ تاحال (زمانہ تالیف کتاب حاضر) اہل ارادت کے لیے زیارت گاہ ہے جس کو صفہ کی شکل دے دی گئی ہے، آپ کی نماز جنازہ کی امامت مخدوم زادگان کی اجازت سے آپ کے برادر اصغر حضرت شاہ جیو (شاہ محمد یحیٰی) قدس سرہ نے پڑھائی، آپ کے جنازہ مقدسہ کے موقع پر (شرکاء کا) جو ہجوم تھا اس کے بارے میں سنا ہے کہ وہ شمار کی حدود سے متجاوز تھا، کہا جاتا ہے کہ باغ فتحی تک کہ دو تیر اندازوں کی زد تک خلائق صف بستہ تھے ادھر طول و عرض میں بھی نیم تیر انداز کی زد تک صف میں کھڑے ہونے کی جگہ نہیں رہی تھی۔

تمام صاحبزادوں نے یہ مشورہ دیا کہ روضۂ مقدس حضرت مجدد الف ثانی کے اندر آپ کو دفن کیا جائے کہ دو قیوم ایک ہی گنبد میں رہیں تاکہ قران السعدین کا حصول ہو اور کواکب شعاری اور دولت مداری کے مشاہدہ فرما ہوں ......

جب آپ کے لیے حضرت مجدد الف ثانی کی قبر مقدس کے متصل نصف قد آدم کے فاصلہ پر قبر کھود دی گئی تو اچانک سرہند کے فوجدار عبدالعزیز خان کی زبان سے نکلا کہ اگر حضرت خواجہ کا مدفن علیحدہ مقام پر ہو تو یہ مخلصان کے لیے زیادہ آسودگی کا باعث ہوگا، کیوں کہ آپ اپنے والد ماجد کی طرح صاحب کمال و اکمل تھے، آپ کی قبر کے لیے جداگانہ جگہ ہونی چاہیے تاکہ زائرین کو دو روضوں میں کشادہ جگہ مل سکے دوسرے یہ کہ جداگانہ روضہ کے جوار (میں دفن ہونے والوں کے لیے) آپ کی شفاعت و مغفرت میسر آ سکے، پھر حضرت خواجہ تو تمام احوال و معانی میں ثانی مجدد الف ثانی تھے اس لیے آپ علیحدہ روضہ کے مستحق ہیں، اس طرح وہ گناہگار جو عنایات کے منتظر ہیں ان کو اپنی قبروں کے لیے بھی جگہ مل سکے، لیکن عبدالعزیز خان مذکور پر اعتماد کے باوجود مخدوم زادگان کرام نے (فوری طور پر) اس بات کو تسلیم نہ کیا، چونکہ اس کا یہ ایک حکیمانہ نکتہ تھا اس لیے اس کو بہت ہی قبولیت و دلربائی حاصل (۲۵۱) ہوئی، لہٰذا ہر طرف عقل دوڑائی گئی کہ اس قبلۃ الابرار (حضرت خواجہ) کے لیے کون سی ایسی زمین ہو جو جنت سے جدا کی گئی ہو بالآخر لے دے کر وہی باغیچہ ہی منتخب کیا گیا جس کے متعلق آپ نے اپنی حین حیات میں فرمایا تھا کہ یہ باغیچہ کسی ''فقیر الٰہی'' کا مسکن بننے والا ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس کا ذکر ہو چکا ہے تو سب حضرات کے اتفاق سے وہی زمین جو مدینۂ رسول علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد فضیلت والی تھی مشخص کی گئی اور ہے حضرت خواجہ کا مدفن بنایا گیا، آپ کا روضۂ مقدس جو بے شمار انوار کا منبع اور اللہ تعالیٰ کے آثار عنایات کا ظہور ہے، بلدۂ سرہند میں ہے جس کا مرتبہ اور مقام بہت بلند کیا گیا جسے اکثر مقامات اور وادیوں سے منور و رفیع بنا کر اسے روشن جلوؤں اور تابندہ انوار (کا مرکز قرار دیا گیا ہے)......

آپ کو دفن کرنے کے بعد حضرات مخدوم زادگان کرام کے مکاشفات بعد میں بیان کیے جائیں گے، ان شاء اللہ سبحانہ، لیکن پہلے میں وہ تواریخ (وصال) جو

میرے حافظہ میں محفوظ ہیں بیان کرتا ہوں۔ (اس موقع پر) جو تواریخ اور فقرات (موزوں کیے گئے) اور اس قطب الاقطاب (حضرت خواجہ) کے احوال کے اس کاتب (مولف) نے سنے ہیں اگر تحریر کروں تو صرف اسی کے دس جز بن جائیں گے جو دل میں غم کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں کر سکتے بہرحال ان کا تھوڑا لکھنا ہی خلاصی اور خوشی کا باعث ہے۔

ملک الشعراء ناصر علی (سرہندی) نے جو منظوم تاریخ لکھی وہ یہ ہے:

طلب کر دم زدل سال و صالش ندا آمد "زعالم رفتہ معصوم"[1]

کہتے ہیں کہ جب خلد مکان (اورنگ زیب عالمگیر) کو آپ کے وصال کی اطلاع ملی تو اسی وقت اس کی زبان پر یہ مصرعہ آگیا:

"رفتہ ز جہاں امام معصوم"

اس کے بعد اورنگ زیب نے حساب کیا تو ان قبلۃ الابدال (حضرت خواجہ) کا سال وصال اسی مصرعہ میں سے برآمد کر لیا، (اس عہد کے) بعض شعراء نے حکماً اور بعض نے اپنی مرضی سے نظمیں (قطعات تاریخ وصال) لکھنے پر کمر ہمت باندھی:

قبلہ گاہی قطب الاقطابی (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** نے یہ فرمایا ہے:

"نقشبند ثانی بود" (۱۰۷۹ھ)

(۲۵۲) حضرت مروج الشریعت (محمد نقشبند ثانی) فرماتے ہیں:

"بجنت خوابید" (۱۰۷۹ھ)

ایک عزیز نے اس (فقرہ) سے (تاریخ وصال) برآمد کی ہے:

"الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب"

---

[1] اس نظم کے تین اشعار ہیں ہم نے صرف ایک شعر مادۂ تاریخ والا نقل کیا ہے باقی اشعار متن میں ملاحظہ کریں۔

اسی طرح جناب حضرت مجدد الف ثانی کے (وصال) کے لیے یہ (فقرہ) کہا گیا:

''الموت ھو جسر یوصل الحبیب الی الحبیب'' (۱۰۳۴ھ)

ملا محمد سعید دہلوی نے کہا:

''نصف شنبہ بحبیب پیوست''

سید کل (حضرت خواجہ) کا ماہ وصال نہم ربیع الاول اور سال ۱۰۷۹ ہجری ہے آپ کی عمر مبارک بہتر سال تھی۔

(چند مادہ ہای تاریخ وفات یہ بھی ہیں):

''جناب شریعت مآب'' ...... ''امام ارباب معرفت'' ...... ''فیاض اہای عالم''

''مروج طریقۂ نقشبند'' ...... ''زبدۂ اعاظم اولیاء'' ...... ''وارث امام رسل''

اس دوران راقم عرض پرداز ہے کہ میں نے اپنی طرف سے حتی الامکان (اس کتاب کی) روایات کی تصحیح کی کوشش بلیغ کی ہے، البتہ حضرت خواجہ کے زمانے میں دوری اور غریب الدیاری دونوں کے شامل ہو جانے سے اس امر کا خوف ہے کہ حافظہ پر اعتماد نہ ہونے کے باعث بعض روایات میں ضعف و سقم آ گیا ہو جس میں میری بے حالی کا بھی دخل ہے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے تھے کہ حقیقت جامعہ قلبی جو کہ جمال معنویہ کا آئینہ ہے کی طرف متوجہ رہو، ان کے حکم کے مطابق توجہ کی تو یہ اشعار خطا اور توقف کے بغیر (وارد) ہوئے، ...... [1]

کامل اولیاء میں جنہوں نے خیر الانبیاء علی آلہ التسلیمات والبرکات کی تصدیق کی انبیائے کرام کے کمالات بطریق وراثت جلوہ گر ہوتے ہیں اگرچہ نبوت کا منصب ختم ہو چکا ہے البتہ ان کے کمالات کامل وارثوں (اولیاء) میں بطور

---

[1] یہ تمام اشعار متن کتاب میں موجود ہیں۔

وراثت موجود ہونے کا ثبوت (اس حدیث شریف) سے ملتا ہے کہ ''علماء انبیاء کے وارث ہیں''

ایک روز حضرت قبلہ گاہی مرشدی (والد مولف) قدس سرہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲۵۴) حضرت رسول کریم علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام کے وصال کے بعد فرماتے تھے کہ مجھ سے وہ اعمال صالحہ جو حضور سید عالم صلوۃ اللہ تعالیٰ علیہ و علی آلہ وسلم کی مبارک زندگی میں ہوئے کا اس درگاہ کریم ذوالمنن سے اجر کا طالب ہوں اور وہ اعمال جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد ظہور میں آئے، اگر دونوں کا موازنہ کیا جائے اور حساب ہو تو (دعا جو ہوں کہ) اللہ تعالیٰ بندہ پروری کرتے ہوئے مواخذہ نہ فرمائے۔

اسی قسم کا معاملہ (میرے والد گرامی) نے بھی بطریق وجدان حضرت خواجہ کے وصال کے بعد اپنے باطن میں محسوس کیا کہ ہر وہ عمل صالح جو میں نے آپ کی زندگی میں کیا تو آپ نے کمال عنایت سے اس کے اجر (کی بشارت دی اور سرفراز فرمایا) اور جو کچھ آپ کے وصال کے بعد کیا اگر (اللہ تعالیٰ) اس کا مواخذہ نہ کرے اور حساب نہ فرمائے تو یہ اس کی کمال بندہ پروری ہے۔

مجھے حضرت قطب اقطابی قبلہ گاہی (والد مولف) سے یہ بات بھی سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ مخدوم زادگان عالی درجات حضرت شیخ محمد نقشبند (ثانی)، شیخ عبیداللہ (مروج الشریعت) اور حضرت شیخ محمد سیف الدین رزقنا اللہ سبحانہ من برکاتھم کے (حضرت خواجہ کے وصال کے بعد) کشف میں کامل یکسانیت تھی (اس مقصد کے لیے) وہ حضرت مجدد الف ثانی کے روضۂ شریفہ میں گئے تو (عالم کشف میں) یوں معلوم ہوا کہ گویا ایک عظیم الشان بادشاہ ہے جو کامل وقار کے ساتھ اپنی مسند پر بیٹھا ہے، ایک یا دو آدمی اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہیں اور کسی کو (اس محفل کے) رعب اور ادب کے باعث بات چیت کرنے کی مجال نہیں ہے، میں جب بھی آپ کے

روضہ میں آتا ہوں تو مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک عالی جاہ بادشاہ ایک مرصع تخت یا ایک عالی شان مسند پر نہایت فرحت ونشاط اور خوش باش بیٹھا ہے اور اس کے دائیں و بائیں خدام اور غلام دست بستہ حاضر ہیں اور رقص و سرور (خوشی و فرخندگی) کی مجلس گرم ہے، قلم و دوات بھی موجود ہے، کبھی تو وہ دستخط کرتا ہے اور کبھی اپنے مقربین کے احوال کا سراغ لگاتا ہے، یہ گویا آپ کی قیومیت سے استرضاء اشیاء ہے جس طرح آپ کی زندگی میں اقوام عالم کا تعلق آپ کی ذات مبارک سے تھا اسی طرح آپ کے وصال کے بعد بھی بطریق کلیت یہ کارخانۂ حیات آپ کی ذات مقدس سے متعلق ہو گیا ہے اگرچہ یہ خدمت (قیومیت) آپ کے بعض فرزندوں میں بطور نیابت ثابت ہے، اگرچہ اس میں اختلاف بھی ہے۔ حضرت خواجہ کے تخمیر طینت میں بلاشک وشبہ ''اصالت'' موجود ہے۔ کیوں کہ قیومیت اس سے مشروط ہے۔ اگرچہ ''اصالت'' کے سلسلہ میں حضرت مخدوم زادہ ثانی حجۃ اللہ العظیم (محمد نقشبند ثانی) قدسنا اللّٰہ تعالیٰ بسرہ الاقدس کو ''مرتبۂ ثانیہ'' حاصل ہونے کی وجہ سے ان میں (منصب قیومیت کا منتقل ہونا) بتحقیق ثابت ہے۔ حضرت خواجہ سے اس نقل (تحریری ثبوت) (۲۵۵) کو اگلی مفتاح میں ان شاء اللّٰہ تعالیٰ پیش کیا جائے گا..........[۱]

جناب حضرت قبلۂ کونین کعبۂ نشاتین والد بزرگوار و مرشد عالی مقدار (شیخ محمد فضل اللہ) نے اپنی بیاض خاصہ میں اپنے دست مبارک سے لکھا ہے:

فتح

آخر صفر ۱۰۸۹ھ کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ ایک شخص زرفشاں قسم کا ایک کاغذ لایا اور میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا کہ یہ خط حضرت جیو یعنی شیخ محمد عبیداللہ رحمۃ اللّٰہ سبحانہ نے حضرت خواجہ کے لیے بھیجا ہے۔ مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ رقعہ کون لایا ہے؟ آخر قیاس ہوا کہ فرشتہ

---

[۱] مکررات

لایا ہوگا، جو آپ کے خط خاص میں ہے اور میں آپ کا (سواد) خط بھی پہچانتا ہوں جو اس مضمون بلکہ وہ اصل عبارت مجھے بعینہ یاد ہے الا ماشاء اللہ تعالیٰ:

''حضرت جیو سلامت! حضرت جیو کے دونوں بھائی حضرت جیو کے ساتھ کھانا کھائیں اور اگر وہ کبھی کسی تکلیف سے ہوں تو حضرت جیو وہاں جا کر کھانا کھائیں والسلام زیادہ تاکید اور دعا۔''

جاننا چاہیے کہ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ مرحوم کا دو لفظی رقعہ جس میں تاکید متصل واقع ہوئی ہے اس میں ضرور کچھ باتیں قابل توجہ ہیں اگرچہ اس کے مفہوم میں تامل واقع ہوا ہے، یعنی اس میں تاکید سے مراد ہے کہ طریقۂ مرضیۂ معصومیہ کو ہر وقت ملحوظ خاطر رکھو کہ اس سے محبوبیت پیدا ہوتی ہے اور اس سے معشوقیت کے آثار بھی ظاہر ہوتے ہیں نیز یہ بھی جان لینا چاہیے کہ رقعہ حضرت شیخ محمد عبیداللہ قدس سرہ کی طرف سے ان کے وصال کے بعد لکھا گیا کیوں کہ اس مخدوم زادے کا وصال حضرت خواجہ کے وصال کے چار سال بعد ہوا (۲۵۶) ان کی تربت شریف حضرت خواجہ کے روضہ سے متصل ہے، اور اصل قبر شریف تہ خانے میں ہے اس کے اوپر اس کا صرف تعویذ ہے جس کے اوپر گنبد سایہ انداز ہے یہ روضہ بہشت کا نمونہ اور دارالسلام ہے اور اس کے سنگ و سفال جنت الماویٰ کی ترجمانی کرتے ہیں اور اس کے اردگرد اہل نظر کے لیے جنت نعیم جلوہ گر ہے اور اہل دل کے لیے یہیں فردوس ہے ...... وہاں کا جلال ان کے اصحاب کے شامل حال ہے، اس روضہ پر جو کنواں ہے وہ چشمۂ سلسبیل ہے اور وہ بادشاہ جو اس میں ہے وہ زنجبیل [1] سے پیتا ہے، اس روضہ کی تعریف میں حضرت عاشق (شیخ محمد اسماعیل بن شیخ محمد صبغۃ اللہ) فرماتے ہیں:

---

[1] جنت میں ایک نہر کا نام ہے۔

''یہاں اندھا بینا ہو جاتا ہے اور بوڑھا جوان
گویا مے خانہ کی آب و ہوا بڑی عجیب و غریب ہے۔''

اس دارالخلد (روضہ) کی لطافت اس کے در و دیوار سے پیدا ہوتی ہے، حور و قصور کی طراوت سے خالی ''رَبّ ما ضاحک'' کی تجلی اس سے ہویدا ہے یہ کعبۂ مقصود کے لیے زینہ، مقام محمود تک رسائی کے لیے روزینہ، وہ خاک مدینہ سے ہے اس کا حلقہ عرش کا نگینہ ہے..........

اس روضہ جو جنت کے باغوں میں سے ہے کے لطائف اور عظمت کہاں تک بیان کی جائے گویا دریا کے محیط کو ایک چھوٹے سے کوزہ میں بند کر دیا ہے کہ اس بے مقدار (مولف) کا حوصلہ اس کا متحمل ہی کہاں ہے؟ کہ اس قسم کے بلند اسرار جو کہ کمالات بے چونی سے مزین ہیں کے بارے میں کچھ کہہ سکے اور اس بے سرو برگ کا قلم ہی بھلا اس قابل کہاں کہ اتنے بلند پایہ معارف کی املا کر سکے ساری نسبت نقشبندی جو اس کو بنیاد فراہم کرتی ہے کہ تحریر میں لا سکے، یہ چند فقرات جو لکھے جا چکے ہیں محض حضرت خواجہ کی روح پر فتوح کی مدد سے منصۂ ظہور میں آئے ہیں......

حضرت خواجہ کے روضۂ مقدسہ کے بنانے کی سعادت عصمت مآب، عفت نصاب بلکہ عالم پادشاہ زادہ (۲۵۷) جہانیاں روشن آرای بیگم جو کہ شاہ جہان بادشاہ کی دختر تھیں کو حاصل ہوئی جو انہوں نے اپنے بھائی خلد مکان (اورنگزیب عالمگیر) کے عہد میں مخدوم زادہ قطب العارفین امام المحققین شیخ محمد سیف الدین قدس سرہ کے اشارے پر بنوایا تھا، حضرت خواجہ سیف الدین نے وہ زمین فردوس نشان جو خود اپنے لیے خریدی تھی وہ حضرت خواجہ کے (روضہ کے لیے) دے کر کارخانۂ محبت آراستہ کیا اور شائقین کو (زیارت) کی دعوت عام دی.........

بہت خوب کہ یوم وصال سے ہی ارادت مندان پاک نہاد راسخ الاعتقاد (کے روضہ) کی شب و روز بڑے ہی خضوع اور عقیدت کے ساتھ مزار فائض الانوار کی

زیارت میں محو ہیں اور معرفت کے دروازے ان پر کھل رہے ہیں ....

ان عقل مند آشناؤں اور صاحب کمال عزیزوں کو شاباش جو (مزار حضرت خواجہ) کی زیارت کے لیے بہت دور دراز سے آتے ہیں اور بعد مسافت ان کے لیے راستہ کی رکاوٹ نہیں بنتی ان کا نور کا مشاہدہ ان حضرات سے بہتر ہے جو حضور (مقامی) لوگ ہیں، یہ حضرات مقامی عقیدت مندوں سے زیادہ "طراوت و سرور" محسوس کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ نے اپنے (مکتوبات) میں متعدد مقامات پر حضرت مجدد الف ثانی کے روضۂ منورہ کی تعریف کی ہے یہ عبارتیں مختلف قسم کی واقع ہوئی ہیں، ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

فخ

اپنے (حرمین الشریفین) سے واپس آنے پر اس قدر نفرت و حسرت ہے کہ کیا لکھا جائے ہاں اگر حضرت پیر دستگیر (امام ربانی مجدد الف ثانی) کے روضۂ منورہ کی زیارت اور اس مزار پر انوار کے مجاوروں سے ملاقات کی نیت سے آئیں اس مقام کی برکات سے بہرہ ور ہوں تو اس امر کی گنجائش ہے کہ اس روضہ کے فیوض و انوار اس مقام (مدینہ منورہ) کے انوار سے ماخوذ ہیں لیکن ان کا حاصل ہونا آسان ہے۔[1]

آپ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

فخ

جو طالبان حق جل و علا نیاز مندی سے اپنا سر اس مزار فائض الانوار (حضرت مجدد الف ثانی) پر جھکاتے ہیں اور صدق نیت سے اس مرقد

---

[1] مکتوبات معصومیہ (۶۵/۳) کا یہ اقتباس مولف نے محض حافظہ کی بنیاد پر دیا ہے جو متن سے مختلف تھا اس لئے ہم نے براہ راست نقل کر کے ترجمہ کیا ہے (رک تعلیقات مقامات معصومی ج ۴)

مطہر کا طواف (زیارت) کرتے ہیں ان فیوض و برکات سے فیض یاب و
مستفید ہوتے ہیں اور ایک نوش سے سیکڑوں جوش و خروش کے ساتھ
(۲۵۸) خود سے بیگانہ ہو کر مطلب کی جستجو کرتے ہیں، یہاں کے بہت
سے رہنے والے عدم خلوص اور اس سرچشمۂ حیات سے رغبت نہ ہونے
کے باعث پیاسے اور برکات سے محروم ہیں۔ ؎

ایک روز حضرت (والد مولف) فرمانے لگے وہ عزیز جو زندگی لہو ولعب میں بسر کر کے فوت ہو گئے جب خوش قسمتی سے انہیں حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ کے روضوں کی (حدود) میں دفن کیا گیا تو جب ان کے احوال پر نظر دوڑائی گئی تو انہیں دریائے نور میں غرق پایا تو (ان اصحاب کے بارے میں قیاس کریں) جنہوں نے اپنی ساری عمر معرفت اور حقیقت کے حصول میں بسر کی اور ان روضوں میں دفن ہوئے وہ کس قسم کے گہرے انوار میں مستغرق ہوئے ہوں گے، اسی طرح وہاں دفن ہونے والے نیاز مندوں کا یہ بھی حسن اعتقاد ہے جو ان دونوں روضوں میں دفن ہوں انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے روز محشر میں ان دونوں حضرات کے مبارک پرچم تلے جگہ ملے، آمین۔ قیامت کے روز کہ جب نہایت درجہ کا ''ہول و شدت'' ہو گی تو اس وقت کرشمۂ الطاف معصومی شامل حال ہو کر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں باریاب ہو جائیں گے اس مجلس معلیٰ میں دخول اور عروج حضرت خواجہ کی مرضی سے ہو گا یہ بات مجھے اس سلسلہ کے اکابر سے سننے کا اتفاق ہوا ہے نہ کہ میرا ذاتی قیاس ہے۔

قطب الاقطاب قیومیت مآب (حضرت خواجہ) کے وصال کے بعد دنیا میں جن فتنوں کا ظہور ہوا اور ان کی رونق و نور جاتا رہا تھا کے بیان کا میں نے اس باب کی کنز اول میں وعدہ کیا تھا، جیسا کہ اعلیٰ بصیرت رکھنے والے ہوشمندوں پر یہ عیاں ہے کہ

؎ ایضاً ۳/ ۱۴۲

حضرت خواجہ کے اس دنیا سے جنت الفردوس تشریف لے جانا قیامت سے کم نہیں تھا جس سے ہدایت کی راہ بند ہوگئی اور ضلالت کی راہیں ہر طرف کھل گئیں۔ اس وقت آپ کے بلاواسطہ فرزندان گرامی بقید حیات تھے وہ عین ضلالت و گمراہی میں ہی خلائق کی دعوت و ارشاد میں مصروف رہے اور اب جب کہ ان صاحب کمال میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے تو ان فتنوں کا اس قدر ہجوم ہو گیا ہے کہ مجھ پر تقصیر کی تحریر کا محتاج نہیں رہا بلکہ اہل روزگار میں سے ہر ایک کے مشاہدہ (۲۵۹) میں یہ بات آ چکی ہے لیکن چونکہ وعدہ پورا کرنے کا حکم ہے اس لیے میں اس قطب البریات (حضرت خواجہ کے وصال کے) بعد جو فتنے ظہور پذیر ہوئے بعینہ بیان کر رہا ہوں، صاحب بصیرت حضرات اس سے عبرت حاصل کریں:

حضرت خواجہ کا نواسہ جو چودہ سال کا تھا شہید کر دیا گیا، قاتلوں کے پاس اس قتل کی کوئی شرعی وجہ موجود نہیں تھی۔ کابل کی سرحد پر فساد ہوا، کوہ خیبر پر بھی بہت قتل و غارت ہوئی جس سے فقیر و امیر سب واقف ہیں، بادشاہوں کا اتحاد جاتا رہا، خلد مکان (اورنگ زیب عالمگیر) کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے کلام پر مخالفین کے طعنے سننا پڑے، وہ درحقیقت جمعیت (اتحاد و اتفاق) سے محروم ہو گیا اور مدتوں حسن ابدال میں پڑا رہا پھر وہاں سے کابل پہنچا وہاں سے واپس آیا تو دکن چلا گیا کون سی مشقت تھی جو اس نے نہیں اٹھائی، (آیۃ کریمہ ہے) (ترجمہ) ''بے شک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدلیں'' وہ دوبارہ دارالخلافہ نہ دیکھ سکا، شہزادہ محمد اکبر (بن اورنگ زیب) باغی ہو گیا۔

اگرچہ اس کے بعد بادشاہ نے سچی توبہ کی اور جنگوں میں فتح مند ہو کر اپنی آخرت سنوار لی۔ یہ بات مجھے کئی بار عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) سے سننے کا موقع ملا ہے۔

احمر

عالی حضرت اکثر یہ فرماتے تھے کہ بادشاہ (اورنگ زیب) حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات قدس نکات کے بارے میں (بعد وصال حضرت خواجہ) شکوک شبہات میں گرفتار رہا اسے پھر جمعیت نصیب نہ ہو سکی۔ اگرچہ اس نے کابل اور دکن کی خوب سیاحت کی لیکن حضرت خواجہ کی وہ توجہ جو اس کے خمیر (مادہ) میں تھی باقی نہ رہی، مسلمانوں کے اکثر شہروں خاص طور پر دارالارشاد سرہند شریف پر حکام کا ظلم بڑھ گیا۔ محبت جاتی رہی، اولیا کرام پر جو اعتقاد محکم ہو چکا تھا وہ بھی جاتا رہا امراء سے دولت جاتی رہی، درویشوں سے قناعت بھی رخصت ہو گئی اللہ تعالیٰ کی عصمت کو کہاں تک طول دوں اس آخری زمانہ میں تمام مسلمانوں میں جو فتنہ و فساد ہوا ہے وہ توجہات معصومیہ کے انقطاع اور تصرفات قیومیہ کے (نہ رہنے کے سبب ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(ترجمہ) ''اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کیں اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں کافروں پر مدد دے''

چونکہ یہ چھٹی مفتاح رمضان شریف کے اختتام کے قریب ختم ہو رہی ہے اس لیے اس مبارک ماہ کے فضائل احادیث صحیحہ سے بیان کر رہا ہوں تاکہ سعادت حاصل ہو جائے۔

ہوش مندی سے سنیئے کہ جناب امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات کی جلد اول کے مکتوب نمبر ۴۵ میں اس عظیم القدر ماہ کے فضائل اپنے قلم مشکیں رقم سے تحریر فرمائے ہیں (۲۶۰) جنہیں تبرکاً یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

جان لینا چاہیے کہ ماہ مبارک رمضان بزرگی والا مہینہ ہے نفلی عبادات نماز، ذکر اور صدقہ وغیرہ جو اس ماہ میں کی جائے وہ دوسرے ایام میں

فرض ادا کرنے کے برابر ہے اور اس ماہ میں کسی فرض عبادت کا ادا کرنا دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے مساوی ہے۔ ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ اگر اس مبارک مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کی گردن دوزخ کے عذاب (آگ) سے آزاد کر دیتا ہے اور اس کو روزہ دار کے اجر کے برابر اجر عطا کرتا ہے، اس روزہ دار کے اجر میں سے کچھ کم کیے بغیر، اس طرح اگر کوئی اپنے غلاموں سے خدمت لینے میں کمی کرے تو اللہ سبحانہ اس کو بخش دیتا ہے اور اس کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دیتا ہے۔ رمضان المبارک میں حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ قیدیوں کو آزاد فرما دیا کرتے تھے جو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کچھ مانگتا تو اس کو عطا فرما دیتے تھے اگر کسی کو اس مبارک مہینہ میں خیرات اور اچھے کاموں کی توفیق حاصل ہو جائے تو سارا سال اس کو ان اعمال کی توفیق رہتی ہے۔ اور اگر اس ماہ میں اعمال صالحہ میں تفرقہ پیدا ہو جائے تو تمام سال تفرقہ میں گزرتا ہے۔ اس لیے جہاں تک ممکن ہو اس ماہ میں اعمال صالحہ کے ساتھ ''جمعیت'' میں کوشش کرنا چاہیے اور اس مہینے کو غنیمت جاننا چاہیے۔

اس مبارک ماہ کی ہر رات میں کئی ہزار دوزخ میں رہنے والے افراد کو دوزخ سے نجات ملتی ہے۔ اس مہینے میں جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ شیطانوں کو زنجیر سے جکڑ دیا جاتا ہے اور رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا سنت ہے۔ اور اس معاملہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت تاکید فرماتے تھے شاید سحری

میں تاخیر اور افطار میں جلدی کرنے میں اپنی عاجزی کا اظہار ہے جو کہ بندگی کے مقام کے مناسب ہے، کھجور سے افطار کرنا سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افطار کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:

(ترجمہ) ''پیاس دور ہوگئی، رگیں تر ہوگئیں اور اجر ثابت ہوگیا''، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اس ماہ مبارک میں نماز تراویح کا ادا کرنا اور اس میں قرآن کریم ختم کرنا سنت موکدہ ہے جس سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں ''اللہ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات والتحیات کے طفیل ہمیں ان کاموں کی توفیق دے۔

آپ کا عالی شان کلام یہاں ختم ہوا۔

ہم اس بات کو دعائے لیلۃ القدر پر ختم کرتے ہیں۔

اللّٰھُم انک عفو تحب العفو فاعف عنی

مفتاح ہفتم

حضرت خواجہ محمد معصوم کے بعض فرزندان گرامی کا ذکر اور اس سے ملحق بعض امور

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

(۲۶۱) آیۃ کریمہ ہے (ترجمہ) ''اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی اور ان کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی'' (ایک اور آیۃ پاک میں ہے) (ترجمہ) ''تم فرماؤ میں اس پر تم سے اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت''

اللھم صل و سلم علیٰ سیدنا صاحب الصدیق والفاروق امام العثمان و العلی جد الحسن و الحسین نبی الامی محبوب المشرقین و المغربین و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و اھل بیتہٖ و اتباعہٖ اجمعین الیٰ یوم الدین:

وہ حضرات جو بالغ نظر، دارالقرار کے منتظر، عالی فطرت، اعلیٰ قابلیت، نازک طبع، کتابخانۂ عرفان و ادا کے نکتہ شناس، کارخانۂ احسان کے بانی، روضۂ پاک معصومی کے زمین بوس، شراب قیومی کے مدہوشان، مسند زیبا کے نوعروس، طاؤسان دست آشنا، نکہت دلبری کے کرشمہ آشنا، بادیۂ دل آراء کے طاوسان عزلت گزیں وہ جو کہ دائرۂ قال اور مرکز حال سے گزر چکے اور حال سے وابستہ ہیں، وہ جنہوں نے لاریبی کے مطبخ سے غیبی مقالات سنے، ذوق کی حلاوت عاشقوں کی چاشنی سے حاصل کی، اپنا دل و جان حضرت خواجہ کے اہل خانہ کی محبت میں وقف کر دیا اور عبودیت (عقیدت) کا طوق بڑے شوق اور ولولہ کے ساتھ اپنی گردن میں ڈالا اور حضرات مخدوم زادگان کے احوال کامل توجہ اور عاجزی سے سنے۔

(قارئین پر یہ بات) مخفی نہ رہے کہ اس کتاب کی تصنیف کا حقیقی مقصد اور

ابواب کی اصلاح کی غایت حضرت خواجہ کے مناقب (۲۶۲) اور کمالات کا بیان ہے تاکہ مختلف قسم کی سعادتیں حاصل ہوں اور گناہوں کی کفارت کے طور پر اپنی مقدور بھر کوشش کرنا ہے، گویا دریا کو ایک چھوٹے سے کوزے میں بند کرنا ہے جو بادیۂ حسرت کے تشنگان کو آب شیریں بخشے، اس کے اہل حضرات کو امانتیں (روایات) بطریق احسن بتائید الٰہی پہنچانا ہیں۔ مخدوم زادگان کرام میں سے ہر ایک اپنے والد گرامی (حضرت خواجہ) کے اوصاف سے آراستہ ہے۔

اگر گفتگو کی پیروی کی جائے تو اس کتاب کی مزید چھ جلدیں تیار ہو جائیں گی، کہ ساتوں منور جہات انہی حضرات عالی درجات سے معمور ہیں، اور اگر بات بہت مختصر کی جائے تو بے شک اہل بصیرت اس اختصار کے باوجود (سب کچھ) سمجھ جائیں گے۔ لیکن بعض کم فہم جو حقیقت سے بے خبر بھی ہیں اور بعض صاجزادگان اور مریدین اس راقم سیاہ کار (مولف) پر ان اولیائے کبار کے اسرار کے اظہار میں خیانت کا الزام لگائیں گے، اسی خوف کے تحت مخدوم زادہ صاحب کمال فرخندہ احوال میاں شاہ جیوفی الحال اپنی کتاب مواہب القیوم فی اسرار المعصوم میں (عمومی احوال) ترک کرنے کو ترجیح دیتے ہوئے حضرت خواجہ کے فقط خصوصی احوال ہی تحریر کیے ہیں۔ اس طرح حضرت مجدد الف ثانی کے سوانح نگاروں کی روش کی پیروی نہیں کر سکے، حالانکہ انہوں نے اپنی کتاب کے خطبہ میں اولیائے کرام کے سوانح نگاروں کی تقلید کو اپنے لیے لازم قرار نہیں دیا۔ لیکن ان کے ضروری کوائف نظرانداز بھی نہیں کیے بلکہ تمام اہم امور تحریر کیے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے لازم امر حضرت خواجہ کے صاجزادگان گرامی قدر کا ذکر تھا جو انہوں نے ترک کر دیا جو کہ اہل کمال کے نزدیک کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔ اسی لیے تو مخدوم زادہ عالی جناب نتیجۂ اکابر اقطاب شیخ محمد اسماعیل سلمہ اللہ الجلیل جو کہ بے شک ایک منصف ہیں اس کتاب (مقامات معصومی) کو دیکھ کر اس سے بے اندازہ لطف اندوز ہوئے اور اپنی زبان درفشاں سے اس امر کی مکرر تاکید کی

کہ مخدوم زادوں کے احوال لازم طور پر لکھے جائیں اور والد بزرگوار و پیر عالی مقدار عالی حضرت (شیخ محمد صبغۃ اللہ) قدسنا اللّٰہ تعالیٰ سرہ کے احوال کے ضمن میں ان کی اولاد اور'' خلفاء جو مرتبہ کمال پر پہنچے ہیں کا ذکر بھی ضروری ہے..........

خاص طور پر حضرت خواجہ کے فرزندان گرامی جن میں سے ہر ایک اس امام صدق و صفا (حضرت خواجہ) کے کمالات (۲۶۳) کا آئینہ دار ہے، جب ان کے احوال کا علم ہو گیا ہے اور کتاب کی تالیف کے دوران ان کو ترک کر دینا عین خیانت ہے (جیسا کہ اس آیۃ شریفہ میں ہے) (ترجمہ)'' اور اللہ دغابازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا'' لیکن بشریت کے تقاضا سے جو بات بھول جائے (اس کا مواخذہ نہیں ہے) چنانچہ سابقہ ابواب کی تحریر کے دوران حضرت خواجہ کے بہت سے معارف مجھ سے فراموش ہو چکے ہیں، اللہ تعالیٰ روزہ کے دوران اگر کوئی بھول کر کچھ کھا پی لے تو معاف فرما دیتا ہے اسی طرح یہ اکابر جو کہ اس اخلاق رحیم کے مجسم پیکر ہیں سے بھی یہی امید وابستہ ہے، ان حضرات عالی درجات کی خصوصیات کئی تقریبوں (ذرائع) سے مجھ تک پہنچی ہیں، دوسرے صاحبزادگان کی نسبت جناب مخدوم زادۂ اکبر عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) سے میری مراسلت بھی ہے، اس کے باوجود کہ ان کی صاحبزادی کی مجھ سے نسبت (عقد نکاح) ہے، لیکن حضرت حجۃ اللہ جو کہ مخدوم زادہ ثانی ہیں اور جن کے کمالات روز روشن کی طرح مشہور ہیں اور اس کے باوجود کہ آنحضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) اس ذرۂ بے مقدار (مولف) کے پیر اول اور استاد کامل بھی ہیں اس عاصی نابکار (مولف) کو مخدوم زادۂ ثانی (حضرت حجۃ اللہ) سے اختصاص کامل ہے، اس لیے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں اصحاب کی زیادہ روایات درج کی گئی ہیں۔ لیکن دیگر اصحاب کی روایات بھی ہیں جن کی مجھے کوئی اطلاع نہیں ہے۔ لیکن ان شاء اللہ تعالیٰ ان سے تغافل نہیں برتا جائے گا۔ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ ان حضرات میں سے مجھے سرخرو کرے ...... (آمین...... ۱؎ یہ فصل (مفتاح) چھ کنوز پر

۱؎-۲؎ مکررات

مشتمل ہے۔ ہر کنز ایک قطب (فرزند حضرت خواجہ) کے احوال کے لیے مخصوص ہے ......[۱]

حضرت شیخ محمد صبغت اللہ

پہلی کنز

بعض احوال قطب العرفاء غوث الوریٰ مخدوم زادۂ بزرگ واقف اسرار ''لی مع اللہ'' حضرت محمد صبغت اللہ **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس**

(۲۶۴) آیۂ کریمہ میں ہے (ترجمہ) ''(ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کرلیا) ہے اور خدا سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں'' فقیر دور از کار (مولف) نے آپ کے حالات مخصوصہ پر ایک رسالہ ''معدن الجواہر'' لکھا ہے جس میں آپ کے لیے ''عالی حضرت'' کا (لقب) اختیار کیا ہے اور اس کتاب (مقامات معصومی) میں بھی بہت سے مقامات پر آپ کے لیے یہی ''لفظ'' استعمال کیا ہے آغاز ہی میں جو کہ آپ کے کمالات پر مبنی ہے ہم نے جہاں کہیں اس ''لفظ'' سے اشارہ کیا ہے اس سے مراد آپ ہی ہیں۔

آپ کی ولادت باسعادت روز (جمعہ) ۱۱ ربیع الثانی ۱۰۳۳ھ ہجرت مقدس سید الاصفیاء خیر الاخیار امام الانبیاء سید المرسلین حبیب رب العالمین **علیہ و علیٰ آلہ و اصحابہٖ من الصلوٰۃ افضلھا و من التسلیمات اکملھا** کو دارالارشاد سرہند شریف **حرسھا اللہ الیھا عن الآفات والبلیات** میں حضرت مجدد الف ثانی کے حین حیات ہوئی، ان ایام میں امام ربانی مجدد الف ثانی کو سلطان وقت (نورالدین جہانگیر) نے رخصت نہیں دی تھی اور آپ اس کے لشکر ظفر پیکر کے ساتھ دارالخیر اجمیر میں فروکش تھے اور حضرت خواجہ محمد معصوم غلبۂ اشتیاق سے آپ کے استقبال کے لیے اپنے والد گرامی (حضرت مجدد الف ثانی) کی خدمت میں گئے

---

[۱] مکررات

ہوئے تھے، اس وقت حضرت مجدد الف ثانی الہام الٰہی کے تحت بادشاہ سے اجازت لے کر اپنے وطن مالوف (سرہند شریف) کے لیے آ رہے تھے کہ راستے میں قاصد نے یہ خوش خبری (ولادت شیخ محمد صبغۃ اللہ) سنائی تو ان دونوں قیوموں (حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ) کو بہت ہی خوشی ہوئی......

صاحب زادہ کی والدۂ ماجدہ جن کا شیوۂ مرضیہ ہی نہایت ادب و انکسار تھا، کے باعث بچے کا نام ہی نہ رکھا اور اسے امام ربانی مجدد الف ثانی کی تشریف آوری تک موقوف رہنے دیا اس کے باوجود کے عقیقہ کے روز بکرے ذبح کیے اس نونہال کی سرتراشی بھی ہوئی (۲۶۵) (لیکن نام نہیں تجویز کیا) دو تین روز کے بعد جب دونوں حضرات (قبلتین) نے سرہند شریف میں ورود فرمایا، اس وقت صاجزادہ اپنے کمرے میں تھے، حضرت مجدد الف ثانی وہاں تشریف لے گئے تو اس بوستان ولایت (نومولود صاجزادہ) کا نقاب اپنے دست مبارک سے ہٹا کر بلند آواز سے فرمایا ''السلام علیکم ملا صبغت اللہ'' اپنا منہ مبارک اس سراپا ہوش صاحب کمال پوتے کے کان کے قریب کیا اور خصوصی (خفیہ) کلمات فرمائے کہ حاضرین میں سے کسی کو بھی اس کا علم نہ ہو سکا، ایسے معارف مخصوصہ سے بھی نوازا کہ کسی محرم کو بھی اس کی حقیقت کی خبر نہ ہوئی، ''سبحان اللہ و بحمدہ''

حضرت مجدد الف ثانی نے جو کہ ان تمام اسرار و معانی کے بانی ہیں اس شیر خوار بچے کو سلام کہا اور گہرے اسرار بیان فرمائے جس کا ان پر غلبہ ہو گیا اس سے حضرت خواجہ کو بہت ہی خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ کتنا مقبول ہو گا،......

معتبر راویوں سے سنا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے حضرت خواجہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا '' کہ تمہارے اس فرزند میں میں نے ''اصالت'' کا رنگ پایا ہے اسی لیے اس کا نام محمد صبغت اللہ رکھا ہے'' جیسا کہ اس آیت پاک میں ہے (ترجمہ) ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔''

یہ گویا حضرت مجدد الف ثانی کے خزانہ کا ایک ایسا احمر ہے جس میں ابیض بھی شامل ہے اسے عمیق نظر سے ملاحظہ کریں اور یہ ایک ایسا ملفوظ ہے جو تصرف پر مشتمل ہے جسے تازہ دم ہو کر سنیئے:

شیخ محمد صبغۃ اللہ پانچ چھ ماہ کے تھے کہ سخت قسم کے امراض میں مبتلا ہو گئے اور حکماء کامل نے ان کا علاج کرنے سے انکار کر دیا اور ان کو زندگی کو خطرہ میں شمار کیا یہاں تک کہ مکمل طور پر مایوس ہو گئے، ایک روز نوبت یہاں تک پہنچی کہ سانس اور حرکت جو کہ زندگی کے لیے لازم ہے وہ بھی ختم ہو گئی اور سارے گھر میں کہرام مچ گیا، آپ کی والدۂ محترمہ جو کہ بہت زیادہ روئی تھیں چونکہ وہ نہایت درجہ متقی خاتون تھیں بشریت کے تقاضا سے صرف بغیر آواز کے آہ و زاری کی جو صبر کے منافی نہیں ہے، غم و اندوہ کے غلبہ کے باوجود کفن دفن کا سامان بھی مہیا کر لیا یہاں تک کہ یہ خبر حضرت مجدد الف ثانی تک پہنچ گئی چونکہ اس بچے پر آپ نہایت درجہ کی عنایت فرماتے تھے اس لیے ان حالات میں اس فرزند سعادت مند کے پاس پہنچے ان کے چہرۂ معشوقانہ سے نقاب ہٹایا (۲۶۶) آپ نے اپنا دست مبارک بچے کے رخسار شریف پر پھیرتے ہوئے اپنی زبان الہام ترجمان سے فرمایا "بابا یہ اپنے والدین کے ساتھ کیسی خوش طبعی (شوخی، مذاق) ہے کہ انہیں غم زدہ کر دیا ہے، جلد حرکت کرو تاکہ انہیں آرام ہو اور وہ سکون سے کھا اور سو سکیں" صاحبزادہ اسی وقت حرکت میں آ گیا اسے شفا نصیب ہوئی اور بچوں کی طرح رونا شروع کر دیا، جس سے احباب کا غم خوشی میں بدل گیا اور ان کے والدین کی آنکھیں نور سے بھر آئیں ....

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے اس وقت حضرت خواجہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ لوگ اس بچے کی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے لیکن میرے مشاہدہ میں وہ سفید ریش نظر آیا اور میں نے اسے اپنی قوم کا سردار (شیخ) سمجھا، اسے ایسا صاحب ارشاد دیکھا جس سے ایک دنیا کمال ولایت کے مرتبہ پر پہنچی، پس ایسا ہی ہوا جیسا کہ

آپ نے فرمایا جس کا ہر شریف ورذیل نے مشاہدہ کیا......

صاحبزادہ کی عمر ابھی پوری ایک سال بھی نہیں ہوئی تھی کہ حضرت مجدد الف ثانی کا وصال ہو گیا، اس کے بعد جا کر کہیں وہ حصول تعلیم کی عمر کو پہنچے، بہت کم عمر میں قرآن مجید پڑھ کر مروجہ کتب شروع کر دیں۔

احمر

ایک موقع پر شیخ صبغت اللہ فرمانے لگے کہ میں نے تیرہ سال کی عمر میں اپنے چچا بزرگوار حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کی خدمت میں عضدی ختم کی، اسی طرح دوسری (مروجہ) کتب بھی اس سے پہلے و بعد انہی کی خدمت میں رہ کر پڑھیں، صرف چالیس روز میں قرآن شریف حفظ کر لیا، معقول و منقول کی تحصیل کے دوران اپنے والد بزرگوار (حضرت خواجہ محمد معصوم) سے باطنی علوم کا کسب کیا اور اس طرح آپ مرتبۂ کمال کو پہنچے اور صاحب حال اتم و قال اکمل ہو گئے ذی علم و معرفت ہونے کے باوجود آپ وہ مسئلہ بھی جس کا حل بآسانی آپ کو معلوم ہو سکتا تھا کا جواب (۲۶۷) علمائے دیندار سے دریافت کرتے اور ان کے فتوی کے مطابق عمل فرماتے تھے، اور خود کو اہل علم میں شمار نہیں کرتے تھے، اپنے قول کو چھپانا اور حال کی پردہ پوشی کرنا آپ کی عادت مبارک تھی کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے آپ کے نام اکثر مکاتیب میں آپ کو اعلیٰ معارف اور شاندار بشارتیں دی گئی تھیں کا مطالعہ کرتے اور پانی سے دھو کر پی جاتے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کو بھی اس کا علم ہو۔

احمر

فرماتے تھے کہ قیامت ہر کمال کو جانچنے کی کسوٹی ہے وہاں ہر ایک امتحان سے گزر رہا ہو گا یا اعتبار کی منزل پر ہو گا۔

آپ کے نام کے صرف وہ مکاتیب باقی رہ گئے ہیں جو مکتوبات حضرت خواجہ کی جلد اول میں شامل ہیں اور جنہیں ارادت مندوں نے آپ تک پہنچنے سے پہلے ہی نقل

کر لیا، بہرحال احوال کو چھپانے کا یہ سارا معاملہ آپ کے کثرت کمال کے باعث ہے، آپ کی طرف سے ستر احوال کا (مجھ مولف) کو مشاہدہ کرنے اور سننے کا بہت اتفاق ہوا ہے۔

(فرماتے تھے کہ) کہ ستر حال کے اس قدر غلبے نے مجھ میں اس امر کا خوف پیدا کر دیا ہے کہ کہیں اتنے اسرار کا لکھنا (اللہ تعالیٰ) کی رضا ہے یا نہیں، لیکن (آپ کے حالات پر) رسالہ معدن الجواہر جو کہ آنجناب کے حین حیات جمع (تالیف) کیا ہے جس کی حقیقت قلم کی زبان میں عرض کی ہے، اس رسالہ کی تالیف چونکہ بلدۂ دار الفتح اجین میں ہوئی تھی اور آپ اس وقت دار الارشاد سرہند شریف میں تشریف فرما (رہائش پذیر) تھے (اس رسالہ کے خدمت گرامی میں ارسال کرنے پر) آپ نے جواب سے نوازا اور اپنے دست خاص سے اس احقر (مولف) کے حق میں دعائے خیر لکھی۔

اس فدوی (مولف) کے وطن (سرہند شریف) پہنچنے پر اگرچہ آپ کے ساتھ ظاہری ملاقات نہ ہو سکی کیوں کہ میرے پہنچنے سے نو ماہ پہلے آپ کا وصال ہو گیا، لیکن وہ اصحاب جو آپ کے حضور حاضر ہوتے رہتے تھے ان کی زبانی آپ کی غائبانہ عنایات اس رسالہ کی تصنیف کے بارے میں بہت سی سننے میں آئیں، اس وقت (دوران تالیف معدن الجواہر) آپ اپنی عمر مبارک کے آخری حصہ میں پہنچ چکے تھے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ نے ان اسرار (جن کا بیان رسالہ مذکور میں ہوا ہے) کے اظہار کی رب کریم کی رضا معلوم کر لی ہو گی تبھی تو آپ نے اس کی تالیف پر تحسین فرمائی اور دعا خیر سے یاد کیا، یہ اسی دولت افزا دعا کا نتیجہ ہے کہ معاملہ یہاں تک آ پہنچا اور مقامات معصومی (کتاب حاضر) کی تالیف کی نوبت آئی، دراصل معدن الجواہر کی قبولیت نے ہی اس مقامات فرخندہ نکات (مقامات معصومی) میں آپ کے احوال لکھنے کی قوت پیدا کی ورنہ یہ معاملہ تو تقریر و تحریر سے خارج ہی ہو چکا تھا، آپ کے نام (صبغت اللہ) کی وجہ سے آپ میں صبغ الٰہی [1] نے ظہور کر لیا تھا یہی وجہ تھی کہ آپ

---

[1] صبغ بمعنی رنگ، عکس

کے مزاج میں بے کیفی کا رنگ غالب آ گیا تھا...... میں کہاں تک درازنفسی سے کام لوں (کہ ان امور کا) مفہوم اس آوارہ (مولف) کے ادراک وفہم سے بہت ہی بلند ہے، اسے اہل (۲۶۸) و نااہل پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔

احمر

مجھے حضرت شیخ صبغت اللہ کی زبان مبارک سے یہ سننے کا موقع ملا ہے کہ میری حضرت والدہ ماجدہ فرماتی تھیں کہ تم میرے فرزندوں میں صحابہ جیسی نسبت رکھتے ہو کہ تم نے حضرت مجدد الف ثانی کو دیکھا ہے ابھی بات مکمل نہیں ہوئی تھی کہ ارشاد فرمایا کہ تم اس فرق (قرب) کو کم خیال نہ کرنا، اس معاملہ میں امام ربانی مجدد الف ثانی کی رائے یہ ہے کہ کوئی ولی بھی کسی صحابی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا بے شک وہ اویس قرنی ہی کیوں نہ ہوں۔

احمر

مجھے (مولف) کو حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ سے سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ حضرت خواجہ میری موجودگی میں فرماتے تھے کہ اگر مقربین درگاہ میں سے کوئی فرشتہ انسانی صورت میں متمثل ہو تو وہ غالباً میرے فرزند محمد صبغت اللہ کی صورت اختیار کرے گا۔

احمر

مجھے اپنے والد بزرگوار کی زبان درفشاں سے یہ سننے کا موقع ملا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اپنے گھر کے سامنے والی مسجد میں نماز تراویح کے دوران قرآن مجید ختم کیا اور ختم کی رات آپ آخری چند سورتیں موقوف کر کے حضرت خواجہ کی خدمت میں گئے کہ جلدی سے کچھ سنیں تا کہ ختم کی برکات اور حضرت خواجہ کی برکات جمع ہو جائیں اور اس ختم کے خصائص حضرت خواجہ کی زبان الہام ترجمان سے سننا چاہیے، قصہ مختصر حضرت خواجہ نے آخری چند رکعتیں سنانے کے بجائے سننے پر موقوف کیں اور شیخ

صبغت اللہ سے سنیں، سماعت کے دوران ساری مجلس پر "غیبت اور استغراق" چھا گیا، ختم سے فراغت کے بعد حضرت خواجہ نے آپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہاری قرأت کے دوران ایسے اسرار جلوہ گر ہوئے جن کو پوشیدہ رکھنا واجب ہے، اور اس دوران وہاں جو امور (مشاہدہ) میں آئے کہ جن کے بارے میں یہ مثل صادق آتی ہے کہ "نہ تو اسے دیکھنے کی اجازت ہے اور نہ ہی سننے کی" وہاں بلا کیف نزول اجلال اپنے کمال عظمت اور کبریائی کے ساتھ معلوم ہوا اور ایک کامل تاج جو جواہر اور یواقیت سے مرصع تھا جس کے انوار کی چمک وادیٔ ناسوت سے تخت گاہ جبروت تک تھی جس نے دنیا کو منور کر دیا، ہاں وہ نزول کے دوران مدھم ہو گیا تھا کیوں کہ یہ نزول صرف صبغت اللہ کے قرآن مجید کے استماع کے لیے ہے، جیسا کہ اس تحریر (کتاب) میں کئی بار اس امر کا ذکر ہوا ہے لازم ہے کہ "نزول بلا کیف" متشابہات میں سے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ "ہمارا رب سقف دنیا کی طرف نزول کرتا ہے"

اکابر دین کی باتیں پورے اعتقاد اور یقین کے ساتھ سنی چاہئیں کہ یہی سعادت کے آثار اور صالحین کا طریقہ کار ہے، اس کا علم قائل کو فیض یاب کرنے والا سمجھنا چاہیے اور ان کا رد و انکار نہیں کرنا چاہیے کہ یہ ضلالت کی علامت اور جہالت کے آثار ہیں جو روشن دلیل کی مانند ہیں ....

احمر

(۲۶۹) حضرت مخدوم جمیل و مخدوم زادہ صاحب تکمیل شیخ محمد اسماعیل دامت برکاتھم و طالت حیاتھم اس دور از کار (مولف) سے فرماتے تھے اور انہوں نے اپنی تحریرات میں اپنے دست خاص سے یہ بات لکھی ہے کہ خانقاہ (مجددیہ) کے افراد کے نزدیک حضرت خواجہ کے اولین خلیفہ عرفان پناہ زبدۃ الواصلین خواجہ محمد حنیف کابلی قدس سرہ فرماتے تھے کہ بادشاہ خدا طلب خلد مکان (اورنگ زیب) عالمگیر رحمۃ اللہ سبحانہ کی طلب پر حضرت خواجہ دارالخلافہ شاہ جہان آباد میں

تشریف فرما تھے کہ ایک روز وہاں (دہلی) حضرت شیخ صبغت اللہ نے مجھے (شیخ محمد اسماعیل) طلب کیا اور فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ کے ارشاد کی وسعت کا یہ حال ہے کہ ایک دنیا ولایت کے مرتبہ پر پہنچ چکی ہے، آپ کے خلفائے کرام بلند مقام پر فائز ہیں اور اپنے فرزندان گرامی کو "شان خاص" عطا کی ہے، لیکن یہ فقیر (شیخ محمد صبغت اللہ) عرصہ دراز سے آپ کی توجہ سے محروم ہے، اس کے بعد تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میرے احوال خفیہ طور پر آپ کے گوش مبارک تک پہنچا دو جس کی زبان بیان احوال کے واقعی قابل ہو کہ یہ احقر قیوم ربانی (حضرت خواجہ) کی توجہات کا امیدوار ہے، اس فقیر (محمد اسماعیل) نے عدم لیاقت کے باوجود ان کا پیغام حضرت خواجہ تک پہنچایا۔ تو آپ اپنی آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمانے لگے کہ تم میرے فرزند برخوردار سے میرا سلام کہنے کے بعد کہنا کہ میں اس بڑھاپے اور ناتوانی کے باوجود طالبان خدا کی صحبت رکھتا ہوں اور اس حدیث قدسی کے مطابق کہ "جب تم کسی طالب کو دیکھو تو خادم بن جاؤ" اپنے مقدور بھر ان کی خدمت انجام دے رہا ہوں، اس لیے اب یہ وقت آن پہنچا ہے کہ تم میرے برابر آ کر مسند آراستہ کرو اور جس خدمت پر میں مامور ہوں تم بھی اس میں شرکت کرو تاکہ اس بارگراں (خدمت ارشاد) سے مجھے بھی کچھ وقت فرصت ملے اور جو کچھ (نعمت سلوک و عرفان) میرے پاس تھا عرصہ دراز ہوا تم پر ایثار کر چکا ہوں اور اگر تم اس سے زیادہ کے طالب ہو تو حضرت مجدد الف ثانی کے روضۂ منورہ پر جاؤ اور وہاں جن تازہ (جدید ترین) نعمتوں کا نزول ہو رہا ہے اس کے فیض میں مجھے بھی شریک کر لو، یہ وقت مدد کا ہے، عذر کا نہیں، جب یہ دولت بخش اور بشارت مآب جواب میں نے شیخ صبغت اللہ تک پہنچایا تو آپ خوش ہو کر شکرانۂ الٰہی بجا لائے۔

احمر

یہ روایت بھی مخدوم زادۂ برجادہ حقائق آگاہ شیخ محمد اسماعیل سلمہٗ ربہٗ سے مجھ تک پہنچی ہے کہ حضرت خواجہ کے خلیفۂ ثانی عارف معنوی ندوۂ ارباب تحقیق خواجہ

محمد صدیق پشاوری قدس سرہ فرماتے تھے کہ جب میرے دل میں مخدوم زادگان قدس حسنات کی بزرگی اور فضیلت کے بارے میں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ان چھ کے چھ صاحبزادگان میں جو کمال تقویٰ اور اعلیٰ درجہ کے کمالات سے آراستہ ہیں ان کو (۲۷۰) ایک دوسرے پر کیسے فضیلت دی جا سکتی ہے؟ میں اس خطرہ (وسوسۂ دل) کو دور کرنے کی انتہائی کوشش کرتا لیکن دور نہیں ہوتا تھا بلکہ استغفار بھی کرتا پھر بھی زائل نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ خدشہ بڑھ جاتا تھا، اس لیے مجبور ہو کر میں نے اپنا یہ ''خدشہ اور استغفار'' حضرت خواجہ کی خدمت عرض کر دی اور اس خدشہ سے مجھ پر ندامت کی جو کیفیت طاری ہوئی تھی وہ بھی بیان کر دی تو آپ نے نہایت عنایت سے تبسم فرماتے ہوئے جواب مرحمت فرمایا کہ اس خدشہ کا حل تمہارے پشاور پہنچنے کی پہلی شب میں ہی مل جائے گا، اور یہ مشکل مسئلہ اس شہر میں حل ہوگا، چند دن کے بعد پشاور جانے کی اجازت لے کر رخصت ہوا تو راستے میں ہر قدم پر تازہ ''فرحت اور صفا'' میسر آتی تھی جب (پشاور) میں داخل ہو گیا تو اس رات کی بڑی بے قراری سے انتظار کرنے لگا جو شب قدر کی برکات کی مانند تھی، یہاں تک کہ رات ہو گئی............

رات خواب میں امام انبیاء سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ وسلم و بارک کے جمال جہاں آراء کو مسند رسالت پر جلوہ افروز دیکھا جو کہ اپنے چاروں اصحاب کرام (رضوان اللہ علیھم اجمعین) کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حضرت خواجہ اپنے سارے فرزندان گرامی کے ہمراہ سید البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور ایک طرف دست بستہ کھڑے ہیں، اس دوران آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے اپنی انگلی مبارک اٹھا کر اپنے خلفائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیھم اجمعین کی طرف اشارہ کیا اور مجھ بشارت کے طالب کی طرف دیکھتے ہوئے فرمانے لگے کہ میرے شیخ محمد معصوم کے فرزند دراصل میرے چار اصحاب (رضوان اللہ علیھم اجمعین) کی طرح ہیں ان میں

سے جو بڑا ہے اسی کو (باعتبار فضیلت) بڑا سمجھو اور "الکبیر کبیر فافهم" فرماتے وقت اپنی انگلی مبارک کا اشارہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف فرمایا، پس اس طرح وہ سب کچھ حل ہو گیا جن کا میں نے ارادہ کیا تھا اور یہ ہر شریف وسعید سے مخفی نہیں ہے۔

جان لینا چاہیے کہ حضرت شیخ محمد صبغت اللہ کے بارے میں میں نے حضرت خواجہ کی بہت سی بشارات سن رکھی ہیں، لیکن یہاں صرف انہی پر اکتفا کر رہا ہوں ان میں سے بعض تو (میرے) رسالہ معدن الجواہر میں مرقوم ہیں اگر شوق کی دولت راہنمائی کرے تو اس رسالہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

اب حضرت خواجہ کے مکتوبات میں سے ایک مکتوب جو ان کے نام صادر ہوا تھا اور جو حضرت مجدد الف ثانی کے الہام پر مشتمل ہے اور جس کی نقل کا (اس کتاب کی) مفتاح اول میں وعدہ کیا تھا، نقل کر رہا ہوں، تاویل کرتے ہوئے سماعت فرمائیے:

یہ (مکتوبات معصومیہ) کی جلد اول کا مکتوب نمبر ۱۸۹ ہے جس میں حضرات ثلاثہ بلکہ حضرات اربعہ کی بشارات جلوہ گر ہیں۔

فتح

الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین (۲۷۱) ہمارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بشارت دی گئی تھی "کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت بنا دیا" اس عبارت عالیہ کی شرح اور اس مکاشفۂ غیبیہ کے حل کے سلسلہ میں چند سطریں لکھی جاتی ہیں، گوش ہوش سے سماعت فرمائیے:

جان لینا چاہیے کہ جو کچھ بھی دنیا میں مشہود ہوتا ہے وہ ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں ہے کیوں کہ دنیا ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کے ظہور کی

طاقت نہیں رکھتی، اصل کے ظہور کا مقام آخرت ہے چونکہ آپ (حضرت امام ربانی) کی دنیا کو آخرت میں بدل دیا گیا ہے اس لیے جس کا وعدہ آخرت میں ہے وہ آپ کے لیے اس دنیا میں نمایاں ہوگئی جو ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل سے کچھ حصہ حاصل ہو گیا اور نیز ہو سکتا ہے کہ اس فانی دنیا کے بعض منافع جو کہ آخرت کے درجات کی کمی کا باعث ہیں آپ کے حق میں اس طرح نہ ہوں بلکہ درجات کی ترقی کا سبب ہوں جیسا کہ آخرت کی نعمتوں کے ساتھ نفع حاصل کرنا ترقی کا باعث ہے، اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ جنت کے اشجار اور انہار اور حور و غلمان اللہ تعالیٰ کے تنزیہی و تحمیدی معانی کے مظاہر ہیں کہ اس دنیا میں وہی معانی حروف اور کلمات کی صورتوں میں مثال کے طور پر ''سبحان اللہ'' اور ''الحمد للہ'' میں ظاہر ہوئے ہیں اور جس طرح ان کلمات کا استعمال اس دنیا میں ترقی کا موجب ہے ایسے ہی جنت میں ان میوں سے فائدہ حاصل کرنا اور ان لذتوں اور نعمتوں کا استعمال کرنا درجات کے بلند ہونے اور مقامات کی ترقی کا سبب ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی دنیا آخرت میں بدل گئی تو یقیناً اس دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا اس مقام (یعنی آخرت) کی لذتوں کی طرح کا ہو گیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس راہ کا سالک وصول کی خواہ کتنی ہی منزلیں طے کر کے اصل اصول تک پہنچ جائے اور تجلیات ثلاثہ سے مشرف ہو جائے اور با کیف و بے کیف مشاہدات اور ولایت کے تمام لوازمات حاصل کر لے لیکن جب تک اس دنیاوی زندگی کی قید میں ہے اور جسم کے کوچے میں مقید ہے گویا وہ خیال کی رسی سے بندھا ہوا ہے، اس دنیا میں خیال سے مکمل خلاصی مشکل ہے، جیسا کہ مولانا روم قدس سرہ نے فوت ہوتے وقت فرمایا

ہے۔ (ترجمۂ شعر)

''میں بدن سے آزاد ہو جاؤں وہ خیال سے عاری ہو جائے تا کہ میں وصال کی انتہاؤں میں چہل قدمی کروں''

یعنی خیال کی قید سے رہائی جسم کی تنگنائے سے رہائی کے بغیر ممکن نہیں ہے اور جب آپ کی دنیا نے آخرت کی شکل اختیار کر لی تو ناچار مطلوب اس دنیا میں خیال کی بناوٹ سے پاک اور وہم کی اختراع سے بری ہو کر ظاہر ہو گا اور ہو سکتا ہے کہ جس رویت کا وعدہ آخرت میں کیا گیا ہے اور سرور دین و دنیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو اس کا کچھ حصہ بھی حاصل نہیں ہے اور ہمارے حضرت (امام ربانی) نے تحقیق کی ہے کہ جو کمال بھی نبی کو حاصل ہے اس کے کامل متبعین کو بھی اس تبعیت و طفیل کے طور پر اس کو بھی حاصل ہو گا (۲۷۲) اس لیے اگر اس عالی شان نعمت کے دسترخوان کے بچے ہوئے کھانے سے کچھ حصہ عنایت فرما دیں تو ہو سکتا ہے لیکن وہ شاید ''رویت'' نہیں ہو سکتی کیوں کہ وہ اجماع امت کے مطابق اس جہان میں ممکن نہیں ہے اس لیے کہ اصل شے کا حصول اور چیز ہے اور اس سے کچھ حصہ ملنا دوسری چیز ہے، جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے لکھا ہے کہ اگرچہ یہ رویت نہیں ہے لیکن رویت کی مانند ہے، اس لیے سمجھ لینا چاہیے کہ بے شک ہمارا کلام تیرے لیے اشارات اور بشارات ہے، ممکن ہے کہ اس عبارت شریفہ کا مفہوم یہ ہو کہ دنیا عمل اور کسب کا مقام ہے اور آخرت اجر کا مقام ہے پس اس دنیا میں زیادہ نفع دینے والے وہ اعمال ہیں جو مقربات اور ترقی دینے والے ہیں اور افعال کے ثمرات میں سے عمل کی جزا کے طور پر اگر کچھ اس دنیا میں عنایت کر دی جائے تو وہ ضرور آخرت کے درجات میں کمی کا موجب ہو گی، اس

لیے بعض وہ بزرگ جن کو اس دنیا میں اعمال کے ثمرات عطا کیے گئے انہوں نے موت کے وقت اس امر کی تمنا کی کہ انہیں ان امور میں سے کوئی چیز نہ ملی ہوتی اور صحابہ کرام رضوان اللّٰہ تعالٰی علیھم اجمعین سے زیادہ (باطنی) احوال کے ظہور میں نہ آنے کا یہی سر (راز) تھا، حالانکہ وہ ولایت کے اعلٰی ترین درجہ پر فائز ہیں۔

اللہ تعالٰی نے جب آپ کی دنیا کو آخرت بنا دیا تو آپ کو اس دنیا میں ثمرات کا حاصل ہونا آپ کے آخرت کے درجات میں کمی کا باعث نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالٰی نے اپنے خلیل علٰی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں فرمایا ہے (ترجمہ) "اور ہم نے ان کو ان کا اجر دنیا میں دے دیا اور بے شک وہ آخرت میں ضرور صالحین میں سے ہوں گے" اور شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ زمانہ آخرت سے قریب ہونے کے باعث اس دار (یعنی آخرت) سے ملحق ہے اس لیے اس میں وہ چیز ظاہر ہوتی ہے جو آخرت کے ساتھ مخصوص ہے لیکن یہ حکم تو اس شخص کے لیے مخصوص ہے جو اس سعادت عظمٰی اور دولت قصوٰی کے ساتھ مشرف ہے اور سوائے اس شخص کے جس کو اللہ تعالٰی کے فضل سے اس حکم میں داخل کر لیا گیا ہو کسی دوسرے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ اپنے آپ کو اس کے لیے قیاس کرے، جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی نے مخدومی و مکرمی شیخ محمد سعید اور اس فقیر (محمد معصوم) کے بارے میں فرمایا ہے کہ تم دونوں کو اس حکم میں داخل کر دیا گیا ہے، الحمد للّٰہ رب العٰلمین علٰی ذالک و علٰی جمیع نعمائہٖ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً، یہاں آپ کا مکتوب مقدس تمام ہوا۔

حضرت خواجہ اپنے فرزند (شیخ محمد صبغت اللہ) کی بہت قدر و منزلت فرماتے اور

ان پر کامل اعتبار تھا (جس کا ثبوت) اس عظیم الشان روایت سے کیا جا سکتا ہے جو (۲۷۳) مخدوم زادہ صاحب اسرار شیخ محمد اسماعیل مدظلہ سے منقول ہے کہ حضرت خواجہ فرماتے تھے:

احمر

حضرت مخدوم زادۂ مذکور (شیخ محمد اسماعیل) مدظلہ سے سنا ہے کہ حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ اگر باپ کو اپنے بیٹے کی تعظیم بجا لانا ہوتا تو میں اپنے فرزند محمد صبغت اللہ کی تعظیم کرتا، دوسری بات یہ بھی ہے شیخ محمد صبغت اللہ کا اشفاق، اخلاق، عادات اور عبادات سنت مبارکہ کے عین مطابق تھیں، آپ حضرت نبی کریم علیٰ صاحبها الصلوٰۃ والسلام کے طریقۂ مرضیہ کو کسی حالت میں بھی ترک نہیں کرتے تھے، آپ نے حضرت خواجہ کے اطوار و عادات اس حد تک اپنا لیے تھے کہ اس کے خلاف قدم اٹھانے کو سم قاتل شمار کرتے تھے۔ آپ کو مجددی اطوار اس قدر محبوب تھیں کہ اس کے مخالفوں کو نصوص دین تصور کرتے تھے، دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اسے آپ نے پس پشت ڈال کر آخرت کو اپنا لیا تھا، آخرت کو ہی مدار کار اور پروردگار سے ملاقات کا ذریعہ سمجھتے تھے، دل کی سلامتی کو سب سے بڑا مقصد اور روح کی پاکیزگی (خلاصی) کو (زندگی) کا سب سے بڑا مقصد تصور کرتے تھے۔

احمر

حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) فرماتے تھے کہ جب بھی حضرت شیخ محمد صبغت اللہ کی صورت پر حقیقت نظر آتی تو بے اختیار یہ آیت کریمہ جو حضرت خلیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں وارد ہوئی ہے دل پر وارد ہو کر جوش دلاتی تھی کہ (ترجمہ) ''جب اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلامت دل لے کر'' جو دل سے زبان پر آ ہی جاتی تھی ...... اگرچہ مجھے اولیائے کبار کی بہت سی حکایات سننے کا موقع ملا ہے اور ان میں سے بعض ارباب اسرار کی

صحبت بھی میسر آئی ہے لیکن جو زہد و توکل، تسلیم و رضا، صفائے قلب، پاکیزگیِ روح، ستر حال، بات کا پوشیدہ رکھنا، حضرت مجدد الف ثانی پر فدویت اور حضرت خواجہ کے ساتھ محبت کا جو حال حضرت شیخ صبغت اللہ کا دیکھا اور سنا ہے اگر اس میں سے بہت کم ہی لکھ دوں تو مخالفین بصد شوق ان اکابر کے معتقد ہو جائیں اور ان میں سے بعض تو امراض قلب کے باعث راہ عدم اختیار کر جائیں اور ان حضرات کی صحبت بھی ان صفات خبیثہ میں نفع نہیں دے سکتیں............

بہر حال حضرت شیخ محمد صبغت اللہ کا وجود شریف حضرت مجدد الف ثانی کے عظیم تصرفات اور حضرت خواجہ کی اکبر خوارق میں سے ہے، اس لیے موقع کی مناسبت سے چند صحیح روایات جو آپ کی بزرگی (نقاوت) کی دلیل ہیں اللہ تعالیٰ کی اعانت سے نقل کر رہا ہوں:

احمر

حقائق آگاہ خواجہ محمد ہاشم کشمی قدس سرہ کے نبیرے سعادت دستگاہ میر محمد غنی برہانپوری مرحوم نے کئی بار آشنا اور بیگانہ لوگوں کی موجودگی میں یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک بار حضرت شیخ صبغت اللہ نے سرہند شریف میں مجھے دعوت طعام دی اور مجھ سے کھانے کا وقت دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ صبح کا ناشتا، اس پر فرمانے لگے کہ ابھی کچھ نہ کچھ آنے والا ہے، میں آداب بجا لا کر آپ کی عنایات کے انتظار میں بیٹھ گیا یہاں تک کہ آدھا دن گزر گیا لیکن کھانے کے کوئی آثار نظر نہ آئے اور بھوک پوری شدت اختیار کر گئی اور خیال کیا کہ شاید عالی حضرت بھول گئے ہیں، لیکن انتہائی ادب کے باعث میں نے کچھ نہ کھایا یہاں تک کہ نماز پیشین کا وقت آ گیا، میں نماز کے لیے مسجد گیا تو عالی حضرت کو نماز ادا کرتے ہوئے پایا نماز کے بعد کرم فرماتے ہوئے مجھ سے فرمانے لگے میں نے تمہارے وقت کے مطابق کھانا تیار کر لیا تھا اتفاق سے جس بکری کا گوشت اس میں استعمال کیا گیا وہ ایک صاحب نیاز کے طور پر لائے

تھے، نیاز لانے کے بعد انہوں نے مجھ سے دنیاوی مقصد کی بات کی جس سے وہ کھانا مشکوک ہو گیا وہ کھانا میں نے بکری کے مالک اور اس کے ساتھیوں کو دے دیا اور دوسرا گوشت بازار سے خرید کر لائے اور دوبارہ کھانا پکانے کی طرف متوجہ ہوئے ان شاء اللہ تعالیٰ ابھی آتا ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ یا حضرت آپ نے کرم فرماتے ہوئے مجھے مشکوک طعام سے نجات دلائی، تھوڑی دیر کے بعد مرغن (متلونہ) اور سادہ کھانا آ گیا میں نے بھوک کے غلبہ سے کامل رغبت کے ساتھ اسے کھایا۔ اس نص قرآنی کے مطابق کہ (ترجمہ) ''بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے'' آپ پر میرا اعتقاد بہت بڑھ گیا۔

احمر

مخدوم زادۂ عالی درجہ صاحب ارشاد و تکمیل شیخ محمد اسماعیل سلمہٗ ربہٗ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ شیخ محمد صبغت اللہ بجواڑہ کی سیر کے لیے تشریف لے گئے رات ایک منصب دار کے ہاں بسر کی جو آپ کا قدیمی اور موروثی مرید تھا صبح جب آپ جانے کے لیے سوار ہوئے تو وہ سعادت مند منصب دار بھی گھوڑے پر سوار ہو کر آپ کی رکاب سعادت کے ساتھ بطور متابعت تقریباً ایک فرسنگ تک چلا تو اس نے چالیس روپے نقد اور چند نفیس پارچے بطور نیاز مقدس پیش کر کے فاتحہ رخصت حاصل کی، وہ رخصت ہونے کے بعد پھر پلٹا اور آپ کی پالکی شریف کو تھام کر عرض کرنے لگا کہ برادر حضرت یعنی جناب خواجہ جیو (خواجہ محمد اشرف بن حضرت خواجہ محمد معصوم) ان دنوں (۲۷۵) لشکر (شاہی) کے ساتھ ہیں اور اس فدوی کا بھائی ان ایام میں اسی طرف جا رہا ہے اگر آپ ایک ایسا سفارشی رقعہ دے دیں جو اس کے لیے مددگار ہو تو یہ بہت ہی خوب ہوگا، اسے آپ قبول فرماتے ہوئے پالکی سے نیچے اتر آئے اس کے لیے سفارش اپنے دستخط انور سے لکھ کر دے دی لیکن اس کی نیاز واپس کر دی اس عزیز (منصب دار) نے اس پر بہت ندامت کا اظہار کیا اور برابر تین منزل تک آہ و فریاد کرتا

ہوا آپ کی رکاب سعادت کے ساتھ گیا دراصل اس کا نیاز پیش کرنا محض مطلب کے لیے تھا اس میں شقاوت بھی شامل ہوگئی تھی لیکن اس نے بے خطر اس دنیاوی امر کا اظہار کیا تھا اور کہا کہ میں تو قدیمی اور موروثی طور پر مرید ہوں اور ہمیشہ سے نیاز پیش کرتا آرہا ہوں امر دنیا کی نیت صرف پہلی مرتبہ کی تھی، خدا کے لیے قبول فرما لیجیے، تین منزل کے بعد اس نے وہ سفارشی خط بصد منت واپس کر دیا تب جا کر وہ نیاز آپ نے قبول فرمائی، تو وہ شکر بجا لاتا ہوا واپس چلا گیا۔

احمر

فضیلت پناہ شیخ ابونصر سلطانپوری نے جو ایک نیک تاجر ہیں اور ہمارے حضرات عالی درجات کے خاص مخلصین میں سے ہیں اس راقم (مولف) سے کئی بار یہ روایت بیان کی ہے کہ ایک مرتبہ شیخ محمد صبغت اللہ لاہور سے سرہند آرہے تھے کہ شدید بخار کے باعث انہیں جوڑوں کا درد لاحق ہوگیا اور آپ کے دست مبارک پر بھی سخت چوٹ آئی (اس حالت میں) آپ اس بندہ کے گھر تشریف لائے اس حویلی میں جہاں آپ نے قیام فرمایا کھجور کے بہت سے درخت تھے (شیخ ابونصر) نہایت ادب کے تحت چارپائی پر نہ سوئے بلکہ زمین پر پاؤں بھی دراز نہ کیے یہاں تک کہ وہ سوئے ہی نہیں اور تمام شب بیٹھ کر ہی گزار دی، اس رات ہوا اتنی تیز تھی کہ اس نے درختوں کے پتے بھی گرا دیے وہ ان درختوں کے قریب جا کر پتے اکٹھے کر کے طاق میں رکھتے رہے گویا ساری رات اسی کام میں بسر ہوگئی صبح جب اس موضوع پر بات ہوئی تو آپ فرمانے لگے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "کھجور کے درخت کا احترام کرو کیوں کہ اس کی تخلیق بقیۂ طینت آدم سے ہوئی ہے۔"

احمر

ایک عالی تبار مخدوم زادہ سلمہ ربہ نے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ شیخ محمد صبغت اللہ قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس شاہ جہان آباد کی ایک حویلی

میں تشریف فرما ہوئے جو کرایہ پر تھی، عید قربان کا وقت قریب آ پہنچا تھا کہ ایک ارادت مند نے قربانی کے لیے ایک بکری بطور نیاز بھیجی، جب عید آئی تو اس بکری کی قربانی کی گئی بلکہ اسے پکا بھی لیا گیا لیکن ابھی کھایا نہیں تھا کہ آپ کی یاد مبارک میں یہ بات آئی کہ اس بکری نے اس (کرایہ کی) حویلی کے درختوں کے چند پتے کھائے تھے، اسی وقت بازار سے پوری قیمت ادا کر کے دوسری بکری خرید کر ذبح کی گئی پھر ان پتوں کی جو بکری نے کھا لیے تھے کو معاف کروانے کے لیے (اس حویلی کے) مالک کو تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا کیوں کہ وہ شخص شہر سے باہر گیا ہوا تھا......[1]

احمر

(۲۷۶) ایک عارف روزگار نے اولیاء کی ایک محفل میں بیان کیا کہ حضرت شیخ محمد صبغۃ اللہ کو غوثیت کا منصب و خلعت غوث الثقلین کریم الطرفین حضرت سید محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی **قدس اللہ تعالیٰ روحہ و افاض علینا و علی العالمین** سے روحانی طور پر اس وقت ملا جب آپ حج سے فارغ ہو کر مدینہ سکینہ **علی ساکنھا افضل الصلوٰۃ واکمل التسلیمات** سے حضرت خواجہ سے رخصت لے کر خشکی کے راستے اپنے وطن مالوف کے لیے روانہ ہوئے تھے اور اس راستے میں جو مشہور و معروف مزارات متبرکات آئے ان کی زیارت کرتے ہوئے جب بغداد شریف پہنچے اس وقت حضرت شیخ (کے مزار) کی زیارت کے دوران آپ کو یہ تحفۂ (غوثیت) حضرت کی جانب سے مرحمت ہوا تھا۔

اس حقیر پر تقصیر (مولف) نے اپنے پیر روشن ضمیر (شیخ محمد صبغت اللہ) سے ایک روز خلوت میں اس (غوثیت) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے اس مزار شریف کی بہت تعریف کی اور اس غوث اوتاد کے ارشاد کی وسعت بیان کی بلکہ اس

---

[1] مکررات

غوث البرکات کے فضائل، کرامات اور مناقب بھی زبان درفشاں سے بیان کیے......

احمر

ایک بار آپ فرماتے تھے کہ ایک شہر میں جس کا نام اس وقت میرے (مولف) کے حافظہ سے محو ہو گیا ہے، جمعہ کی نماز وہاں ادا کرنے کا اتفاق ہوا، وہاں کے خطیب نے خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے انہیں ''اشجع'' (سب سے زیادہ بہادر) بھی کہا ایک رافضی مسکین پچھلی صف میں موجود تھا اس نے کہا کہ اشجع کیسے۔ یہ اپنے انجام سے بے خبر جاہل لوگ (سنی) حضرت علی کرم اللہ وجھہ الکریم کو شجاع تو (۲۷۷) شمار نہیں کرتے تو انہیں اشجع کیسے مانیں گے، ہر وہ کمال جو خلفائے ثلاثہ میں موجود ہے وہ ''بطریق اکملیت'' تنہا حضرت صدیق اکبر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ کی ذات میں موجود ہے، خلفائے راشدین کے فضائل ان کی خلافت کی ترتیب کے اعتبار سے اگر تفصیل جاننا چاہتے ہیں تو حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات قدسی سمات کی تینوں جلدیں طلب کریں یا علم کلام کی کتابیں ملاحظہ کریں، حاصل کلام یہ ہے کہ اس رافضی مسکین کی وہ بات حضرت شیخ صبغت اللہ کے دل پر اثر انداز ہوئی تھی کہ اس کو آپ اکثر یاد کر کے ان خبیث باطن (روافض) کے فاسد عقائد کو اپنے نیاز مندوں میں بیان کرتے رہتے تھے......

اب تائید ایزدی سے آپ کے چند وہ تصرفات بیان کر رہا ہوں جن کو نقل کرنا لازم ہے......

ابیض

آپ کی عادت شریف اپنے احوال و کرامات کو دائمی طور پر پوشیدہ رکھنے کی تھی، ایک مرتبہ آپ اپنے صاحب یقین مخلص مرزا غیاث الدین کے گھر تشریف فرما تھے، آپ چارپائی پر دراز ہو گئے اور حسب معمول اس وقت آپ پر استغراق طاری تھا، مرزا مذکور سر جھکائے بیٹھے تھے کہ ان کے دل میں یہ خیال (خطرہ) آیا کہ اولیائے

متقدمین سے بہت سی کرامات و تصرفات کا ظہور ہوا ہے لیکن میرے پیر دستگیر (شیخ محمد صبغت اللہ) جو کہ افضل اولیاء ہیں سے اتنی خوارق کا ظہور نہیں ہوا اگر میری یہی (خواہش) آپ پر منکشف ہو جائے اور آپ کی وہ عنایات جو مریدین کے شامل حال ہیں میں یہ فرق نہ پڑے تو یہ ایک عظیم تصرف ہوگا، اس پر آپ فوراً میری طرف نظر کرم فرماتے ہوئے کہنے لگے (خواجہ) حسن بصری اور شیخ حبیب عجمی (۲۷۸) قدس سرھما جو آپس میں پیر و مرید تھے، ایک سفر پر روانہ ہوئے (تو راستے میں) ایک دریا عبور کرنے کا اتفاق ہوا حسن بصری کشتی کا انتظار کرنے لگے تو شیخ حبیب نے کہا کہ کیا خواجہ حسن بصری آپ کو یقین نہیں ہے؟ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں تو یقین رکھتا ہوں لیکن تم ابھی یقین کے اس مقام پر نہیں پہنچے ہو، شیخ حبیب پانی کے اوپر سے (چل کر) گزر گئے لیکن خواجہ حسن بصری کشتی کے انتظار میں رہے، حالانکہ خواجہ حسن بصری کی افضلیت ثابت ہے، (حقیقت یہ ہے کہ) انہوں نے نزول کیا اور سبب کو مشیت (مسبب) کے ساتھ ملا لیا لیکن شیخ حبیب (کی روحانیت نے) نزول نہیں کیا تھا اس لیے سبب کو مسبب جل وعلا سے جداگانہ دیکھا، جب آپ یہاں تک بات کر چکے تو مرزا مذکور نے اپنا سر ننگا کیا اور بڑی ندامت کے ساتھ سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا۔

ایضاً

اسی سفر کے دوران اٹک کے قاضی جو کہ مرزا غیاث الدین کے چچا تھے کے ہاں آپ کی دعوت تھی اور قاضی کو ایک تقریب سے شہر سے باہر جانا پڑ گیا ان دنوں رمضان شریف تھا رات کے وقت تراویح کی نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک قاضی کے گھر کے نزدیک ایک بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا، نماز تراویح سے فراغت کے بعد مرزا غیاث الدین نے جو نماز میں حاضر تھے اس شور کے متعلق تجسس کیا تو پتا چلا کہ یوسف زئی افغان جو کہ راہ زنی میں مشہور ہیں جو دیانت اور امانت سے بھی کوسوں دور ہیں وہ تقریباً دو

ہزار افراد جمع اور مسلح ہو کر قاضی کے گھر کو تباہ کرنے کے اراد سے آئے ہیں اور شب خون مارنے کی فکر میں ہیں ....

قاضی مذکور کے بچوں اور عورتوں نے سخت آہ وفغاں شروع کر دی ہے، جب وہ قاضی کے کوچہ میں داخل ہوئے تو فوراً برگشتہ ہو گئے اور ان کے سرتنوں سے جدا ہونے لگے، تقریباً دوسو افراد قتل ہوئے اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے، جب ان بدکردار لوگوں سے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک سفید داڑھی والے خضر صورت مرد کو دیکھا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جس کے ایک ہی وار سے کئی لوگوں کے سرتن سے جدا ہو جاتے تھے، اس لیے ہم پریشانی کے عالم میں بھاگ کھڑے ہوئے کہ ہم میں اس عظیم شیر جبار سے مقابلہ کی تاب نہیں تھی جب انہوں نے اس (درویش سفید ریش) کا حلیہ بیان کیا تو وہ بالکل حضرت شیخ صبغت اللہ جیسا تھا حالانکہ آپ اس وقت پوری طمانیت (وقار) کے ساتھ نماز ادا کرنے میں مشغول تھے، چونکہ مرزا غیاث الدین آپ سے تصرفات کے طالب تھے اس لیے پہلے تو آپ نے تصرف کا جواب بڑے سلیقہ سے مرحمت فرمایا دوسرے اس تصرف کو عملی صورت میں بھی ظاہر کر دیا، جو آج تک سارے اٹک اور شمس آباد میں روز روشن کی طرح مشہور ہے، صبح جب قاضی اپنے گھر پہنچا تو آپ کی پابوسی (۲۷۹) کی اور آپ کی اس مہربانی یعنی جان بخشی، عزت بچانا اور مال کی خلاصی کو حضرت کی برکت واقبال کی بدولت قرار دے کر منت پذیر ہوا۔

ابیض

فقیر زادوں محمد معشوق اور نیاز احمد سلہم اللہ سبحانہ کی والدہ (یعنی زوجۂ مولف) جو کہ حضرت شیخ محمد صبغت اللہ کی بیٹی ہیں بہت شدید قسم کے امراض مثلاً قولنج، بخار اور کھانسی میں حضرت کے حین حیات ہی مبتلا تھیں اور ان میں سے ہر روز ہر مرض میں شدت بڑھ جاتی تھی جو بہت طویل ہو گئی، حکیموں کی دوائیں بے اثر ہو گئیں بلکہ ان کا الٹ اثر ہوتا تھا، نیک اصحاب کی دعائیں بھی عالی حضرت کی توجہ پر موقوف

ہوگئیں، گویا اب معاملہ مکمل طور پر مایوسی کی حد تک پہنچ گیا تھا، ایک روز ایک صاحب کمال حکیم نے کہا کہ انسانی علاج کارگر نہیں ہو رہا اب حکمت رحمانی درکار ہے، لیکن اب تو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ بیمار میں زندگی کے کوئی آثار باقی ہیں بھی یا نہیں؟ یہ معاملہ آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ ازراہ کرم مریضہ کے پاس آ کر خود کھڑے ہو گئے، کچھ پڑھا اور دم کیا اور پھر مرض کو دفع کرنے کے لیے توجہ فرمائی تو اس پر پلک جھپکتے ہی اس کے تمام امراض سلب ہو گئے جس پر آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، مریضہ کو مکمل آرام آ گیا اور اس نے شوربا طلب کیا اور چند دن کے اندر ہی اس کا ضعف بھی جاتا رہا، **الحمد لله علی الاحسانه۔**

ابیض

خواتین میں سے ایک صالحہ جو کہ ان قبلۂ ارباب حاجات (شیخ محمد صبغت اللہ) کی مرید تھیں اور خلوص و نیاز مندی میں اپنے آپ کو بے بدل خیال کرتی تھیں اور فہم و فراست اور نفاست میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں، انہوں نے مجھ سے چند بار یہ روایت کی کہ ایک بار میں نیک خواتین کی ایک جماعت کے ساتھ ارادت کے شوق سے حاضر ہوئی، تاکہ آپ کے حالات کا مشاہدہ اور تصرفات کا اثر دیکھ سکوں جونہی آپ کے چہرۂ انور کا جلوہ دیکھا تو عیب سے بھرا ہوا دل اسی وقت صاف ہو گیا۔ ان دنوں آپ (قطب الانام) کی تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوا اور خاص و عام میں اس کی شہرت پھیل گئی آپ کا جس جگہ ورود شریف ہوا وہ مقام ارادت مندوں سے پر تو تھا ہی اس گھر کے حیوانوں نے بھی پورا زور لگا کر اپنی زنجیریں توڑ لیں اور غوث الانام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حصول مطلب تک وہاں کھڑے رہے آپ نے تبسم آمیز نگاہوں سے ان صالحات کی طرف توجہ کی، ہر ایک کو صمیم قلب سے کامل اعتقاد حاصل ہوا، وہ کمال سعادت سے رشتۂ ارادت کو تھام کر حلقہ بگوش ہوئیں، آپ کی صورت مبارک اس قسم کے انوار سے پر تھی کہ جس کسی نے دیکھا تو بے اختیار کہا ''یہ انسان

نہیں فرشتہ ہے'' اس کے بعد وہ روزمرہ کے امور میں مصروف ہو گئے۔

ایک مرتبہ حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) کابل گئے تو شیخ محمد صبغت اللہ (۲۸۰) قدسنا اللّٰہ سبحانہ باسرارھما ان کے استقبال کے لیے مزار شاہ شہید قدس سرہ جو کہ کابل شہر سے باہر واقع ہے، تک گئے، اس کے بعد وہ لاہوری دروازہ کے راستے واپس آ رہے تھے کہ ان کو دیکھنے والا ہر مرد اور عورت درود پڑھنے میں مصروف تھا اور کہتے تھے کہ گویا دو فرشتے ہیں جو دو پالکیوں پر سوار ہو کر شہر میں آئے ہیں اور بعض نے کہا کہ یہ دو خضر ہیں جنھوں نے اہل شہر کو سرسبز و شاداب کر دیا ہے۔

احمر

خوشی کے اسی روز شیخ محمد صبغت اللہ نے اس راقم سیاہ کار (مولف) کے والد بزرگوار (شیخ محمد فضل اللہ) سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مرزا شاہ شہید ابو اسحاق قدس سرہ اور اسی طرح مزارت عاشقان و عارفان جو کہ اس دیار کے متبرک مزارات میں سے ہیں ان کے بارے میں یہاں کے لوگ انہیں صحابہ کرام تصور کرتے ہیں جو جائے تردد و تعجب ہے کیوں کہ صحابہ عظام علیھم الرضوان من ملک المنان کے اس سرزمین (افغانستان) میں وارد ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے، اہل کابل کی کثیر تعداد نے جو آپ کی رکاب سعادت کے ساتھ تھی ان اسرار کو سنا اور ان کے صحابہ ہونے کا جو اعتقاد رکھتے تھے اس سے کنارہ کش ہو گئے۔

احمر

جناب حضرتٔ قبلہ گاہی قطب الاقطابی (شیخ محمد فضل اللہ) فرماتے تھے کہ شیخ محمد صبغت اللہ کی عادت شریف اپنے حال اور قال کو چھپانے کی ہے، لیکن میں نے کابل میں یہ سنا کہ آپ نے اپنے چند مکاشفات الہام صریح کی بنیاد پر بیان فرمائے تھے۔ چونکہ آپ کا کثرت ارشاد اس دیار (کابل و افغانستان) کو محیط ہے اس لیے

آپ اپنے بعض اسرار کے اظہار پر مامور ہوئے ورنہ آپ اپنا حال اتنا مخفی رکھتے تھے کہ ۲۷ رمضان المبارک کی شب کو اصحاب کشف وشہود اور اکثر علماء کرام اسی کو شب قدر سمجھتے ہیں اس شب بعض اکابر عرفا کے احوال آپ کی خدمت میں عرض کیے گئے تو آپ نے برکات اور شہود ملائکہ کا بہت عمدہ بیان کیا، فرمانے لگے کہ اسی میں جستجو کرو کہ اس میں ملائکہ کرام علیٰ نبینا و علیهم الصلوٰة والسلام کے شہود سے لذت اندوز ہوں میں خود جنات کو نہیں دیکھتا............[۱]

(۲۸۱) اب یہاں اس ہادی ارباب کمال (شیخ محمد صبغت اللہ) کے وصال کا مختصر سا ذکر کر دینا چاہیے:

یہ حقیر بے پر و بال (مولف) آپ کے انتقال سے چند روز پہلے خدمت گرامی میں حاضر تھا بلکہ آپ کے پاؤں مبارک پر مالش کر رہا تھا کہ اس دوران اپنے حق میں بہت سی عنایات کا مشاہدہ کیا اور غیر متوقع امور بھی آپ سے سننے میں آئے ان دنوں میرا موسم گرما کی وجہ سے دکن کی طرف سفر کرنے کا بھی عزم تھا، میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ سفر جس کی بشارت حضرت نے بھی دی ہے کیا سفر سے مراجعت کے بعد آپ کی قدم بوسی کی سعادت نصیب ہوگی یا نہیں؟

احمر و ابیض

اس وقت آپ نے نگاہ کرامت میری طرف کرتے ہوئے فرمایا کہ عارف سریع السیر شیخ ابوسعید ابوالخیر فرماتے تھے:

در عالم ماز ما بجز نام نماند و از صبح وجود تا بجز شام نماند
مرغی کہ فتادہ بود در دام وجود بہ گریخت ز نزد ما بجز دام نماند

فقیر (مولف) اس رباعی کا مفہوم یہ سمجھا کہ آپ نے اپنے وصال کے قریب ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، کیوں کہ آپ کی عادت مبارک یہی تھی کہ اسرار کا

---

[۱] مکررات

اظہار اشاروں میں فرماتے تھے۔

کہتے ہیں کہ جب پہلی مرتبہ سرہند شریف کے فوجدار وزیر خان نے ذلیل کفار نانک پرستان بدکردار (سکھوں) کے خلاف جنگ کی تو آپ کے دل مبارک پر جہاد کے جذبہ کا بہت ہی غلبہ ہوا لیکن بڑھاپے کے باعث اور امراض کی زیادتی کی وجہ سے (ایسا نہ کر سکے) آپ نے اپنے مخلصین اور مریدین کو شہر سے چلے جانے کے لیے بھی نہ کہا رات کو جب دونوں طرف سے تیروں کی بارش ہوئی تو سرد ہوا بہت گرم ہوگئی تیر و توپ نے موت کے منھ کھول دیے تو آپ نے مقام جنگ کے بارے میں تحقیق فرمائی اور اس طرف توجہ کی، پھر پیشاب کے ارادے سے اٹھے تو پاؤں کانپ رہے تھے گر گئے جب اٹھا کر لائے تو دیکھا کہ پیٹھ کے قریب ایک ایسا زخم ہے جو تیر لگا ہوا معلوم ہوتا تھا معلوم ہوا کہ محاذ جنگ (مجمع) میں سے کسی نے استمداد کے طور پر آپ کو پکارا تو آپ (غائبانہ طور پر وہاں گئے) اور وہاں آپ زخمی ہوئے، جب آپ سے اس کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے اس امر کی نفی نہیں فرمائی اس مرتبہ کفار کے غلبہ کے باوجود اس قبلۂ عارفان (۲۸۲) کی توجہ سے مسلمانوں کو فتح ہوئی۔

آپ نے خود بھی اس زخم کی شدت سے چھ ماہ تکلیف اٹھائی اور شہادت کبریٰ حاصل کر کے واصل بحق ہوئے اس کے بعد (وصال) اہل شہر (سرہند) نے اتحاد کی شکل نہ دیکھی بلکہ دنیا سے ہی اتحاد کا خاتمہ ہوگیا بلکہ ان تمام فتنوں اور بے چینی کا ظہور دراصل آپ کے دنیا سے تشریف لے جانے کی علامتیں تھیں اسی طرح دوسرے فتنے کے شروع ہوتے ہی آپ نے اس دنیا سے آخرت کا سفر اختیار فرمایا۔

جمعہ کے روز ۱۱۲۲ھ کو عصر کی نماز کے وقت ۷ یا ۸ یا ۹ ربیع الثانی کو یہی دن آپ کا یوم ولادت بھی تھا اپنے محبوب حقیقی جلت عظمت سے جا ملے، آپ کی ولادت شریف ۱۰۳۳ھ کو ہوئی تھی جیسا کہ اس کنز کے آغاز میں بیان کیا جا چکا ہے اس حساب سے آپ کی عمر مبارک پورے ۸۹ سال ہوئی اگر ۹۰ سال کے قریب کہا جائے

تو بھی اس کی گنجائش ہے، ''انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون''

تاریخ وصال میں یہ اختلاف آپ کی بہت زیادہ بے ہوشی کی وجہ سے ہوا ہے جس سے عقل میں رخنہ پڑ جاتا دوسرے یہ کہ اس طرح آپ نے سنت شریف پر بھی عمل کر لیا کیوں کہ آپ پر سنت سے محبت کا بہت ہی غلبہ تھا کہ موت کے بعد بھی حضرت حق سبحانہ جل شانہ نے یہ دولت آپ کے نصیب میں کر دی۔

یہ فقیر دور از کار (مولف) اس وقت بادشاہ خلد منزل (بہادر شاہ بن اورنگزیب) کے لشکر کے ساتھ دارالخیر اجمیر کے نواح میں تھا کہ سرہند شریف میں کفار بے اعتبار کے غلبہ کا شہرہ سنا تو حیرت سے سر اور سینہ تھام لیا حضرت شیخ محمد صبغت اللہ کے حین حیات ان تمام فتنوں کے سر اٹھانے میں کیا حکمت ہے؟ بالآخر عقل سلیم نے یہ باور کروایا کہ یہ سب کچھ اس آفتاب ولایت اور وارث کمالات نبوت (شیخ محمد صبغت اللہ) کے دنیا سے کوچ کا وقت قریب ہے اس لیے دنیا کو تہ بالا کیا جا رہا ہے اور جس کسی صاحب فراست نے یہ سنا اس نے ان اسرار کی تصدیق کی، آخر اچانک قصبہ سانبھڑ میں یہ وحشت اثر خبر (وصال) سنی کہ گویا ایک تیغ بے دریغ نے کانوں کے راستے میری جان ناتواں پر کاری زخم لگا دیا ہو..........

نہ میرے دماغ میں کوئی ہوش رہا اور نہ ہی دل صبر قبول کرتا تھا پس ان کی یاد میں کوئی حرف اگر عنایت الٰہی سے یاد آ جاتا تو اسی کو کافی سمجھتا ورنہ دل و دیدہ تو پہلے ہی عالم قدس کی طرف پرواز کر چکے تھے......جس بیان کا وعدہ کیا ہے اب لکھ رہا ہوں:

احمر

آپ نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے اس فدوی آستان (مولف) کو اپنی ضمنیت مقدسہ میں لیتے ہوئے اس طرح ارشاد فرمایا کہ سفر و حضر میں بلکہ تاحیات تم ہمارے ضمنی ہو اور بہت سے ایسے آثار (۲۸۳) جو صرف معاملۂ ضمنیت سے ہی مرتب ہوئے ہیں اپنے آپ میں محسوس کرتا ہوں، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے آپ نے

بشارت دی تھی اور اس کے بہت سے آثار کا مشاہدہ کیا جو اپنے احاطہ سے بڑھ کر تھے اور اس عنایت کی برکت سے یہ روز بروز ترقی پذیر ہوگا، ان شاء اللہ تعالیٰ ......

احمر

جب آپ کی عمر مبارک اسی (سال) کے قریب ہوگئی تو اکثر فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "اسی سالہ (افراد) کو اللہ آگ سے بچالے گا" اور جب آپ اسی سے متجاوز ہو گئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہت زیادہ ہونے کی امید بندھ گئی تو آپ اس عطیہ پر اللہ تعالیٰ کی بہت حمد بجالانے لگے۔

کہتے ہیں کہ وصال کے دن آپ نے عصر کی نماز بالکل صحیح طور پر ادا کی، سومرتبہ درود شریف پڑھا اور جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ ان دنوں سارے سرہند شریف اور اس کے نواح پر کفر اور کفار کا غلبہ ہونے کے باوجود چند ہزار مسلمان آپ کے جنازے میں حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے روضہ کے گنبد کے اندر دفن کیا گیا، **اللّٰھم ارزقنا من برکاتہ و یرحم اللّٰہ من قال آمینا۔**

مخدوم زادۂ معرفت دستگاہ شیخ محمد اسماعیل سلمۂ ربہٗ نے آپ کے وصال پر اس قدر تواریخ (قطعات) کہی ہیں کہ اگر ان سب کو احاطۂ تحریر میں لاؤں تو مزید تین اجزا بڑھ جائیں گے، اس لیے کلام میں میانہ روی کے باعث چند تواریخ نقل کر رہا ہوں صرف ان فقرات پر ہی کفایت کی ہے۔

تواریخ

"آں آیت رحمت بود"	۱۱۲۲ھ
"فرزند محبوب مجدد الف ثانی"	۱۱۲۲ھ
"حقا چہ خلیل امام معصوم بود[1]"	۱۱۲۷ھ
معشوق خدا[2]"	۱۱۲۱ھ

---

[1]، [2] یہ دونوں مادہ ہای تاریخ وفات درست نہیں ہیں رک تعلیقات کتاب حاضر ج ۴

اب آپ قدس سرہ کے فرزندان گرامی کا مختصر تذکرہ کیا جانا چاہیے، اس قبلۂ ارباب (شیخ محمد صبغت اللہ) کے کئی فرزند تولد ہوئے لیکن ان میں جو اپنی طبعی عمر کو پہنچے صرف چار ہیں اور باقی بچپن میں ہی داغ مفارقت دے گئے، آپ قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے سب سے بڑے فرزند کمالات دستگاہی مرحومی شیخ ابوالقاسم قدس سرہ تھے جو کہ علم ظاہر و باطن کے جامع، فاضل شائستہ تقریر، صاحب تدبیر عاقل اور بہت مقبول تھے، حضرت خواجہ ان پر خاص عنایات فرماتے تھے اور انہیں نہایت عالی درجہ بشارات سے نوازا تھا، جب حضرت خواجہ نے اپنی کتابیں (۲۸۴) اپنے فرزندان کرام میں اپنے حین حیات تقسیم کیں جیسا کہ اس امر کی تحقیق اپنے مقام پر گزر چکی ہے تو مخدوم زادہ ابوالقاسم کو اپنے فرزندوں کے برابر اس میں سے حصہ دیا اور فرماتے تھے کہ ابوالقاسم بھی میرے فرزندوں میں شامل ہے، یہ روایت مجھے متعدد مرتبہ اپنے ماموں محترم قطب الاولیا حضرت شیخ محمد صدیق قدس سرہ سے سننے کا موقع ملا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس مخدوم زادہ (شیخ محمد صدیق) پر اسلام کی اتنی حمیت (غیرت) کا غلبہ تھا کہ ایک بڑے امیر (منصب دار) نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی شان میں گستاخانہ بات کہی تو اسے اپنے ہاتھ سے قتل کر کے بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب عالمگیر) کے سامنے جا کر اس (قتل) کا اقرار کیا اور اس کا آپ پر مطلق خوف نہیں تھا اگرچہ اس کے سارے رشتہ دار جو شیعہ اور بادشاہ کے مقربین میں سے تھے، وہ چند روز مزید دہلی میں مقیم رہے، بادشاہ نے عنایات کیں اور عنایات الٰہی سے بھی بہرور ہو کر اپنے وطن مالوف (سرہند شریف) آئے اور حضرت خواجہ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا اور (اس رافضی کے قتل پر) حضرت خواجہ سے خوب تحسین اور آفرین حاصل کی۔

اس مخدوم زادہ (ابوالقاسم) کے ساتھ جناب قطب الاقطاب محبوب رب

الارباب جد بزرگوار خود (حضرت خواجہ محمد معصوم) کو جو محبت تھی وہ متواتر سننے میں آئی ہے اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق رفیق رہی تو یہ سعادت (بے پایاں ہوگی) مخدوم زادہ ابوالقاسم کی غیرت کی ایک روایت یہ ہے کہ حافظ محمد صادق کابلی جو کہ حضرت خواجہ کے ایسے خلیفہ تھے جنہیں مغل بادشاہ (اورنگ زیب کی تربیت) کے لیے خلافت دی گئی تھی اور وہ دارالخلافہ (دہلی) میں بادشاہ کے ساتھ رہتے تھے، ان سے مخدوم زادۂ مذکور کی خدمت میں کوئی غلطی سرزد ہوگئی جوان کی آزردگی کا باعث بنی جس سے ان کا حال و ارشاد فی الفور سلب ہوگیا، اگرچہ دونوں مخدوم زادوں یعنی حضرت حجۃ اللہ (محمد نقشبند ثانی) اور مروج الشریعت (خواجہ محمد عبیداللہ) نے ان کا قصور معاف کر دینے کی سفارش کی سے معاف کر دیے گئے اور اس سلسلہ میں حضرت خواجہ نے جو مکتوب لکھا وہ مکتوبات (معصومیہ) کی تینوں جلدوں میں شامل نہ کرنے کی تجویز تھی اس لیے وہ داخل دفتر نہیں ہے لیکن مجھے وہ مکتوب بنام مخدوم زادۂ مذکور (شیخ ابوالقاسم) مخدوم کریم شیخ محمد اسماعیل سلمہ ربہ کی خدمت میں مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے، اس کا صرف عنوان نقل کر رہا ہوں:

نقل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلوبنا بعدِ اذھَدَیْتَنَا وھَبْ لنا من لدنک رحمۃً انک انتَ الوھاب۔ ایذا فرزند شخصی ملزم ایذا و آں شخص است، تم کلامہ۔

یہ تو محض عنوان ہے سارا مکتوب دو تین اوراق پر مشتمل ہے۔

اھر

حضرت قبلہ گاہی اقطاب۔ دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ اگرچہ دونوں مذکورہ مخدوم زادوں کی سفارش پر اس حافظ مذکور کی خطا معاف (۲۸۵) کر دی گئی تھی جس سے اس کی نسبت بحال ہوگئی لیکن ارشاد کا معاملہ درست

نہ ہوسکا۔ پس مختصر کلام کرنا چاہیے والسلام۔

جان لینا چاہیے کہ مخدوم زادہ (شیخ ابوالقاسم) کی عمر ۲۷ سال ہوئی تھی، حضرت خواجہ کے وصال کے تین سال بعد وہ اکبر آباد (آگرہ) گئے جہاں ان کا وصال ہو گیا، ان کا تابوت سرہند شریف لا کر حضرت خواجہ کے روضہ منورہ میں گنبد سے باہر دفن کیا گیا، چونکہ ان کا وصال رمضان شریف میں ہوا تھا اس لیے میرے (مولف) کے دل میں ان کا سال وصال ''افلیت شمس العلم ۱۰۸۲ھ'' آیا، **رحمۃ اللہ سبحانہ۔**

عارف بے بدیل شیخ محمد اسماعیل سلمہ اللہ تعالیٰ الخلیل شیخ محمد **صبغت اللہ** کے دوسرے فرزند ہیں، جو مختلف کمالات سے آراستہ اور بہت سی خوبیوں سے متصف اور مسند ارشاد پر کامل وقار کے ساتھ جلوہ افروز ہیں، ان کا کلام دل دادگان بادیۂ حیرت و نامرادی کے لیے دلبر ہے، ان کا مقام غم زدگان کے لیے مسرت کے ساتھ بلندی کی طرف نشاندہی کرنے والا ہے، اس اعلیٰ درجہ کے مرتبہ کمال پر فائز ہونے کے باوجود اس قدر شکستہ حال ہیں کہ اس نحیف (مولف نے) ایک بار ان سے اس انکسار کے بارے میں سوال کیا تو فرمانے لگے کہ چونکہ حضرت خواجہ کے حین حیات میری عمر صرف سولہ سال کی تھی مگر اس کے باوجود حضرت خواجہ کی بے پایاں توجہات حاصل ہوئیں، فرماتے تھے کہ میں ۵۶ توجہات حاصل کر سکا لیکن اپنی کوتاہی اور بخت کی خرابی کے باعث اس عالی شان شجر کا ثمرہ حاصل نہیں کر سکا ....

ان دنوں (مخدوم زادہ شیخ محمد اسماعیل) ایک تقریب سے شاہ جہان آباد میں مقیم ہیں اس کتاب کے اکثر اوراق مختلف مقامات سے ان کی نظر شریف سے گزرے ہیں، جو انہوں نے بڑے ہی ادب کے ساتھ سماعت فرمائے ہیں اور بہت عنایات کے ساتھ ان امور کی تحریر کی ترغیب دیتے تھے، ان کی زبانی اکثر روایات اس سے قبل نقل کر چکا ہوں، مزید عنایت یہ فرمائی کہ اپنے نام (اپنے والد گرامی) عالی حضرت (شیخ صبغت اللہ) **قدس سرہ** کے دست مبارک سے لکھا ہوا ایک مکتوب

مجھے عنایت کرتے ہوئے فرمایا کہ جہاں تم میرا ذکر کرو اسے وہاں نقل کر دینا، اسے انصاف کی نظر سے مطالعہ فرماتے ہوئے اندازہ لگایے کہ حضرت کی نظر میں ان کی کتنی قدر و منزلت ہے:

فتح

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی، نور چشم کا مکتوب ملا جس نے ہمیں خوش کر دیا (۲۸۶) اللہ سبحانہ کی حمد ہے کہ برخوردار صحت و عافیت سے ہے اور ان دور افتادہ لوگوں کی یاد سے غافل نہیں ہے، اگرچہ کابل پہنچنے پر وہاں کے مریدین کے شوق (گرمیہای) کے بارے میں جیسا لکھا تھا، ویسا ہی متحقق ہو گیا، اللہ سبحانہ احباب کو جزائے خیر دے اور بعض دیگر مریدین نے جو عجیب امور بیان کیے اور تم نے لکھے جن کے مطالعہ سے بہت ہی خوشی ہوئی اگر تمہیں اس جماعت (مریدین) میں استقامت محسوس ہو تو سمجھ لو کہ ان کو احوال میسر آ گئے ہیں۔ اس میں اس امر کی بھی گنجائش ہے کہ تم انہیں اجازت دے دو، تم نے اپنے اجازت یافتگان کے بارے میں جو عدم توجہ کا ذکر کیا ہے تو اس سلسلہ میں یہ فقیر واضح الفاظ میں کہہ رہا ہے کہ تمہارے تمام مریدین خواہ وہ اجازت یافتہ یا غیر مجاز ہوں اور تم سے توجہ لی ہے ان کے بارے میں اس فقیر نے کچھ ملاحظہ نہیں کیا بلکہ میری یہی مرضی ہے (کہ گویا وہ مجھ سے ہی توجہ لے رہے ہیں) نیز تم نے جو خاص الخاص نسبتوں کے بارے میں لکھا ہے میں امید رکھتا ہوں کہ میں نے تم پر نثار کرنے میں کبھی کسی چیز سے دریغ نہیں کیا، اور نہ ہی ایسا چاہتا ہوں یقین ہے کہ خاص الخاص نسبتیں بھی عنقریب حاصل ہو جائیں گی .... فقیر ان دنوں بہت اچھا ہے، پیدل مسجد جاتا ہے اور آتا ہے۔ لیکن پاؤں اور زانو میں قدرے ضعف ہے، حق سبحانہ

اسے ختم کر دے گا ان شاء اللہ تعالیٰ، تمہارے تینوں خطوط ملے جنہوں نے ہمیں خوش کر دیا، والسلام انتہیٰ مکتوب شریف۔

اس مخدوم زادے کو اپنے والد بزرگوار کے اسرار کا بہت علم ہے بلکہ اس کتاب میں اور خواہ معدن الجواہر میں عالی حضرت کے جتنے احوال لکھے ہیں (ان میں سے اکثر) ان سے ہی سنے ہیں، جن میں دوسروں کی روایات بہت ہی کم ہیں۔

اس مخدوم زادہ کے طبع زاد اشعار شکستہ دل اصحاب کے لیے تسلی بخشتے ہیں، خوش گوئی و مطلب رسانی کے باوجود آپ بہت پر گو تھے مجھے آپ کو سننے کا اتفاق ہوا ہے، عاشق تخلص کرتے تھے اور ان کے بڑے بھائی شیخ ابوالقاسم مذکور مرحوم و مغفور کا تخلص قائق ہے، اپنے والد بزرگوار، دادا عالی قدر (حضرت خواجہ) اور جد اکبر صاحب اسرار حوز (حضرت مجدد الف ثانی) کی (اپنے اشعار میں) بہت ہی تعریف (مدح) لکھی ہے۔ ان کا دیوان طلب کرنا چاہیے، ان کی ایک غزل سے دو شعر جو مطلع اور حسن مطلع پر مشتمل ہیں نقل کر رہا ہوں:

(۲۸۷) آبرو گر طلبی گیر قوی پیشۂ ما — روبہی گر گزر و شیر کند پیشۂ ما

صحبت گلشن ما بوی جدای نہ دہد — کندہ اند بیخ جدای زرک و ریشۂ ما

اس وقت میرے بحر مواج دل میں محبت کا جوش موجزن ہے کہ (اس دیوان) میں سے تین حضرات کی مدح میں سے چند اشعار انتخاب کر کے نقل کر دوں تاکہ "محبان سودا" بھی اس کتاب (دیوان عاشق) کی طراوت نوش کر کے آشنائی کی معجون چکھ لیں .... [1]

(۲۸۸) اس طریقہ علیہ (نقشبندیہ) میں پیر کامل سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر اعتقاد کا غلبہ ہو۔

(یہ غلبہ) اس مخدوم زادہ پر اتنا زیادہ تھا کہ بہت کم کہیں کسی دوسرے پر ہو گا،

---

[1] تینوں حضرات کی مدح میں لکھے گئے اشعار متن کتاب میں ملاحظہ کریں۔

ان کی عمر شریف اس وقت ستر سال کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور ان کا ارشاد محبین کو مفارقت نہ دے۔ (آمین)

اس مخدوم زادے کے اس وقت تین فرزند بقید حیات ہیں، ان میں سے دو بڑے تو صفات حمیدہ سے متصف ہیں دونوں حضرت (شیخ صبغت اللہ) کے طالب ہیں، ان میں سے بڑے کا اسم گرامی شیخ صبغت اللہ ہے جو چند سال سے صوبہ کابل اور اس کے نواح میں سیر و سیاحت میں مشغول ہیں لوگ ان کے بہت معتقد ہیں اور ان کا وہاں بڑا اثر و رسوخ ہے۔

دوسرے فرزند کا نام شیخ غلام (محمد) معصوم ثانی ہے جن کے کمالات و کرامات کے بیان کے لیے جداگانہ کتاب کی تالیف کی ضرورت ہے، اور ان دنوں وہ اسی شہر شاہ جہان آباد میں بیٹھ کر مخلصین کو ہدایت دے رہے ہیں۔

(شیخ محمد صبغت اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم) کے تیسرے فرزند شیخ اہل اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سبحانہ ہیں، ان سے والدین کی رضامندی کی اتنی مثالیں موجود ہیں کہ اگر انہیں شمار کیا جائے تو پھر بھی کم ہی نظر آئیں گی، موصوف مجلسی آداب اور شائستگی کے نکات سے خوب واقف تھے اور مخلوق سے حد درجہ بے نیازی پورے کمال (۲۸۹) وثبات کے ساتھ ان کی زندگی کا شیوۂ مرضیہ تھا۔

احمر

حضرت شیخ محمد صبغت اللہ کی زبان الہام ترجمان سے کئی مرتبہ یہ سنا ہے کہ میاں اہل اللہ صابر و شاکر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فقیر (مولف) اس امر کا بچشم خود گواہ ہے ان پر بہت سے مصائب آئے جن پر انہوں نے بہت ہی صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت وعنایت جو ان کے شامل رہی کا وہ بہت شکر بجا لاتے رہے۔ کفار ننگوں سار نانک پرستان (سکھوں) کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ میں شمس خان افغان جو کہ غازی اور شہید تھا کے ہمراہ

شرکت کی اور بہت سے کفار کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے جہنم رسید کیا وہ ہر مجلس اور معرکہ میں کلمۂ حق بہت ہی (جوش) کے ساتھ کہتے تھے۔ انہی دنوں وہ جان دینے کے لیے (بغرض جہاد) دارالخلافہ (دہلی) پہنچے اور پچاس روز تک مختلف مقامات پر داد جہاد دے کر ۵ جمادی الآخر ۱۱۳۳ھ جاں بحق تسلیم کی، **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون**

مرحوم کا تابوت سرہند شریف بھیجا گیا اور وہاں حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ میں دفن کیا گیا، پسماندگان کے لیے عبرت کا سامان چھوڑ گئے ...... ان کی عمر پچاس سال ہوئی تھی اور ان کا دل اہلیت کاملہ کا مرتبہ حاصل کر چکا تھا۔ ایک دن اس فقیر (مولف) کے سامنے اپنے وصال سے آٹھ دن پہلے عین تندرستی کے عالم میں اس کتاب مفتاح اہل السعادات (مقامات معصومی) کی بہت ہی تعریف کی، اور حضرت خواجہ کی تعریف میں اس طرح زبان کھولی کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی کا ادب دامن گیر نہ ہو تو میں حضرت خواجہ کو ان سے افضل قرار دوں لیکن ادب اس کا متحمل نہیں ہے، اس لیے ناچار میں دونوں میں ''مساوات'' کا قائل ہوں۔

مختصر یہ کہ وہ خوبان روزگار میں سے تھے، **اللّٰھم اغفرلہ و ارحمہٗ** مخدوم زادہ صغیر شیخ پیر جو کہ حضرت شیخ صبغت اللہ کے چوتھے اور سب سے چھوٹے فرزند ہیں جن کا نام رحمت اللہ ہے، دیار کابل اور اس کے نواح کے علاقے میں ان کے ارشاد کا غلبہ ہے، وہ چند سالوں سے اسی دیار میں تشریف فرما ہیں جہاں وہ عالی حضرت کی طرف سے طالبان خدا کی راہنمائی اور اس طریقہ کے مروج ہیں۔

(۲۹۰) فقیر (مولف) نے ان (شیخ رحمت اللہ) کے مختصر حالات معدن الجواہر معدن ثانی کے گیارہویں جوہر میں لکھے ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں تو یہ طلب کریں۔

مصراع:

وہ جہاں کہیں بھی ہیں اے خدا انہیں سلامت رکھنا

حضرت حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی

دوسری کنز

قطب صمدانی محبوب سبحانی مخدوم زادہ حضرت محمد نقشبند قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے بعض احوال

(۲۹۱) آپ کے معارف و کمالات کا دامن اتنا بلند ہے کہ مجھ (مولف) جیسے ابوالہوس کا ادراک اسے چھونے کی بھی تاب نہیں رکھتا لیکن بچپن سے ہی ان کے ساتھ محبت و خلوص کا اعتقاد محکم بنیادوں پر استوار ہے، اس لیے امید ہے کہ جو کچھ لکھا جائے گا ان کی روح شریف کے لیے خوشنودی کا باعث ہوگا، ان شاء اللہ تعالی......

اس قبلہ ارباب ولایت کی ولادت باسعادت ماہ ذی قعد ۱۰۳۴ھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وصال (۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ) کے بعد سرہند شریف میں ہوئی، لیکن ان کی والدۂ محترمہ حضرت مجدد الف ثانی کے حین حیات امید سے تھیں، جب آپ کو اس کی اطلاع دی گئی تو آپ کو بہت خوشی ہوئی۔

احمر

جناب حضرت مجدد الف ثانی، حضرت خواجہ سے فرماتے تھے کہ تیرا یہ بیٹا جو اس وقت شکم مادر (درحمل) میں ہے عجائب روزگار اور صاحب معارف و اسرار ہوگا، بہت سے اصحاب اس کے فیض بخش آثار سے ولایت کی سعادت حاصل کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسے آپ نے بشارت دی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ آپ مرتبہ کمال و اکمال پر فائز ہونے کے بعد بزرگ القاب سے ملقب کیے گئے، ان میں سے ایک شاندار لقب ''حجۃ اللہ'' بھی ہے اس لیے سابقہ اوراق میں آپ کا جہاں بھی نام آیا ہے آپ کے لیے یہی اسم گرامی اختیار کیا گیا ہے، اور اب بھی یہی طریقہ ملحوظ خاطر ہے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے بہت کم مدت میں قرآن مجید پڑھ لیا اور مروجہ کتب کا آغاز کر دیا، تحصیل علم کے دوران ہی آپ نے حضرت خواجہ کی خدمت میں کسب سلوک بھی شروع کر کے مجمع البحرین (دونوں علوم کے جامع) ہو گئے اور دونوں علوم میں غایت درجہ کا کمال حاصل کر کے مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے منتہیانہ کتب سلطان پور جا کر (۲۹۲) جامع العلوم ملا بدرالدین (سلطان پوری) کی خدمت میں پڑھیں، اس کے علاوہ آپ نے اکثر کتب اپنے چچا حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) رضی اللہ عنہ کے حضور بھی بڑی باریک بینی سے مطالعہ کیں۔

احمر

حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) فرماتے تھے کہ ملا خواجہ (حجۃ اللہ محمد نقشبند ثانی) میرے پاس پڑھانے آتے ہیں نہ کہ پڑھنے، یہ اشارہ آپ کے اس کمال دقت کے ساتھ سبق کے دوران مختلف نکات اور اعتراضات کرنے کی طرف تھا گویا بوسیدہ (معمر) عقل اس ماحول (ایرادات) میں اپنے قصور کی معترف تھی۔

احمر

حضرت شیخ محمد صبغت اللہ فرماتے تھے کہ خازن الرحمت جب شیخ محمد نقشبند ثانی کو دیکھتے تو اکثر یہ فرماتے تھے کہ خواجۂ ما (شیخ محمد نقشبند) تو میرے دل میں ''خواجہ لشکر'' بن کر آئے ہیں، مردوں کی بات جان دار (وزنی) ہوتی ہے یعنی آپ کا فرمانا اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ وہ کرسی مقصود (بلند مرتبہ) پر فائز ہوں گے، اس کے بعد میرے بھائی (حضرت محمد نقشبند) کو حضرت حق سبحانہ نے کمال کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا اور وہ شاہی فوج کے مرجع بن گئے جس سے حضرت خازن الرحمت کی اولاد ان کے زیر سایہ آگئی (فوج میں ان کی سفارش سے ان کو بھی مراتب ملے) جس سے حضرت خازن الرحمت کے کلام تصرف انجام کا مفہوم ذہن نشین ہوا (واضح ہوا) گویا کہ حضرت محمد نقشبند ثانی ایک بے نظیر مفسر اور شائستہ تقریر محدث تھے۔

احمر

مخدوم زادہ مستقیم برجادہ عارف سریع السیر شیخ محمد زبیر فرماتے تھے کہ ایک روز تفسیر قاضی بیضاوی پر ایک اشکال کے سلسلہ میں حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) اور حضرت خواجہ کے درمیان بحث شروع ہوئی جو خاصی طویل ہو گئی تو حضرت خواجہ نے اپنے اس فرزند برخوردار (شیخ محمد نقشبند) کو بلانے کے لیے ایک آدمی بھیجا، فرمانے لگے کہ اسے چونکہ تفسیر میں درک رکھنے کا دعوٰی ہے اس لیے اسے حاضر کیا جائے، حضرت خواجہ نے اس سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ تمہیں علم تفسیر میں (مہارت) کا دعوٰی ہے اس لیے اس مجلس میں تمہاری حاضری کو لازم تصور کرتے ہوئے تمہیں طلب کیا ہے، اب حضرت خازن الرحمت اور حجۃ اللہ (محمد نقشبند) کے مابین مباحثہ نے اتنا طول کھینچا کہ کسی طرف کوئی راستہ (حل) نظر نہ آتا تھا، یہاں تک کہ نماز عصر کا وقت ہو گیا اور موذن نے آذان دے دی، دونوں نماز کے لیے اٹھ کر چل دیے اور بات درمیان ہی رہ گئی۔

احمر

اس مذکورہ بحث کا آغاز ظہر کے وقت ہوا، حضرت حجۃ اللہ فرماتے تھے کہ اگر حضرت خواجہ بھی اس مذاکرہ میں شریک ہوتے تو خاموشی کے سوا چارۂ کار نہیں تھا، اب چونکہ حضرت خواجہ نے سکوت اختیار فرما لیا تھا اس لیے میں نے اس مباحثہ میں پوری دلیری سے کام لیا۔

حضرت حجۃ اللہ نے عربی زبان میں ذکر خفی کی ذکر جہر پر فضیلت کے موضوع پر بڑی متانت سے محکم دلائل کے ساتھ بڑی فصاحت سے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی عربی اور فارسی میں کئی اور تصانیف بھی ہیں، معارف و اسرار خفیہ جو آپ نے حضرت خواجہ سے سنے اور ان کی تحقیق کے بعد (۲۹۳) اپنے مریدین کو ان سے نوازا ان کی کہاں تک تفصیل لکھی جائے، حضرت خواجہ کو حضرت حجۃ اللہ کے کشف اور

بشارت پر کامل اعتماد تھا۔

احمر

مجھے (مولف) حضرت حجۃ اللہ قدسنا اللہ سبحانہ کی زبان درفشاں سے کئی بار یہ سننے کا موقع ملا ہے کہ شیخ عبدالکریم کابلی جو کہ امام صفا کیشان (حضرت خواجہ) کے خلفاء میں سے تھے (عالم کشف میں) حضرت خواجہ کو ان کی بلدۂ مذکورہ (کابل) کی قطبیت معلوم ہوئی اور انہیں اس سرزمین کا مدار قرار دیا تو اس فقیر (حضرت حجۃ اللہ) سے فرمایا کہ مجھے ان کے بارے میں یہی کچھ معلوم ہوا ہے لیکن ابھی اس امر کا اظہار ان سے نہیں کیا، تم بھی توجہ کرو اگر تمہارے کشف کی میرے (کشف) کے ساتھ مطابقت ہوئی تو اس سے کہیں گے، جس پر میں نے عرض کیا کہ آپ حضرت نے جو کچھ معلوم فرمایا ہے وہ عین صدق وصفا پر مبنی ہے، اس ناچیز کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر فرمایا کہ تم سے جو کچھ کہا گیا وہ کرو، آپ کے امر شریف کے مطابق میں متوجہ ہوا، جو کچھ حضرت خواجہ کو معلوم ہوا تھا، مجھ پر بھی ایسا ہی ظاہر کیا گیا، جسے حضرت کی خدمت میں عرض کر دیا گیا، اس وقت انہیں (شیخ عبدالکریم کابلی) کو بشارت مرحمت فرمائی۔

احمر

میں (مولف) نے حضرت مرشدی قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) سے سنا ہے کہ حضرت حجۃ اللہ کے مرتبہ کمال و اکمال پر فائز ہونے اور بے شمار بشارتوں کے حصول کے بعد ان پر دوزخ اور عذاب کے خوف کا بہت ہی زیادہ غلبہ ہو گیا تھا اور یہ آپ کی عادت شریف بن گئی تھی کہ دن رات ایسی فکر میں بسر کرنے لگے تھے، خاص طور پر تہجد کے وقت بہت ہی دل گداز گریہ کرتے تھے، اس عظیم بشارت (جس کے آپ حامل تھے) کے ساتھ ایک بار آپ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ابیض

تو حضرت خواجہ کو اشراف باطن سے مخدوم زادہ کے خوف کا علم ہو گیا جس پر

آپ نے ان کے سامنے یہ آیۃ کریمہ پڑھی۔ (ترجمہ) ''بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں، وہ اس کی بھنک بھی نہیں سنیں گے اور وہ اپنی من چاہی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں گے۔''

اس آیت پاک سے انہوں نے ان قطب دائرہ ولایت (حضرت خواجہ) سے یہ دائمی بشارت سنی تو انہیں اطمینان خاطر میسر آیا، حضرت خواجہ کی آخری عمر مبارک میں اس مخدوم زادہ (حجۃ اللہ) کی اپنے تمام اصحاب اور اپنے سارے خانوادے پر فضیلت قطعی طور پر منکشف ہوگئی تھی۔

حضرت وحدت قدس سرہ جو کہ حضرت خازن الرحمت کے فرزند رشید ہوتے ہیں فرماتے تھے کہ جناب امام ربانی مجدد الف ثانی اور آپ کے دونوں فرزندوں یعنی خازن الرحمت اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے بارے میں میرا اعتقاد ایک مثلث کی مانند ہے کہ اس کے سب سے اوپر والے نقطہ پر حضرت مجدد الف ثانی ہیں اور نیچے کے دونوں نقطوں پر آپ کے دونوں فرزندان گرامی ہیں۔

البتہ حضرت حجۃ اللہ کے بارے میں میں کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا کہ آیا وہ نقطۂ فوق کے مساوی ہیں (۲۹۴) یا اس کے علاوہ کسی نقطہ پر ہیں؟ اگرچہ حضرت خواجہ کے مریدین کے مابین اس اعتقاد کے بارے میں بہت کچھ بحث ہوتی رہتی ہے، اس قسم کا اعتقاد تو بظاہر حضرت خواجہ کی تنقیص ہے، حالانکہ اس قسم کی مدح جو کسی دوسرے بزرگ کی بدتعریف کا باعث بنے اہل کمال کے نزدیک معتبر نہیں ہے تو پھر وہ تعریف حضرت قیوم برحق (حضرت خواجہ) کی بدتعریفی کیسے ہوسکتی ہے؟ ...... گویا ہر شخص اپنے قیاس کے مطابق سوال و جواب کر رہا ہے۔ لیکن یہاں تو ہمارا اصل مقصد حضرت حجۃ اللہ کے فضائل و کمالات بیان کرنا ہے، نہ کہ مناظرہ، اور چند ایسے مقدمات نقل کرنا ہے جو اس صاحب کمال سے سنے اور وقت تحریر یاد آ گئے ...... تا کہ خیانت کا شائبہ نہ رہے۔

حضرت شاہ جیو (شاہ محمد یحییٰ) قدس سرہ نے جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کے

فرزند تھے اس مخدوم زادہ (حجۃ اللہ) کی عظمت کے پیش نظر اپنے فرزندوں کو ان کا مرید کروایا۔

ابیض

حضرت حجۃ اللہ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ جیو نے جو کہ ہمارے چچا ہیں انصاف سے کام لیتے ہوئے اپنی اولاد کی تربیت اس درویش کے حوالہ کی، حضرت خواجہ کی ان کے بارے میں جو نظریہ تھا وہ ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب بیان کیا جائے گا۔

حضرت حجۃ اللہ، حضرت خواجہ کی عمر کے آخری حصہ میں بیمار ہو گئے تھے اس لیے وہ اپنے بلند پایہ احوال تحریری صورت میں حضرت خواجہ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے، ان کے چھ عریضے جو حضرت خواجہ کے نام ہیں ان کے مکتوبات قدسی آیات میں شامل ہیں جو طلب کرنے چاہیں، اس وقت صرف ایک عریضہ جو میرے پاس موجود ہے، مزید سعادت کی غرض سے یہاں نقل کر رہا ہوں:

فتح

قبلۂ عالم و عالمیان سلامت، ان (آخری) دو تین روز میں اللہ عز شانہ کی اپنے بارے میں اس قدر عنایات اور مواہب عطیات کا احساس ہوا کہ اس کا کچھ حصہ بھی بیان نہیں کیا جا سکتا، خصوصاً حال ہی میں "خلعت" کے اس قدر دقائق و اسرار سے نوازا گیا اور اتنی سربلندی عطا کی گئی کہ جس کی تفصیل احاطۂ بیان سے خارج ہے اور اس کے مطابق بزرگ القاب سے سرفراز کیا گیا، کل ہی کی بات ہے کہ عصر کی نماز کے بعد (امراض) کی تکالیف سے قدرے افاقہ تھا، میں اپنے احوال پر متوجہ ہوا تو وہی اسرار جن کو چھپانا واجب ہے پوری قوت (۲۹۵) و غلبہ کے ساتھ ظاہر ہوئے اور ناز برداری کے عجائب کا بھی ظہور ہوا، اسی اثناء میں، یہ الہام کیا گیا کہ

خدائے تعالٰی تیرے سامنے آئے ہیں، تو احساس ہوا کہ اسی خیر و برکت والے بالاخانہ میں گویا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی عظمت و کبریائی کے ساتھ "نزول بلا کیف" ہوا ہے اور اس بندۂ عاجز کی جو خصوصیات ہیں کا بھی ذکر کیا گیا جن کے بیان کی مجھ میں قوت نہیں ہے گویا نہ دیکھنے کی اجازت تھی اور نہ سننے کی، میرے سینے میں نہ اس (کے بیان) کی وسعت ہے اور نہ ہی میری زبان کچھ کہہ سکتی ہے، مجھ میں اس سے زیادہ (کہنے) کی جرأت نہیں ہے، آنحضرت جل سلطانہ پر اس قسم کے الفاظ کا اطلاق گویا عبارت کی تنگی کے باعث ہے اور ظاہر ہے معروف بھی اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ سبحانہ زمان و مکان اور تمام نقائص سے پاک ہے۔ (جیسا کہ قرآن مجید میں ہے) (ترجمہ) "پاکی ہے تمہارے رب کو عزت والے رب کو ان کی باتوں سے اور سلام ہے پیغمبروں پر اور سب خوبیاں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہان کا رب ہے۔"

اسی ایک مکتوب مقدس سے جو یہاں نقل ہوا ہے آپ کے دیگر مکاتیب کی شان اور مراتب کا عقل سلیم سے قیاس کیجیے اور اس صاحب کمال کے بلند احوال، عالی شان مقال اور جاہ و جلال کا بھی تصور کریں۔

حضرت خواجہ نے آپ کی تمام تحریرات اور معلومات کی تصدیق فرمائی ہے چنانچہ حضرت خواجہ کے مکتوبات کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے، حضرت حجۃ اللہ کے ایک عریضہ میں یہ مرقوم ہے۔

ع

آج رات میں اپنے اس خیر و برکت والے بالاخانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت (خواجہ) کی صورت مبارک ظاہر ہوئی اور آ کر میرے ساتھ ملحق ہوگئی، اسی اثناء میں آواز آئی کہ آج تجھے تیرے باپ کے ساتھ متحد و یک

جا کر دیا گیا ہے، اس معاملہ کا بار بار ظہور ہوا، الہام اس امر کے لیے موقوف تھا......

حضرت خواجہ اس (عریضہ) کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

فتح

جو واقعہ آپ نے دیکھا ہے اور جس کی تعبیر مانگی ہے وہ تعبیر کا محتاج نہیں ہے یہ باطنی مناسبت کے کمال کی خبر دیتا ہے جو اس مرتبہ تک پہنچ گیا ہے کہ اس نے اتحاد پیدا کر لیا ہے اور معاملات میں شرکت پیدا ہو گئی ہے، اب محض خواب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تاکید کے طور پر اس امر (معنیٰ) کا الہام فرمایا ہے، والسلام

مجھے بعض معتبر اصحاب سے یہ سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ حضرت خواجہ نے اپنے فرزندوں میں سے اگر کسی کو قیومیت کی بشارت دی ہے تو وہ حضرت حجۃ اللہ کی ذات بابرکات ہی ہے اور چونکہ قیومیت اصالت کے ساتھ مشروط ہے (۲۹۶) جو اللہ تعالیٰ نے اس طینت پاک کے نصیب میں فرما دی، آپ کے جس قدر فضائل و کمالات اور بلند مرتبہ حضرت خواجہ کے نزدیک تھا جو آپ کے والد اور مخدوم بھی تھے اور اس مخدوم زادہ کے متعلق بیان فرماتے رہتے تھے اگر حضرت خواجہ زندہ رہتے تو بہت سے امور تحریر میں آتے۔

احمر

فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ نے اس مخدوم زادہ کا (روحانی طور پر) مقابلہ (وزن) کیا تو اسے اپنے سے نصف پایا، جو ہر طرح سے روا ہے ممکن ہے بعد کی ترقی میں وہ ''مساوی'' مرتبہ پر پہنچ جائیں ....

احمر

میرے (مولف) کے ماموں بزرگ اور حضرت خواجہ کے چھٹے صاحبزادے

قدوۃ الواصلین حضرت شیخ محمد صدیق قدس سرہ کہتے تھے کہ ایک روز حضرت خواجہ سرہند شریف کی مسجد کلاں کے حوض پر نماز کے لیے وضو کرنے میں مصروف تھے اور حوض کی دوسری طرف حضرت حجۃ اللہ بھی وضو کر رہے تھے، کچھ لوگ حضرت خواجہ کے سامنے دست بستہ کھڑے تھے ان کی پشت میرے بھائی (حضرت حجۃ اللہ) کی طرف تھی، جب حضرت خواجہ کو اس کا علم ہوا تو آپ اپنی زبان الہام ترجمان سے فرمانے لگے کہ لوگ گستاخی و لاپرواہی سے اپنی پشت اس بندۂ مقرب الٰہی کی طرف کیے کھڑے ہیں جو ترقی اور وصول مراتب کمال کے لیے بھی ہوس رکھتے ہیں، جب لوگوں کو اس برے فعل کا علم ہوا تو جلد ہی وہاں سے ہٹ کر اس طرح کھڑے ہوئے کہ دونوں (بزرگوں) کا لحاظ رہے۔

گویا اس قسم کے بہت سے امور میرے حافظہ میں محفوظ ہیں جو میں نے (اس محفل کے) حاضرین سے سن رکھے ہیں۔

اس وقت صرف ایسے اسرار بیان کیے جا رہے ہیں جن کا تعلق حضرت خواجہ جو آپ کے والد بزرگوار اور مرشد عالی شان بھی تھے (۲۹۷) کے وصال کے بعد سے ہے اور اس مخدوم زادہ کے لیے (ظہور پذیر ہوئے) اور ان کو ان سے سرفراز کیا گیا، جنہیں مختصر طور پر وقت و حال کے مطابق ڈھالا گیا ہے۔

احمر

اس فقیر پر تقصیر (مولف) کو کئی بار براہ راست حضرت حجہ اللہ قدس سرہ کی زبان مبارک سے یہ سننے کا موقع ملا ہے (کہ آپ فرماتے تھے) وہ اسرار جن کا چھپانا لازم ہے اور وہ حضرت خواجہ کے حین حیات مجھ پر وارد ہوئے تھے وہ میں نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کر دیے تھے، لیکن وہ اسرار و معارف جو اس ہادیٔ ارباب کمال (حضرت خواجہ) کے وصال کے بعد تیز بارش کی طرح مجھ پر وارد (برسے) ہوئے انہیں اسی طرح سربستہ دل میں چھپائے بیٹھا ہوں، مجھے ایسا محرم ہی نہیں مل سکا

جو ان کے سننے کی تاب (قابلیت) رکھتا ہو، ان اسرار کے مراتب اتنے بلند ہیں کہ ہر سر اپنے منصۂ ظہور پر آنے سے قبل ہی ایسے (معاملات کا حامل تھا) جو وراثت و نیابت کے طور پر حضرت خواجہ کے وصال کے بعد مجھے عطا ہوا اب میں کسی ایک بھی ایسے فرد کو نہیں جانتا جو یہ اسرار سننے کے قابل ہو، مگر حضرت خواجہ نے ان کو چھپانے کے لیے واجب اسرار کی طرف اشارہ فرما دیا تھا، (حضرت حجۃ اللہ) ایک جگہ لکھتے ہیں:

فتح

اگر ان اکابر کے معاملہ کی حقیقت کا کچھ حصہ بھی بیان کیا جائے جو ہمارے نزدیک ہیں وہ دور ہو جائیں اور جو واصل ہیں راہ فرار اختیار کر لیں، سننے والا ہوش کھو بیٹھے اور بولنے والے میں تاب ہی نہ رہے......

متشابہات قرآنی اسی قسم کے زمرے میں آتے ہیں اور مقطعات فرقانی بھی اسی زمرے میں آتے ہیں، یہ دولت (علم حروف مقطعات) اصالت کے باعث صرف انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو میسر ہے اور بزرگوں (اولیاء) کو ان کی اتباع کی وجہ سے بطور وراثت بھی ملی ہے، جو بہت ہی کم اور نادر ہے۔ انتہی کلامہ

(حضرت حجۃ اللہ) کے جو احوال شریف خود ان کی زبان سے یا اکثر اکابر سے سنتے ہیں (ان کے مطابق) آپ خلوت اور ریاضت کا کامل میلان رکھتے تھے۔ آپ کھانے کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتے تھے اور ان دنوں کھانے کے وقت دو تین لقمے دو تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور کبھی تو شوربے میں انگلی ڈال کر صرف چکھ لیتے تھے، لیکن آخر کار بلکہ اس عاصی تباہ کار (مولف) کے ہوش کے دنوں میں جبکہ میں آپ کی جلوت اور نصیحت کا مختار تھا اور حضرت حجۃ اللہ کے آخری ایام حیات میں میں ۲۸ سال کا تھا اور اس کتاب کی تالیف کے وقت (میری عمر) ۴۷ سال ہے، جیسا کہ (۲۹۸) ان ایام میں میں نے مشاہدہ کیا آپ کے ارشاد کا غلبہ، وسعت ظرف،

بکثرت سخاوت، روز قیامت کے خوف، معرفت اسرار پر کمال درجہ کا اقتدار، احباب کا ذکر، قرآنی آیات کی تفسیر اور احادیث نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرح پورے وقار و عاجزی کے ساتھ کرتے تھے اور اپنے اقربا کے حقوق کی حفاظت کرتے، صدقات ادا کرتے، نماز و روزہ بکثرت رکھتے تھے، صبح و شام ادعیہ ماثورہ کا پڑھنا آپ کی عادت مبارک بن گئی تھی، آپ بہت ہی بلند مرتبہ (بزرگ) تھے۔

اب اس قبلۂ ابرار (حضرت حجۃ اللہ) کے چند ایسے مکاشفات تحریر کیے جاتے ہیں جو اس کریم غفار کی عنایت سے آپ کے شامل حال ہو گئے تھے اور حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) جو کہ آپ کے اسرار کے کامل اعتبار والے محرم تھے کی بیاض خاصہ میں آپ نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرمائے ہیں جنہیں یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

فتح

ہمارے حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ اس میں مذکور مرد سے جو مراد تھے وہ ایک تخت پر بیٹھے ہوئے دکھائے گئے اور یہ بتایا گیا کہ تم دونوں (حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ) کو میں نے توام (یکساں و جڑواں) بنایا ہے اور یہ حضرت مجدد الف ثانی کی طرف اشارہ ہے، فرماتے تھے کہ مجھے اپنے والد سے اتحاد کی نسبت حاصل ہے۔ گویا میرا ہر جز حضرت مجدد الف ثانی کا جز (خاصہ) ہے۔

ایک روز آپ (شیخ محمد فضل اللہ) حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ میں دیر تک مراقبہ میں بیٹھے رہے اور پھر سر اٹھاتے ہی فرمانے لگے اس (مراقبہ کے دوران) ''اَنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ [1]'' (میں اس کا ہمنشین ہوں جس نے میرا ذکر کیا) کا بہت ہی ظہور ہوا ہے۔

فرماتے تھے کہ مجھے یہ بتایا گیا کہ میں نے تیرے دوستوں (احباب و مریدین)

---

[1] حدیث، تخریج کے لئے ملاحظہ ہو: موسوعۃ اطراف الحدیث ۲ / ۵۱۶

کو بخش دیا ہے، اور یہ جملہ اکثر الہام ہوتا رہتا تھا، ایک روز مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمانے لگے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف لائے ہیں...... اسی طرح اور بھی بہت کچھ فرمایا ایک روز تلاوت کے دوران جب قصہٗ مہتر سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پہنچے تو فرمایا کہ ان کا یہاں بہت ہی ظہور ہو رہا ہے۔

فرماتے تھے کہ میں خود کو مکمل طور پر اصالت میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہوں کہ اس میں معلوم نہیں کیا راز ہے، کچھ عرصہ بعد اپنے چند اعضاء کو اس میں سے باہر دیکھا۔ جیسا کہ شیخ عبدالاحد (وحدت) سلمہٗ ربہٗ سے روایت ہے، بجواڑہ کی سیر کے دوران یہ درویش بھی رفیق سفر تھا کہ ایسے اسرار بیان فرمائے کہ جن کے ادراک سے ایک صاحب عقل کی عقل عاجز ہے، ہر روز کوئی نہ کوئی تازہ چیز (وارد) یا نیا معارف بیان فرماتے تھے کہ جس کو بیان کرنا منع ہے اور نہیں چاہتے کہ کوئی نامحرم (استعداد) اسے سنے (۲۹۹) یہاں تک کہ آپ اس قسم کے معارف محرمان خاص سے بھی چھپاتے تھے لیکن صرف دو اصحاب ایسے تھے جن سے بیان کر دیتے تھے (اول) ملا ذی حقائق و معارف آگاہی شیخ عبدالاحد (وحدت) (اور دوم) اس درویش (مولف)، اس سفر کے دوران بھی آپ اکثر مراقبہ میں مشغول رہتے تھے اور اکثر روزہ کی حالت میں ہوتے تھے، نماز عشا کے بعد اس طرح کھانا تناول فرماتے کہ اپنی انگلیوں کے سرے شوربے میں ڈال کر چکھتے اور اکثر اس پر اکتفا کرتے تھے، لیکن جب ان سے بڑی عاجزی کے ساتھ کہا جاتا کہ کچھ کھا لیں...... تو فرماتے کہ میری نیت کھانے کی نہیں تھی اور کبھی یہ بھی فرماتے کہ میرے پاس فرشتوں کا اتنا ہجوم ہے کہ میں کھانا کھا ہی نہیں سکتا کہ ایسا نہ ہو کہ مجھ سے ایسی بدبو سرزد ہو جائے کہ وہ مجھ سے متنفر ہو جائیں۔

ایک روز فرمانے لگے کہ اصالت کے حصول کا ایک ذریعہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تخمیر طینت کی راہ سے ہے اور دوسرا ذریعہ بھی اس کو حاصل کرنے کا ہے جسے حضرت خواجہ نے بیان فرمایا ہے کہ مجھے یہ بتایا گیا کہ تجھے تمام پر فضیلت دی گئی،

جب میں نے اس مرد بزرگ کی طرف توجہ کی تو مجھے کچھ معلوم نہ ہو سکا بلکہ میں تو ان کی خاک پا ہوں اور آپ اپنی زبان مبارک سے اکثر یہ جملہ ادا فرماتے تھے، کسی کو اقل قلیل بھی اس سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اس میں کیا راز تھا...... میں نے پھر عرض کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں بھی کچھ معلوم ہوا؟ فرمانے لگے کہ میں نے عرض کیا تھا، پھر فرمایا کہ (مجھے بتایا گیا) کہ تجھے آنحضرت کے مقام خاص میں داخل کر دیا گیا ہے یہی وجہ ہے تمہیں کسی کی فاضلیت و افضلیت کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوتا۔

راتوں میں سے ایک رات کو بہت ہی خوشی اور انبساط سے فرمانے لگے کہ آج مجھ پر بڑی عجیب حالت طاری ہوئی، سارا دن خلوت میں ہیجان انگیز نعروں سے گزارا اور پھر بعض ایسے اسرار بیان فرمائے جن کا چھپانا لازم تھا اور مجھے آگاہ کیا گیا کہ تجھے فلاں مقام پر فائز کیا گیا ہے، جب میں عاجزی اور عدم لیاقت کے باعث اس مقام کو (جو مجھے عطا کیا گیا تھا) پہچان نہ سکا تو اس مقام کے بارے میں استفسار کیا تو الہام ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے چند وہ کلمات جن کے اظہار کی اجازت دی گئی ہے، لکھو اور اسے اعتقاد اور محبت کے ساتھ سننا چاہیے (ترجمہ آیت) ''اور تم انکار کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا'' اگر تمہیں اس پر اعتقاد محبت نہ بھی ہو تو صرف اتنا باور کر لو کہ ان اسرار کے بیان کرنے والا اس درگاہ عالی کے خاص محروموں میں سے ہے۔ اگر کوئی چیز (راز الٰہی و الہام) تمہاری عقل میں سما نہ سکے تو یہ تصور نہ کرنا کہ وہ مبالغہ کر رہا ہے اور اگر کسی کو شبہہ نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ خود ان امور کی طرف رجوع کرے اور دیکھے کہ کیا کوئی (۳۰۰) اور اس قدر دروغ سے کام لے سکتا ہے یا وہ دل سے یہ تمام معارف بیان کر رہا ہے...... لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے دل سے اللہ تعالیٰ کا خوف جاتا نہ رہا ہو، ورنہ (حافظ) کے اس شعر کا مفہوم بہت کم لوگ سمجھتے ہیں:

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست | ہم قصۂ غریب و حدیث عجیب ہست

یہاں تک اس راقم تباہ کار (مولف) کے والد بزرگوار و مرشد عالی مقدار کا کلام تھا جس میں میں نے معمولی سا بھی تصرف (ردوبدل) نہیں کیا............

اب میں ایسے معاملات بیان کر رہا ہوں جو ادھر ادھر سے سنے ہیں:

احمر

اقطاب دستگاہ شیخ محمد زبیر سلمۂ ربۂ فرماتے تھے کہ ایک بار حضرت حجۃ اللہ نے خواب دیکھا کہ میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور مجھے "ید بیضا" کا معجزہ بھی (عطا ہوا ہے) یہ دراصل ان کو رسالت و نبوت کے کمالات کے حاصل ہونے کی طرف اشارہ تھا نہ کہ اس منصب (نبوت) کی طرف تھا جو ختم ہو چکا ہے۔

احمر

انہی عارف خدا آگاہ (خواجہ محمد زبیر سرہندی) سے سنا ہے کہ حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ کو جب ضعف دل کے مرض کے دوران جبکہ آپ اپنی زنانہ حویلی میں ایک تختہ پر خلوت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک فرشتہ اپنی اصل صورت میں ظاہر ہوا اس کے سر پر دستار معلّیٰ بھی تھی اس نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو سلام بھیجا ہے، آپ تواضع بجا لائے سر اٹھا کر دیکھا...... آپ کا اس فرشتہ کو دیکھنے کا عمل سر کی آنکھوں سے تھا یعنی سر سین کے زبر والا نہ کہ وہ سر یعنی سین کے زیر والا (یعنی چشم روحانی کے بجائے چشم جسمانی) سے دیکھا...... فقیر (مولف) کو یہ بھی یاد ہے کہ جب فرشتہ نے سلام پہنچایا تو حضرت نے جواب دیا "اللھم انت السلام و منک السلام تبارک یا ذالجلال والاکرام"

احمر

یہ بھی حضرت مخدوم زادہ مذکور (شیخ محمد زبیر سرہندی) سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ مرض کے غلبہ کے دوران حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ نے دعائیں کرتے ہوئے عرض کیا کہ یا الٰہی اس مرض نے مجھے بہت ہی عاجز کر دیا ہے، تو فارسی زبان میں

آپ کو الہام ہوا کہ تیری عاجزی قبول کر لی گئی ہے، اس کے بعد آپ کو روز بروز شفا ہونے لگی۔

احمر

(۳۰۱) اس حقیر پر تقصیر (مولف) نے حضرت حجۃ اللہ کی زبان درفشاں سے براہ راست متعدد مرتبہ یہ سنا ہے اور اب یہی بات اقطاب دستگاہی شیخ محمد زبیر سے بھی سنی ہے، کہ حضرت حجۃ اللہ جب دوسری مرتبہ حجاز کے سفر پر روانہ ہوئے تو (راستے میں) آپ کا جہاز تباہ ہو گیا، آپ بندرگاہ مسقط میں پہنچے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا پھر (دوسرے جہاز پر) سوار ہونے اور دولت حج نصیب ہوئی۔ مسقط میں قیام کے دوران تو ایک شب اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات سے نوازے گئے کہ الہام ہوا کہ کل قیامت کے روز تیری شفاعت سے ستر ہزار انسانوں کی بخشش ہو گی، چونکہ یہ بات بہت ہی عمدہ نوعیت کی تھی جب چاہا کہ اس الہام کی تصدیق ہو تو یہ الہام ہوا کہ کل بی بی مریم نام کی ایک عورت جو کہ آپ کی رفیقہ سفر اور اورنگ زیب عالمگیر کے محل میں بھی معزز تھیں آپ کے لیے کوئی چیز ارسال کریں گی اگر اس دن واقعی وہ چیز آپ کے لیے آ گئی تو سمجھ لیجیے کہ آپ کا الہام صحیح ہے اور اگر نہ آئی تو بس ایسے ہی ہے، اگلے روز آپ منتظر تھے کہ ظہر اور عصر کے مابین کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عورت اپنے سر پر کھانے کے قسم کی کوئی چیز سر پر رکھے آ گئی اور سلام کے بعد عرض کیا کہ بی بی مریم نے یہ نان و حلوہ بھیجا ہے، فرماتے تھے کہ بی بی مریم کے ہدیہ سے مجھے جس قدر خوشی ہوئی اگر روی زمین کی بادشاہت بھی مجھے ملتی تو وہ اس مسرت کے عشر عشیر کے برابر نہ ہوتی۔

اگر جناب شریف (حضرت حجۃ اللہ) کے اس قسم کے معاملات جو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کو عطا ہوئے لکھے جائیں تو اس کتاب کے حجم جیسی الگ کتاب تیار ہو جائے۔

آپ کے آخری ایام میں فرض عبادات خصوصاً نماز میں جو بھی آپ کے شریک

ہوتا تو اس کا معاملہ (روحانی ترقی) دوسری جگہ نماز ادا کرنے سے زیادہ بہتر ہوتا، خاص طور پر عشاء کی نماز جس کی (روحانی) کیفیت دوسری نمازوں سے مخصوص ہوتی ہے (زیادہ روحانی سرور محسوس کرتا)

احمر

ایک روز ایک طالب نے بیعت ہونے کی درخواست کی فرمانے لگے کہ آج تم عشاء کی نماز ہمارے ساتھ ادا کرو اس نے کہا بہت اچھا تو فرمایا کہ اس طرح جو فیض تم کو میسر آئے گا وہ ارادت مندی کے فیض سے زیادہ بہتر ہوگا۔ جب کبھی آپ بہت خوش ہوتے تو اپنے اصحاب کو اسی قسم کے عمدہ امور سے آگاہ فرماتے اور خاص طور پر تین حضرات یعنی اپنے والد (حضرت خواجہ محمد معصوم) جد (حضرت مجدد الف ثانی) اور اپنے چچا (حضرت خواجہ محمد سعید) کے واقعات بیان فرماتے اور اس دوران حدیث شریف کی شرح بھی بیان کرتے تھے۔

احمر

ایک روز آپ نے ایک مقام کی تفسیر کرتے ہوئے یہ نکتہ بیان کیا کہ مفسرین نے اس موضوع پر بالکل غور ہی نہیں کیا ہے، اور کثرت مطالعہ کے باوجود وہ اس امر سے بے خبر رہے اور یک نظری مطالعہ سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ان کے افکار کی وہاں تک رسائی نہیں ہوئی ہے مطلب (۳۰۲) یہ کہ آپ کا وجود دراصل رحمت الٰہی کے ظہور کا باعث تھا، ہم ان امور کے متعلق جس قدر تفصیل میں جائیں دل و آنکھ اس سے زیادہ کے طالب ہوتے جائیں گے لیکن اس معاملہ میں میانہ روی کے باعث ہم زیادہ طوالت میں نہیں جا سکتے۔

اب میں آپ کی چند کرامات بیان کر کے اس کنز کو ختم کرنا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ کے بعض فرزندوں کے احوال بھی بیان کروں گا۔

احمر

میر ظریف کے والد مرزا میر جو کہ حضرت حجۃ اللہ کے مرید خاص تھے اور ان کے آبا و اجداد (بھی اس خانوادہ) سے ارادت رکھتے تھے، ایک روز حاضر خدمت ہوئے، ان دنوں وہ دارالملک کابل سے بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) کے لشکر میں جو کہ بمقام برم پوری میں اقامت گزین تھا اور حضرت حجۃ اللہ ان دنوں بادشاہ اسلام (اورنگ زیب) کے لشکر کے ساتھ تھے میر مذکور حضرت کے خیمہ کے قریب ہی خیمہ زن تھا اور اپنے کام میں مصروف تھا کہ اچانک لشکر میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی، اس نے اتنی شدت اختیار کی کہ مریضوں کی چارپائیاں ہرگز کے فاصلے پر بچھ گئیں اور ان کے شور و غوغا سے اہل علاقہ کے ہوش جاتے رہے، حضرت حجۃ اللہ کو بلایا گیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا نام چند بار لیا، اگرچہ آپ اس وقت عشاء کی نماز کے بعد اپنی قیام گاہ کی طرف جا رہے تھے بڑی مہربانی کرتے ہوئے میری طرف متوجہ ہوئے اور بیماروں کے پاس بھی گئے تو مریض نے نہایت اضطراب سے عرض کیا کہ آپ کے بڑے بھائی نے میرے والد کو جو چھ سال سے بخار میں مبتلا تھے ایک نفس میں ہی اس کی بیماری دور کر دی اب آپ سے التماس ہے کہ آپ تصرف فرمائیں تا کہ اس مصیبت سے نجات مل سکے، آپ نے ختم کا کھانا دیا کہ فوراً کھا لو انہوں نے کھایا تو انہیں فوری طور پر شفا ہوگئی کہ گویا مرض کا نشان تک نہیں تھا وہ اس کے بعد عرصہ دراز تک بقید حیات رہے، کابل کی طرف چلے گئے وہاں بھی چند سال زندہ رہ کر (طبعی) موت سے فوت ہوئے، رحمۃ اللہ سبحانہ۔

ابیض

دارالظفر بیجاپور اور دارالجہاد حیدر آباد کی فتح کی خوشخبری حضرت حجۃ اللہ نے بادشاہ خلد منزل (اورنگ زیب) کو دی تھی جو کہ آپ کے فرمان کے مطابق صحیح ثابت ہوئی۔

ابیض

ایک روز ارشد خان کے گھر میں حضرت حجۃ اللہ کی دعوت تھی جبکہ وہ بلدۂ فاخرہ کابل کا دیوان تھا، وہاں طلائی نقش بھی تھے جو کہ مغلوں کے ہاں رسم ہے، آپ اس وقت مراقب بیٹھے ہوئے تھے کہ سر اٹھا کر اس مجلس میں حاضرین اور ارشد خان سے جو معارف اس وقت معلوم ہوئے بیان فرمائے، یہ راقم سیاہ کار (مولف) نے جو کہ اس وقت خدمت میں حاضر تھا دل میں سوچا کہ آپ کی ذات عالی درجات تو وہاں حاضر نہیں تھی پھر یہ سب معارف و اسرار کیسے بیان فرما رہے ہیں اگرچہ آپ مجتہد ہیں اور ازخود اختیار فرما سکتے ہیں یہ خیال آتے ہیں احقر کی جانب (۳۰۳) کمال محبت سے نگاہ فرماتے ہوئے کہنے لگے کہ حضرت خواجہ نے بھی اس طلائی نقش کے بارے میں سن رکھا تھا اور آپ بھی اس مجلس کے معارف بیان کرتے تھے .... کہتے ہیں کہ جب بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) اور بیجا پور و حیدر آباد کے والیوں کے مابین جنگ نے طول کھینچا اور اس فتح میں کئی سال لگ گئے تو بادشاہ نے تردد کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے تو فتح کی بشارت دی تھی لیکن تا حال اس کی کوئی صورت نظر نہیں آئی لیکن فتح کا کوئی وقت متعین نہیں کیا تھا کیوں کہ اس معاملہ میں خود کسی حتمی بشارت پر نہیں پہنچ سکا تھا میں اب بھی اپنے قول پر قائم ہوں اور واضح الفاظ میں کہتا ہوں کہ فتح تمہاری ہوگی، کشفی معاملات میں بعض ہوس زدگان بے سر انجام نے آپ کی زبان سے فتح کی بشارت ملنے پر جبکہ وہ فوری طور پر پوری نہ ہو سکی تو طعنے دینے لگے۔ اسی لیے یہ روایت نقل کرنا پڑی اگر آپ ساتھ ہی وقت کا تعین بھی فرما دیتے تو یہ اختلاف ہی پیدا نہ ہوتا، بہرحال قرب و کمال کا مدار کشف الٰہی پر ہے جس کا تعلق اللہ کی ذات والا صفات سے ہے نہ کہ کشف کونی پر جس کا اہل نظر کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں ہے۔

احمر

ایک معاصر صالح آدمی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ بادشاہ خلد مکان

(اورنگزیب) نے حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ سے سوال کیا کہ اس ہزارہ کے مجدد کے سلسلے میں بہت اختلاف ہے، اکثر لوگ مجھے مجدد کہتے ہیں لیکن آپ کے جد اعلیٰ بھی اسی لقب سے ملقب ہیں، اس لیے اس معاملے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میرے جد بزرگوار (حضرت مجدد الف ثانی) کو حضرت رب الارباب کی طرف سے یہ لقب بذریعہ الہام ملا تھا اگر آپ کو بھی اس قسم کا الہام ہوا ہو تو خود کو مجدد کہنے میں کیا مضائقہ ہے؟ اس جواب سے بادشاہ کے چہرے سے کمال درجہ کی پشیمانی ظاہر ہوئی اور اس نے سر جھکا لیا۔

اب موقع کی مناسبت سے حضرت حجۃ اللہ کے وصال کے معاملات بیان کر رہا ہوں:

ابیض

امام ہمام غوث انام (حضرت حجۃ اللہ) کی آخری عمر مبارک میں جب رمضان آیا تو آپ کافی بوڑھے ہو چکے تھے اور امراض کا غلبہ ہو گیا تھا، علماء نے اس وقت آپ کے لیے روزہ نہ رکھنا ہی مفید تصور کیا اور حکیموں نے بھی یہی تجویز کیا، اور آپ کو جو الہام ہوا وہ بھی یہی تھا کہ اگر تم نے روزہ رکھا تو تمہاری کشتی ڈوب جائے گی، فرمانے لگے کہ الہام محض قیاس آرائی ہے اور روزہ (۳۰۴) تو فرض قطعی ہے، میں کسی صورت میں بھی فرض قطعی کو قیاسی الہام پر ترجیح نہیں دے سکتا اور یہ الہام میری اسی سال وفات کی اطلاع دینا بھی ہو سکتا ہے، یہی تقدیر ہے، زندگی کتنی اور کہاں تک ہو سکتی ہے؟ اللہ سبحانہ نے اسی سال کا کر دیا ہے بلکہ ایک سال تو اوپر ہی ہو گیا ہے کہ اس سے زیادہ کی خواہش اب نہیں رہی ہے۔ اور میں اپنے آپ میں روزہ رکھنے کی طاقت محسوس کرتا ہوں۔ اگرچہ بڑھاپا اور وقتی امراض روزہ رکھنے میں مانع ہیں لیکن مجھ میں روزہ رکھنے کی پوری قوت موجود ہے، پس علماء و حکماء خاموش ہو گئے اور آپ نے ماہ رمضان کے پورے روزے رکھے اور تراویح میں قرآن مجید کا ختم بھی سنا اور عید کا

دن اس کے بعد آپ نے اس شہر معظم یعنی سرہند شریف میں دوبارہ نہ دیکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگلا رمضان آپ نے نہ دیکھا اور ۹ محرم الحرام کو شب جمعہ سنہ ایک ہزار (ایک سو) پندرہ ہجری (۱۱۱۵ھ) میں رحمت حق سے واصل ہو گئے آپ کی عمر مبارک کامل اکاسی سال ہوئی۔

آپ کے وصال کی شب کی کیفیت بیان کرنے کی قلم میں تو قوت ہی کہاں ہے، بس یوں کہیے کہ لیلۃ القدر کے متلاشی حضرات کو جو اس کی نگرانی میں لگے رہتے ہیں انہیں وہ شب مل گئی، یہ فقیر (مولف) اپنے پیر روشن ضمیر یعنی والد بزرگوار (شیخ محمد فضل اللہ) کے ہمراہ اس شب کو موضع شیر پور جو کہ دریائے ستلج کے دوسری جانب ہے میں مقیم تھا، شام کے آغاز میں ہی آپ (شیخ فضل اللہ) نے اس رات کی تعریف کا آغاز کر دیا اور اس ماجرے سے آگاہ کر دیا جس سے سارے قصبہ کے مکینوں کو جمعیت باطن اور حضوری میسر آئی یہاں تک کہ وہ لوگ بھی جو جمعیت اور حضوری سے تمام عمر مطلق واقف ہی نہیں تھے وہ بھی اس رات کو بڑی حلاوت محسوس کرتے تھے بلکہ اس قصبہ کے اردگرد رہنے والوں نے بھی اس رات کی جمعیت کا اقرار کیا، کہ گویا وہ شب قدر کی مانند تھی، جو آپ کی بارگاہ میں باریاب ہوئے تھے وہ دریائے نور میں مستغرق ہو گئے اور وصال کے قریب حضرت حجۃ اللہ کے امراض کا تذکرہ بھی آپ کی زبان مبارک پر آ گیا، اگرچہ حضرت حجۃ اللہ کچھ کہتے تھے لیکن اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا تھا یہ حالت تقریباً چھ دن تک رہی البتہ وصال کی رات کو اسم ذات کا ذکر آپ کی زبان پر جاری ہو گیا تھا۔

اہم

عالی حضرت کی صاحبزادیوں میں سے ایک آپ کی خدمت میں اس وقت حاضر تھیں، آپ نے ان کے والد گرامی (شیخ محمد صبغۃ اللہ) کے بارے میں بڑی شفقت سے دریافت کیا تو صاحبزادی نے عرض کیا کہ وہ کابل میں تشریف رکھتے ہیں اور ان کا

خط آیا ہے اور آپ کو سلام بھی لکھا ہے، اس سے آپ کے چہرۂ مبارک سے خوشی کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا، جہاں تک آپ میری بات سمجھ سکے جواب کے طور پر لب کشائی فرمائی۔

(۳۰۵) ایک روز اسی مرض کے دنوں میں آپ حسب معمول کتب حدیث میں سے کسی کتاب کا درس دے رہے تھے کہ جب قاری لفظ ''اجل دعة امراة'' پر پہنچا تو آپ نے کچھ ایسے نکات بیان فرمائے کہ حاضرین میں سے کوئی بھی کچھ نہ سمجھ سکا، آپ نے (اپنے کلمات) چند مرتبہ دہرائے لیکن پھر بھی کوئی نہ سمجھا لیکن فقیر (مولف) پہلی مرتبہ ہی سمجھ گیا، لیکن خاموش ہی رہا کیوں کہ کوئی دوسرا اسے سمجھ نہیں سکا تھا، آخر میں نے کہا کہ جو کچھ جناب نے فرمایا ہے بہت ہی مشکل ہے، آپ نے نہایت خوشی سے فرمایا کہ میں نے یہی بات کہی ہے۔

اس سے اگلے روز ہمیں ایک گاؤں جانا پڑ گیا اس کے صرف چھ دن بعد آپ نے سفر آخرت فرمایا، آپ کے وصال کے دوسرے دن شہر (سرہند) پہنچ کر آپ کی قبر مبارک کو بوسہ دیا۔

آپ (حضرت حجۃ اللہ) کا روضہ مبارک سرہند شریف میں باغ فتحہ کے قریب واقع ہے............

آپ کی تاریخ وصال ''نور محض بود[1]'' (سے ۱۱۱۶ھ برآمد ہوتے ہیں) ہے، آپ کی اولاد میں سے تین فرزند مرتبۂ کمال پر فائز ہوئے۔ ان میں سے سب سے بڑے عارف خدا طالب مطلوب بے ہمتا شیخ ابوالاعلیٰ قدس سرہ ہیں جو صاحب جود و استغنا اپنے والد کے بحار معارف و اسرار کے گوہر نایاب ہیں ان کا کشف کامل حد تک صحیح ہے جو سننے اور دیکھنے میں آیا جو اسلاف جیسا ہے۔ اپنے احوال کو پوشیدہ رکھنا آپ کا شیوۂ کمال تھا، آپ کے چہرہ کی شگفتگی اور ہر حال میں مخلوق پر احسان آپ کا

---

[1] اختلاف کے لیے دیکھئے تعلیقات کتاب حاضر ۳۰۵/ ۱۴۔

طریقہ شریفہ تھا۔

شیخ ابو الاعلیٰ نے پہلے تو قیوم عالم حضرت خواجہ (محمد معصوم) سے طریقہ کی تعلیم حاصل کی لیکن اپنے والد گرامی (حضرت حجۃ اللہ) کی خدمت میں رہ کر درجۂ کمال کو پہنچے۔

احمر

آپ کے صاحبزادے عارف بلند سیر شیخ محمد زبیر **سلمۂ ربہٗ** کہتے تھے کہ (۳۰۶) حضرت حجۃ اللہ مجھ سے فرماتے تھے کہ میرے بھائی اپنے فرزندوں کو حضرت خواجہ (محمد معصوم) کی خدمت بابرکات میں لے جاتے تھے اور میں تمہیں بھی اپنے والد (حضرت خواجہ) کے پاس لے گیا، ان میں سے ہر ایک کو آپ نے ذکر کی تلقین کے بعد توجہات دیں اس کے بعد ہر ایک کو قبولیت حاصل ہوئی اور ہر ایک اپنے اپنے دیار کی طرف چل دیا، آپ نے میرے قریب آ کر آہستہ سے ارشاد فرمایا کہ تمہارے اس فرزند (شیخ ابوالاعلیٰ) میں معنی کا ظہور ہوا ہے، اس راقم گناہ گار (مولف) کے نزدیک یہاں معنی سے مراد ہے "**الولد سر لابیہ**" اس کے بیٹے کا وجود مبارک گویا اپنے والد (حضرت حجۃ اللہ) کی صحیح و حقیقی تصویر تھی جو آپ کی نظر مبارک میں آ کر اپنے تصرف سے آگاہ ہوا، ایک ناقص اور کوتاہ اندیش یہ نہ سوچے کہ ان کے بیٹے کے اوصاف محض اس لیے بیان کیے گئے کہ ان کا فرزند ہے، یہ تو ہوا و ہوس سے بالکل پاک بات ہے گویا یہ صفات ان کی ذات میں پوری طرح جلوہ گر تھیں جو حضرت حق سبحانہ نے محض اپنے فضل سے ان میں ودیعت فرمائی تھیں اور انہیں اپنے آبائے کرام کا وارث بنایا، (جیسا کہ اس آیت مبارکہ سے واضح ہے) (ترجمہ) کہ "یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے اور وہ بڑے فضل والا ہے"

حضرت خواجہ محمد زبیر نے چند سال برقع بھی پہنا کسی نے ان کا چہرہ نہیں دیکھا اور نہ ہی وہ کسی مخلص کے ہاں اس دوران گئے۔

جناب قبلہ گاہی اخوت پناہی مرحومی شیخ عزالدین احمد قدس سرہ (برادر مولف) فرماتے تھے کہ میں بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) کے لشکر ظفر پیکر کے ہمراہ بیجا پور کے نواح میں عارف خدا شیخ ابوالاعلیٰ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ سرہند سے قاصد آیا اور اس نے وہاں کے لوگوں کے خطوط پہنچائے ان میں سے ایک مکتوب ان کے والد گرامی (حضرت حجۃ اللہ) کا بھی ان (شیخ ابوالاعلیٰ) کے نام تھا، جب اسے کھولا گیا تو اس قسم کے تعریفی القاب لکھے ہوئے تھے:

اقطاب پناہی میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے:

احمد

چند روز قبل حضرت پیر دستگیر حجۃ اللہ نے مجھے (شیخ ابوالاعلیٰ) کو قطبیت کی بشارت دی تھی لیکن مجھے بوجہ اس امر میں تردد تھا جب مجھے ان کی تحریر مل گئی تو اطمینان قلب نصیب ہوا، جاننا چاہیے کہ میرے (شیخ عزالدین) والد بزرگوار ان کے خالو ہوتے ہیں اور ان کے مقابل یعنی ان کے والد جو کہ حضرت حجۃ اللہ ہیں میرے بھی خالو ہوئے .... حضرت حجۃ اللہ نے اپنے اس فرزند گرامی کو قطبیت کی بشارت دی تو ان (شیخ ابوالاعلیٰ) کو اس میں تردد ہوا جس کی وجہ یہ تھی کہ قطب (۳۰۷) ایک زمانہ میں ایک سے زیادہ نہیں ہوتے یہاں کونسی قطبیت مراد ہے؟ قطبیت مطلق یا مقید؟ ان کی تعداد ممکن ہے زیادہ ہو بلکہ ہو سکتی ہے۔

اس مخدوم زادہ (شیخ ابوالاعلیٰ) کا وصال اپنے والد کے حین حیات ہی ہو گیا تھا، منصب قطبیت تسلیم کر لینے کے باوجود چونکہ وہ آپ کے کشف صحیح میں نہیں آ سکا تھا اس لیے انہوں نے اسے اپنے لیے قبول نہ فرمایا، آپ کے کشف اور دوسرے اکابر کے کشف کے مطابق یہ قطبیت ان کی ذات والا صفات کے عین مطابق تھی، لیکن قطبیت کا لبادہ اوڑھنا آپ (حضرت حجۃ اللہ) کے وصال کے بعد ممکن تھا جب کہ ان (شیخ ابوالاعلیٰ) کا وصال حضرت حجۃ اللہ کے حین حیات ہو گیا تھا اس لیے اب یہ

خلعت قطبیت ان کے صاحبزادے (شیخ محمد زبیر) کو زیب تن ہو گی، جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

حصول کمالات وقطبیت کے مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود آپ نے اسے قبول نہ کیا تو ان کے وصال کے بعد ان کی اولاد میں منتقل ہو گیا، ....

حضرت حجۃ اللہ کے فرزند شیخ محمد زبیر **مدظلہ** اس مسند کی زیبائش ہیں اس مخدوم زادہ کی حکایات، مکشوفات اور کرامات اس درجہ کی ہیں کہ بیان میں نہیں آ سکتیں، آپ کو معلوم ہے کہ وہ اپنی آخری عمر کے تین چار سال سوزاک کے مرض میں بری طرح گرفتار رہے اگرچہ حضرت حجۃ اللہ نے اس مرض سے جلد ہی افاقہ کی بشارت بھی دی تھی، کامل اعتقاد کے باوجود وہ اسے قبول نہیں کرتے تھے۔ اس کی توجیہ یہ ہے کہ شیخ محمد زبیر کو اپنے حسن خاتمہ کا علم ہو چکا تھا چوں کہ حضرت کی توجہ آپ کی عافیت کی جانب تھی۔

اس لیے آپ اس افاقہ کی بات کرتے تھے بلکہ آپ نے تو اس امر (بشارت صحت) کے لیے دیگر اولیاء سے بھی استفادہ کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت حجۃ اللہ نے اپنے شدت مرض کے ایام میں تیسرے حج کا ارادہ کر لیا تھا، اگرچہ آپ اس سے قبل دو مرتبہ حج کر چکے تھے اول حضرت خواجہ محمد معصوم کے ہمراہ دوسرا سفر آپ کے وصال کے بعد کیا تھا جس میں یہ مخدوم زادے (شیخ ابوالاعلیٰ) بھی ہمرکاب تھے اب تیسرے سفر میں انہوں نے ان کو اپنا رفیق سفر بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا، آپ نے اسے حکم تصور کرتے ہوئے ناموافقت کے باوجود استخارہ کیا اور شاہ جہان آباد تک ہمراہ آئے وہاں انہوں نے خواب میں حق تعالیٰ کو دیکھا اور پوشیدہ رکھنے کے قابل اسرار سنے اور ۱۳ شعبان المعظم ۱۱۰۶ھ (۳۰۸) یا ۱۱۰۷ھ کو ۴۳ سال کی عمر میں واصل بحق ہوئے، غربت کی موت (وفات دوران سفر) خصوصاً حج کے ارادے سے نکلنے پر شہادت کے (مساوی) ہوتی ہے، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

وہاں (شاہ جہان آباد) سے آپ کا تابوت سرہند بھیجا گیا اور حضرت خواجہ محمد معصوم کے روضہ کے گنبد کے اندر دفن کیے گئے، اگرچہ حضرت حجۃ اللہ نے متعدد مرتبہ یہ لکھا کہ وہ جگہ جو میں نے اپنے روضۂ معظمہ کے لیے مخصوص کی ہوئی ہے میں نے اس فرزند کو بخش دی ہے فقیر (مولف) نے آپ کا یہ مکتوب خود مطالعہ کیا ہے، جاننا چاہیے کہ حق سبحانہ کو خواب میں دیکھنا علماء کرام کے نزدیک جائز ہے۔

اب میں آپ (شیخ ابوالاعلیٰ) کے فرزند شیخ محمد زبیر سلمہٗ ربہٗ کے ملفوظات میں سے چند بلند پایہ معارف و کمالات کا اظہار کر رہا ہوں ....

آپ کے والد بزرگوار (حضرت حجۃ اللہ) شیخ محمد زبیر کو جب کہ وہ کم سن تھے اپنے خالو صاحب یعنی حضرت والدی و مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) کی خدمت میں لے گئے وہ کہنے لگے کہ مجھ سے حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا تھا کہ میں تیرے اس فرزند (شیخ محمد زبیر) میں خاندانی کمالات جلوہ گر دیکھتا ہوں، اس امر کی سماعت سے قبل (آپ نے فرمایا):

احمر

حضرت قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) نے خواجہ محمد زبیر کو بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھا ہے وہ (ہمارے) گھر آئے تو فرمانے لگے کہ ایک بچہ کو دیکھا ہے کہ عالی جضرت کے تمام کمالات نے اس کے چہرے کو منور کر دیا تھا پیر محمد نے جو کہ اس روایت کے راوی ہیں اس امام ہمام (شیخ محمد فضل اللہ) سے کہا کہ یہ میاں شیخ ابوالاعلیٰ جی کے فرزند ہیں، فرمایا کہ مجھے یاد ہے، اس میں قطبیت کا ظہور جلوہ گر ہوگا۔ اور کارخانۂ کائنات اس عالی نژاد کے سپرد ہوگا، ان کے والد ماجد کے سفر آخرت اختیار فرمانے کے بعد جبکہ وہ (خواجہ محمد زبیر) صرف تیرہ سال کے تھے حضرت حجۃ اللہ کی صحبت اختیار کر کے حصول کمالات کے لیے کمر ہمت باندھ لی، اور ان کے ساتھ حرمین الشریفین کا پورا سفر کیا اور صورت و حقیقت کعبہ مقدسہ کا حصول بھی ہوا اور میرے والد

بھی ان کی ترقیات کے لیے ہمت کرنے لگے (۳۰۹)، تو ان کا باطنی معاملہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا، اور انہیں عالی شان بشارتوں سے نوازا ان میں اکابر کے کمالات کی تحقیق بھی ہوگئی اور اپنے والد کے تمام کمالات ان میں جلوہ نما ہونے لگے، ادائی حج کے بعد جب آپ نجستہ بنیاد حیدر آباد (دکن) پہنچے تو یہ مسکین بھی اتفاق سے وہاں موجود تھا تو اس عالی مقدار (خواجہ محمد زبیر) کے لیے بے شمار الطاف اپنے حال میں مشاہدہ کیے، اور حضرت حجۃ اللہ کے نزدیک ان کی قدر و منزلت بہت زیادہ ہوگئی اس کے بعد اس تحریر سے قبل بھی ان کی عنایات کا مشاہدہ کیا اس کے بعد ایک سفر کابل میں میں ان کے ساتھ تھا۔

اب یہاں حضرت حجۃ اللہ **قدس سرہ** کے چند مکاتیب جو خواجہ محمد زبیر کے نام ہیں اور جو بشارات کے حامل ہیں اس فقیر (مولف) نے ان کے بارے میں سوال کیا کہ اگر موجود ہوں تو یہاں نقل کر دوں تو آپ فرمانے لگے کہ میں وہ مکاتیب ایک دوست کو دے چکا ہوں۔

غرض کہ حضرت حجۃ اللہ کے وصال کے وقت خواجہ محمد زبیر کی عمر ۲۲ سال تھی (اس کم سنی میں) آپ نے انہیں خلافت کا خرقہ اور دستار ارشاد عنایت کی۔

اس وقت خواجہ محمد زبیر کی عمر چالیس کے درجہ میں ہے اور ان کے کمالات میں پختگی اور بالیدگی آچکی ہے.........

کبھی کبھی جب کہ آپ کے مزاج میں فرخندگی ہو اور اس فقیر (مولف) پر چونکہ آپ خاص مہربانی فرماتے ہیں اس لیے اپنے ایسے معارف بھی بیان کر دیتے ہیں جن کی انہیں بشارت دی گئی ہو، ان میں سے یہاں ایک بیان کیا جا رہا ہے:

احمر

فرماتے تھے کہ ایک روز سفر حجاز کے دوران میرے جد بزرگوار (شیخ حجۃ اللہ) نے ایک ظاہر مقام کی بشارت دی، میں نے عرض کیا کہ اس مقام کے لیے تو ارشاد کی

شرط بھی ہے، آپ نے اسی قدر معلوم فرمایا اور بتایا کہ اس کا ظہور عمر کے مطابق ہوگا چنانچہ اسی طرح ہوا کہ ان کا ارشاد آج چار دانگ عالم میں پھیل چکا ہے اور اس سے زیادہ کی امید بھی ہے۔

آپ کے بعض مریدین ''مرتبۂ صفا'' تک پہنچ چکے ہیں جو کہ ''غیب ہویت'' کے آئینہ دار ہیں اور ان کی صحبت سے ''انوار بے کیف'' انہیں حاصل ہو چکے ہیں (۳۱۰) اور اہل بصیرت پر یہ سب کچھ عیاں ہے، جب سوال کیا گیا تو فرمانے لگے کہ یہ تو فرقہ ثانیہ کا معاملہ ہے۔ میرے مریدین میں سے اگر طالب مطلوب (کو احوال) حاصل نہ ہوں تو وہ حضرت (حجۃ اللہ) کی خدمت عالی میں جا کر حاصل کرتا ہے، اس قطب دائرہ افلاک (شیخ محمد زبیر) کے کمالات و حالات عالی اور تصرفات و کرامات غریبہ اس درجہ کی نہیں ہیں کہ ان چند اوراق میں انہیں سمویا جا سکے۔

شب و روز کی جن عبادات میں آپ مصروف ہیں ایک انسان کی قوت تائید الٰہی کے بغیر ایک دن یا رات کے لیے ممکن نہیں .... اگر میری (مولف) کی عمر نے وفا کی تو اس کتاب (مقامات معصومی) کی تالیف سے فراغت کے بعد ان کے بعض حالات، معارف اور معمولات پر ایک الگ رسالہ لکھوں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ، حق سبحانہ بطریق احسن اس تمنا کے پورا کرنے کی توفیق سے ممتاز فرمائے اور اس عاصی (مولف) پر اپنی سعادت کا دریچہ کھولے۔

حضرت حجۃ اللہ کے دوسرے فرزند شیخ محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ تھے، اور آپ ان کی محبوب ترین اولاد بھی تھے، کہتے ہیں کہ کم سنی میں ہی شیخ محمد عمر اس امر عظیم (دعوت و ارشاد) میں اس مرتبہ پر پہنچ گئے تھے کہ حضرت حجۃ اللہ کے اہل مجلس بھی ان کی خدمت میں رجوع کرتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے والد کے بعد قطبیت انہی سے متعلق ہوگی، ان کی کرامات اور کشف بھی بیان کیے جاتے ہیں، اپنے والد کے وصال کے تین چار سال بعد ہی یہ بھی دار البقا کی طرف چل دیے (فوت ہو گئے)

اور حضرت حجۃ اللہ کے گنبد میں مدفون ہیں۔

حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ کے تیسرے فرزند شیخ محمد کاظم تھے، جن کی ''غربت و مسکنت'' مدح و ستائش کرنے والوں کی تعریف سے مستغنی ہے، حضرت حجۃ اللہ کے آخری ایام میں ان کا عقد بلدۂ فجستہ بنیاد (حیدرآباد، دکن) میں ہوا، انہوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی اور مخلصین کے ''ارشاد'' میں مصروف رہے حضرت حجۃ اللہ کے وصال (۱۱۱۵ھ) کے چند سال بعد تک زندہ رہے، پھر فوت ہوئے تو وہیں مدفون ہیں، رحمۃ اللہ تعالیٰ واسعۃ۔ چونکہ (مولف کو) ان دونوں موخر الذکر فرزندوں (شیخ محمد عمر و شیخ محمد کاظم) کے بارے میں تفصیلات معلوم نہیں ہیں اس لیے اسی پر کفایت کی گئی ہے۔

حضرت مروج الشریعت خواجہ محمد عبید اللہ

تیسری کنز قطب المحققین قدوۃ العلماء الراسخین عارف خدا آگاہ مخدوم زادۂ ثالث شیخ محمد عبید اللہ قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے بعض حالات

(۳۱۱) اس قدوۃ الابرار کے بارے میں ایسے عجیب معارف و اسرار اس عاصی تباہ کار (مولف) تک اپنے وقت کے اکابر کے ذریعہ پہنچے ہیں کہ اس قلم بریدہ کا قلم اپنے قصور کا معترف ہے یعنی لکھنے سے قاصر ہے۔

یہ فقیر دور از کار (مولف) کو اگرچہ ان سے ظاہری ملاقات میسر نہیں ہوئی کیوں کہ وہ عارف باکمال میری ولادت سے پہلے وصال فرما گئے تھے، لیکن دوسرے اعزہ سے صحبت رہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کی اپنے حال پر بہت عنایات کا مشاہدہ کیا ہے۔ البتہ حضرت مروج الشریعت کی محبت، رسوخ، کمالات ظاہر و باطن کا مجھ پر اس قدر غلبہ ہے کہ دل کو اس سے تقویت ملتی ہے اور آنکھوں کے نور میں اضافہ ہوتا ہے لیکن اس وقت مجھ پر اتنا ضعف و ناتوانی ہے کہ آپ کے بلند معارف میں سے چند

نکات کے بیان پر اکتفا کر رہا ہوں، اس آیۃ کریمہ کے مطابق (ترجمہ) ''تم ہرگز بھلائی تک نہیں پہنچو گے جب تک کہ راہ خدا میں اپنی پیاری چیز خرچ نہ کرو'' ایک اور آیۃ مبارک میں ہے (ترجمہ) ''جب مسجد میں جاؤ تو اپنی زینت لو'' (اے طالبو جب) نماز جو کہ مومن کی معراج ہے اس کے دوران کامل قوت کے ساتھ (باطنی) زینت حاصل کرو کیوں کہ اصالت اس سے نسبت رکھتی ہے، اپنے آپ کو مزین لباس میں جا کر ان اسرار گوہر بار کی سماعت کرو، اس اللہ پر توکل کرتے ہوئے جو رحیم الودود ہے (لکھ رہا ہوں)۔

آپ نے اپنا خطاب ''مروج الشریعت'' خود رب کریم سے سنا ہے، کہتے ہیں کہ آپ کو یہ خطاب عین حالت نماز میں عطا کیا گیا، اسی لیے اس کتاب مقامات معصومی و انعامات قیومی میں آپ کا یہی نام اکثر مقامات پر آیا ہے، اور اب تک یہی رعایت اہل بصیرت نے ملحوظ رکھی ہے، **وما توفیقی الا باللہ۔**

اس ارباب کمال کی ولادت باسعادت ماہ رجب المرجب میں ۱۰۳۸ھ کو ہوئی۔

احمر

مجھے حضرت حجۃ اللہ **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کی زبان درفشاں سے متعدد مرتبہ یہ سننے (۳۱۲) کا اتفاق ہوا ہے کہ آپ کے روز ولادت کو ہمارے چچا حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) نے سنا کہ ایک فرشتہ آپ کے ولادت کے مقام پر یہ آیۃ شریفہ پڑھ رہا تھا (ترجمہ) ''اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا۔''

فی الحقیقت آپ کے محاسن اخلاق اور مکارم اوصاف، بچپن کا جلوہ اور حضرت خواجہ کا غلبۂ محبت جو کہ آپ کے ساتھیوں کی زبانی بتاتے ہیں کوسن کر عقل محو حیرت رہ جاتی ہے، یہ بات پورے خاندان میں مشہور ہے کہ آپ حضرت خواجہ اور اپنی والدہ کریمہ کو ساری اولاد میں سب سے زیادہ محبوب تھے۔

علم و عمل اور تقویٰ اور یوم قیامت کا جتنا خوف ان کو تھا بہت کم کسی کو ہو گا، حضرت خواجہ کے ساتھ ان کی مصاحبت بھی شہرہ آفاق ہے، گویا معرفت کے تمام کام انہی سے وابستہ تھے۔

آپ صرف سات سال کے تھے کہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سرہند آئے اور حضرات (صاحبزادگان) سے سوال کیا کہ دل تو گوشت کا ایک ٹکڑا ہے وہ ذکر کیسے کر سکتا ہے؟ گویائی تو صرف زبان کی صفت ہے، اس کے جواب میں حضرت مروج الشریعت نے فوراً فرمایا:

احمر

زبان بھی تو گوشت کا ایک ٹکڑا ہے، قادر (اللہ تعالیٰ) نے اسے بولنے والی بنایا ہے وہ دل کو اپنے ذکر کے لیے کیا قوت گویائی نہیں دے سکتا؟ ملا سیالکوٹی یہ سن کر آپ کے بہت ہی معتقد ہو گئے کہ سات سالہ بچے کے جواب نے مجھے تشفی بخشی ہے۔

احمر

حضرت شیخ صبغہ اللہ، حضرت مروج الشریعت کے فضائل کے سلسلہ میں فرماتے تھے کہ میرے مرحوم بھائی حافظ، فاضل، حاجی، عارف، سخی، ولی اور متقی تھے وہ حضرت خواجہ کے مقبول تھے اور حضرت خواجہ کے جمال باکمال پر عاشق تھے، کہتے ہیں کہ صرف ایک ماہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا بلکہ رمضان شریف میں روزانہ ایک سیپارہ حفظ کر کے رات کو سنا دیتے تھے، ایک عزیز کی روایت ہے کہ قرآن شریف کے حفظ کی یہ سعادت آپ نے جہاز کی سواری کے دوران حاصل کی۔

آپ نے ظاہری علم کی تحصیل اپنے چچا بزرگ حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) اور جامع العلوم ملا بدرالدین (سلطانپوری) کی خدمت میں کی۔ اور دوسرے افراد سے بھی پڑھا اور بعض کتب دیگر حضرات کی خدمت میں رہ کر پڑھیں اور علوم و اسرار کے جامع ہو گئے، حضرت خواجہ کی آخری عمر مبارک میں آپ سے صحیح مسلم

(۳۱۳) بھی پڑھی، چنانچہ اس باب میں نواب مکرم خان کی روایت گزشتہ مفتاح میں درج کی جا چکی ہے۔

آپ نے غلبۂ حال کے تحت ایک مدت تک باغ دوراہہ جو کہ بلدۂ سرہند اور لاہور کے مابین واقع اور سرہند سے سولہ میل خام پر ہے خلوت اختیار فرمائی کہتے ہیں کہ وہاں آپ کو اس درجہ کا کشف حاصل ہوا کہ کہ مشرق سے لے کر مغرب تک کچھ بھی ان سے پوشیدہ نہ رہا اور دنیا کی کوئی چیز ان سے خفیہ نہ رہی۔

یہاں فقیر (مولف) کو دو طرح کی روایات ملی ہیں پہلی روایت مرزا محمد مراد کابلی کی ہے جو حضرت خواجہ کے مریدوں میں سے تھے، فرماتے ہیں۔

احمر

آپ کا یہ حال جب حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ "دنیا کی خوبیاں، نقائص اور پوشیدہ امور ہر وقت آپ کی نظر میں رہتے ہیں" تو آپ کو اس کے ازالہ کی فکر ہوئی اس پر آپ نے انہیں دینی کتب کے درس دینے کا حکم دیا، آپ نے انہیں مراقبات اور اس حالت کو دفع کرنے سے بھی منع فرما دیا۔ ایک اور صاحب ولایت کی روایت اس طرح ہے کہ حضرت خواجہ نے اس حالت سے نجات کے لیے بازار کے کھانے جو کہ مشکوک و مشتبہ ہوتے ہیں کھانے کا حکم دیا، بہر حال اس قبلۂ امانی (حضرت خواجہ) کی توجہ سے اس کثرت بینی کے مرض سے چھٹکارا ملا۔

اس زمانے کے ایک اہم فرد کی روایت ہے کہ مدت دراز تک حضرت مروج الشریعت کا سارا بدن آنکھ کی مانند ہو گیا تھا، جیسا کہ جنت میں ہو گا، عرصہ دراز کے بعد حضرت خواجہ کی توجہ سے یہ کیفیت ختم ہوئی اور بعض کا کہنا ہے کہ تمام عمر رہی۔

اس سے اس صدیق (حضرت مروج الشریعت) کی بلند ہمتی کا پتا چلتا ہے کہ دوسرے اکابر صوفیہ اس قسم کے غلبہ (کشف) کی تمنا رکھتے ہیں تا کہ حقائق و اسرار توحید بہتر طریقہ پر معلوم کر سکیں اس قسم کا کشف رکھنے والے اسرار کے کشف کے

بہت یادہ خواہش مند ہوتے ہیں بے شک وہ مرتبۂ کمال کو نہ بھی پہنچیں وہ دنیا کی مثالی شکلیں دریافت کرنا اپنی صفت خیال کرتے ہیں، وہ جماعت (صوفیہ) جو (کمالات) باطن سے بے بہرہ ہوتی ہے وہ بھوک اور ریاضت صرف کشف وکرامات کا ملکہ حاصل کرنے کے لیے کرتی ہے تاکہ دنیا کو اپنے قابو میں کرلیں، انہیں اس قسم کا کشف کہاں ملتا ہے، حضرت مروج الشریعت اس سے نفرت کرتے ہوئے اس کے ازالہ کے لیے فکرمند رہتے تھے، ان کا کارخانۂ ہمت اتنا بلند ہے کہ اس آوارہ (مولف) کا قلم اسے چھو بھی نہیں سکتا، لیکن اپنی ہمت (۳۱۴) کی دستگیری سے اسے آپ نے ذلت سے اٹھا کر اوج فلک پر پہنچا دیا ان شاہان ولایت کے بحر ہمت میں کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ سمندر میں سے ایک قطرہ اگر باہر نکل جائے تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا اور اس طرح اس شہباز کے پروں سے ایک بال لے لیا جائے تو اسے پرواز میں کمی کا احساس نہیں ہوتا ...... ایک روز کسی نے حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ سے یہ دریافت کیا کہ حضرت مروج الشریعت نے اپنے مکتوبات میں ایک جگہ یہ لکھا ہے:

فتح

''وخود را عریاں محض ملقی بین یدی الرحمٰن تعالیٰ و تقدس یافت''

اس عبارت کے معنی کیا ہیں؟

احمر

فرماتے تھے کہ اس میں کمالات محبوبیت کے حصول کی بشارت دی گئی ہے، اس سے زیادہ بیان کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

احمر

جناب قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ اس مخدوم زادۂ عالی شان (حضرت مروج الشریعت) کو محبوبیت کی بشارت دی تھی اور اپنی زبان الہام ترجمان سے فرماتے تھے کہ ایک سال سے مخلوط ہو

کر رہ گئی ہے، میں اس میں امتیاز کرنا چاہتا ہوں کہ جمعیت خاطر جیسی چاہیے حاصل نہیں ہو رہی ہے کہ بظاہر وہ خلت ہے لیکن میں نے اسے محبوبیت دریافت کیا ہے یہی وجہ ہے کہ میں نے اس بشارت کے ملنے کی اطلاع نہیں دی، آخر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے آج بائیں جانب توجہ کی جو کہ محل قلب ہے تو مجھے فارسی زبان میں الہام ہوا کہ ''محبوبیت'' یہی ہے اطمینان رکھو، **الحمد للہ المجید۔**

(حضرت مروج الشریعت) حضرت خواجہ کے مکتوبات کی جلد اول کے جامع ہیں جس کا نام ''درۃ التاج جاوید'' ہے، عربی زبان میں یاقوت بھی آپ ہی کی تصنیف ہے، اس کے بعد آپ نے ملا شاکر بن ملا بدر الدین (سرہندی) **قدس سرہ** کو اس کا حکم دیا کہ اس کا فارسی میں ترجمہ کرو تا کہ عام لوگوں کو اس کا فائدہ ہو۔

احمر

حضرت والدۂ شریفہ **سلمہا ربہا** فرماتی تھیں کہ ایک روز حضرت مروج الشریعت نے فرمایا آج قطب العارفین و قدوۃ الکاملین حضرت خواجۂ نقشبند **قدس سرہ** کا ظہور ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان کی مجھ پر کامل مہربانی ہے، فرمانے لگے کہ ۲۵ روپے میری نیاز مقرر ہے، بند راستوں کی کشادگی کے لیے میں نے وہ رقم (۲۵) اس جوان کو بخش دی، ایک لمحہ کے بعد مشاہدہ ہوا کہ غوث الثقلین کریم الطرفین حضرت سید عبدالقادر جیلانی **قدس اللہ** بھی تشریف لائے ہیں اور مجھ سے فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی طرف (۳۱۵) سے اس عزیز صاحب تمیز کو وہ رقم ہبہ کر دی ہے۔ اب ضرورت مندوں کو چاہیے کہ ان دونوں بزرگوں کی طرف سے سند مل جانے سے ان دونوں کی باطنی رضامندی سے مشکل کے وقت وہ نیاز ان کے نام دینے کی نیت کر لے اور ان کی اولاد اور مخلصین کو دے دے اور امید ہے کہ اس سے مشکل آسان ہو جائے گی اور سخت کام نرمی میں بدل جائے گا، بڑی ہی تیزی کے ساتھ، **ان شاء اللہ تعالیٰ العزیز الغفار۔**

حضرت خواجہ کو اپنی آخری عمر مبارک میں سارے بدن کو درد نے گھیر لیا تھا لیکن اس مخدوم زادہ (حضرت مروج الشریعت) کی قرأت قرآن مجید سے آپ کے درد میں کمی ہو جاتی تھی۔

احمر

خال اکبر قدس سرہ فرماتے تھے کہ میرے اس بھائی کی تلاوت کے دوران حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ تمہارے فلاں بھائی (مروج الشریعت) نے تو قرآن مجید کے سمندر میں ایسی شناوری کی ہے کہ اس کی تلاوت کے دوران مجھے درد کا مطلق احساس ہی نہیں رہتا۔

احمر

اس زمانے کے ایک عارف کی زبان سے یہ بات سنی ہے کہ حضرت خواجہ اس مخدوم زادہ (حضرت مروج الشریعت) کے کشف کو اپنے مقابل تصور کرتے تھے خود کو (میدان کشف) میں ایک جواں پہلوان اور صاحبزادے کو بالغ ہونے کے قریب ایک بچہ سمجھتے تھے، ایک سید زادہ جو کہ اس خاندان (مجددیہ) کے مخلصین میں سے تھا، روایت کرتا ہے کہ حضرت خواجہ سیر سلوک میں اپنے اس مخدوم زادہ (حضرت مروج الشریعت) کو اپنے ساتھ درمیانی انگشت کی طرح خیال فرماتے تھے، اس روایت کی تفصیل ان شاء اللہ شیخ ابوالمظفر برہان پوری کے احوال کے تحت بیان کی جائے گی۔

اس مخدوم زادے (حضرت مروج الشریعت) کو حضرت خواجہ کے اسرار، معارف، اطوار اور معارف کی اتنی واقفیت حاصل تھی کہ حضرت خواجہ اپنے تمام معاملات میں ان کی مرضی معلوم کرنا چاہتے تھے اس سے مقبول اور نامقبول کے درمیان تمیز بھی ہو جاتی ہے آپ کے دیگر صاحبزادگان میں سے کسی سے بہت کم (یہ اعتماد) ظہور میں آیا ہے۔

صندل پورہ (من مضافات سرہند) میں جب (حضرت خواجہ) کی نئی حویلی کی

تعمیر کا آغاز ہوا تو خدا پرست خان اس کی تعمیر کے وقت حضرت خواجہ کی خدمت سراسر سعادت میں حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا:

احمر

(حضرت خواجہ) فرماتے تھے کہ تمام کاروبار میں میرے مزاج میں میرے فرزند ''میاں حضرت'' کی رائے و مرضی میرے نزدیک مسلم ہے، ہر جواب طلب بات کے سلسلے میں ان سے سوال کرو ان کی رائے میرے نزدیک ہمیشہ مقبول ہے۔

جاننا چاہیے کہ یہ مخدوم زادے بچپن سے ہی ''میاں حضرت'' کے لقب سے مشہور ہیں، چنانچہ حضرت خواجہ اپنے ایک مکتوب بنام مکرم خان میں جو کہ مکتوبات کی تیسری جلد میں شامل ہے، لکھتے ہیں:

فتح

(۳۱۶) ''میری اجازت سے اس (خط) کا جواب ''میاں حضرت'' نے لکھا ہے۔''

مخدوم زادہ (حضرت مروج الشریعت) نے بعض سوالات کے دوران اپنے بلند احوال حضرت خواجہ کی خدمت میں تحریر کیے ہیں اور اپنے دیگر احوال اپنے مریدین کو لکھے ہیں اس لیے ان کے مکتوبات طلب کرنے چاہئیں۔ اب میں ایک ایسی روایت نقل کر رہا ہوں جس میں آپ نے چشم پوشی کی بے نظیر مثال پیش کی ہے، کامل توجہ سے سننا چاہیے:

میں نے سنا ہے کہ ایک روز موسم سرما میں نماز فجر کے بعد آپ سرہند کی بڑی مسجد میں ایک بیش قیمت دوشالہ اوڑھے اس طرح سے بیٹھے تھے کہ سارا بدن اور سر بھی اسی میں لپیٹ رکھا تھا کہ اسی جماعت میں سے ایک دلیر قسم کے چور نے بڑی جرأت و شوخی کے ساتھ چاہا کہ وہ دوشالہ آپ سے چھین لے چنانچہ اس نے آپ پر حملہ کیا اب آپ اپنی جانب کھینچتے تھے اور وہ اپنی طرف دونوں طرف سے بار بار زور

لگایا جا رہا تھا کہ آپ کے دل میں خیال آیا کہ یہ ضرورت مند ہے مجھے اپنی آنکھیں نیچی کر لینی چاہیں کہ کہیں وہ مجھے دیکھ نہ لے اور شرمسار ہو کر یا کسی دوسرے کو اس کا علم ہو جائے اس لیے آپ نے اپنی آنکھیں ہی بند کر لیں (اور وہ چور دوشالہ لے گیا)۔

اس قسم کی بہت سی روایات آپ سے منقول ہیں لیکن ہم نے مختصر کلامی کو ہی ترجیح دیتے ہوئے صرف ایک روایت جس میں آپ کی محبوبیت کی اطلاع ملتی ہے نقل کی ہے۔

احمر

خال اکرم قطب العارفین حضرت شیخ محمد صدیق قدس سرہ فرماتے تھے کہ ایک روز حضرت خواجہ میری والدہ سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہے تھے کہ میری آرزو یہ ہے کہ میں صحرا کی طرف چلا جاؤں جہاں میں تم اور میاں حضرت ہوں، جب حضرت والدہ ماجدہ کی نگاہ مجھ (شیخ محمد صدیق) پر پڑی کہ میں ایک طرف کھڑا تھا تو انہوں نے حضرت خواجہ سے عرض کیا کہ وہاں محمد صدیق کیوں نہ ہو، فرمانے لگے کہ محمد صدیق کو بھی گھر میں رہنا چاہیے، حالانکہ مروج الشریعت اس وقت وہاں موجود نہیں تھے بلکہ میرے سوا فرزندوں میں سے کوئی بھی یہاں موجود نہیں تھا، میں بھی ایک تقریب سے وہاں اس وقت پہنچا تھا لیکن آپ کی نظر مبارک ابھی تک مجھ پر نہیں پڑی تھی کہ آپ یہ خوش کن بات فرما رہے تھے، اس فرزند (مروج الشریعت) سے جو محبت تھی آپ نے اس کا اظہار فرمایا، یہاں سے حضرت مروج الشریعت کا مرتبہ اور احوال کی بلندی کا اندازہ لگائیے کہ حضرت خواجہ کے دل میں کس قدر ان کی محبت سرایت کر چکی تھی۔ (۳۱۷)

سنا ہے کہ حضرت مروج الشریعت نے اپنے مکتوبات میں کہیں اپنی اصالت کے بارے میں لکھا ہے، جو کوشش سے معلوم ہو سکتا ہے، البتہ یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ آپ کا اپنا کشف ہے یا حضرت خواجہ کی روایت ہے جسے آپ نے تسلیم کیا ہے، غالب گمان

ہے کہ بشارت حضرت خواجہ سے ملی ہو گی، یہی وجہ ہے کہ "اصالت" ان کی توجہ کا مرکز ہے اور اپنے کئی مریدین کو اس کے بارے میں لکھا ہے۔ کہ اس وقت جبکہ ان کے مناقب اور کمالات بیان کیے جا رہے ہیں اس کا ذکر مجھ عاجز شکستہ دل کے نزدیک بہتر ہے البتہ قیومیت اس صاحب کمال کے نصیب میں ہے، اصالت ہی قیومت کے حصول کے لیے مانع ہے..........

احمر

حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) جو کہ نکتہ رس بھی تھے کی زبان شریف سے سنیے کہ حضرت خواجہ کے سارے فرزندان کرام حضرت خواجہ کے کمالات سے آراستہ ہیں اور یہ منصب قیومیت وقطبیت میں بھی شریک ہیں، ان میں سے بعض تو نہایت درجہ کے ادب کے باعث (اس منصب کے) حضرت مجدد الف ثانی سے حضرت خواجہ کی طرف (منتقل ہونے) کے سلسلے میں زبان نہیں کھولتے بے شک آپ کی تحریرات میں اس کے واضح اشارات ملتے ہیں اور بعض دیگر افراد نے اس کا اس قدر مشاہدہ کیا ہے کہ اسے پوشیدہ نہیں رکھ سکے اور اس معاملہ میں واضح الفاظ میں اس کی وضاحت کر دی ہے، بے شک ان میں سے حضرت مجدد الف ثانی مقبولیت اور حضرت خواجہ کی محبوبیت میں بے نظیر ہیں اس لیے کسی دوسرے کو اس امر میں چون وچرا کرنے اور اس کے غلط یا صحیح ہونے کے بارے میں زبان کھولنے کی ضرورت نہیں ہے......

بے شک مجتہد کی خطأ بھی صحیح (صواب) ہے اور اسے اس غلطی (خطائے اجتہادی) پر ایک درجہ ثواب بھی ملتا ہے، اور اس کا ثواب دس گنا ہو جاتا ہے، ان صاحبزادگان کے اختلاف کو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے اختلاف کی طرح تصور کریں اور ان میں سے ہر ایک کو نیکی اور پورے ادب واحترام سے یاد کریں، حدیث شریف میں آیا ہے بلال کا سین اللہ کے نزدیک شین ہی ہے......

جان لینا چاہیے کہ حضرت مروج الشریعت حضرت خواجہ کے وصال (۱۰۷۹ھ)

کے بعد صرف چار سال اور دس دن بقید حیات رہے، اس دوران آپ مریدین کی تربیت حضرت خواجہ کی طرح کرتے رہے (۳۱۸) حقیقی طلبہ کے ارشاد میں اپنے والد حضرت خواجہ کی طرح مصروف رہے اور ان میں سے جو دقائق کمالات اور حقائق ولایات کے اہل تھے کے سامنے ان کا بیان بھی کرتے رہے۔ ان کے اکثر مکاشفات حضرت خواجہ کے وصال کے بعد ظہور میں آئے، جیسا کہ سابقہ باب میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے اور ان میں سے بعض مکاشفات اس کتاب کی مفتاح ہشتم میں اپنے والد گرامی کے حالات کے ضمن میں بیان کیے جائیں گے، **ان شاء اللہ تعالیٰ**۔

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ کے وصال کے بعد حضرت مروج الشریعت کو اس قدر غم والم دامن گیر ہوا کہ کسی طرح بھی قرار نہیں آتا تھا اور اس میں آخر تک کمی نہ ہوئی اور اسی حالت آزار میں ان کا وصال ہو گیا البتہ کبھی یہ غلبہ شدت اختیار کر لیتا اور کبھی کم ہو جاتا تھا۔

اس دوران بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) نے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے فرمان بھیجا اور کئی قسم کی سواریاں بھیج کر آنے کے لیے کہا کہ اس وقت جو حاذق حکماء موجود ہیں اور ادویات کی جو سہولت یہاں اس شہر (دہلی) میں ہے وہ اور کہیں نہیں ہے، پھر آپ نے اطاعت امر کو ترجیح دیتے ہوئے حضرت دہلی کا رخ کیا جہاں سلاطین وفقراء نے آپ سے ہدایت حاصل کی وہاں سلطان کو بھی مطیع کیا، اس سے پہلے (دعوت وارشاد) کا یہ کام آپ کے فرزند رشید عارف خدارسا شیخ محمد پارسا سلمہٗ ربہٗ اسی خصوصیت سے انجام دے رہے تھے اس وقت سلطنت کے امور میں خاصا تغیر وہنگامہ برپا تھا جس سے بہت سے اغنیاء تباہ ہو چکے تھے اور مساکین کی ایک جماعت خواص میں شمار ہو چکی تھی جس سے اس مخدوم زادہ (خواجہ محمد پارسا سرہندی) کو اپنے والد کی توجہات کی بدولت امتیاز حاصل ہو چکا تھا اور ان کا نام ہر دربار میں عزت و احترام سے لیا جاتا تھا۔

ایک عزیز سے روایت ہے کہ ایک خاص قسم کا مراقبہ بادشاہ اورنگ زیب کو ذہن نشین ہو گیا تھا جس کی لذت آخر دم تک سرایت رہی جس کی لذت وہ حاضر ہونے والوں سے بار بار بیان کیا کرتا تھا اگرچہ دیگر اکابر کی صحبت سے عمدہ معاملات حاصل ہو چکے تھے لیکن وہ مراقبہ جس کی لذت مروج الشریعت سے حاصل ہوئی ہے مجھ سے جدا ہونے والی نہیں ہے اور اس قیام (دربار) کے دوران بادشاہ، شہزادہ محمد اعظم شاہ اور اس کی اہلیہ کو متصرف کیا اور جس طرح شاہزادہ محمد بیدار بخت کی جاں بخشی کی بلکہ اپنی عمر بھی اسے بخش دی۔

ابیض

حضرت مروج الشریعت کے بادشاہ اسلام کے پاس قیام کے دوران شاہ زادہ محمد بیدار بخت (۳۱۹) کم سن تھا کہ وہ شدید مرض میں مبتلا ہو گیا ان راتوں میں سے ایک رات اس کی روح جسم سے نکل گئی اور اس کی روح شہباز کی طرح پرواز کر گئی اس کے والدین نے ظرافت کے طور پر آپ کی خدمت میں سواری بھیج کر طلب کیا کہ شہزادہ مرض کی شدت کی وجہ سے انتہائی بے چینی کے عالم میں ہے، خدا کے لیے آپ تشریف لائیے تاکہ آپ کے مبارک نفس سے اس کی بے ہوشی صحت و عافیت والی ہوش مندی میں بدل جائے اور اسے جلدی شفا مل جائے، آپ نے نہایت کرم فرماتے ہوئے ان کی التماس قبول کر لی اور بادشاہ زادہ کی طرف چل دیے وہاں بڑے احترام سے آپ کو محل سرا لے جایا گیا اس وقت مستورات میں سے کسی نے بھی آپ سے منہ نہ چھپایا سبھی کی گلوگیر قسم کی آہیں آپ کو سنائی دے رہی تھیں اور عرض کیا کہ یہ سخت بیماری کی حالت میں ہے اور آپ سے شفا کا امیدوار ہے، مریض کا کپڑا آپ نے اپنے دست مبارک سے ہٹایا اور چاہا کہ دم کریں کہ آپ نے اس کی میت کو بے حس و حرکت حالت میں پایا فرمایا کہ یہ تو مر چکا ہے میں کس کو دم کروں، بچے کے والدین جو کہ اس وقت حاضر تھے کی منت سماجت انتہا سے بڑھ گئی تو آپ نے اس (حدیث)

کے مطابق ''میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں'' اس کے حال پر توجہ کی اور صبح تک مراقبہ کیا، صبح ہوتے ہی اسے نئی زندگی مل چکی تھی اور اسے فوری طور پر عافیت مل گئی، آپ نے اپنی زبان گوہر فشاں سے فرمایا کہ جب میں نے اس پر توجہ کی تو اسے (زندہ حالت میں) نہ پایا کہ اس کے لیے دعا اور التجا کی جائے، بہرحال اسے نقشبندی و احمدی اکابر کے تصرفات میں سے تصور کرنا چاہیے۔

میں اس وقت خاصا پریشان ہوا، لیکن اس منکر قلوب جماعت کو مایوسی کرنا اہل قلوب کی شرائط میں سے نہیں ہے، اور دولت مندوں کی نظر میں اس سے اکابر اولیاء کی توہین تھی، صاحب حدیث علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و من الصلوات و افضلھا و من التسلیمات اکملھا کی حدیث سچی ہے، پھر دعویٰ ولایت اگر ہے تو مذکورہ حدیث کے مطابق یہ انبیائے بنی اسرائیل کے کمالات سے عبارت ہے، مردوں کو زندہ کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ہے جو بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے اور علماء چونکہ انبیاء کے (کمالات کے) وارث ہیں اس لیے یہ کمال (احیاء موتیٰ) سے بھی انہیں حصہ ملا ہے، اس امر میں میں نے کوتہ اندیشی کرتے ہوئے اپنی عمر اس برخوردار (شہزادہ) کو بخش دی اور وہاں سے خود بیمار حالت میں واپس آیا، دوسرے یا تیسرے روز شہزادے نے مختلف اقسام کے مرغن اور سادہ کھانے پکوا کر سونے کی پلیٹوں میں مجھے بطور نیاز بھیجے تو آپ کے مطلق قبول نہ فرمائے بلکہ کھانا اسی (۴۲۰) وقت سنہری پلیٹوں سمیت فقرا و مساکین کو بطور انعام دے دیا۔

کہتے ہیں کہ جب بعد میں (واقعہ) بادشاہ (اورنگ زیب) نے سنا کہ شہزادہ نے اس قسم کے اکابر کے ساتھ شوخی (ظرافت) کی ہے تو اس نے اسے ان حضرات سے گستاخی قرار دیا اور کہا کہ اس وقت جبکہ قیامت بالکل قریب ہے اس قسم کے اصحاب کا وجود ناممکنات میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا قرب و منزلت دی ہے ان کے لیے ایک کم سن بچے کی خاطر ایسا کرنا بہت بڑی جرأت (گستاخی) ہے جو بالکل بے جا

ہے ....

الغرض حضرت مروج الشریعت نے اپنے وصال کے ایام کے قریب ہونے کی وجہ سے بادشاہ سے اجازت لی تا کہ مختلف مقدس مزارات کی زیارت کر کے اپنی والدۂ کریمہ کی خدمت میں حاضر ہوں جس کا ثواب حاصل کریں جو کہ ان دنوں بقید حیات تھیں، آپ جلد ہی رخصت ہوئے اور اپنے وطن سرہند شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔

ایضاً

ایک جگہ سے بہت نفیس قسم کی مخمل آپ کے پاس بطور نیاز آئی جسے آپ نے بڑے شوق سے قبول فرما لیا، ان کی حفاظت کرنے کا حکم دیا، آپ کے وصال کے بعد اسی میں آپ کا تابوت لپیٹ کر رکھا گیا۔

ایضاً

مخدوم زادۂ خدا سا شیخ محمد پارسا مدظلہ کے پاس نفیس کپڑے کے چند تھان بطور نیاز کہیں سے آئے وہ حضرت مروج الشریعت نے دیکھے اور ان میں سے دو تھان منتخب کر کے اپنے لیے رکھے اور فرمایا کہ ان پر نظر رکھیں کام آئیں گے، چونکہ آپ کا وصال سرہند (جاتے ہوئے) راستے میں ہوا تھا وہاں اس قسم کے نفیس وعمدہ کپڑے کا حصول بہت دشوار تھا، آپ کے پس ماندگان کو مسافرت میں وہ دو تھان یاد آئے کہ آپ نے اسی مقصد کے لیے ان کی حفاظت کرنے کا امر فرمایا تھا اب انہیں سے آپ کا کفن تیار کیا گیا۔

اب مطلب کی طرف آنا چاہیے حضرت مروج الشریعت نے الہامی طور پر بادشاہ سے رخصت لی اور دارالارشاد (سرہند) کا رخ کیا، جب سرائے سنبھالکہ جو کہ گنور اور پانی پت کے درمیان واقع ہے پہنچے تو (وہاں قدرے قیام کے لیے رکے) یہی وہ مقام ہے جہاں آج سے بارہ سال قبل حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) قدسنا اللہ سبحانہ کے وصال کا واقعہ پیش آیا تھا، (یہ سرہند) سے صرف آدمی منزل کے

فاصلہ پر ہے۔

احمر

آپ نے فرمایا کہ ہمیں یہیں (کچھ دیر) قیام کرنا چاہیے، یہاں ہوشیار ہو جائیں کچھ بھی ہو سکتا ہے، اہل خانہ نے ہر طرح کے عذر کیے کہ وقت کم ہے ہماری منزل یہاں سے صرف آدھی منزل کے فاصلے پر ہم رک کر اپنی منزل مقصود کو خراب کریں بلکہ زنانہ سواریوں (۳۲۱) میں سے کسی نے ایک قاصد پہلے ہی سرہند روانہ کر دیا لیکن حضرت نے اسے واپس بلا لیا اور خود وہاں پالکی سے اتر کر بیٹھ گئے ...... کہ پہلا برج جو اسی طرف ہے یہاں سے شاہ جہان آباد جاتے ہوئے یہیں قیام فرمایا تھا۔

احمر

حضرت مروج الشریعت نے پوچھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ وہ جمعہ کا دن اور چاشت کا وقت تھا، اخوند سجاول نے عرض کیا کہ وقت ہے حضرت نے نماز کے لیے تیمم کیا اور چاہا کہ نماز کے لیے تحریمہ ادا کریں۔

احمر

حضرت کہنے لگے السلام علیک یا رسول اللہ دونوں ہاتھ سر کی طرف لے کر گئے پھر نماز کی نیت کر لی اور سجدہ کی حالت میں ہی جاں جان آفرین کے سپرد کر دی انا للہ و انا الیہ راجعون، سبحان اللہ کیا بات ہے آپ کی ولادت کے وقت فرشتہ ملک علام کی طرف سے سلام لایا تھا اور وصال کے دن حضرت رسول انام (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام اس طرح کلام کا خاتمہ ہو گیا ....

آپ کی عمر مبارک (صرف) چوالیس یا پینتالیس سال ہوئی اور تاریخ وصال ۱۹ ربیع الاول ۱۰۸۳ھ تھی، حضرت مروج الشریعت کے وصال پر ایک عزیز نے قطعۂ تاریخ کہا ہے اس کے ہر مصرعہ کے اعداد جمع کیے جائیں تو اس سے سال انتقال برآمد ہوتا ہے۔

ناشد زمیان دیدہ ارباب طلب | احمدی قدر آں محمدی مشرب
پوشید فلک جامۂ ماتم زدگان | و زنالہ شدہ روی محبان چوں شب

وہاں (سنبھالکہ) سے آپ کا تابوب شریف سرہند شریف لایا گیا حضرت خواجہ کے روضۂ مبارکہ کے سامنے گنبد معلیٰ کے اندر آپ کو دفن کیا گیا............

احمر

ایک روز حضرت حجۃ اللہ نے حضرت خواجہ کے روضۂ انور میں میری (مولف) کی موجودگی میں حضرت مروج الشریعت کے فرزند اکبر معرفت آگاہی مرحومی شیخ محمد ہادی قدس سرہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا جب برادر مرحوم (حضرت مروج الشریعت) کے احوال پر کشفی نظر ڈال کر کچھ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے تو ان کا سارا روضہ ان کے انوار سے پر ہو جاتا ہے جبکہ حضرت خواجہ کے حین حیات ان کے کمالات پوشیدہ ہی رہے اور عمومی نظر سے دیکھیں تو وہ جلوہ گر ہی نہیں ہوئے، اگر ان کا مرقد علیحدہ ہوتا تو اہل نظر کو دور سے ہی ان کے انوار کا مشاہدہ ہو جاتا۔

اب حضرت مروج الشریعت قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے بعض فرزندوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، آگاہ رہیے اور ہوشمندی کے ساتھ سماعت فرمایئے، آپ کے تین فرزند زندہ رہے۔

ان میں سب سے بڑے معرفت دستگاہی مرحومی شیخ محمد ہادی قدس سرہ تھے۔ جو کہ محاسن اخلاق سے آراستہ، صلاح وتقوٰی سے پیراستہ، بلند ہمت اور کمالات ارجمند سے متصف تھے، وہ کہتے تھے کہ میں نے مطول حضرت خواجہ کی خدمت میں شروع کی اور اس کا پہلا سبق حضرت خواجہ سے ہی پڑھا، پھر بلاواسطہ حضرت خواجہ سے ارادت (بیعت) بھی حاصل ہوئی، اس کے بعد اپنے والد گرامی سے کسب (حصول علم و معرفت) کا آغاز کیا تھا کہ ان کا وصال ہو گیا، آخر حضرت حجۃ اللہ کی خدمت میں کمال خضوع کے ساتھ رجوع کیا اور متداول بشارتیں حاصل کیں۔

ایک روز اس اعتقاد کے تحت جو مجھے (شیخ محمد ہادی) قطب الاقطاب حضرت حجۃ اللہ سے تھا کے بارے میں بیان کر رہے تھے کہ میں اورنگ زیب عالمگیر کے لشکر میں جا رہا تھا اس وقت وہ بیجاپور کے نواح میں تھا اور حضرت حجۃ اللہ اس لشکر میں تشریف فرما تھے ابھی دو تین مرحلہ راستہ باقی تھا کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ طے منازل کی جو تشویشات سے رہائی پانے کے لیے کیا ہی اچھا ہو کہ میں فی المثل وہاں پہنچ جاؤں یہ خیال آتے ہی (غائبانہ طور پر) حضرت حجۃ اللہ نے اس خیال کو رد فرماتے ہوئے بڑی اہانت کے ساتھ مجھے واپس سرہند بھیج دیا.......... حضرت شیخ (عبدالاحد) وحدت سے بھی انہیں کمال درجہ کا اعتقاد تھا، اور ان سے قدرے استفادہ بھی کیا ہے اور ان سے بحث کرنے والے اکثر راہ فرار اختیار کر لیتے تھے، آپ مجلس کے علم اور آداب سے خوب واقف تھے اور مجلس کی جان سمجھے جاتے تھے، مجمع ان کی آمد کا انتظار کرتا تھا۔ ان کے اشعار دل کشا اہل دل حضرات کو مسرور کرتے تھے ان (شیخ محمد ہادی) کی تصانیف کا کہاں تک ذکر کیا جائے انہوں نے حضرات خمسہ کے مقامات پر تقریباً چالیس سال میں ایک کتاب مکمل کی تھی جس کا ذکر ایک تقریب سے اس کتاب کی مفتاح ثانی میں کیا جا چکا ہے، مختصر یہ کہ ان کی قوت علمیہ ان کے کمال عمل میں شامل تھی۔

سرہند شریف پر کفار (سکھوں) کے حملہ کے بعد شیخ محمد ہادی نے رات کے وقت ۱۲ ربیع الاول کو ۱۱۲۳ھ میں اس دار پرملال سے انتقال کیا آپ حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ میں گنبد معلیٰ کے نیچے مدفون ہیں ان کی عمر مبارک (۳۲۳) ترپن سال کی تھی (جب وصال ہوا) ان تاریخ وفات ان کے فرزند ارجمند ابوالحفص قوام الدین میر محمد نے کہی جو کمالات ظاہر و باطن سے آراستہ ہیں (مادۂ تاریخ وصال):

''ایاغ بزم احمدی''

حضرت مروج الشریعت کے دوسرے فرزند بھی ہیں جن میں سے ہر ایک قابلیت

کا مالک ہے، مخدوم زادہ خدا رسا عارف اسرار شیخ محمد پارسا سلمۂ ربہٗ آپ کے دوسرے فرزند ہیں، ان کی پہلی ارادت حضرت خواجہ سے تھی اس کے بعد اپنے والد سے کسب سلوک کا آغاز کیا تھا کہ ان کے وصال کا واقعہ پیش آ گیا، تیسری ارادت حضرت حجۃ اللہ کی خدمت میں تھی اور ان سے شاندار بشارات حاصل کر کے صاحب معنی اور کمالات ارجمند پر فائز ہوئے۔

اب حضرت خواجہ کا ایک اور تصرف جو شیخ محمد پارسا نے خود سنا تھا اس احقر (مولف) سے بیان کرتے ہوئے یہ حکم دیا کہ تم اسے مقامات معصومی والہات قیومی میں تحریر کرو جو اس سے قبل آپ کے تصرفات کی مفتاح میں بیان کیا جا چکا ہے، لیکن اس سے بہتر موقع اس کی تحریر کا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا:

ابیض

فرماتے تھے کہ ہمارے والدین ہم پانچ چھ لڑکوں کو حضرت خواجہ کی خدمت میں حصول سعادت اور دخول ارادت کے لیے لے گئے ان میں ایک علی رضا بھی تھے، ہم میں سے ہر ایک پر توجہات فرمائیں، ہر ایک کے بارے میں آپ نے جو کچھ فرمایا (بعد میں) ایسا ہی وقوع پذیر ہوا، جب علی رضا کی باری آئی تو فرمانے لگے کہ ان کے اندر شورش کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں اب دیکھنا چاہیے کہ یہ کس طرف کا رخ کرتے ہیں، اسی طرح ہوا کہ وہ شورس ظاہر ہوئی اور اس نے انہیں ولایت معصومی اور طریقۂ احمدیہ (مجددیہ) سے ہٹا دیا اور انہوں نے دوسرا طریقہ اختیار کر لیا جو اہل بدعت کا تھا۔

اب اصل مقصد کی طرف آتے ہیں وہ صورت و سیرت کے پارسا مدظلہ العالی معارف معصومی کے جوہر شناس قلزم حیات احمدی (مجددی) کے غواص ہیں، اکابر علماء جن امور سے عاجز ہیں وہ ان مقامات پر شائستہ طریقہ سے بات کر سکتے ہیں، وہ کمالات عجیبہ اور مقدمات غریبہ سے آراستہ ہیں ان کا جمال ہی تسخیر قلوب کے لیے کافی ہے، نکات کی تحقیق کے لیے ان کی صحبت ہی کافی ہے۔

اس فقیر (مولف) کو اکثر ان سے صحبت رہتی ہے، انہیں سوز و گداز میں کامل پایا ہے، ذات و صفات واجبی تعالت و تقدست میں ان کی تحقیقات لائقہ اور تدقیقات فائضہ ایسی ہیں کہ جنہیں سن کر ایک عاقل کی عقل حیرت میں رہ جاتی ہے۔

اگر ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو گی جو ان امور کی حامل ہیں آپ کی تمام تصانیف میں سے فکر پارسا (۴۲۴) ایسی کتاب ہے جس کی شرح لکھی گئی ہے، اس کے افکار انہوں نے حضرت حجۃ اللہ کے روضۂ مطہرہ میں بیٹھ کر لکھے ہیں شیخ محمد پارسا کے فرزند اصغر حق رسا ہیں اور منجھلے فرزند محمد رسا ہیں جو کہ اپنے والد کے کمالات و معارف کے وارث ہیں ان کے فرزند اکبر احمدی خان سرہند کی صدارت کے منصب پر فائز ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں تمام بلاؤں اور امراض سے محفوظ رکھے، وہ علم و حلم، حیا و وقار سے آراستہ ہیں ان کی ذات مخدوم خدا رسا شیخ محمد پارسا کی جملہ صفات کی حامل ہے، جن کا فقیر (مولف) نے مشاہدہ کیا ہے اگر ان کی تفصیل لکھوں تو ان کی حلاوت چند جز قرطاس سے کم میں نہیں سمائے گی ....

لیکن اختصار کے پیش نظر آپ کے تمام اصحاب کمال کے بس انہی احوال پر اکتفا کر رہا ہوں۔

کل سب نے عارف سیر السیر شیخ محمد زبیر مدظلہ سے ان کا ایک مکاشفہ سنا ہے جسے تحریر کرنا لازم سمجھتا ہوں، دولت قرب جو ان کے شامل حال ہے جلوہ گر ہوا چاہتی ہے۔

فرماتے تھے کہ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے حضرت خواجہ کے روضۂ معظمہ میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ وسلم کے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں بہت ہی عنایات فرمائیں، دو ابرو یا اس سے کم فاصلہ پر میرا جبہ پکڑا اور اپنی زبان درفشاں سے تین مرتبہ فرمایا "تم مجھ سے ہو" جس مقام پر آنسرور علیہ

و علیٰ آله الصلوة والسلام کو کھڑے ہوئے دیکھا وہیں اپنی قبر کی نشاندہی کرتے ہوئے تاکید کی کہ کسی دوسرے کے لیے اس جگہ کی تعیین نہ کی جائے......

حضرت مروج الشریعت کے سب سے چھوٹے فرزند شیخ محمد سالم تھے جو بہت عمدہ اخلاق سے آراستہ تھے، چند سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے اور حضرت خواجہ کے روضۂ مطہرہ کے گنبد سے باہر مدفون ہیں، رحمة الله سبحانه رحمةً واسعةً۔

حضرت خواجہ محمد اشرف

چوتھی کنز

قطب الکاملین، اعلم علمائے شریعت والدین، مخدوم زادۂ رابع شیخ محمد اشرف (۳۲۵) قدسنا الله سبحانه بسره الاقدس کے بعض احوال

شیخ محمد اشرف کی مجھ ذرۂ بے مقدار (مولف) ناقابل اور پست استعداد پر اتنی عنایات والطاف تھے جن کا مشاہدہ کرتا رہتا ہوں اس کے شکرانہ کے طور پر اگر میں ان کے وسعت اخلاق اور کثرت اشفاق کا تذکرہ لکھنے بیٹھوں تو اس کتاب کے سارے اوراق ان کے محاسن و کمالات، طراوت بخش قلوب عشاق کے معارف و مقامات سے بھر جائیں، چونکہ اس قدوۂ ارباب کمال (خواجہ محمد اشرف) کو اپنے احوال پوشیدہ رکھنا بہت زیادہ پسند تھا اس لیے ناچار ان کے (خصوصی) احوال دل آویز اشارات میں لکھنے پر اکتفا کی ہے یہی وجہ ہے کہ ثقہ راویوں سے جو کچھ سنا یا کسی اشارے سے کچھ سمجھا وہ لکھ دیا ہے............

آپ کے بعض وہ دقیق مقامات جو مجھے (مولف) آپ کی زبان مبارک سے سننے کا اتفاق ہوا ہے اور اپنے حوصلہ کے مطابق وہ اور جو پوری طرح یاد رہے، تو انہیں اپنے ادنیٰ سے طریقہ کے مطابق لکھوں گا، ان شاء الله تعالیٰ المجید، بہرحال اس کعبۂ امانی (خواجہ محمد اشرف) کے باطن سے معانی کا طالب ہوں کہ کہیں خطا ہو

جائے تو عذر تقصیرات کی تمنا ہے............

اس قبلۂ ارباب ولایت کی ولادت باسعادت ۱۰۴۳ھ کو سرہند میں ہوئی، جس پر حضرت خواجہ نے بہت ہی خوشی کا اظہار کیا۔

احمر

معرفت دستگاہ مخدوم جمیل شیخ محمد اسماعیل سلمہٗ ربہٗ اپنے والد بزرگوار عالی حضرت (شیخ صبغۃ اللہ) قدس سرہ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت خواجہ فرماتے تھے کہ مقامات قرب میں سے ایک مقام پر فائز ہونے کی مجھے مدت دراز سے تمنا تھی، وہ مقام مجھے فرزندی محمد اشرف کی ولادت کے دن مل گیا، اور چند سال کی آرزو پوری ہوگئی۔

شیخ محمد اشرف کو (اللہ تعالیٰ نے) ظاہری حسن سے بھی نوازا تھا، جو اس درجہ کا تھا کہ بچپن میں جب آپ نے آئینہ دیکھا تو اپنے جمال باکمال کا مشاہدہ کیا جو بالکل چاند جیسا تھا، مجھے یہ بات (۳۲۶) اپنی والدۂ کریمہ جو کہ آپ کی بہن ہیں، سے سننے کا موقع ملا ہے، آپ کی تمکین[۱] سے ولایت کے آثار پیدا ہوتے اور جبین مبارک سے موروثی انوار کمالات کا ظہور ہوتا تھا، جب آپ تعلیم حاصل کرنے کی عمر کو پہنچے تو بہت کم مدت میں قرآن مجید پڑھ لیا اور پھر علوم عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کا آغاز کردیا، اکثر (درسی کتب) معتبرہ اپنے چچا حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پڑھیں اور پھر ملا بدرالدین سلطان پوری سے بھی بعض کتب آخر تک پڑھیں، بظاہر تفسیر بیضاوی آپ نے حضرت خواجہ کی خدمت میں پڑھی اور غالب گمان ہے کہ شیخ محمد اشرف نے تفسیر بیضاوی پر نہایت متین حواشی انہی ایام میں تالیف کیے (یہ یاد رہے) کہ یہاں ہم نے لفظ اغلب ان حواشی کے زمانۂ تالیف کے

---

[۱] تمکین (اصطلاح تصوف)، تمکین مقام رسوخ واستقرار ہے جس میں سالک صاحب مقام ہوتا ہے، یہ تلوین کا متضاد ہے۔ (فرہنگ لغات واصطلاحات عرفانی مولفہ جعفر سجادی ص ۳۵۵، سردلبران ص ۱۲۱)

تعین کے لیے استعمال کیا ہے نہ کہ اس بارے میں کسی شک کا اظہار کرنے کے لیے کہ آیا آپ نے یہ حواشی لکھے تھے یا نہیں بلکہ آپ نے یہ (علمی کام) واقعی کیا تھا، اور حضرت خواجہ ان کی قرأت (کتاب، حدیث) کے طریقہ کو بہت پسند فرماتے تھے۔

احمر

جناب حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) فرماتے تھے کہ ایک روز میں بھی شیخ محمد اشرف کے سبق کے دوران حاضر تھا وہ پوری صلاحیت سے پڑھتے تھے اور جو تقریر (تشریح) وہ اس پر کرتے تھے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل تھی، اس مجلس درس کے اختتام پر حضرت خواجہ ان کی علمی استعداد کی بہت تعریف فرمانے لگے اور کہا کہ محمد اشرف (تفسیر بیضاوی کے متعلق) ایسے دقیق نکات بیان کرتا ہے کہ فی الحقیقت اس تفسیر پر حواشی لکھنے والوں کا ذہن وہاں تک گیا ہی نہیں ہے، یہ حضرت مجدد الف ثانی کی شان ہے کہ ان کے فرزندوں (اولاد) میں اس قسم کے اصحاب کا ظہور ہو رہا ہے۔

احمر

حضرت خواجہ، ان (شیخ محمد اشرف) کی والدۂ ماجدہ سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ کیا کہتی ہو میں نے تیرے محمد اشرف کو ملا بنا دیا ہے، حضرت خواجہ بھی ان پر بہت ہی مہربانی فرماتے تھے، خان خدا پرست خان رحمۃ اللہ علیہ نے کئی بار اس فقیر حقیر سے یہ بیان کیا کہ حضرت خواجہ نماز ظہر کے بعد سوار ہو کر اپنے گھر جانے کے لیے سرہند شریف کی بڑی مسجد سے باہر نکلے اور چند قدم ہی باہر آئے تھے کہ سواری سے نیچے اتر آئے اور ایک عزیز کے ساتھ بڑے ہی شوق سے معانقہ کیا، میں صوفیہ کے ساتھ اس طرف بڑھا وہاں ان کا ہجوم ہو گیا میں نے دیکھا کہ وہ ایک محفل ہے اور اس کی طرف تمام صوفی حضرات بڑھ رہے ہیں جب میں نے اس معاملہ پر غور کیا تو دیکھا کہ وہاں مخدوم زادہ محمد اشرف ہیں میں بھی آگے بڑھ کر ان سے ملا اور معلوم ہوا کہ وہ ابھی دار الخلافہ شاہ جہان آباد (دہلی) سے آئے ہیں اور حضرت خواجہ کی قدم

بوسی کے لیے جلدی چلے آئے ہیں، حضرت خواجہ نے نہایت کرم فرماتے ہوئے ان سے معانقہ فرمایا وہ صوفیہ کے ہجوم کے ساتھ کھڑے ہیں حضرت خواجہ اس کے بعد سوار ہو کر اپنے گھر کی طرف (۳۲۷) تشریف لے گئے، مخدوم زادہ اس ہم رکابی کے دوران اپنے سفر (دہلی) کے حالات نہایت شوق، حلاوت اور کامل توجہ سے بیان کرتے ہوئے جلد ہی چل پڑے یہاں تک کہ گھر کے اندر داخل ہو گئے، خدا پرست خان مجھ سے بیان کرتے تھے کہ میری حضرت خواجہ کی خدمت میں مدت اقامت یعنی چودہ سال کے دوران دوسرے مخدوم زادے بھی سفر سے واپس آتے جاتے رہتے تھے اور حضرت خواجہ سے ملتے رہتے تھے لیکن آپ نے جو رعایت اس مخدوم زادہ (محمد اشرف) کو دی کہ دوسرے کے حال پر اتنی مہربانی کا احساس نہیں ہوا، مجھے (مولف) حضرت شیخ محمد اشرف کی خدمت وصحبت میں رہنے کی بہت سعادت نصیب ہوئی ہے، حضرت خواجہ کو جس قدر شیخ محمد اشرف سے محبت کا احساس ہوا قلم اس کے بیان سے قاصر ہے۔ جونہی صاحبزادہ کا ذکر آپ کی مجلس شریف میں آتا آپ کی آنکھیں پرنم ہو جاتیں اور اپنے آپ کو صاحبزادہ کے سامنے ذرہ، بے مقدار خیال فرماتے تھے، اگر آپ حضرت خواجہ کی اپنے اوپر عنایات کا ذکر کرتے تو اس طرح فرماتے کہ حضرت خواجہ اپنے ایک مخلص کے بارے میں اس طرح فرماتے ہیں:

احمر

مجھے اکثر زبان اشرف (حضرت شیخ محمد اشرف) سے یہ سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ ایک روز حضرت خواجہ اپنے ہاتھ میں ایک غم نامہ پکڑے روتے ہوئے محل سرا میں داخل ہوئے اور ہماری والدۂ ماجدہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ خواجہ محمد حنیف اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں یہ وہ مکتوب ہے کہ ان کے پسماندگان نے وہاں سے بھیجا ہے اور اس مکتوب کو آپ نے بلند آواز سے پڑھا،

حضرت خواجہ کے بارے میں جو حکایات میں نے ان (شیخ محمد اشرف) سے سنی

ہیں ان میں سے ایک یہ ہے:

احمر

فرماتے تھے کہ حضرت حق سبحانہ نے حضرت خواجہ کو جدری (چیچک) جسے ہندی زبان میں سیتلا کہتے ہیں سے محفوظ رکھا ہے آغاز عمر سے لے کر آخری ایام تک آپ کو اس بلا جو دنیا پر چھائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے مامون فرمایا، اگرچہ یہ حکایت مجھے کئی دوسرے ذرائع سے بھی سننے کا موقع ملا ہے کہ حضرت خواجہ کو چیچک ہوئی تھی (مگر اس کی کیفیت یہ نہیں تھی) ...... میں نے سنا ہے کہ وہ آپ کے فرزندوں کو "برہان اللہ" کہتے تھے، بے شک یہ خطاب انہیں رب کریم کی طرف سے عطا ہوا ہے۔

احمر

آپ کی زبان درفشاں سے مجھے یہ بارہا سننے کا موقع ملا ہے کہ ایک روز سلطان وقت خلد مکان (اورنگ زیب) کی مجلس میں ایک فلسفی مفکر آیا ہوا تھا اس نے اس فقیر (شیخ محمد اشرف) سے یہ سوال کیا کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰت والسلام کی حکایت میں اپنی قوم کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں (ترجمہ) "اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اسی پر بھروسا کرو اگر تم اسلام رکھتے ہو" (۳۲۸) اس میں جو حکم ہے اس کی دو شرطیں ہیں یعنی ایمان اور اسلام اور ہر دو شرائط اس آیۃ کریمہ (ترجمہ) "تو ہم نے اس شہر سے جو ایمان والے تھے نکال لیے اور ہم نے وہاں ایک ہی گھر مسلمان پایا" اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ اس قسم کے حکم میں دو شرطیں نہیں ہیں کیوں کہ اس کا تعلق "ایمان و جوب توکل" پر ہے اور اسے اسلام سے مشروط اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں احکام الٰہی کی پیروی کو اولیت دی گئی ہے اور دوسرے قضا پر سر تسلیم خم کرنا ہے، جیسا کہ مفسرین نے تحقیق کی ہے، یہاں اسلام سے ایمان کا تغائر لازم نہیں آتا بلکہ توکل پر مزید تاکید کی گئی ہے، دراصل ان دونوں لفظوں کا حاصل واحد

ہی ہے، البتہ ہر ایک کا تعلق علیحدہ ہے، جیسا کہ (تفصیل) بیان کی جا چکی ہے۔

احمر

عیدین میں سے ایک عید کے روز آپ نے سرہند شریف کے مصلے کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت خواجہ کے آخری ایام میں ارشاد کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ مخلصین کا اتنا ہجوم اور نیازمندوں کا اتنا اژدہام ہوتا تھا کہ عید کی نماز کے دوران نمازی ایک دوسرے کی پشت پر سجدے کرتے تھے، یہ منظر کئی عیدوں تک دیکھنے میں آیا، اس امر کا ذکر جب حضرت خواجہ سے کیا گیا تو اس پر آپ نے تبسم فرمایا اور عید میں نمازیوں کے ہجوم کے بارے میں آپ نے لب کشائی بھی فرمائی،

ان الفاظ کے لکھتے وقت عقیدت مندوں میں سے ایک صاحب نے جو اس وقت حاضر تھے حضرت خواجہ محمد اشرف کے رسالہ رد منکران حضرت مجدد الف ثانی کے بارے میں سوال کیا جو انہوں نے تالیف کیا تھا، آپ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا جان من مہربان من اور اس خاندان کے معتقد کہ اس سوال سے سینۂ بے کینہ میں فرحت محسوس ہوئی ہے .... اس رسالہ کا آغاز یوں ہوتا ہے......

فتح

اعلم ان کان کلمۃ التوسط قد وقع فی کلام الامام الھمام...... الی آخرہ اس (رسالہ) کے مطالعہ سے اس کی عبارت کی فصاحت اور معانی کی بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس میں (اعتراضات کے جو جواب دیے گئے ہیں) ان کے مطالعہ سے ایک انصاف پسند پر اس کے (محاسن) جلوہ گر ہوتے ہیں، جوں جوں فکر کی گہرائی کے ساتھ ان امور پر غور کریں گے اس کے لطائف بدیع نمایاں ہوتے چلے جائیں گے کہ بیان میں سے کم ہی کسی کا ذہن وہاں تک پہنچا ہوگا، لیکن اس امر کی پہلی شرط حسن اعتقاد ہے، اس فقیر دور از کار (مولف) نے بھی اس

قدوہ ابرار (شیخ محمد اشرف) کے حکم پر ایک دوبار اس کا مطالعہ کیا ہے۔
اس ناقص عقل والے انسان کی عقل ہی کہاں کہ اس کے بلند پایہ مطالب
تک رسائی ہو سکے البتہ اپنے ذوق کے مطابق اس میں سے کچھ حلاوت
چکھی ہے، اور اسے جناب قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) اور چچا حضرت
شیخ عبداللطیف کی خدمت میں بھی یہ رسالہ لے گئے تو انہوں نے کہا کہ
اس میں درج ابتدائی مقدمات اتنے عالی شان ہیں کہ تحریری طور پر اس کی
خوبی بیان کرنا مشکل ہے۔

حضرت شیخ محمد اشرف کا علم و عمل اور تقوٰی اس درجے کا ہے کہ تعریف کرنے
والوں کے بیان سے مستغنی ہے۔

آپ کے فرزندان گرامی آپ کے حضور کئی بار یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ
کی عمر مبارک کے آخری حصہ میں (۳۲۹) یہ اشارہ ملتا تھا کہ یہ موروثی خدمت
(دعوت و ارشاد) حضرت خواجہ کے بعد اپنے اس فرزند (شیخ محمد اشرف) کو سونپی
جانے والی ہے، اور اس کے تمام معاملات ان سے متعلق ہونے والے ہیں، یہ امر
زیادہ تر مجھے آپ کے فرزند اکبر شیخ محمد جعفر سے سننے کا اتفاق ہوا ہے جو سرہند پر مردود
کفار (سکھ) کے غلبہ میں ظلم کا نشانہ بنے اور شہید ہو گئے اور جب آپ نے یہ معاملہ
سنا تو اس کی نفی بھی نہیں فرمائی اور اس معاملہ میں آپ نے اپنے فرزندوں سے جو کچھ
فرمایا مجھے (مولف)، اس کا علم نہیں ہے۔

امر

ایک روز اس حقیر (مولف) نے اس روشن ضمیر (شیخ محمد اشرف) کی خدمت میں
عرض کیا کہ مخدوم زادہ شیخ محمد جعفر اکثر یہ فرمایا کرتے ہیں کہ اگر اس امر (قیومیت) کا
اشارہ حضرت خواجہ آپ (شیخ محمد اشرف) کی طرف کریں تو نیازمندوں کے سامنے اس
کی وضاحت کر دینی چاہیے، جواب کے طور پر فرمانے لگے قیومیت تو اصالت کے ساتھ

مشروط ہے، (اس کا دعوٰی) خود حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ کے طریقہ کے خلاف ہے تو میں اسے اپنے متعلق یا کسی دوسرے کے متعلق ہونے کی تجویز کیسے پیش کر سکتا ہوں، یہ کوئی نان وحلوہ تو نہیں ہے جس کے کھانے کی میں خواہش کروں۔

ہاں انہوں نے حضرت خواجہ کے حضور دیگر خدمات مثلاً قطبیت و امامت (کی بشارت) بھی پائی کہ اگر حضرت خواجہ کے فرزندوں میں سے کسی میں یہ وصف ہے تو وہ صرف شیخ محمد اشرف ہی ہو سکتے ہیں کہ حضرت خواجہ کی قیومیت میں ان کی قطبیت ہی دراصل نیابت ہے اور شیخ محمد اشرف پر حضرت خواجہ کی بہت ہی عنایت تھی۔ پس یہی وہ چیز ہے جو میں نے حضرت سے (براہ راست) سنی ہے بلکہ الفاظ تک اصل یہی ہیں لیکن اگر ہندی لفظ میں قبول کریں تو یہ حسن ظن ہی اسلام کی اولین شرط ہے اور اگر آپ میری بات باور نہ کریں تو آپ کو اختیار ہے۔

احمر

ایک خوشگوار شب کو صوبہ کابل کے ناظم امیر خان عمدۃ الملک کے گھر میں اس بے پر و بال (مولف) کی شیخ محمد اشرف سے صحبت رہی جس میں نواب مذکور بھی شریک تھے گفتگو کے دوران نواب کی زبان سے نکلا کہ مجھ پر اس قدر بلائے الٰہی (اب یاد نہیں کہ نواب نے بلا الٰہی کہا یا غضب الٰہی بولا) بہرحال یہی دو کلمے تھے جو انہوں نے نزول کیا پاس ان کثیر نعمتوں کے جواب شامل حال ہیں کا ذکر نہ کرنا کفران نعمت ہے، میرے دس بچے مر گئے جو نواب علی مردان خان کی دختر کے بطن سے تھے اور الہ آباد کی صوبہ داری کے دوران مجھ پر غضب سلطانی اور مدتوں بے منصب رہنا اور پھر خجالت و رسوائی اس کے علاوہ ہوئی ....

احمر

ایک رات جو حضرت خواجہ کے عرس کی شب تھی ان کے خانہ فیض کاشانہ میں ان (عمدۃ الملک امیر خان) کے اہل خاندان (۲۲۰) کو دعوت دی گئی تھی جس میں حضرت

قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ بھی موجود تھے، جن کی صورت دیکھتے ہی امیر خان سے مجھ (مولف) سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے گویا بعینہٖ حضرت خواجہ کو دیکھا ہے، وہ غائبانہ طور پر بھی اہل مجلس سے اکثر کہا کرتے تھے کہ شیخ محمد فضل اللہ کی صورت بالکل حضرت خواجہ جیسی ہے ایسا لگتا ہے گویا میں انہی کو دیکھ رہا ہوں، اور ان کی حضرت خواجہ کی صورت مبارکہ کا ہر لحاظ سے ان کے مشابہہ ہونا ثابت ہے، انہوں نے اس کا اظہار اس مجلس میں آپ کے سامنے ہی کر دیا جس سے شیخ فضل اللہ نے بہت ہی خوشی محسوس کی، فرمانے لگے میں اسے (مشابہت) کو تمہاری طرف سے گویا بشارت تصور کرتا ہوں۔

حضرت قبلۃ الانام (شیخ محمد فضل اللہ) کے قیام کابل کے دوران جیسا کہ ان کے فرزندوں کی زبانی سنا ہے، کہ کئی راتیں آپ کا یہ معمول رہا ہے کہ رات کو تنہا شہر سے باہر چلے جاتے اور کسی کو اس کی اطلاع نہیں دیتے تھے تقریباً رات کا چوتھائی یا تیسرا حصہ باہر گزار کر گھر آتے ایک دو گھنٹے رات ابھی باقی ہوتی کہ گھر میں داخل ہوتے، یہ معلوم نہیں ہے کہ کہاں جاتے اور کس طرح رات کو دن تک پہنچاتے تھے۔

اس قسم کے وہ معاملات جو میں نے دیکھے اور سنے ہیں کہاں تک بیان کروں اور ان کا بچوں، بوڑھوں اور بے حال عورتوں کو خیرات دینا صبح سے شام تک کا عام معمول تھا کہ کون سی زبان میں بیان کیا جائے۔

ابیض

شیخ محمد اشرف کے تیسرے فرزند شیخ روح اللہ قدس سرہ اپنی اہلیہ سمیت جو کہ اس حقیر (مولف) کی بہن تھیں سخت بیمار ہو گئے اور ان کا معاملہ بیماری مایوس کن حد تک پہنچ گیا اور ہر طرف سے ان کی زندگی کی امید ختم ہو گئی، حضرت شیخ محمد اشرف عیادت کی غرض سے ان کے ہاں تشریف لے گئے اور یہ فقیر (مولف) اس وقت وہاں موجود تھا، ان مریضوں کے احوال کا مشاہدہ کیا اور یہ آیۃ کریمہ (آپ نے پڑھی)

(ترجمہ) ''اور ہم نے قرآن کو حق کے ساتھ اتارا اور حق ہی کے لیے نازل کیا اور ہم نے تمہیں خوشی اور خوف سے آگاہ کرنے کے لیے بھیجا'' تین مرتبہ دم کیا اور آخر میں درود بھی پڑھا، آپ کی عادت شریفہ یہی تھی کہ ہر بیمار پر یہی آیت پڑھتے اور درود شریف پڑھ کر دم کرتے تھے، قصہ مختصر کہ آپ نے ان چاروں مریضوں کو صحت کی بشارت دی اور فرمایا کہ خاطر جمع رکھو حضرت حق سبحانہ بہت جلد ان چاروں کو شفا کاملہ سے سرفراز کرے گا۔

احمر

حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) بھی اس وقت وہاں تشریف رکھتے تھے بلکہ یہ ساری گفتگو ہی ان کے گھر میں ہو رہی تھی کیوں کہ مریض ان دنوں وہیں سکونت پذیر تھے فرمانے لگے (۳۳۱) کہ دل ان مریضوں کی طرف سے متردد تھا اور ابھی تک ہے، الحمد للہ کہ حضرت میاں جیو (شیخ محمد اشرف) کی طرف سے بشارت ملنے پر جمعیت خاطر ہوئی ہے، ان کی شفاء سے متعلق دل کو اطمینان نصیب ہوا ہے، اسی مجلس میں انہوں نے آپ کی مزید فضیلت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے ہر وہ بشارت جو حضرت خواجہ کی طرف سے بیان کی یا اپنے کشف سے بتائی ہے وہ مسلم ہے اور اسے قبولیت حاصل ہے اور جو چیز آپ نے فرمائی ہی نہیں ہے میں اس سے معذور ہوں، بہر حال میرا ان اور ان کے بھائیوں پر اتنا اعتقاد ہے جو بلا تکلف و تردد میرے دل نشین ہو جاتا ہے۔ چنانچہ شہزادے بھی ساری شاہی قوت کے باوجود آپ پر اعتقاد رکھتے تھے اگرچہ وہ کثیر خزانہ اور افواج کے باعث کم اعتقاد ہوتے ہیں لیکن وہ اس سلطنت و جامعیت کے باوجود اعتقاد کامل رکھتے تھے، حضرت خواجہ کے سارے صاحبزادگان اسی طرح سارے کمالات سے آراستہ تھے جو کچھ فرماتے تھے درست ہوتا تھا اور اس میں کذب و جھوٹ کو مطلق دخل نہیں تھا۔

میں نے نہیں دیکھا کہ ہر جگہ کے مخلصین جنہوں نے اپنے شیخ کی فضیلت کو

بلاتوقف مانا اور اپنے اعتقاد کے مطابق فیوض و برکات نہ حاصل کیے ہوں ....

حاصل کلام یہ ہے کہ ان عالی درجات حضرات کے کمالات ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں جو قیومیت کے رنگوں سے رنگین ہیں، یہی وجہ ہے کہ اکثر اہل کشف نے ان اکابر کی تفضیل کے بارے میں کلام کیا ہے اور ہر ایک کے ما فی الضمیر میں ان کا جو اعتقاد راسخ ہو گیا ہے (اس آیۃ کریمہ کے مطابق) (ترجمہ) ''ہر گز وہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے'' استوار ہے۔ بات میری استعداد سے بڑھ کر ہو گئی جس سے اصل مقصود جاتا رہا ہے۔

حضرت شیخ محمد اشرف کی عمر مبارک ۷۵ سال ہوئی ہے، ایک نیک خاتون کے استفسار پر وصال سے صرف دو تین گھنٹے پہلے جو فرمایا وہ آپ کے آخری کلمات تھے، جو یہ ہیں:

احمر

اس کے جواب میں آپ نے اپنی زبان شکر بار سے فرمایا:

''و ھو حسبی و نعم الوکیل''

معلوم نہیں ہے کہ اس طرح اپنے آپ کو اس کریم و غفار کے سپرد کرنے کے بعد آپ نے کچھ فرمایا یا نہیں ۲۸ صفر کو جس دن حضرت مجدد الف ثانی کا عرس تھا سنہ ۱۱۱۸ھ کو وصال فرمایا (۳۳۲) انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون اور حضرت خواجہ کے روضہ منورہ کے گنبد کے اندر مدفون ہیں ......

حضرت شیخ محمد اشرف کے چار فرزند ہیں، ان میں سے سب سے بڑے شیخ محمد جعفر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں جو حضرت خواجہ کی صحبت سے ممتاز ہوئے تھے، فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ نے (مجھے جو) توجہ دی تھی اس کی لذت مجھ سے جدا ہونے والی نہیں ہے، وہ توجہ اگرچہ مجھے کم عمری میں حاصل ہوئی تھی جس نے مجھے راہ راست پر ڈال کر مہمات میں کفایت کی ہے، شیخ محمد جعفر آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ

والسلام کی محبت میں یکتا تھے۔

ان کی شہادت کا واقعہ چند اوراق پہلے ایک تقریب سے بیان کیا جا چکا ہے، حضرت خواجہ کے روضہ میں گنبد سے باہر مدفون ہیں۔

شیخ محمد اشرف کے دوسرے فرزند شیخ محمد حیات تھے جو صاحب معنی و کمالات تھے، اور صاحب کشف و کرامت بھی تھے، ان کی بھی وفات ہو چکی ہے، وہ بھی حضرت خواجہ کے روضہ میں گنبد سے باہر مدفون ہیں **رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعةً**۔

معارف آگاہ شیخ روح اللہ حضرت شیخ محمد اشرف کے تیسرے فرزند تھے، جنہوں نے حضرت حجۃ اللہ **قدسنا اللہ بسرہ الاقدس** کی خدمت میں رہ کر کسب کمال کیا اور صاحب معارف و کمالات ہوئے، کشف اسرار و احوال کا ان پر جس قدر غلبہ تھا مجھے خود ان کی زبان سے سننے کا موقع ملا ہے اگر بیان کروں تو اس کے لیے جداگانہ کتاب تصنیف کرنا ہوگی۔

جناب مرشدی قبلہ گاہی اقطاب پناہی (شیخ محمد فضل اللہ) نے ان کی زبان سے اکثر اسرار باطنی سنتے رہتے تھے اور ان کے ظاہری احوال بھی بیان کرتے تھے، بہر حال انہیں صاحب نسبت خیال کرتے تھے، اس مخدوم زادہ کو اپنی قیومیت کا بھی دعوٰی ہے، وہ خوبان روزگار میں سے تھے، "**اولوا الابصار**[1]" کے زمرے میں داخل تھے شیخ روح اللہ کا وصال ۱۱۲۷ھ کو ہوا۔ حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ میں گنبد سے باہر مدفون ہیں۔

حضرت شیخ محمد اشرف کے چوتھے فرزند مخدوم زادۂ عالی مقال میاں شاہ فی الحال اس وقت بقید حیات ہیں، اور تصانیف زیبا نکات کے مالک ہیں، ان کے روشن چہرہ کے مشاہدہ سے حضرات عالی درجات کے اسرار بہت عمدہ طریقہ سے واضح ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا جائے تو ان اکابر کی محبت دل و دیدہ میں

---

[1] مردمان روشن بین۔

سرایت کر جاتی ہے، اس کتاب (مقامات معصومی) کی تالیف سے چند سال پہلے انہوں نے حضرت خواجہ کے احوال ومقامات کے سلسلہ (کی روایات) جمع کر کے (کتاب مرتب کی ہے) اور سوختہ دل حضرات کو راہ مطلوب کی طرف راہنمائی کی ہے...... ان مقامات کی تالیف (۳۳۳) سے انہیں اولیت کا درجہ حاصل ہو گیا ہے...... ان کے دیگر اعمال سے متعلق کیا عرض کروں کہ عمل بہ عزیمت ان کا شیوۂ مرضیہ ہے، اپنے اکابر کی تقلید پر وہ کار بند ہیں، انہوں نے حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ سے بھی بشارات حاصل کی تھیں، انہوں نے آنحضرت کی آخری عمر میں آنحضرت سے رجوع کیا (جس کی تفصیل) اس فقیر (مولف) کو معلوم نہیں ہے، الغرض میاں شاہ فی الحال ظاہر و باطن کے تمام کمالات سے آراستہ ہو کر اپنے وطن مالوف (سرہند) میں کامل حلاوت کے ساتھ مصروف کار ہیں اے خدا وہ جہاں بھی ہیں انہیں سلامت رکھنا، (آیۃ کریمہ ہے) (ترجمہ) "اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اور آخرت میں بھلائی دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

حضرت خواجہ محمد سیف الدین

پانچویں کنز
قطب العارفین واصل مرتبۂ حق الیقین مخدوم زادۂ پنجم
شیخ محمد سیف الدین کے (۳۳۴) بعض احوال

رب العباد کے قرب کی دولت، دعوت وارشاد کے غلغلہ اور جود وسخا کا طنطنہ آغاز جوانی سے زمانۂ وفات تک ایک ذات حمیدہ صفات میں جمع تھیں وہ جامع حسنات ذات مخدوم زادۂ عالی درجات ہیں جو کہ حضرات احمدیہ (مجددیہ) کے مابین ایسی معصومی تلوار تھے جس نے بدعتیوں کے (افکار) کا ایسا بطلان کیا کہ وہ آج تک اپنی پریشانی سے خون خجالت کے قطرے صاف کر رہے ہیں............

اس قطب عالمیاں (خواجہ سیف الدین) کا احسان اس آوارۂ بے بضاعت (مولف) پر ایسا ہے جو اس پست فطرت (مولف) کے روز ولادت سے ہی اس طریقہ سے شامل حال ہے کہ اس سے ان کے مجھ پر حقوق ایسے ہیں جو دوسروں کے حقوق پر غالب آ گئے ہیں ان شاء اللہ اس کتاب کی اگلی مفتاح جو کہ آٹھویں مفتاح ہو گی اپنے والد قبلہ گاہی قدس سرہ کے احوال کے ضمن میں بیان کیے جائیں گے۔'' بے شک میرا رب مہربان محبت والا ہے۔''

حضرت خواجہ سیف الدین کی ولادت باسعادت ۱۰۴۹ھ کو سرہند شریف میں ہوئی، اس سلسلہ میں بھی وہی روایت بیان کی جاتی ہے جو مخدوم زادہ ثالث (حضرت مروج الشریعت خواجہ عبیداللہ) کی ولادت کے سلسلہ میں درج کی جا چکی ہے یعنی فرشتہ اس وقت یہ آیۂ کریمہ (ترجمہ) ''اور سلامتی ہے اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا اور جس دن زندہ اٹھایا جائے گا'' ان کی جائے ولادت کے قریب پڑھ رہا تھا یہ حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کا کشف بھی ہے جو میں نے وہاں حضرت حجۃ اللہ سے سنا تھا لیکن یہاں اسے میں نے اپنی والدہ ماجدہ سلمها ربها سے سنا ہے، ایک روز اس عاصی تباہ کار (مولف) نے اس ولیۂ روزگار (والدہ) کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے آپ کی زبان سے ہمیشہ یہی سنا ہے کہ حضرت خازن الرحمت نے فرشتہ کو دیکھا جو ، حضرت شیخ سیف الحق والدین کی ولادت کے وقت آیت سلام پڑھ رہا تھا لیکن آج یہی روایت حضرت حجۃ اللہ (۳۳۵) سے حضرت مروج الشریعت کیوں روایت کرتے ہیں؟ اس کے جواب میں فرمانے لگیں کہ میں نے حضرت خواجہ سے سنا ہے کہ آپ اسی طرح فرماتے تھے کہ ہر دو جگہ فرشتہ ہی تھا (جس نے وہ آیت پڑھی) اس سے (روایات) ایک دوسرے اکابر دین سے مروی ہونے پر نفی لازم نہیں آتی، یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے جو اللہ کے دونوں بندوں سے ظہور میں آئی، بلکہ یہ تو فخر کا موجب ہے اس سے کسی کے قول کی نفی نہیں ہوتی اس طرح محترمہ

نے اس کی توجیہ فرما کر دونوں بھائیوں کے فضل کو قائم رکھا۔

جب مخدوم زادہ (خواجہ سیف الدین) تعلیم و تعلم کی عمر کو پہنچے تو بہت ہی کم عمر میں قرآن مجید پڑھ لیا، اور پھر کتب متداولہ کی تحصیل کا آغاز ہوا اور بچپن میں ہی حد کمال کو پہنچ گئے، گویا ابھی صرف گیارہ سال کے تھے کہ حضرت خواجہ نے انہیں ولایت کے درجات میں سے ایک اعلیٰ درجہ ''فناء قلب اور ولایت صغریٰ'' کی بشارت دی، یہاں تک کہ آپ کے ہم عمر جو کہ آپ کے عزیز و اقارب ہی تھے اس (بشارت) پر رشک [۱] کرتے تھے کیوں کہ انہیں بالغ ہونے سے پہلے ہی فناء نفس اور ولایت کبریٰ کی بشارتوں سے ممتاز کیا گیا تھا، حضرت خواجہ کو اس عالی نژاد مخدوم زادہ کی اعلیٰ استعداد منظور تھی ان کی ترقیات کا ان کے اقوال کے مطابق آناً فاناً اثبات کر دیا، حضرت خواجہ کو ان کا ظرف بہت ہی عالی شان معلوم ہوتا تھا جو افاضۂ انوار کی خوب تحقیق کر سکتا تھا، جوانی میں ہی مرتبہ کمال حاصل کر کے مولای ذوالجلال کے مقبول ہوئے، ان کی ہمت احکام شریعت کے نفاذ و ازدیاد سے دین و ملت کو رونق نصیب ہوئی، حضرت حق سبحانہ نے ان کی عالی ہمتی اور صالح نیت سے اپنے والد کے حین حیات ہی ارشاد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز کر دیا، ان کے کارناموں سے دین و ملت کو طراوت ملی، بدعت اور بدعتیوں کا اسلامی ممالک سے گویا نام و نشان مٹ گیا، ان کا درۂ احتساب (تبر) بدکیشوں پر ایسا برسا کہ کفر کی رسوم مٹ گئیں ان کی عبادت گاہیں مسمار ہو گئیں، ان کا کام دراصل اپنے والد بزرگوار (حضرت خواجہ محمد معصوم) اور جد اعلیٰ (حضرت مجدد الف ثانی) کی پیروی تھا اس قبلۂ ارباب ولایت (خواجہ سیف الدین) رسول مختار علیہ و علی آلہ الصلوۃ والسلام کی رضا کا حصول تھا......

ان (بدعتیوں) کی صحبت سے آپ بہت بیزار ہوتے تھے، اپنے کام کا مدار آخرت کو جو دار قرار ہے خیال فرماتے تھے، جنت کو محل لقاء پروردگار ہونے کا یقین کر لیا، ہمت کی

---

[۱] رشک، متبادل غبطہ، آرزو بغیر حسد

بلندی اور (دین پر سے) تہمت کا خاتمہ، امور دین کی پیروی اور دیدار خدا کے سوا ان کی جلوہ گاہ میں کسی دوسری خواہش کو دخل نہیں تھا (۴۳۶) احقر (مولف) کی عمر حضرت شیخ محمد سیف الدین کے حین حیات دس سال سے زیادہ نہیں تھی ان کی زبان مبارک سے بلاواسطہ جو چند حرف و حکایات سنی تھیں وہ اب تک میرے ذہن میں بہت اچھی طرح محفوظ ہیں:

اصر

ایک روز شیخ محمد سیف الدین اپنی بہن جو کہ میری (مولف) کی والدہ بھی ہیں سے ملاقات کے لیے تشریف لائے کہ فدوی بھی اس وقت موجود تھا، ایک تقریب سے اہل دولت کا تذکرہ بھی ہوا، فرمانے لگے کہ اہل دنیا کی صحبت میں ایسے امور بھی ہوتے ہیں جو لذت اور دل کی خوشی کا باعث بنتے ہیں، حضرت حق سبحانہ (ہمیں) ان کی صحبت سے بچائے، یہ بات کہتے ہوئے آپ کی چہرہ سے بے مزگی اور کراہت کے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ (نیز اس امر کی طرف بھی اشارہ فرمایا) حضرت خواجہ کی خدمت میں بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) نے التجاء کی تھی کہ (اپنا کوئی فرزند دربار میں بھیج دیں) تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے الہام کے تحت ایسا کرتے ہوئے اس مخدوم زادہٗ (شیخ سیف الدین) کو وہاں جانے کی رخصت و اجازت دی تھی گویا وہاں وہ خلیفہٗ وقت (اورنگ زیب) اور دوسرے طالبوں کے ارشاد کے لیے مامور کیے گئے تھے، جب آپ دارالخلافہ کے قلعہ میں داخل ہونے لگے تو ناگاہ آپ کی نظر دروازہ پر پڑی جہاں ایک تصویر بنی ہوئی تھی کہ دو آدمی دو ہاتھیوں پر سوار تھے، گویا ان مصنوعی ہاتھیوں کو اصلی ہاتھی تصور کرتے ہوئے جنگ کا منظر پیش کیا گیا تھا...... میں نے سنا ہے کہ ہاتھیوں پر سوار دو آدمی بھی کافر ہی تھے، شیخ سیف الدین نے کہا کہ میں قلعہ میں داخل نہیں ہوں گا کیوں کہ رحمت کا فرشتہ اس راستے سے داخل نہیں ہوگا، بادشاہ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا گیا، اسی وقت اس کے حکم سے انہیں ڈھا دیا گیا۔ اس کے بعد آپ قلعہ

میں داخل ہوئے، امر معروف و نہی منکر آپ کا شیوۂ امتیاز تھا یہاں تک کہ بادشاہ نے خواجہ سیف الدین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے حضرت خواجہ کو ایک خط لکھا جس کا جواب حضرت خواجہ نے دیا تھا جو آپ کے مکتوبات (معصومیہ) کی تیسری جلد میں بنام خلد مکان (اورنگ زیب) موجود ہے، اس جلد کا نام ''مکاتبات قطب زمان'' ہے، اس صحیفہ کی چند آخری سطور یہاں نقل کر رہا ہوں:

فخ

(اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء ہے فقیر زادہ (شیخ سیف الدین) آپ کی نظر میں مقبول ہو گیا ہے (اس کی صحبت کا اثر حاصل ہو گیا ہے) نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جو کہ اس فقیر زادہ (شیخ سیف الدین) کی عادت ہے جس پر آپ نے شکر و رضامندی کا اظہار کیا ہے، اس انعام پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لایا اور یہ امر دعا گوئی میں اضافہ کا باعث بنا، کتنی عجیب نعمت ہے کہ بادشاہت کی اس شان و شوکت اور سلطنت کے رعب کے باوجود حق بات قبولیت کے کان میں پڑے اور ایک نامراد کا قول موثر ثابت ہو، (جیسا کہ آیۃ کریمہ ہے) (ترجمہ) ''پس میرے ان بندوں کو بشارت دے دیں جو بات سنتے ہیں، پھر اچھی بات کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے، اور یہی لوگ عقل و دانش والے ہیں'' و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ اجمعین

(حضرت خواجہ کے حین حیات) حضرت شیخ سیف الدین کے دعوت وارشاد کا غلبہ گویا محیط آفاق ہو گیا، شہزادہ محمد اعظم شاہ (۳۳۷) بھی کامل اخلاص کے ساتھ آپ کا مرید ہو گیا تھا، ایک روز آپ کے مرکز شریفہ میں اس قدر ہجوم تھا کہ آپ کی دستار سر سے گر پڑی، جب اس کی خبر بادشاہ کو ہوئی تو اس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے عہد مبارک میں اس قسم کے صاحب کمال شیخ کا ظہور ہوا ہے کہ

صغیر و کبیر، مرد اور عورت اور امراء و فقراً سبھی اس کے فیض سے شاداب ہو رہے ہیں، ہر ایک اپنے نصیب کے مطابق نعمت حاصل کر رہا ہے، اہل حاجت اور خاص طور پر اہل حقوق کی تمنائیں اس دوران پوری ہوئی ہیں کہ وہ اب تک آپ کے شکر گزار ہیں، بہنیں، بیٹیاں اور دیگر اقربا ان نوازشات سے زیادہ بہرور ہوئے ہیں جن کی تفصیل بیان کرنے سے قلم عاجز ہے، وہ اپنے بزرگوں اور بھائیوں کے توقع سے زیادہ آداب بھی بجالاتے تھے۔

سنا ہے کہ ایک روز (شہزادہ) اعظم نے حضرت شیخ سیف الدین کی دعوت کی اور غایت اخلاص کے باعث وہ خود اپنے ہاتھ سے لوٹا لایا، ان دنوں آپ کے بڑے بھائی حضرت شیخ محمد اشرف بھی وہاں (دہلی) میں تشریف لائے ہوئے تھے آپ نے انہیں بھی شریک دعوت کیا۔ شہزادہ ان کے ہاتھ خود دھلوانا چاہتا تھا کہ آپ نے اس کے ہاتھ سے لوٹا لے کر خود اپنے بڑے بھائی کے ہاتھ دھلوائے پھر وہ آفتابہ شہزادے کو دیا پھر اس نے آپ کے ہاتھ دھلوائے۔

انہی ایام (قیام حضرت شیخ سیف الدین در دہلی) میں ایک روز آپ کو بادشاہ اسلام (اورنگ زیب) نے باغ حیات بخش جو کہ قلعہ (دہلی) کے اندر واقع ہے کی سیر کی تکلیف دی (یہ وہ باغ ہے) جس کی تعریف میں ایک شاعر نے کہا ہے

اگر فردوس بر روی زمین است
همیں است وہمیں است وہمین است

(اسی سیر کے دوران) آپ کی نظر (باغ میں رکھی گئی) سنہری مچھلیوں پر پڑی جن کی آنکھیں الماس یا یاقوت کی تھیں، وہاں آپ نے بیٹھنا گوارا نہ فرمایا یہاں تک کہ اسے ختم کر دیا گیا فرمایا کہ اس پر سرکار دولت مدار کا بہت ہی صرف ہوا ہوگا، (اورنگ زیب) نے کہا کہ شیخ کی خواہش کا خیال رکھنا بہت ہی نفع بخش ہے۔

اس قسم کے بہت سے عظیم کارنامے ہیں جو آپ نے اس وقت اور دوسرے مواقع پر انجام دیے جن کی تفصیلات آپ کے مکتوبات شریفہ (بنام حضرت خواجہ) میں

جلوہ گر ہیں ان میں سے ایک عریضہ یہاں اس مقامات فرخندہ نکات (مقامات معصومی) میں تبرکاً نقل کیا جا رہا ہے، جس سے آپ کی تحریرات کے شائقین اس کا جلوہ دیکھ سکتے ہیں، ہوش مندی کے کانوں سے سننا چاہیے۔

فتح

کمترین درویش محمد سیف الدین کی عرضداشت جس میں اس نے اپنے منتشر احوال بیان کرنے کی جرأت (۳۳۸) کرتے ہوئے گستاخی کی ہے، معافی کی امید رکھتے ہوئے اپنی حد سے تجاوز اور دراز نفسی سے کام لیا ہے، قبلہ گاہ! میں نے کچھ چاہا ضرور ہے لیکن اپنا قدم مباحات سے باہر نہیں نکالا، پھر بھی پذیرائی کی کوئی صورت نہیں ہے کیوں کہ مشتبہ، مکروہ اور محرم ارتکاب اتنے ہو گئے ہیں کہ ان کا کہاں تک بیان کروں، عمل بہ عزیمت اس وقت بہت ہی کم یاب ہے اور حزم و احتیاط سے بہت ہی دور ہے، لیکن اس ساری خرابی اور تباہ کاری کے باوجود یہ اس درگاہ کے ساکنوں کی محبت میں ثابت قدم ہے، اعتقاد و فدویت میں یہ حقیر ممتاز ہے، اپنے اندر کسی قسم کی قابلیت نہ پاتے ہوئے عرض پرداز ہے......

حضرت سلامت آج سے چند سال پہلے انتہائی ذرہ نوازی سے مجھے حقیقت الحقائق سے ملحق کر دیا گیا تھا اور نسبت ملاحت سے بہرہ ور کیا گیا تھا۔ اس ضعیف کو بھی اس دولت عظمیٰ میں درک حاصل تھا، اتنا عرض کرتا ہوں کہ اس نسبت نے اتنا زیر بار کیا کہ اتحاد جسدی بلکہ معاملہ کون دیر متخیل ہو گیا، جس کا بدن پر بوجھ محسوس ہوا اور اب حال یہ ہے کہ ان عجوبہ منش اسرار میں غوطہ زن ہو گیا ہوں، ہر چند کہ اس میں دور دور تک نظر دوڑائی لیکن کچھ بھی نہ پایا، مختلف اقسام کے ساتھ معرفت کا ظہور ہوا، ہر مرتبہ فنا و بقاء جدید کا گمان ہوا............

اپنا مسکن "تعین جبی" معلوم ہوا اور اپنے آپ کو اس محاط تعین میں پایا کہ اس سے اوپر اور کوئی تعین نہیں ہے اور ان راستوں کی عجیب و غریب چیزیں اپنے اندر پائیں، مجھ پر انوار و برکات کا نزول بارش کی طرح ہوا اور وہاں ایسے اسرار کا ظہور ہوا جن کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے، بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ (ان اسرار پر) مروارید اور زیورات نثار کر دیے جائیں اور اس نسبت کا اتنا غلبہ ہوتا ہے کہ گویا دوسری نسبتیں چھپ گئیں، اور اس درویش کو بارہا (۳۳۹) اخذ فیوض و برکات کے سلسلہ میں حیلولت بشر کے بغیر ارتفاع کی بشارت دی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت (حقیقت محمدی) کے ساتھ کمال اتحاد کی علامت ہے اور یہی رفع واسطہ بھی ہے۔ اس قسم کا اتحاد بہت ہی کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے، جیسا کہ (حضرت مجدد الف ثانی کے) مکتوبات قدسی آیات سے ظاہر ہے۔ لیکن کیا اصالت سے اس درجہ کا بہرہ مند ہونا اس قسم کے شخص سے لازم ہے یا نہیں، امید ہے کہ اس کے جواب سے سرفراز کیا جائے گا۔

قبلۂ عارفان سلامت! صلاح آثار شیخ ظہور اللہ جو کہ ارباب کشف و شہود میں سے ہے، شغل کے آغاز سے لے کر اب تک عجیب و غریب قسم کے بیانات دے رہا ہے، ساتوں آسمانوں کے عروج اور انوار عرش کے ظہور اور خیر البشر **علیہ و علیٰ آلہٖ من الصلوٰۃ افضلھا و من التسلیمات اکملھا** کی زیارت (صحبت) سے بارہا مشرف ہونے کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اب عناصر اربعہ کے عروج کا بھی ادراک کر لیا ہے، اور صوفی عبدالغفور جو کہ خدمت کا حق ادا کر رہا ہے، ہم سے خاص محبت رکھتا ہے اور اس راہ کے اکثر مقامات کا امیدوار ہے۔ اسے رفاقت (معیت) حاصل ہے، اس کے اندر (باطن میں) عطیات (خداوندی)

کے آثار کا احساس ہے، اس فقیر کے مریدوں میں سے ایک صلاح آثار حافظ موسیٰ ہے، وہ آپ کی صحبت سے مشرف ہو چکا ہے۔ اس پر وحدت وجود کے غلبات تھے، چنانچہ وہ کہتا تھا کہ ذرات کے ہر ذرہ میں سے "انا الحق" کی صدا آتی ہے، فقیر نے جب یہ چاہا کہ اسے اس کیفیت سے نکال لے، لمحہ بھر کے لیے اس کے ساتھ خلوت میں سکوت کیا اس عمل کے خاتمہ پر اس نے یہ ظاہر کیا کہ "نفس کلیہ [۱] نے مجھے گھیر لیا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے کہ اسے اس تنگی (وحدت الوجود) سے خلاصی ملی او وہ شاہراہ پر آ گیا، یاران (مریدین) جدید میں سے حاجی عبدالروف امام مسجد فتح پوری نے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ ترقی کی ہے وہ صفات باصل سے الحاق میں بھی بلاتکلف واصل ہو گیا اور تمام عالم میں وہ گم ہو گیا اور شہود خاص جو اس سے بلند تر ہے کہ ذوق سے شناسائی رکھتا ہے اور اسے بقا کا درک بھی ہو گیا ہے۔

چونکہ بادشاہ اور فوج اس شہر میں نہیں ہیں اس لیے بعض گوشہ نشین، طلبہ اور شکستہ دل جو کہ فوجیوں سے بہتر ہیں اخلاص پیدا کر لیا ہے (حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے ہیں) خاص طور پر حافظ عبدالجلیل لنک جو کہ اس علاقہ کے مشائخ میں سے ہیں اور امراء کی ایک جماعت بھی ان کے ساتھ ہے، ملتفت خان نے کامل ارادت و نیازمندی سے میرے ساتھ حسن ظن پیدا کر لیا ہے، وہ چند مرتبہ ہمارے ساتھ سکوت کی صحبت میں بھی شریک ہوا ہے، وہ دور دراز کا سفر کر کے کامل طلب کے ساتھ آیا ہے۔ ان کے علاوہ بعض اور احباب بھی اذکار و مراقبات میں مصروف ہیں، میر محمد عارف منگل کوٹی کے بیٹے فضائل مآب محمد واصل اس فقیر (شیخ سیف الدین) کے

---

۱ ورقاء، نفس کلیہ، نفس ناطقہ، لوح محفوظ (فرہنگ معارف اسلامی ۴ / ۵۷۸)

ساتھ باخلاص و کامل انس میرے ہمراہ رہتے ہیں اور آپ کے ساتھ صحبت کا شرف حاصل کرنے کے امیدوار ہیں، اس احقر نے جناب کی خدمت میں بہت بے ادبی کی ہے معافی کا طالب ہوں، (بادشاہ سے) رخصت حاصل کرنے (۳۴۰) کے ایام قریب میں محمد صادق افغان ہمارے پاس آیا کہ توجہات عالی سے سیراب ہو سکے اور عنایات و بشارات خاص سے سرفراز ہو سکے، صوفی پائندہ، صوفی سعد اللہ اور ملا ورسکی کے متعلق عرض ہے کہ وہ حضرت (حضرت خواجہ) کی محبت میں سرشار ہیں، ملا عبدالخالق اور حاجی محمد شریف نے توجہات خاصہ کی درخواست کی ہے، حضرت سلامت! ملا محمد سالم کو جب آپ رخصت (عنایت خلافت) دیں تو انہیں دیگر حضرات کی طرح خلعت مبارک اور بشارات عالی سے نوازیے کیوں کہ وہ آپ کی محبت میں فنا ہے، اس عریضہ کا حامل سرہند کا رہنے والا نور محمد بھی مہربانی کا امیدوار ہے والسلام۔ مکتوب شریف ختم ہوا۔

اس مکتوب کا جواب اور دیگر مکاتیب حضرت خواجہ کے مکتوبات کی تیسری جلد میں دیکھنا چاہیں جہاں کمال عظمت اور دبدبۂ شان کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

احمر

حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ فرماتے تھے آنحضرت والا منقبت (شیخ سیف الدین) قدس سرہ دوسرے بھائیوں پر اپنی فضیلت ان الفاظ میں ثابت کیا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ کے مکتوبات موجود ہیں انصاف سے دیکھنا چاہیے کہ ان میں سے کس کو فضیلت حاصل ہے اس کی تصریح آپ کی بلند پایہ تحریرات کے عنوانات سے عیاں ہے۔ اور حضرت خواجہ کے نزدیک ان کی جو قرب و منزلت تھی وہ ان سے بھی واضح ہے، لوگ جو مرتبۂ قیومیت کے سلسلہ میں قیل و قال کر رہے ہیں ورہ اصالت سے مشروط ہے، جو کہ حضرتین (حضرت مجدد الف

ثانی و حضرت خواجہ محمد معصوم) سے مخصوص تھا کہ کسی دوسرے کا اس میں دخل نہیں ہے۔ البتہ حضرت مہدی موعود علیہ الرضوان کہ جن کی حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اصالت محقق ہے، اس کے علاوہ قطبیت مطلق کا معاملہ بھی ہے اور اس کے ساتھ خلعت ارشاد بھی اس نحیف (شیخ سیف الدین) کے نام (مکتوبات حضرت خواجہ) سے آشکار ہے جس پر کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اس ضعیف کے مریدین کو حضرت خواجہ نے جس طرح بشارات دی ہیں ان پر بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس دروازۂ (قیومیت و ارشاد) کے کھلنے کے بعد اس کا کچھ حصہ (میرے) دوسرے بھائیوں کو بھی ملا ہے۔

اس کے بعد صاحبزادۂ مذکور (شیخ سیف الدین) (دہلی) کے سفر (قیام) کے بعد جب اپنے وطن مالوف (سرہند) آئے تو سرہند شریف میں داخل ہونے کے روز بہت زیادہ خلقت آپ کے استقبال کے لیے آئی البتہ آپ کے برادران بزرگ پیرانہ سالی کے باعث اس سے مستثنیٰ تھے، ان دنوں حضرت خواجہ کے پاؤں مبارک میں درد تھا البتہ آپ کا میلان تھا کہ برادران بزرگ بھی استقبال کے لیے جائیں لیکن حضرت خواجہ کی طرف سے اس کا واضح حکم نہ ملا لیکن امتثال امر کو واجب جانتے ہوئے سب بھائیوں نے استقبال کیا اور اس معما کو امر صریح (۳۴۱) تصور کیا۔

احمر

وہ صاحبزادگان جو کہ اس وقت حاضر اور بحر انوار میں مستغرق تھے آپ نے ام المریدین بی بی جیو (زوجۂ حضرت خواجہ) قدس سرھا سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میرے پاؤں ساتھ دیتے تو میں تیرے اس بیٹے (شیخ سیف الدین) کا خود استقبال کرتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ واقعی میرا پاؤں معذور ہے، عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) یہ بات سنتے ہی بھائی کے استقبال کے لیے باہر آگئے، اور اس اشارہ کو صریح امر تصور فرمایا، اس کی تفصیل اس باب کی پہلی کنز میں گزر چکی ہے۔

حضرت خواجہ کو اس مخدوم زادہ (شیخ سیف الدین) کا غلبہ ارشاد بہت ہی مرغوب تھا، ان کے شاہ جہان آباد (دہلی) میں قیام کے دوران (عبدالاحد) وحدت قدس سرہ بن حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) قدسنا اللہ بسرہ الاقدس بھی کمالات عالی اور معانی ارجمند سے آراستہ ہو کر زبان آوری اور لہجہ شیریں گفتار کے ساتھ اس شہر میں مقیم تھے:

احمر

حضرت خواجہ اپنے حرم شریف میں اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ سبحان اللہ عبدالاحد (وحدت) کیا شیریں کلام سے موصوف ہے اور سیف الدین کو کامل تمکین و وقار کے ساتھ مقبولیت نصیب ہوئی ہے ....

(حضرت شیخ سیف الدین) وطن مالوف (سرہند) آنے کے بعد پھر حضرت خواجہ سے جدا نہ ہوئے اور حضرت خواجہ کے حضور لامع نور میں رہ کر اخذ کمالات کرتے رہے اور جو ہر روز ترقی پر تھے، جسے کمال حلاوت اور سرور کے ساتھ حاصل کیا، حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ کے اصل بانی آپ ہی ہیں بظاہر وہ روضہ روشن آرا بیگم رحمہا اللہ سبحانہ نے بنوایا تھا لیکن یہ شہزادی آپ ہی کے توسل سے اس سلسلہ کے ساتھ انتساب رکھتی تھی اور وہ آپ کی محبت میں بے نظیر تھی، اس نے روضہ کی تعمیر حضرت شیخ سیف الدین کے ایما پر کروائی تھی، چنانچہ حضرت خواجہ کے روضہ پر جو ابیات درج ہیں ان میں سے ایک شعر اس مفہوم کا ثبوت ہے:

او ز سیف الدین محمد مقتداء
یافت سوی ایں سعادت اہتداء

حضرت شیخ سیف الدین ہر سال حضرت خواجہ کا عرس خود بہ شوق تمام کرواتے تھے اور کسی دوسرے کا اس میں دخل پسند نہیں کرتے تھے۔

الغرض حضرت شیخ سیف الدین کامل اطوار و افعال میں حضرت خواجہ کے جانشین تھے، اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد (۳۴۲) آپ کو بادشاہ (اورنگ زیب) کی

شائستہ صحبتیں میسر آئیں اور آپ بادشاہ کی طلبی پر اس کے پاس چلے گئے تھے، پھر وطن واپس آ گئے تھے، حضرت خواجہ کے وصال کے بعد اپنی والدۂ کریمہ کی بطریق احسن خدمت کرتے رہے۔

اخر

احقر (مولف) کی والدہ ماجدہ سلمها ربها فرماتی تھیں کہ ایک صالحہ نے میری والدہ کو ان کے وصال کے بعد خواب میں کامل جاہ اور بحر مغفرت میں ڈوبا ہوا دیکھا تو اس نے اس مقبولیت کے بارے میں سوال کیا، "فرمانے لگیں کہ قرآن مجید کی تلاوت اور وہ صدقات جو میرے فرزند سیف الدین نے شب و روز کیے ہیں۔"

اخر

مرحوم نواب مکرم خان نے اس عاصی دل فگار (مولف) کی موجودگی میں چند بار یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت شیخ سیف الدین کی اورنگ زیب کے ساتھ آخری صحبت کے دوران یہ واقعہ پیش آیا کہ بعض مخالفوں نے بادشاہ کے دل میں ایک دانہ کے برابر جو کہ عالی فطرت حضرات کے نزدیک کوہ قاف کے مساوی ہے شک و شبہہ پیدا کر دیا اور جب اس موضوع پر بات ہوئی تو بطریق (احسن) اس کا سینہ اس (شبہہ) سے صاف کر دیا گیا، میں (نواب مکرم خان) بھی اس وقت حاضر تھا کہ بادشاہ نے آپ سے پوچھا امام حجۃ الاسلام (غزالی) نے کتاب احیاء العلوم میں آخرت کے خوف کے بارے میں کلام کیا ہے، جو کہ میرے مطالعہ میں بھی آیا ہے، آپ نے فی الفور اس کا جواب دیتے ہوئے زبان مبارک کھولی کہ اس کتاب کا مجھے بہت کم مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہے، البتہ انہوں نے ایک زاہد خشک کے بارے میں جس خوف کا ذکر کیا ہے جناب کی نظر شریف میں آیا ہو گا۔ بادشاہ کو یہ جواب سن کر سوائے خاموشی کے چارۂ کار نظر نہ آیا، آپ نے فوراً بادشاہ سے رخصت لی اور اپنے وطن مالوف (سرہند) کی طرف روانہ ہو گئے اور پھر ساری زندگی اپنے مرکز (مقام)

سے باہر نہ گئے۔

احمر

حضرت قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) فرماتے تھے ایک روز اہل خاندان میں سے ایک کے ہاں دعوت تھی جس میں حضرت حجۃ اللہ اور حضرت شیخ سیف الحق و الملت والدین سیف الدین بھی تشریف فرما تھے گویا قران السعدین کا منظر تھا، دونوں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت حجۃ اللہ کے چہرۂ شریف پر ثقل (بوجھ) نمایاں تھا لیکن حضرت شیخ سیف الدین کے چہرۂ مبارک پر شگفتگی کے آثار ظاہر ہو رہے تھے، جب ان دونوں اولیاء کرام سے اس کا سبب پوچھا گیا، تو حضرت حجۃ اللہ فرمانے لگے کہ ایک خاص قسم کے ظہور سے میں زیر بار آ گیا تھا جس کی تاب میری برداشت سے باہر تھی اور حضرت شیخ سیف الدین فرمانے لگے کہ مجھ پر تجلی ضحک کا پرتو تھا جس نے میرے کام کو فرحت و خاموشی سے آراستہ کر دیا، لیکن میں نے یہ سوال اپنے والد بزرگوار کی مجلس کے برخاست ہونے کے بعد ان سے کیا۔

ایک بار اس احقر (مولف) کے بچپن کی بات ہے کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ حضرت شیخ سیف الدین کی تشریف آوری کا غلغلہ (۳۴۳) سنا کہ گلیوں میں صلوٰت کی آواز گونج رہی تھی کہ ناگاہ اس احقر (مولف) کے والدین کے ہاں آپ تشریف لائے، صحبت نے طول کھینچا وقت کے مطابق حاضرین کے ساتھ حرف و حکایت کا سلسلہ جاری رہا۔ اہل مجلس میں سے ایک حاضر شخص نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کے عزیزوں میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ متحقق ہے کہ آپ کو فناء قلب کا (مرتبہ) حاصل ہے۔

احمر

(حضرت شیخ سیف الدین) فرمانے لگے کہ مجھے خود اس مرتبہ (فناء قلب) کی بشارت دی گئی تھی، لیکن میرے شیخ (حضرت خواجہ) نے وہ امور جو اس سے مناسبت

نہیں رکھتے تھے منتسب نہیں کیا کہ میری طبیعت اس کی برداشت کے قابل نہیں تھی، وہ امور اس قسم کے ہیں کہ جن سے خلت کی قیومیت پر افضیلت لازم آتی ہے۔ اس کی تفصیل اس کتاب میں درج ہو چکی ہے (متعلقہ مقام) دیکھنا چاہیے۔

حضرت شیخ سیف الدین کی مجلس شریف میں حضرت خواجہ کا ذکر جاری رہتا ہے، جس میں آپ بے اختیار ہو جاتے تھے (گویا آپ کی مجلس ایسے ہوتی تھی) جیسے کہ حضرت خواجہ (مجلس میں موجود ہوں) اور اس طرح حرف و حکایت کا سلسلہ جاری ہو، اگر کسی کو حضرت خواجہ کے قول کے خلاف دیکھتے تو کوشش یہ کرتے کہ وہ کسی طرح بھی اس صحبت معرفت مرتبت میں حاضر نہ ہو۔

احمر

حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) فرماتے تھے اس مخدوم زادۂ والا جاہ (شیخ سیف الدین) کی صورت میں جب نظر پڑتی تھی تو وہ آیت جو حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیه الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازل ہوئی تھی یاد آ جاتی ہے اور وہ آیۃ یہ ہے (ترجمہ) ”اور بے شک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور اچھا ٹھکانا ہے“

ابیض

ثقہ راویوں سے یہ سنا ہے جب حضرت حجۃ اللہ قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس حجاز کے سفر پر روانہ ہوئے تو حضرت شیخ سیف الدین ایک مرحلہ تک ان کے ہمراہ آئے رخصت ہوتے وقت حضرت حجۃ اللہ نے فرمایا کہ میری عمر کا یہ آخری حصہ ہے آپ کو میرے فرزندوں کے احوال پر مہربانی فرمانی چاہیے، اس کے جواب میں حضرت شیخ سیف الدین نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل اس طرح ہے کہ آپ کی عمر دراز ہو گی البتہ مجھے اپنی عمر کے بارے میں مطلق وفا کی امید نہیں ہے، میرے فرزندوں پر نظر عنایت آپ رکھیے، اسی طرح ہوا کہ دونوں بھائیوں کی دوبارہ ملاقات

نہ ہوسکی، حضرت شیخ سیف الدین کا وصال ہوگیا اور حضرت حجۃ اللہ، حضرت شیخ سیف الدین کے بعد انیس سال تک بقید حیات رہے............فقیر دور از کار (مولف) نے یہ روایت قطب العرفاء شیخ ابو الاعلیٰ قدس سرہ (۳۴۴) سے سنی ہے اور دوسرے عزیزوں سے بھی سماعت کا اتفاق ہوا ہے۔

احمر

حضرت ام المریدین (زوجۂ حضرت خواجہ) قدس سرھا اپنے فرزند حضرت حجۃ اللہ سے فرماتی تھیں کہ امید ہے تم میرے بیٹے شیخ محمد سیف الدین کی عمر کے لیے دعا کرتے ہو گے، انہوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں میرا بھائی سیف الدین میری عزت ہے، اب معلوم نہیں کہ اس دعا کا ظہور کیسے اور کب ہو اس سے پہلے میں نے خود کو اس دعا کے لیے پابند کر رکھا تھا، اب میں آپ کے حکم کے مطابق اس دعا پر پوری توجہ دوں گا۔

ابیض

صوفی پاینده طلائی جو کہ حضرت خواجہ کے مریدین میں سے تھے بلکہ انہیں خلافت کی سعادت سے بھی ممتاز کیا گیا تھا کو ایک مرتبہ کابل سے جو کہ ان کا وطن مالوف تھا ایک تقریب سے عراق کا سفر کرنا پڑا، ایک روز راستے میں ایک شیعہ ان کے آگے آگے گھوڑے پر سوار چلا جا رہا تھا کہ اچانک اس کی زبان سے کلمات ناشائستہ نکلے جو کہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیق وحضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے خلاف تھے نعوذ باللہ، جونہی صوفی پاینده محمد اس کے قریب گئے انہوں نے تلوار سے اس کا سرتن سے جدا کر دیا، لیکن اس خوف سے پریشان ہو گئے کہ بادشاہ چونکہ شیعہ ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی مقتول کا یہاں پہنچ جائے اور وہ اس کا انتقام لے، انہوں نے دیکھا کہ اچانک گھوڑے کے پیچھے سے ایک نقاب پوش نکلا اس نے مقتول کے سر پر ایک ڈنڈا مارا اور کہا کہ اپنی راہ لو اور اطمینان سے جاؤ اسے گدھا بنا دیا گیا

ہے، جب صوفی مذکور نے دیکھا تو واقعی اس کی پوری لاش گدھے میں بدل چکی تھی تو انہوں نے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس نقاب پوش سے کہا کہ امیدوار ہوں کہ آپ اپنے جمال کا مشاہدہ کروائیں گے، انہوں نے نقاب ہٹایا تو صوفی نے دیکھا کہ حضرت مخدوم زادہ شیخ سیف الدین ہیں، وہ فرمانے لگے کہ اگر اس کی شکل تبدیل نہ کی جاتی تو اس کے ساتھی تجھے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے اور قتل کر دیتے، یہ کہتے ہوئے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور نظروں سے غائب ہو گئے، ان امور کی انجام دہی کے دوران ہی اس شیعہ کے ساتھی جن میں سے بعض اس کے رشتہ دار بھی تھے پہنچ گئے اس کا گھوڑا خالی دیکھ کر اسے تلاش کیا اس کی جگہ گدھے کے مردہ جسم کو پایا جس کے بدبودار جسم سے سارا جنگل بو سے بھرا ہوا تھا انہوں نے شرمساری سے اس کے بارے میں سوال بھی نہ کیا، بڑی مشقت سے جنگل میں جگہ تلاش کر کے کھودی اور اسے وہیں دفن کر کے اپنے اپنے وطن کی راہ لی۔

کہتے ہیں کہ آنحضرت (شیخ سیف الدین) کی مدت دراز سے عادت شریف یہ تھی کہ آدھی رات کو روضۂ مقدسہ حضرت مجدد الف ثانی کی طرف کامل شوق کے ساتھ جاتے اور اس مرقد مطہر نور اللہ کا طواف [1] کرتے تھے۔

احمر

(۳۴۵) (شیخ سیف الدین) فرماتے تھے کہ میں حضرت مجدد الف ثانی کی درگاہ کا کتا ہوں اور کبھی ان الفاظ میں کہتے تھے "کہ میں بندگی شیخ احمد کابلی سرہندی کی درگاہ کا کتا ہوں اور اسی رات حضرت خواجہ کے روضہ معظّمہ پر جاتے اور بڑے سوز کے ساتھ یہ شعر پڑھتے تھے:

من کیستم کہ باتو دم بندگی زنم　　　چندیں سگان کوئی تو یک کمتریں منم

حضرت شیخ سیف الدین سلف اور خلف کے مقامات کی تحقیق کے سلسلہ میں اعلیٰ

---

[1] لفظ گشت کا یہ بہترین ترجمہ سٹینگاس کے مرتبہ فارسی لغت سے ماخوذ ہے۔

ستعداد رکھتے تھے حضرت مجدد الف ثانی کے دقیق افکار کی (تشریحات) کے سلسلہ
ں شیخ (سیف الدین) حضرت خواجہ جیسے نظریات رکھتے تھے، ان کے ایک مکتوب
ام شیخ پیر دہلوی سے چند سطریں یہاں نقل کی جاتی ہیں وہ مکتوب مکتوبات (سیفیہ)
ں مکتوب نمبر ۶۴ ہے:

تخ

مخدوما! اس سلسلۂ علیہ (نقشبندیہ) کے اکابر **قدس اللہ اسرارھم** کی تحریرات میں مرقوم ہے کہ ہماری نسبت تمام نسبتوں سے عالی ہے، نسبت حضور و آگاہی سے چاہا ان مشائخ کے نزدیک حضوری معتبر ہے، یہ حضور بے غیب ہے کہ جس کی تعبیر "یادداشت" ہے، ان اکابر کی بساط یادداشت ہے جس سے یہ فقیر قاصر ہے، اس کی تفصیل یوں ہے، تجلی ذات حضرت تعالیٰ و تقدس کے ظہور سے عبارت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ظہور بے ملاحظہ اسماء وصفات وشیون و اعتبارات سے ہے اس تجلی کو تجلی برقی کہا جاتا ہے، یعنی اس لمحہ شیون و اعتبارات متحقق ہو جاتے ہیں، اور پھر وہ پردۂ شیون و اعتبارات میں چھپ جاتے ہیں۔ پس اس مقام کو "تقدیر حضور بے غیب" تصور نہ کیا جائے، حالانکہ اس تجلی کو دوسرے سلاسل کے مشائخ نے "نہایت النہایت" کہا ہے، بے شک یہ حضور دائمی ہوتا ہے اور اسے چھپانا ہرگز قبول نہیں ہے، اور اسماء وصفات وشیون و اعتبارات بے پردہ ہو کر متجلی ہو جاتے ہیں، لیکن حضور "بے غیبت" چاہتا ہے۔ اس لیے اس سلسلۂ (نقشبندیہ) کے اکابر کی نسبت کو دوسروں کی نسبت جیسا تصور نہ کریں اور ان کو ان سب پر بلا تکلف فوقیت دی جا سکتی ہے، اس قسم کا ظہور لوگوں پر ہوتا ہے مگر بہت ہی کم ....

یہ مکتوب طویل ہے جو کہ لازمۃ البیان معارف پر مشتمل ہے، سلف کا مذہب ہی

اخلاف کا مشرب (۴۴۶) ہے جو کہ بلند نظر اصحاب کی نظروں میں جلوہ گر ہے اور ان عالی درجات حضرات کے معاملات ہوشمندی، تامل، روشن اور ظاہر ہیں، اگر (حضرت شیخ سیف الدین) کے سارے مکتوبات شریفہ کا مطالعہ کریں تو وہ اسرار غریبہ سے ممتاز ہیں۔

اب اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپ کے وصال کے معاملات اور آپ کے فرزندان صاحب حال کا تذکرہ کرنا چاہیے:

(حضرت شیخ سیف الدین) نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ پہلے اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ فرمایا تھا:

احمر

حضرت مجدد الف ثانی نے (جب کہ آپ بیمار تھے) فرمایا تھا کہ اگر حکماء میرے اس مرض کو لاعلاج قرار دے دیں تو میں اپنی ساری رقم اللہ تعالیٰ کے لیے خیرات کر دوں گا، آخر حکماء نے اسے واقعی لاعلاج کہہ دیا اور آپ نے ساری پونجی خیرات کر دی، جو کوئی بھی حضرت مجدد الف ثانی کی طرح ہوگا وہ ایسا ہی کرے گا، یہ کہتے ہوئے حضرت شیخ سیف الدین کے چہرہ پر شوق (وصال) اور حضرت مجدد الف ثانی کی تقلید) کے آثار نمایاں تھے۔

ابیض واحمر

(حضرت شیخ سیف الدین) کا اکثر یہ قاعدہ تھا کہ ظہر اور عصر کے درمیان خاندان کی خواتین کو جمع کر کے حضرت خواجہ کے دستور کے مطابق حدیث شریف پڑھتے اور ان پر مہربانی فرماتے تھے، اس روز اپنی موت کا معاملہ بھی درپیش آیا کہ حدیث میں اس کا بیان بھی تھا۔ اس کے بعد (حدیث کی) کتاب کو غلاف میں بند کر کے حاضر خواتین میں سے ایک سے کہا کہ بس اس سے زیادہ نہیں پڑھا سکتا کیوں کہ اب وقت نہیں رہا، فرمانے لگے کہ اب زیادہ تر محمد اعظم سے سننا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ

اس کے بعد اہل حقوق کے مابین آپ کو (حدیث) سنانے کا موقع نہ ملا، بلکہ آپ کے فرزندوں میں سے فضیلت وکمالات کے مالک شیخ محمد اعظم سے سماعت ہونے لگی۔

احمر

اسی مجلس حدیث میں صلۂ رحمی کی فضیلت کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا کہ اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے، بہنوں میں سے ایک نے کہا کہ ہمارے بھائی حضرت مروج الشریعت قدس سرہ کمال درجہ کی صلۂ رحمی سے کام لیتے تھے لیکن ان کی عمر ۴۵ سال سے زیادہ نہیں ہوئی، یہ صحیح ہے کہ ان کی عمر بہت کم ہوئی، درحقیقت آپ بھی اس کے پس منظر میں اپنی قلت عمر کا تذکرہ کرنا چاہتے تھے، کیوں کہ آپ بھی صلۂ رحمی میں بے مثل فرد تھے۔

(حضرت شیخ سیف الدین) ۲۰ جمادی الاول ۱۰۹۶ھ اس پرملال دنیا سے رخصت ہوئے انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون، آپ کی عمر ۴۷ سال ہوئی، تاریخ وصال (کا مادہ یہ ہے):

''ہی ہی ستون دین افتاد''

آپ کا روضہ شریفہ علیحدہ طور پر تعمیر کیا گیا تھا جو اہل سرہند میں مشہور ہے اور وصال سے پہلے اسی جگہ (مدفن) کے بارے میں واضح اشارہ ہوا تھا، جس کی تفصیل طوالت کا باعث ہے..........

فقیر (مولف) کو کم سنی کے باوجود وہ معرکہ (وصال و تدفین) بہت اچھی طرح یاد ہے۔ اور اس واقعہ کی اس وقت جس طرح شہرت ہوئی تھی وہ اب تک یاد ہے، اب بڑے ہوکر وہی قصہ میں نے اکثر لوگوں سے سنا ہے کہ آنحضرت (شیخ سیف الدین) قدس سرہ کا جنازہ ہوا میں جا رہا تھا، اگرچہ لوگوں نے اسے پکڑنے (کندھا دینے) کی کوشش بھی کی لیکن بے سود، روضہ کے قریب پہنچ کر خود بخود نیچے آ گیا، راستے بھر جس کافر نے بھی (یہ منظر) دیکھا اس نے بے اختیار کلمہ طیبہ پڑھا اور اس

کے بعد وہ خود ہی شوق سے مسلمان ہو گیا۔

(حضرت شیخ سیف الدین) کے آٹھ فرزند تھے، ان میں سے تین بڑے اور پانچ چھوٹے تھے، پہلے تینوں اپنے والد کے حین حیات بڑے ہو کر کسب کمالات کے بعد مجمع کمالات بنے، ان کا ذکر لازم ہے لیکن اپنے علم کے مطابق ان کے احوال مختصر طور پر لکھ رہا ہوں:

فضیلت و کمالات دستگاہ شیخ محمد اعظم قدس سرہ، آپ حضرت شیخ سیف الدین کے سب سے پہلے فرزند ہیں، ان کی ولادت حضرت خواجہ کے سفر حج (۱۰۶۸ھ) سے پہلے ہوئی۔

ابیض

مخدوم زادہ (شیخ محمد اعظم) ابھی برج حمل میں ہی تھے کہ حضرت خواجہ نے بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ لڑکا (تولد) ہو گا۔

ولادت کے بعد بھی حضرت خواجہ نے اپنے صاحب قال و حال پوتے پر نظر عنایت رکھی اور ان کی اعلیٰ استعداد کا متعدد مرتبہ اپنی تحریرات میں تذکرہ کیا ہے، ارادت کا آغاز حضرت خواجہ کی خدمت میں کیا، اس کے بعد اپنے والد بزرگوار کے حضور اس کار (کسب سلوک) کو مکمل کر کے اپنے اجداد کے جانشین بنے اور اپنے والد ماجد کے حین حیات ہی تحصیل علم سے فارغ ہو گئے اور فاتحۂ بیضاوی بھی پڑھا، اس روز ایک بڑے جشن کا سماں تھا اس کا حاشیۂ قدیم تو والد کے حضور ہی پڑھ لیا تھا والد کے وصال کے بعد حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) کے فرزند مولوی معنوی شیخ محمد فرخ قدس سرہ جو کہ ایک عالم متبحر تھے کی خدمت میں تحصیل کی یہ واقعہ اس فقیر (مولف) کو اب تک یاد ہے، اس مخدوم زادہ (شیخ محمد اعظم) نے فیض الباری فی شرح البخاری بڑی متانت اور خوبی سے تصنیف فرمائی، اس عاصیٔ دور از کار (مولف) نے اس شرح کے دو تین اجزا حضرت والدی و مرشدی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ)

کی خدمت میں سبقاً پڑھے تھے، شیخ سیف الدین اور میرے عم بزرگ شیخ عبداللطیف نے اس شرح کی بہت ہی تعریف کی ہے۔

اس مخدوم زادہ کو شیخ سیف الدین نے ''محبوبیت'' کی بشارت دی تھی کہ مجھے (اس خانوادہ) کے اکابر سے (۴۵۹) یہ روایت سننے کا اتفاق ہوا ہے بلکہ حضرت شیخ سیف الدین کے مکتوبات میں یہ بات مرقوم ہے۔

(حضرت شیخ سیف الدین) کے اکابر خلفاء میں سے شاہ سکندر جو کہ کابل میں تھے اور آپ کے مخصوص مریدوں میں صوفی جان محمد کہتے تھے کہ حضرت نے قطبیت کی بشارت اپنے اس فرزند اعظم کو دی تھی، یہ مخدوم زادہ (محمد اعظم) جامع حال وقال مراتب کمال میں اس حد تک کامل تھے کہ آپ کے اکثر مریدوں کے مابین اس امر کا تردد رہتا ہے کہ ان سلف و خلف میں سے کون افضل ہے، انصاف کی بات یہ ہے کہ یہ مخدوم زادہ (محمد اعظم) اپنے والد کے کمالات کے کامل محقق ہیں، ان کے والد کا معاملہ مستثنٰی ہے لیکن ان کے بھائیوں کے ہاں یہ بحث جاری رہتی ہے کہ ان میں سے افضل کون ہے، شیخ محمد اعظم نے ۴۸ سال عمر پائی، یہ ان دنوں کی بات ہے جب حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ سرہند شریف میں تشریف فرما تھے:

احمر

والدہ ماجدہ (مولف) سلمہا ربہا آنحضرت (حجۃ اللہ) سے روایت کرتی ہیں کہ وہ اس مخدوم زادہ (محمد اعظم) کے وصال کے دن بہت غم زدہ تھے، اور فرماتے تھے کہ اللہ تعالٰی کی کائنات آج دوسری ہی معلوم ہوتی ہے، یہ بات بھی ان کی قطبیت کے ثبوت کے لیے کافی ہے، کیوں کہ کائنات کا یہ خاصہ ہے کہ وہ قطب کی طرف رجوع کرتی ہے، اسے دیگر اولیاء سے سروکار نہیں ہوتا، الا ماشاء اللّٰہ۔

مخدوم زادہ محمد اعظم کا وصال ۱۱۱۴ھ کو ہوا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون اپنے والد بزرگوار کے روضہ میں گنبد کے اندر دفن ہوئے۔

حضرت شیخ سیف الدین کے دوسرے فرزند معارف آگاہ شیخ محمد حسین قدس سرہ تھے جو اشفاق و اخلاق سے آراستہ، ہمت اور غریب کی دستگیری میں بے نظیر تھے ایسے حافظ تھے جو خوش الحانی میں کامل اور صاحب معنی و اسرار تھے، امر معروف و نہی منکر کے میدان کے مرد جواں تھے، کہتے ہیں کہ انہیں اپنے والد بزرگوار (شیخ سیف الدین) سے ''حقیقت قرآنی'' کی بشارت ملی ہے، اپنے خانوادہ کے اکثر افراد جو دیہات میں رہتے تھے کی مختلف اقسام شیریں و نمکین کھانوں سے دعوت کیا کرتے تھے اور اہل رجوع جو خدام ہوتے بڑے شوق سے اس دعوت میں شرکت کرتے تھے۔

شیخ محمد حسین ۱۱۱۶ھ کو ۴۳ سال کی عمر میں فوت ہوئے، انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون اپنے والد کے روضہ میں گنبد کے نیچے مدفون ہیں، ان کے دو فرزند یادگار ہیں دونوں حسن اخلاق، ضبط اوقات اور عبادات میں اپنے والد کے مقلد ہیں ان میں سے بڑے کا نام شیخ محمد معظم اور چھوٹے کا شیخ محمد مسیح ہے، **سلمهما اللّٰہ سبحانہ۔**

حضرت شیخ سیف الدین کے تیسرے فرزند واقف اسرار لاریب شیخ محمد شعیب تھے، جو کہ مکارم اخلاق سے آراستہ اور حضرت خواجہ کی محبت سے سرشار تھے، فرماتے تھے (۳۴۸) کہ اب حضرت خواجہ کی محبت (دلوں میں) باقی نہیں رہی مجھے خود اس لفظ کے اطلاق میں (اپنے بارے میں) تردد ہے کیوں کہ اب قیامت قریب ہے، اس وقت حضرت خواجہ کی محبت کی تاب نہیں رہی، رمضان المبارک کے آخری ایام میں جو کہ اعتکاف کا زمانہ ہے آپ اس خانوادہ اور دیگر روزہ داروں خصوصاً قرب و جوار کے اصحاب کی دعوت (طعام) کرتے تھے۔

حضرت والدہ کریمہ (مولف کی) **مدظلها** اپنے اس برادر زادہ کے بہت سے فضائل بیان کیا کرتی ہیں اور ان کے اعلیٰ اخلاق کا تذکرہ بھی کرتی رہتی ہیں، سرہند پر کفار (سکھوں) کے حملہ سے پہلے ۱۱۲۱ھ اس جہاں سے رخصت ہو گئے ان کی عمر حدود پچاس سال تھی انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون، اپنے والد کے روضۂ منورہ میں گنبد

کے نیچے مدفون ہیں۔ ان کے تین فرزند بقید حیات ہیں ان میں سے ہر ایک صفات حمیدہ سے متصف ہے۔ ان میں سب سے بڑے شیخ محمد عیسیٰ ہیں جو فاضل اور جودت طبع رکھنے والے شاعر ہیں، (ترجمہ آیت) "اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ برا کیا، اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوئے۔"

حضرت شیخ محمد صدیق

چھٹی کنز

قطب الآفاق قدوۂ ارباب تحقیق مخدوم زادۂ ششم و اصغر شیخ محمد صدیق قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے بعض احوال۔

(۳۵۰) آپ کے عالی شان معارف و کمالات اپنی انتہائی لطافت کے باعث بحر نور میں اس قدر مستغرق ہیں کہ اس آوارہ (مولف) کا ادراک وہاں تک رسائی ہی نہیں رکھتا اپنی کوتاہی و قصور کے سوائے شرمساری کے کچھ نہیں ہے ...... چونکہ آپ کا شیوۂ مرضیہ ذرہ پروری ہے اس لیے خود دستگیری فرماتے ہوئے خود ہی اس کا ثمر عطا کیا، **وما توفیقی الا باللہ۔**

اس قبلۂ اصحاب ولایت کی ولادت با سعادت ۱۰۵۹ھ کو سرہند شریف میں ہوئی، جس سے حضرت خواجہ کی تمنا پوری ہوئی کیوں کہ اپنے آخری ایام حیات میں حضرت خواجہ کی یہ خواہش تھی کہ ہمارے ہاں بلاواسطہ ایک ایسا فرزند تولد ہو جو دنیا کے لیے آفات سے تسکین اور امن و امان کا باعث بنے .... اہل عقل کے نزدیک اس روایت کی تفصیل بیان کرنا لازم جانتے ہوئے تحریر کر رہا ہوں:

احمر

مجھے خود حضرت (شیخ محمد صدیق) سے کئی بار یہ سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ ایک روز

حضرت خواجہ نے میری والدہ ماجدہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ حق سبحانہ ہمیں ایک فرزند عطا کرے، حضرت ام المریدین نے حیاء سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے پوتے اور نواسے عطا کیے ہیں آپ بلاواسطہ فرزند کی تمنا کرنے کے بجائے باواسطہ فرزند کی آرزو کریں، فرمانے لگے کہ بے اختیار دل یہ چاہتا ہے، یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت غامضہ ہوگی، اس تمنا کے بعد یہ مخدوم زادہ (تولد ہوئے) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس ناتواں کی والدہ شریفہ (۳۵۱) اور حضرت خواجہ کے ہاں ولادت ہوئی اور آپ کی یہ تمنا پوری ہوئی، دنیا کی ہدایت اس آخری زمانہ میں ان سے مقصود تھی یہ گویا آپ کا صحیح تصرف تھا جس کا ظہور ہوا۔

حضرت خواجہ نے اپنے اس فرزند کی تربیت کو بہت زیادہ ملحوظ رکھا کیوں کہ آپ کی عمر کافی زیادہ ہو چکی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے بعد اس کا معاملہ ناقص و نا مکمل نہ رہ جائے، اور میرے بعد اپنے بھائیوں کی ضرورت نہ رہے۔

جب آپ تعلیم و تعلم کی عمر کو پہنچے تو بہت ہی کم سنی میں قرآن مجید پڑھ کر مروجہ کتب کا آغاز کر دیا۔ لیکن غلبۂ حال کے باعث جو سن بلوغت میں ہی غالب آ گیا تھا آپ منتہی کتب پڑھ ہی نہیں سکے۔ لیکن اپنی اعلیٰ استعداد کے باعث اور مثل مشہور ہے کہ فقیہ کا بیٹا بھی فقیہ ہوتا ہے معتبر کتب پر اس خوبی سے تقریر کرتے تھے کہ بعض اوقات جید علماء کی بھی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی تھی حالاں کہ آپ نے کبھی وہ کتاب پڑھی بھی نہیں ہوتی تھی، بعض اوقات آپ انتہائی صدق سے فرمایا کرتے تھے۔

احمر

ہم سے علم عروض کی چند کتب پڑھنے سے رہ گئی ہیں ایک روز ارادت خان جو کہ فاضل مدقق، نکتہ چین اور محقق تھا اس احقر (مولف) کی موجودگی میں آنحضرت (شیخ محمد صدیق) قدس سرہ کی خدمت میں آیا چونکہ اس وقت مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی کے (مطالب) زیر بحث تھے اور معقولات کے مباحث جو کہ آپ کے کلام مبارک

میں بہت زیادہ پائے جاتے ہیں، پر بات ہو رہی تھی، حضرت (شیخ محمد صدیق) نے اس وقت ایسی محقق اور صائب گفتگو کی کہ اس کی تفصیل کہاں تک بیان کی جائے، جو کہ بڑی خوشی کے ساتھ انجام پذیر ہوئی، (ارادت خان) نے اس عاصی (مولف) کے سامنے حضرت کی علمیت کی بہت ہی تعریف کی کہ گویا ایسا لگتا تھا کہ آپ کو علم لدنی عطا ہوا ہے.........

احمر

(حضرت شیخ محمد صدیق) ابھی صرف گیارہ سال کے تھے کہ خواب میں سید الانام علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوئے اور آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ نے آپ کو "ولایت احمدی" سے سرفراز فرما کر اس کی بشارت دی، آپ نے یہ سب کچھ حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کر دیا، حضرت خواجہ نے اس سے یہ اخذ کیا کہ چونکہ آپ کو اس مقام کی حضور سرور کائنات علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے بشارت ملی ہے اس لیے مجھے بھی آپ کو اس بشارت سے ممتاز کرنا چاہیے، فرمانے لگے کہ تجھے یہ مقام حاصل ہوگا، گویا اس کے حصول تک تو اس کاروان (امید) کے ساتھ وابستہ رہ چونکہ تم اس کی استعداد رکھتے ہو اس لیے تمہیں یہ جلد ہی ملے گا اور حضرت خواجہ بھی ہمیشہ (۳۵۲) اس کی خواہش رکھتے تھے (کہ کاش میرے فرزند (کو یہ حاصل ہو) کیوں کہ یہ مقام بہت ہی بلند و بالا ہے، سلوک کے مقامات کے رنگ اس نہج کے ہیں کہ اس کی منازل تہ کرنے کے لیے جب بال و پر نکل آئیں تو طالب شہباز کی طرح پرواز کرنے لگتا ہے۔ آخر جب شیخ محمد صدیق کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو حضرت خواجہ نے انہیں "ولایت احمدی" کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا کہ کئی سال کی آرزو پوری ہوئی اور وعدہ ایفا ہو گیا۔

احمر

(حضرت شیخ محمد صدیق) اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ مجھ سے یہ

فرماتے تھے کہ تیرے باطن کی طرف سے مجھے اطمینان ہو گیا ہے، لیکن اس کی تکمیل کو ضروریات میں سمجھو اور اس سلسلہ میں سعیٔ پیہم سے کام لینا چاہیے۔ اب اس عمر میں اضطراب رہتا ہے، اس کام کے لیے بہت وقت صرف کرو اور اسے انجام تک پہنچانے کے لیے یہ ازبس لازم ہے، جیسا کہ بار بار ذکر ہو چکا ہے کہ آپ بعض عوارض کے باعث علم عروض کی تحصیل نہیں کر سکے تھے لیکن اس کمی کو علم لدنی کے ذریعے پورا کرلیا۔

۱۳۹

ایک روز حضرت خواجہ نے اس مخدوم زادۂ عالی تبار (شیخ محمد صدیق) کو تعلیم طریقہ کی ''اجازت و رخصت'' مرحمت کی اور زبان مبارک سے فرمانے لگے کہ میں ایک سال سے خواہش مند تھا کہ تمہیں اجازت دوں لیکن ان دنوں چونکہ تیرے بھائیوں میں مریدین حاصل کرنے کی بہت کشمکش جاری ہے اور ہر ایک مرید کا طالب ہے اور حق کا طالب نہیں ہے، اس لیے میں اس امر سے رکا رہا، اب مجھے یقین کامل ہو گیا ہے کہ تم میں مرید کی طلب نہیں ہے، اور تو جو کچھ چاہتا ہے صرف خدا کے لیے ہے نہ کہ اپنے لیے، اس اطمینان خاطر کے بعد میں نے تمہیں اجازت دی ہے، خانوادۂ مجددیہ کے اکثر افراد ان الفاظ میں (اعتراض) کرتے ہیں کہ شیخ محمد صدیق تو شوق کے ساتھ مرید کرتے ہیں جب کہ حضرت خواجہ نے مناسب وجوہ کی بنا پر ''طلب ارادت'' کی نفی کی تھی، چنانچہ انہیں اجازت دیتے وقت اپنی انگلی مبارک سے اشارے سے دو تین مرتبہ طلب مرید کے سلسلہ میں نفی کی تھی، تو پھر اس بشارت کی تصدیق کیوں کر ہو گئی؟ حقیقت یہ ہے کہ حضرت خواجہ نے جو بشارت دی تھی وہ بالکل صحیح ہے کیوں کہ آپ نے یہ فرمایا تھا کہ مرید کی طلب حب جاہ اور ریاست و امارت کے لیے نہ ہو (شیخ محمد صدیق) میں تو اس کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا، بلکہ کسی کو مرید کرتے وقت ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ حضرت خواجہ کے طریقہ کو ترقی اور رواج ہو اور مسترشد بھی اس بشارت میں داخل ہو جائے .... جیسا کہ حضرت مجدد الف ثانی اور اس کے

بعد حضرت خواجہ کو اس کا الہام ہوتا تھا، جیسا کہ اس سے قبل حضرت خواجہ (۳۵۳) کا یہ قول نقل کیا جا چکا ہے کہ ''جو کچھ چاہو صرف خدا کے لیے چاہو نہ کہ اپنے لیے'' اس کی مزید تصدیق کرتا ہے۔

اس بے پرو بال نیاز مند (مولف) کو آنحضرت (شیخ محمد صدیق) قدس سرہ کی بہت (عرصہ) صحبت تک میسر آئی تھی، ان کے کسی قول سے نفسانی (خواہش) کا اظہار نہیں ہوا .... جو کہ سب سے بڑی عبادت ہے (یعنی **دعوة الخلق الی الکبیر المتعال**) آپ کی تمامتر ہمت حضرت خواجہ کے ارشاد کو وسعت دینے میں صرف ہوتی رہی، کیوں کہ حضرت خواجہ کی بڑھاپے کی تمنا تھی کہ ایسا فرزند تولد ہو جو یہ کام کرے، اس طرح پوری ہوئی، یہ وہ وقت ہے جو فتنوں سے پر اور اختلافات پورے عروج پر ہیں یہی قرب قیامت کی سب سے بڑی دلیل ہے، آپ کے دوسرے برادران بزرگ اس سے پہلے ہی رحلت فرما چکے تھے، ظاہر ہے کہ اب خدا کے بندوں میں سے کسی ایک کے ذریعہ کا سات احمدی کا وہ فیض یعنی فیض معصومی سے شاداب ہو سکیں، اور حضرت خواجہ کا حق ادا کیا جا سکے، اس طرح انہوں (شیخ محمد صدیق) نے حضرت خواجہ کے بہت سے امور کی روایت کی جو کہ میرے (مولف) کے حافظہ میں اس وقت محفوظ نہیں رہ سکے۔

شیخ محمد صدیق کی عمر صرف ۲۲ سال کی تھی کہ حضرت خواجہ کا وصال ہو گیا لیکن وہ تمام کمالات اپنے بڑے بھائیوں کی طرح حاصل کر کے حضرت خواجہ کے جانشین ہوئے تھے، اس امر کی شہادت دوسرے اکابر کمال سے بھی کی جا سکتی ہے۔

احمر

حضرت والدہ ماجدہَ (مولف) **سلمها ربها** فرماتی تھیں کہ حضرت خواجہ کے وصال کے ایام میں ایک روز قدوۃ الواصلین حضرت سیف الحق والدین اور قدوہَ ارباب تحقیق حضرت شیخ محمد صدیق **قدس الله اسرارهما** دونوں اپنی والدہ کریمہ

قدس سرھا کی خدمت میں گئے، میں بھی اس وقت وہاں موجو تھی، حضرت شیخ سیف الحق والدین، شیخ محمد صدیق کی تعریف میں فرمانے لگے کہ کوئی کمال ایسا نہیں ہے جو حضرت خواجہ نے میرے بڑے بھائیوں کو دیا ہو اور شیخ محمد صدیق کو بھی اس کی بشارت نہ دی ہو، آپ نے جو کچھ بڑے بھائیوں سے فرمایا وہی ان سے بھی کہا، ہر وہ بشارت جو آپ نے بڑوں کو بخشی وہی ان کو بھی مرحمت کی۔

احمر

حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس فرماتے تھے کہ کوئی اصالت کا دعوٰی کرسکتا ہے تو مجھے اس کا سب سے زیادہ حق ہے، یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی پیشانی مبارک پر رکھا گویا یہ بھی حضرت خواجہ کی طرف اشارہ تھا لیکن اس میں انہوں نے ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا...... انتہائی ادب کے تحت انہوں نے اس (اصالت) سلسلہ میں کوئی تشریح کرنے کی جرأت نہیں کی۔

احمر

(۳۵۴) (حضرت شیخ محمد صدیق) حضرت خواجہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ آپ خیر البشر شفیع یوم الحشر صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی انتہائی اتباع میں سنت پر کامل عمل فرماتے تھے جیسا کہ حدیث شریف میں اپنی امت کے بارے میں بارش کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ ''اس کا آخری حصہ پہلے سے بہتر ہے''۔ وہی نسبت آپ کے فرزندوں میں بھی جاری ہے، اگرچہ بڑے فرزند بہت مجاہدات کرکے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے اور آخری دور کے (فرزندوں) پر (حدیث شریف) کے (دوسرا حصہ) کے مطابق عمل ہے یعنی اس کا ظہور جداگانہ ہے۔ اگرچہ مخلصین کے درمیان بڑوں کے بارے میں قیل وقال ہو رہی ہے، بڑے (صاحبزادگان) نے بھی آپ کے آخری دور حیات میں آپ سے فیض حاصل کیا ہے اور پہلے بھی، (حضرت شیخ

محمد صدیق) قدس سرہ کا اس سے دوسرا مطلب ہے جو اس آوارہ (مولف) کے نزدیک اس طرح سے ہے کہ وہ کمالات جو حضرت خواجہ میں بطریق ہیئت عمر مبارک کے ابتدائی حصہ میں جمع ہو گئے تھے ان میں آخری عمر میں جو پختگی اور بالیدگی پیدا ہوئی تھی وہ آخری زمانہ کے فرزندوں میں ظہور پذیر ہوئی، گویا نسخہ کمالات آخرینہ پہلے تولد ہونے والے کو بھی ملا فرق یہ ہے کہ آخری فرزندوں نے اسے بطریق کسب حاصل کیا، جو روز بروز ترقی پذیر ہے، اور حضرت شیخ محمد صدیق اپنے آپ کو حضرت خواجہ کے کمالات کا ذرہ حقیر بلکہ اس سے بھی کمتر شمار کرتے تھے اور آپ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ کی محبت کو ایمان کا جزو تصور کرتے تھے، آپ کے سارے فرزندوں کا اس امر پر کامل اعتقاد ہے اور خلفاء کرام میں بھی یہی امر ثابت اور استوار ہے، شیخ محمد صدیق قدس سرہ امراض میں اکثر مبتلا رہتے تھے اور مرغوب قسم کے کھانوں اور پھلوں سے بھی پرہیز کرتے تھے، چنانچہ ایک روز انہوں نے اس عاصی تباہ کار (مولف) سے فرمایا:

اَحمر

مجھے دہی بہت ہی پسند ہے تیرہ سال ہونے کو آئے ہیں کہ میں نے نہیں کھایا اور اس قسم کے چند نام پھلوں اور کھانوں کے لیے کہ اکثر لائے جاتے ہیں لیکن شوق کے باوجود میں کھا نہیں سکتا۔

اَحمر

ایک روز فرمانے لگے کہ جو پرہیز ہم نے مرض کے خوف سے کیا تھا وہ باطن کے لیے بھی تصفیہ بخش ہے، ارباب ریاضت نے جو پرہیز اختیار کیے ہیں ان کی اکثر روایات آپ بڑے لطف سے بیان کیا کرتے تھے، آپ کا بیان اکثر کامل صدق پر مبنی ہوتا تھا جو لطافت سے خالی نہیں تھا، کئی روایات فراموش کر چکا ہوں۔

اخوی محمد پناہ جو کہ اس مقامات (معصومی) کے ناقل اولین ہیں اور وہ صاحب معنی

ونکات بھی ہیں، کے ذکر سے (۳۵۵) مسرور (ہوکر یہ روایت) بیان کر رہا ہوں:

احمر

فرماتے تھے بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) حسن ابدال جاتے ہوئے ایک روز سرہند شریف میں ٹھہرا جو خط اس نے اپنے ہاتھ سے (حضرت شیخ محمد صدیق) کو لکھا وہ یہ تھا یعنی عشا کے بعد یہ بہادر آپ کی خدمت میں کھانے کے وقت حاضر ہوگا، اس عزیز نے اس رقعہ کا جو مطلب سمجھا وہ یہ تھا کہ رات کا کھانا عشا کی نماز کے بعد بھیجا جائے گا کہ بعد نماز خفتن کھایا جائے اور فجر کی نماز کے بعد آپ کی خدمت میں ارادت کی غرض سے آؤں گا، اس طرح ہوا کہ نماز عشاء کے بعد کھانا آیا اور صبح وہ بہادر (اورنگ زیب) حضرت شیخ محمد صدیق کا مرید ہوا۔

ابیض

یہ فقیر دور از کار (مولف) ایک مرتبہ گوالیار کے سفر کے لیے سرہند سے روانہ ہاتو جب شاہ جہان آباد (دہلی) پہنچا تو اپنے سابق دستور کے مطابق آنحضرت (شیخ محمد صدیق) کے ہاں قیام کیا، وہاں میں سخت بخار میں مبتلا ہوگیا، جو دو ہفتہ تک جاری رہا، اس عرصہ میں آپ نے مجھ پر بہت ہی عنایات فرمائیں کبھی دم کیا تو جہات دیں، ظاہری علاج بھی کروائے اور مسلسل دعائیں کیں، ایک روز آپ عیادت کی غرض سے جو کہ سب سے بڑی عیادت تھی میرے پاس تشریف لائے، فرمانے لگے تم بالکل خیریت سے ہو تمہارا یہ خادم خود بخود بخار کی شکل میں بیٹھا ہوا ہے (یعنی میرا بخار خود لے لیا) اگرچہ اب ہر طرح خیریت ہے، آپ کا یہ فرمانا تھا کہ میں شفایاب ہوگیا، اور حضرت بیمار ہو گئے آپ کو تین چار ماہ تک سخت تکلیف میں رہنا پڑا پھر آپ بھی صحت یاب ہو گئے اس ایک ملفوظ میں گویا تین تصرف (کرامات) گویا اسی ابیض میں جلوہ گر ہو گئے ہیں، پس سمجھو اور منکرین میں سے نہ ہو جاؤ۔

اگر حضرت شیخ محمد صدیق کے تفصیلی حالات جاننے کا شوق دامن گیر ہے تو آپ

کے عرب مریدین نے فصیح عربی میں آپ کے مقامات پر جو کتابیں لکھی ہیں کا مطالعہ کریں جو کہ دوستوں کو مسرور کریں گی اور ارادت مندوں کو حضور بخشیں گی، اگرچہ اس فقیر (مولف) نے وہ کتب نہیں پڑھی ہیں لیکن آپ کے فرزندوں سے ان کی بہت تعریف سنی ہے۔

بادشاہ فرخ سیر رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً آپ کا مرید تھا، جب وہ قید میں تھا تو حضرت اس پر بہت ہی افسوس کا اظہار فرماتے تھے، یہاں تک کہ رات ۵ جمادل الاول ۱۱۳۱ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

(۴۵٦) آپ کا وصال شاہ جہان آباد (دہلی) میں ہوا اور آپ کا تابوت شریف سرہند لایا گیا اور حضرت خواجہ کے روضہ کے متصل ان کے لیے علیحدہ روضہ بنایا گیا......

آپ کی تاریخ وصال (کا مادہ) میرے فرزند نیاز احمد سلمہ اللّٰہ تعالیٰ نے یہ تجویز کیا ہے:

''معرفت زمان مرد''

آپ کے وصال کے بعد (بادشاہ) محمد فرخ سیر قتل ہوا، یہ سب فتنے اس ارباب ولایت (شیخ محمد صدیق) کے ارتحال کے باعث ظہور پذیر ہوئے تھے کہ اب تک دنیا تہ و بالا ہوئی پڑی ہے۔ ہاں حضرت خواجہ کے بلاواسطہ فرزندان گرامی جو کہ فاضل ترین اور کامل ترین اولیاء ہیں میں سے صرف آپ ہی کی ذات باقی رہ گئی تھی، جب آپ رخصت ہوئے تو خیر و برکت اور رشد و ہدایت (بھی ساتھ جاتی رہی) اب صرف حضرت خواجہ کی محبت کے باعث (دنیا میں) استقرار باقی اور ارادت مندوں کے درجات قرب کا باعث ہے......

(حضرت شیخ محمد صدیق) کے دو فرزند ہیں، ان میں سے بڑے فضیلت مآب حافظ قرآن مجید شیخ محمد مہدی ہیں جو محاسن اخلاق سے متصف اور مکارم اخلاق سے ممدوح ہیں انہوں نے ظاہری علم میں معقولات و منقولات پوری قوت کے ساتھ پڑھے ہیں ان کے

والد بزرگوار کا کارخانۂ ارشاد اس وقت انہی سے متعلق ہے، ان کی بشارات کے متعلق مجھے کچھ علم نہیں ہے کہ لکھ سکوں، وہ جہاں کہیں بھی ہوں خدا کرے سلامت ہوں۔

شیخ عبدالباقی آپ کے دوسرے فرزند ہیں، ان کے اوضاع و اطوار سنجیدگی سے معمور ہیں، کہتے ہیں کہ (شیخ محمد صدیق قدس سرہ) کے آخری ایام حیات میں اس مخدوم زادہ کو تعلیم طریقہ کی اجازت ملی تھی وہ اپنے اوقات قرآن مجید کی تلاوت میں بسر کرتے ہیں، انہوں نے چند سیپارے بھی حفظ کر لیے ہیں یہ بات انہوں نے چند سال پہلے کہی تھی ظاہر ہے کہ اب تک پورا (قرآن پاک) حفظ کر لیا ہوگا۔ اس عاصی (مولف) پر مہربان ہیں، اے خدا وہ جہاں کہیں بھی ہیں انہیں سلامت رکھنا۔

(دختران حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ)

حضرت خواجہ کی چھ صاحبزادیاں ہیں جن کے احوال (مختلف مقامات پر) بیان کیے جا چکے ہیں، ان میں سے ایک بیٹی آپ کے حین حیات ہی فوت ہوگئی تھیں، باقی پانچ آپ کے وصال کے بعد مدت دراز تک باقیات صالحات کی طرح بقید حیات رہیں ان میں سے ہر ایک فضل و عصمت، ورع و تقوٰی میں اپنے زمانہ میں بے نظیر تھیں، جنہوں نے حضرت خواجہ سے بشارات کثیرہ حاصل کیں، ان میں سے ہر ایک ہمت و سخاوت میں یکتا تھی کہ گویا حضرت خواجہ کا ظہور ان کے پردے میں ہو رہا تھا (۳۵۷) آپ کی بڑی صاحبزادی سے بہت سی روایات اس کتاب (مقامات معصومی) میں بیان کی جا چکی ہیں جس سے دوسری صاحبزادیوں پر ان کی بزرگی کا ثبوت ملتا ہے، اس وقت اس احقر (مولف) کی والدہ جو کہ آپ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں بقید حیات ہیں، ان کے کچھ احوال اس کتاب کے مقدمہ کی کنز اول میں بیان کیے جا چکے ہیں۔ **سلمها ربها**

(ترجمہ آیت) ''اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کی ہیں اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں ان کافروں پر مدد دے'' **و صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ و اتباعہٖ اجمعین۔**

مفتاح ہشتم

حضرت خواجہ محمد معصوم کے خانوادہ میں سے بعض اقربا کا تذکرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۳۵۹) آیۃ کریمہ (ترجمہ) ''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے، وہی حکمت والا خبردار ہے، جو کچھ زمین میں جاتا ہے وہ جانتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہی ہے جو مہربان بخشنے والا ہے'' **والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد الذی کتابہ افضل من التورٰتہ والانجیل والزبور و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و از واجہ الطاھرات وبناتہ المکرمات و جمیع تابعیہ الی یوم البعث والنشور**..........

اس خانوادہ کے حالات سننے کے خواہش مند حضرات پر واضح ہو کہ اس باب میں زیادہ تر روایات وہ ہیں جو جناب قطب الاقطاب قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) سے سنی ہیں..... (اگرچہ شیخ محمد فضل اللہ کے احوال) اس (۳٦۰) سے چند سال قبل تالیف ہونے والی میری کتاب ''منظر اولی الالباب'' میں بیان کیے جا چکے ہیں، اس مفتاح کی پہلی کنز آپ ہی کے احوال کے لیے مخصوص ہے، اس کے بعد دوسرے وہ اعزہ جنہوں نے حضرت خواجہ سے فیض حاصل کیا کے حالات بیان کیے جائیں گے، (حضرت مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد) اس خاندان کے سب چھوٹے بڑے اصحاب نے حضرت خواجہ کی طرف رجوع کیا تھا..........

حضرت شاہ جی (محمد یحیٰ) قدس سرہ جو کہ حضرت خواجہ کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں، اگرچہ انہوں نے بھی آخر کار کمال خضوع کے ساتھ حضرت خواجہ کی خدمت میں رجوع کیا تھا، ان کے بارے میں چند نکات جو اس ناقص (مولف) تک پہنچے ہیں

...... ان کے احوال دو تین ورق میں پورے نہیں آسکتے (۳٦۱) ان کے احوال بعض دوسرے مقامات پر بھی لکھ چکا ہوں اس لیے علیحدہ کنز ان کے لیے مقرر نہیں کیا گیا آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ ضیاء الدین یوسف اگرچہ بلاواسطہ حضرت خواجہ سے ارادت رکھتے تھے لیکن انہیں حضرت حجۃ اللہ سے بھی بہت سی بشارتیں حاصل ہوئی تھیں، لیکن مولفہ۔ کو ان کی مطلق کوئی اطلاع نہیں ہے اس طرح حضرت خواجہ سے انہیں جو بشارات حاصل تھیں کا بھی مجھے زیادہ علم نہیں ہے .... چچا حضرت شیخ عبداللطیف اور حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کے تین فرزندوں کے کچھ احوال مکتوبات سے اور کچھ سماعی طور پر معلوم ہیں اس لیے اس مفتاح کی باقی چار کنزیں ان حضرات کے احوال کے لیے مخصوص ہیں اس طرح اس مفتاح کی کل پانچ کنوز ہوگئی ہیں ...... شیخ عبداللطیف کے احوال کے لیے اس کی کنز ثانی مخصوص ہے باقی کنزیں حضرات کی عمر کے مطابق مرتب کی گئی ہیں ....

شیخ محمد فضل اللہ

کنز اول

قطب الاوتاد بدر الزہاد شمس الافراد حضرت قبلہ گاہی مظہر فیض الہ شیخ محمد فضل اللہ کے بعض احوال

(۳٦۲) (ترجمہ آیت) ''یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔'' ....

آنحضرت والا منزلت (شیخ محمد فضل اللہ) حضرت مجدد الف ثانی کے نواسے اور حضرت خواجہ کے حقیقی بھانجے ہیں، اگرچہ اس سے قبل آپ کے آبائے کرام کے نام اس کتاب کے مقدمہ میں حضرت مجدد الف ثانی کے والد بزرگوار حضرت مخدوم (عبدالاحد) کے ضمن میں لکھے جا چکے ہیں، اس کے بعد آپ کا شجرہ وہی ہے جو

حضرت مجدد الف ثانی کا ہے .... آپ معرفت پناہ شریعت دستگاہ شیخ عبدالقادر کے فرزند ہیں جو کہ مدت دراز تک دارالارشاد سرہند کے قاضی رہے ہیں، ان کی عدالت کے بارے میں اتنا زیادہ سنا ہے کہ ان اوراق میں رقم کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ اگر پوری کتاب لکھی جائے جس کے بہت سے ابواب ہوں تو پھر بھی ان کے قصے پوری طرح بیان نہیں ہوسکیں گے۔

عوام وخواص میں مشہور ہے کہ ان (شیخ عبدالقادر) کے عہد میں شیر اور بکری ایک ہی برتن میں پانی پیتے تھے، یہ اشارہ آپ کے کثرث عدل کی طرف ہے یہ حضرت مجدد الف ثانی سے ارادت رکھتے تھے، (حضرت مجدد الف ثانی کے وصال) کے بعد آپ نے حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) **قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس** (۳۶۳) جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کے خلف ارشد تھے، کی خدمت میں رجوع کیا تو درجات ولایت میں سے فناء قلب جو کہ اول درجۂ ولایت ہے، کی بشارت حاصل کی، لیکن حضرت قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) جو کہ آپ کے صاحبزادے بھی ہیں آپ کی قبر پر گئے، کار (سلوک) جیسا کہ وہ چاہتے تھے اسی طرح جاری محسوس کیا، کیوں کہ اس طریقہ میں فیض وصول کرنے کا طریقہ اموات (مردہ افراد) میں بھی اسی طرح ہے جس طرح زندہ میں ہوتا ہے جو کہ اکابر اولیاء میں بطور مساوات ہے اس طرح جیسے یہ مردہ اپنی زندگی میں سلوک کی منازل طے کرتے تھے، ان شاء اللہ اس کنز میں آپ کے بعض کمالات تفصیل سے بیان کیے جائیں گے۔

شریعت پناہ (شیخ عبدالقادر)، شیخ محمد امین کے فرزند ہیں اور وہ بیٹے ہیں شیخ عبدالرزاق کے جو صاحبزادے تھے عارف باللہ الصمد مخدوم شیخ عبدالاحد **قدس اللّٰہ تعالٰی اسرارھم** کے ان میں سے ہر ایک کے بارے میں جو کچھ سن رکھا ہے اگر احاطۂ تحریر میں لاؤں تو یہ کتاب بہت ہی ضخیم ہو جائے گی، حضرت مخدوم کے مناقب تعریف کرنے والوں کی توصیف سے بہت ہی بلند ہیں، شیخ عبدالرزاق تو حضرت

مجدد الف ثانی کے بڑے بھائی تھے جو کہ صاحب اسرار و معانی تھے۔

احمر و بیض

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے تھے کہ رسول کریم علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کی مبارک سنت (اعمال و احادیث) جس قدر کہ ہم تک پہنچی ہیں ہم نے ان کے مطابق عمل کیا ہے البتہ ایک آرزو باقی ہے کہ ہماری بیٹی کے ہاں ہماری زندگی میں فرزند تولد ہو،ہم اسے کندھوں پر اٹھائیں اور اسے کھلائیں تا کہ یہ سنت بھی ادا ہو جائے، لیکن یہ ہماری زندگی میں ہوتا نظر نہیں آ رہا، اسی طرح ہوا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی کے وصال کے بعد نواسہ پیدا ہوا.اس امر میں تاخیر ہو گئی لیکن (صاجبزادی) کی نسبت اپنی زندگی میں کر دی تھی بعد میں حضرت کے وصال کے باعث اس میں توقف بھی ہوا، حضرت مجدد الف ثانی کے (آخری) ایام خلوت کے دنوں میں جہاں فرزندوں کے سوا کسی دوسرے کو بغیر اجازت باریاب ہونے کی اجازت نہیں تھی، اس بیٹی کے جہیز کے لیے جو زیور تیار کروایا تھا اپنے حضور شریف میں طلب کیا کہ دیکھیں کہ صلہٴ رحمی میں کسی چیز کی کمی تو نہیں رہ گئی ہے؟ کہ ادا نہ کی گئی ہو، آپ کے صاجبزادوں نے آپ کی وصیت کے مطابق آپ کے وصال کے چھ ماہ بعد اپنی بہن کی شادی کر دی، اور اس دختر کے بارے میں آپ کے روضہٴ منورہ سے بہت سی عنایات کا ظہور بھی ہوا جس کا مشاہدہ بھی کیا گیا۔

اب میں اصل بات کی طرف لوٹتے ہوئے کہتا ہوں کہ آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ کی ولادت باسعادت عاشورہ کے دن جمعہ کو ۱۰۵۰ھ میں بلدہٴ طیبہ سرہند شریف میں ہوئی اور قادر مطلق کا فضل ان کے بشرٰی میں جو کہ احسن تقویم ہے کا ظہور ہوا، جب حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) قدس سرہ نے (۳۶۴) حضرت شیخ فضل اللہ کو دیکھا تو فرمانے لگے:

احمر

مافضلیا نیم

اس قبلۂ اصحاب ولایت (شیخ محمد فضل اللہ) کی تاریخ ولادت حضرت مجدد الف ثانی کے مخلصین میں سے ایک نے (اس مادہ) سے اخذ کی:

''آں قطب الاقطاب تولد شد'' ۱۰۵۰ھ

احمر

حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) اور حضرت خواجہ دونوں حسب معمول نماز جمعہ سے فراغت کے بعد حضرت مجدد الف ثانی کے روضۂ مقدسہ کی زیارت کے لیے گئے اور مراقبہ کیا، دیکھا کہ ایک نہایت سنجیدہ مجلس منعقد تھی کہ وہ یکا یک سرور ونشاط اور رقص میں بدل گئی اور حضرت مجد الف ثانی کو ہر طرف سے مبارک باد ملنے کا آغاز ہو گیا، ان دونوں حضرات نے اس خوشی اور مسرت کا بڑے تعجب سے سبب پوچھا، حضرت فرمانے لگے کہ تمہاری بہن کے ہاں بیٹا تولد ہوا ہے، جس کی پیشانی پر فضل کے آثار جلوہ گر ہیں اور اس کے مبارک چہرہ پر چاند کی طرح انوار عنایت چمک رہے ہیں، تمہیں مبارک ہیں، مجھے اخوت پناہی قبلہ گاہی مرحومی شیخ عز الدین احمد قدس سرہ (برادر مولف) سے اس طرح سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی اس طرح فرماتے تھے کہ اس بچے کو شاید ایک روز میری قبر پر لایا جائے گا تا کہ (مذکورہ) سنت وفات کے بعد ہی پوری ہو جائے، قصہ مختصر دونوں حضرات نے جب آنکھ کھولی (مراقبہ سے سر اٹھایا) تو صوفیہ کو یہ خوش خبری سنائی اور دونوں حضرات کو اس فرزند کے تولد کی خوش خبری دی گئی اور مبا ک باد وصول کی، اور اس (نومولود) کے حق میں اللہ تعالیٰ کی جو عنایت معلوم ہوئی وہ بیان کر دی، عقیقہ کے روز ان کا نام محمد فضل اللہ رکھا گیا، حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) نے ان کو محمد شاکر کے نام سے موسوم کیا لیکن اول الذکر نام کو عظمت فضل عظیم کے طور پر شہرت ہوئی کہ گویا یہ الہامی تھا جس کا بعد

میں ظہور ہوا، اور دوسرے نام (محمد شاکر) بھی آپ کے چہرۂ فضل پر عیاں تھا کیوں کہ حضرت مجدد الف ثانی نے شکر ادا کیا تھا۔

یہ نام الہامی طور پر حضرت خازن الرحمت کی زبان الہام ترجمان پر آیا تھا، اس چھوٹی عمر سے ہی ہر روز عجیب معاملات اور اسرار کا ظہور ہوتا اور بہت سی کرامات (۳۶۵) کا ہر ماہ مشاہدہ کیا جاتا تھا، یہ تو ماہ کی بات تھی سال کے بارے میں کیا لکھا جائے کہ کس قدر غلبۂ حال واقع ہوا۔

جب شیخ محمد فضل اللہ تعلیم حاصل کرنے کی عمر کو پہنچے تو بہت کم عمری میں ہی قرآن مجید ختم کرلیا، پھر معقول ومنقول کی مروجہ کتب پوری تندہی کے ساتھ بہت ہی جلد پڑھ لیں۔

صرف بیس سال کی عمر میں بیضاوی تمام کرڈالی اس دوران اپنے اعزہ کے ہمراہ حجاز کا سفر بھی کیا، تقریباً اڑھائی سال کے اس سفر کے دوران جب کہ سبق بالکل موقوف تھا قرآن مجید حفظ کیا اس وقت حضرت وحدت (عبدالاحد) اور شیخ شریف محمود بھی آپ کے رفیق سفر تھے ان کی صحبت میں علمی معاملات زیر بحث رہتے تھے، شریف محمود کو تقریر کا ملکہ حاصل تھا چند دن کم تین ماہ میں قرآن پاک حفظ کرلیا، اور آئندہ رمضان میں آپ نے ان عالی درجات حضرت کو نماز تراویح میں سنایا، ان شاء اللہ تعالیٰ ان معاملات پر بعد میں بحث ہوگی۔

اس وقت اس قطب الابدال (شیخ محمد فضل اللہ) کی ابتدائی زندگی کے کچھ احوال بیان کرتا ہوں:

احمر وابیض

ایک بار جب کہ شیخ محمد فضل اللہ صرف چھ ماہ کے تھے کہ آپ کو حضرت مجدد الف ثانی کی قبر مقدس جو کہ خاک مدینہ سے معمور ہے پر لے جایا گیا، کہتے ہیں کہ قبر شریف اس وقت حرکت میں آئی اور حضرات پر منکشف ہوا کہ حضرت مجدد الف ثانی

نے انہیں پوری طرح پہچانتے ہوئے (بمعرفت کلی) اپنے اوپر سوار کر لیا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ سنت بھی بطریق احسن ہم نے ادا کر لی، اور جو یہ فرماتے ہیں کہ یہ فلاں کے نواسوں میں سے ایک نواسہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حسن و حسین علیہما السلام نواسوں میں سے نواسے تھے، حضرت مجدد الف ثانی نے انہیں لمبی عمر، مال معرفت اور گہرے علم کے حصول کی بشارت دی اور یہ تمام بشارات ظہور پذیر ہوئیں جس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے............

یہاں اس فقیر (مولف) تک یہ روایت بھی پہنچی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹوں کو یہ وصیت کی تھی کہ ہماری زندگی میں ہماری یہ تمنا پوری ہوتی نظر نہیں آتی، ہماری وفات کے بعد ہمارے نواسہ کو ہماری قبر پر لائیں، اس کے بعد یہ وصیت اس منجھلے نواسے (شیخ محمد فضل اللہ) پر صادق آئی کیوں کہ درمیانے درجے کے عمل میں بھلائی ہوتی ہے، پھر ان حضرات عالی درجات کا کشف بھی اسی فرزند دل بند کے حق میں ہوا اور پھر اس مظہر الٰہی پر فتح و نصرت کے دروازے کھل گئے۔

احمر

(حضرت شیخ محمد فضل اللہ) سات سال (۳۶۶) کے تھے کہ ان کے والد گرامی (شیخ عبدالقادر) کو ایک تقریب سے دہلی کا سفر درپیش ہوا، چند ماہ گزر گئے اور ان کی خیریت کی خبر نہ آئی سب کو اس پر بہت تشویش ہوئی، ایک روز ان کی بہنوں نے ان سے التماس کی کہ توجہ کریں کہ حضرت والد بزرگوار کب اپنا جمال منتظرین کو دکھائیں گے اور اب وہ کیا کام کر رہے ہیں اور کہاں ہیں؟ شیخ محمد فضل اللہ نے تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کیں اور زبان مبارک سے فرمانے لگے آج دن کے ختم ہونے تک واپس وطن تشریف لے آئیں گے، ان کے استقبال کی فکر کرنی چاہیے، ایک لمحہ نہ گزرا تھا کہ ایک خادم وہاں آیا اور اس نے خبر دی کہ حضرت آج ظہر اور عصر کے درمیان پہنچیں گے، انہوں نے جب آ کر اپنے اس فرزند کا تصرف (کشف) سنا تو اللہ تعالیٰ کا

شکر بجا لائے، اکثر اصحاب کو اس امر کا علم ہے اور حضرت کی تعریف کے لیے یہ روایت دہرائی جاتی رہتی ہے کہ:

اشعر

میرا یہ بیٹا مادرزاد ولی ہے۔

اشعر

آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) سے کئی بار یہ سنا ہے کہ بچپن میں ارادت کے حصول سے پہلے مجھے ایک مقام ملا، جب بڑا ہوا تو حضرت خواجہ سے اسی مقام کی بشارت ملی، والدین کریمین کو مجھ پر ایک قسم کا اعتقاد ہو گیا تھا اس کے باوجود کہ میرے بڑے بھائی (خواجہ محی الدین) حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کی ارادت سے مشرف ہو چکے تھے اور بہت سی بشارات حاصل کر چکے تھے، لیکن انہیں (والدین) کو اس کے دسویں حصے کے برابر بھی ان پر اعتقاد نہیں تھا بلکہ میرے یہ بھائی جن کا نام خواجہ محی الدین قدس سرہ تھا، میرے بہت ہی معتقد تھے اور میری استعداد کی تعریف کیا کرتے تھے، گویا میری طینت میں اس کا شوق تھا کہ مجھے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے کمالات سے بہرہ مند ہونا چاہئے، چونکہ اس سے پہلے مجھے بعض کمالات حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) سے بھی حاصل ہوئے تھے اس لئے والدین رحمہما اللہ سبحانہ سے مشورہ کرنا لازم سمجھا کہ کیا حضرت خواجہ کا مرید بننا چاہیے؟ چنانچہ اسی طرح کیا، حضرت خواجہ نے بہت سی عنایات کے ساتھ طریقت کی تعلیم فرمائی اور بہت ہی بیش قیمت توجہات سے نوازا، ہر صحبت میں بشارتیں دیتے تھے، چونکہ شوق میری طینت میں تھا اس لئے میری دلی تمنا اس سے زیادہ کی ہوئی، یہاں تک کہ میں گیارہ سال کا ہو گیا۔

حضرت شیخ سیف الحق والملت والدین بھی میرے ہم عمر بلکہ مجھ سے چھ ماہ بڑے تھے، مجھ تک یہ خبر پہنچی کہ حضرت خواجہ نے انہیں فنائے قلب کی بشارت دی

ہے، جس سے مجھے بے حد اضطراب (۳۶۷) ہوا، آخر میں نے دوات وقلم لے کر اس کے باوجود کہ میں فن تحریر سے واقف نہیں تھا، اپنا حال، خط پریشان اور منتشر عبارت میں اپنے خال اکرم سعید ازل خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کی خدمت میں لکھا کہ طلب کا مقصد ''طلب مولیٰ ہے نہ کہ رسمی پیری و مریدی'' اگر آپ اس طالب کی کارکشائی بطریق احسن کر سکتے ہیں تو کریں ورنہ جواب دے دیں تاکہ میں اپنے منجھلے ماموں یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں رجوع کروں کیوں کہ وہاں تو میرے ہم عمر طالبوں کو ولایت صغریٰ کی بشارت مل چکی ہے، اور اس قسم کے الفاظ میں بہت کچھ لکھ ڈالا۔

احمر

فرماتے تھے کہ چونکہ کم عمری میں ہی مجھ میں شوق (طلب) کا غلبہ پیدا ہو گیا تھا اس لئے خود کبھی بھی آداب کا خیال نہ رکھا اسی لئے تحریر میں گستاخی کا مرتکب ہوا، جب میرا رقعۂ شوق اور اس کا مضمون حضرت خازن الرحمت تک پہنچا تو آپ اس کے مطالعہ سے بہت ہی لطف اندوز ہوئے اور اس کی حلاوت محسوس کی اور اس کا جواب اپنے قلم عنبریں رقم سے مرحمت فرمایا...... بہت سی تسلیاں تحریر فرمائیں جو کہ اس درویش (شیخ محمد فضل اللہ) کو یاد نہیں رہیں، ممکن ہے کہ یہ مکتوب بھی حضرت خازن الرحمت کے مکتوبات میں شامل ہو گیا ہو۔

اس کے بعد ایک روز حضرت خواجہ محمد سعید نے مجھے اپنے حضور طلب فرما کر عنایات سے نوازتے ہوئے مراتب کمال کے وصول کی بشارت دی اور فرمانے لگے:

احمر

کہ میں تمہارے راستہ میں رکاوٹ نہیں ہوں اگر تم اپنے کام (طلب) میں اپنے منجھلے ماموں (حضرت خواجہ محمد معصوم) کی خدمت میں کشادگی محسوس کرتے ہو تو ان سے رجوع کرو البتہ تم خواہ یہاں رہو یا وہاں جاؤ آخر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو

جاؤ گے، اس کے بعد توجہ مبذول فرمائی اور اس وقت ''ولایت صغریٰ'' کی بشارت جو اس وقت (خردسالی) میں رشک کا سبب بنی ہوئی تھی، عنایت کی۔

حضرت (عبدالاحد) وحدت جو کہ ان کے ہم عمر بلکہ چھ ماہ چھوٹے تھے کو بھی اسی صحبت میں ''ولایت صغریٰ'' کی بشارت دی جس سے ان کا معاملہ بھی روز بروز صورت دیگر بلکہ رنگ دیگر اختیار کرتا گیا اور بشارات کا وہ دروازہ جو اس سے پہلے بند تھا اس تقریب کے باعث کھل گیا، چنانچہ حضرت خازن الرحمت اکثر یہ فرمایا کرتے تھے:

احمر

(۳۶۸) اگر تم دونوں عزیز (شیخ فضل اللہ و شیخ وحدت) میرے ساتھ بہت پہلے منسلک ہو جاتے تو بہت سے امور اور بے شمار اسرار ظہور پذیر ہوتے، اب تو ہر معاملہ (اسرار عرفان) میرے سینہ کے صندوق میں اس طرح سربستہ ہوگیا ہے کہ جواہر آبدار کی طرح مدفون ہے۔

اب تو میرے بھائی صاحب جس سے آپ کی مراد حضرت خواجہ کی ذات بابرکات ہے کی خدمت میں فرزندان، مریدین، اسرار سننے کے شائقین اور جواہر آبدار کے مبصرین حاضر ہیں اور دائرۂ بشارات بہت وسیع ہوگیا ہے اور ان کے سینۂ بے کینہ سے یہ اسرار بے اختیار باہر نکل رہے ہیں، یہ صحبت ہی ہے جس کے اسرار کا اظہار ہوتا ہے، یہ صحبت ہی ہے جس میں حرف و حکایت سے دل کھلتا ہے، یہ صحبت ہی ہے جس میں ہنگامہ کو جوش آتا ہے اور اس خال اکرم (حضرت خواجہ محمد معصوم) پر ان کا اعتقاد روز بروز بڑھ رہا ہے اور اسی کے مطابق کمالات کا جذب بھی ہو رہا ہے۔

احمر

ایک روز حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) فرمانے لگے کہ محمد فضل اللہ صاحب معنی بزرگ اور بزرگی کے مقام پر فائز ہوگیا ہے۔

اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد حضرت خواجہ محمد سعید نے انہیں اس مقام پر فائز

ہونے کی بشارت دی، اسی عمر میں آپ حضرت خواجہ محمد معصوم کی خدمت میں شرح وقایۂ پڑھتے تھے اور حضرت خواجہ محمد سعید کی خدمت میں بھی اکثر کتب پڑھیں، مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنے تینوں ماموؤں، جامع العلوم ملا بدرالدین (سلطان پوری) اپنے والد بزرگوار (شیخ قاضی عبدالقادر) اور مولوی شیخ محمد فرخ سے بھی پڑھا، منقول و معقول کی معتبر کتب کا درس دینا اسی جوانی کے زمانے میں ہی شروع کر دیا، لیکن اب تو اس شغل کو ترک کیے ہوئے مدت ہو چکی ہے اور اب تو اپنا ظاہر و باطن فقط طلب جلت عظمت کے لیے وقف کر رکھا ہے اور اس کے سوا آپ کوئی دوسری بات کرنا پسند ہی نہیں کرتے، اب آپ اکثر یہ مصراع پڑھا کرتے ہیں:

''چہ وقت مدرسہ و بحث کشف وکشاف است''

البتہ حدیث، فقہ اور تفسیر کا درس آخر عمر تک دیتے رہے اور اسے معاملۂ باطن کے منافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اسے کارخانۂ باطن کے لیے معاون تصور کرتے تھے۔ لیکن پابندی کے ساتھ درس نہیں دیتے تھے کہ اس کے بغیر چارۂ کار ہی نہ ہو چوں کہ اولاد کی تربیت کا خاص خیال رکھتے تھے اس لیے درس کا اہتمام ہوتا تھا اہل حق کا ہمیشہ خیال فرمایا، چنانچہ آخری عمر میں شیخ ابوحنیف بن حضرت وحدت قدس سرہما آپ کے پاس ہدایہ پڑھتے تھے اور اس سلسلہ میں جمعہ وعیدین کو بھی چھٹی نہیں کرتے تھے...... آپ کی آنکھوں میں بہت حیاء تھی اہل حقوق کے حق کا خیال رکھتے تھے اور ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے، سترہ سال کے تھے کہ (صاجبزادگان) عالی درجات کے ہمراہ حجاز کے سفر پر گئے اور وہاں دعا کی قبولیت میں ممتاز ہو گئے تھے، ان دنوں چونکہ آپ کے والد (قاضی عبدالقادر) سرہند کے قاضی کے عہدہ پر فائز تھے اسی لیے وہ اپنے وطن میں ہی رہے اور شیخ فضل اللہ مدینہ منورہ میں تھے کہ (۳۶۹) کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا، ان دنوں وہاں تک کسی تازہ خبر کا پہنچانا خاصا دشوار تھا جب تک کوئی قافلہ وہاں نہ جائے حضرات تک خبر نہیں پہنچ سکتی تھی، اس کی تفصیل اس طرح ہے:

احمر

ایک روز حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے شیخ محمد فضل اللہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج میں نے ایک نور دیکھا ہے جس نے زمین سے آسمان کی طرف پرواز کی جس نے سارے افق کو منور کر دیا، میں نے حیران ہو کر معلوم کیا تو پتا چلا کہ یہ اخوی شریعت پناہ شیخ عبدالقادر کے ایمان کا نور ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس دنیا سے رحلت فرما گئے ہیں۔

کہتے ہیں کہ عین اسی روز حضرت خواجہ نے بھی اپنی محفل میں اپنی زبان الہام ترجمان سے یہی فرمایا، چنانچہ وہ تاریخ لکھ کر رکھ لی گئی، جب سورت کی بندرگاہ پر پہنچے تو جو خطوط سرہند شریف سے قاصدوں نے پہنچائے تھے (کھول کر دیکھے) تو معلوم ہوا کہ وہی تاریخ یعنی ۲۰ رجب المرجب کو حضرت شیخ عبدالقادر کا وصال ہوا تھا۔

حضرت خازن الرحمت نے حرمین الشریفین میں سے ایک حرم میں شیخ فضل اللہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

احمر

آج تمہارے والد بزرگوار کے سر پر بے اختیار ایک تاج نمودار ہوا، جس کے انوار کی شعاعوں نے دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا، معلوم ہوا کہ اس کا سبب تمہارا قرآن مجید کو حفظ کرنا تھا جس کی وجہ سے ان پر یہ عنایت ہوئی ہے۔

قصہ مختصر اس سفر (حرمین) سے مراجعت کے بعد ہندوستان کی سلطنت حضرت خلد مکان (اورنگ زیب) سے متعلق ہو چکی تھی گویا اورنگ زیب کو سلطنت کی جو بشارات حضرات (سرہند) نے دی تھیں وہ درست ثابت ہوئیں، دارالخلافہ اکبر آباد میں جب ان اصحاب کی اورنگ زیب سے ملاقات ہوئی اس نے بڑی منت سے سرہند کی قضاء کی خدمت شیخ فضل اللہ کو سونپی، آپ نے بھی حاکم وقت کی اطاعت کو امر جانتے ہوئے اور اپنے ماموں حضرت کے حکم کے بموجب قبول کر لیا اور اپنے وطن

مالوف میں داخل ہوئے، آپ کی عدالت میں (انصاف کے جو واقعات ہوئے) ان کی تفصیلات سے یہ مقامات فرخندہ نکات (مقامات معصومی) متحمل نہیں ہوسکتی کیوں کہ اس سے بات بہت لمبی ہو جائے گی۔

انہی دنوں (بعد مراجعت از حرمین) شیخ محمد فضل اللہ کا حضرت خواجہ محمد معصوم کے ہاں عقد ہوا۔

اہل کمال کے لیے اس نسبت کا مختصر قصہ بیان کیا جاتا ہے، کہ شیخ محمد فضل اللہ اپنے سب سے چھوٹے ماموں حضرت شاہ جیو (شاہ محمد یحییٰ بن حضرت مجدد الف ثانی) کی بیٹی کے نام سے نامزد ہو چکے تھے اور اس کو چند سال بھی ہو گئے تھے کہ میری والدہ ماجدہ کا حضرت خواجہ کے ہاں تولد ہوا تو حضرت خواجہ فرمانے لگے کہ میں اپنی اس بیٹی کی نسبت محمد فضل اللہ سے کرتا ہوں عزیزوں نے کہا کہ وہ تو پہلے ہی منسوب ہیں، بیٹی کا معاملہ اس قسم کا نہیں ہوتا کہ دوسری طرف (لڑکے والوں) سے بغیر کسی اشارہ کے جلدی میں یہ کام کر دیا جائے یہ کوئی سبزی تو نہیں ہے جسے جس طرح چاہا فروخت کر دیا جائے، آپ فرمانے لگے کہ میں یہ خود نہیں کر رہا (۳۷۰) بلکہ اللہ تعالیٰ کے الہام سے ایسا کیا ہے، جو بہت ہی مبارک ہوگا، یہ معاملہ میرے جد بزرگوار جیسا ہے کہ ان کا بھی کسی دوسری جگہ عقد ہو چکا تھا۔

ابیض

(اسی طرح) حضرت مجدد الف ثانی نے بھی فرمایا تھا کہ میں اپنی بیٹی اپنے بھائی شیخ عبدالرزاق کے نبیرہ (شیخ عبدالقادر) کو دیتا ہوں، لوگوں نے عرض کی کہ وہ تو شادی شدہ ہیں، آپ فرمانے لگے کہ اللہ سبحانہ کے حکم سے جو بھی ہو، شادی تو یہیں ہوگی، اب اتفاق ایسا ہوا کہ ان کی پہلی بیوی فوت ہوگئیں پھر ان کا عقد وہیں ہوا جہاں حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا تھا (یعنی حضرت مجدد الف ثانی کی صاجزادی سے)، بالکل اسی طرح حضرت خواجہ نے بھی فرمایا تھا اسی طرح ان کی نسبت ہوئی ان

کی پہلی نسبت منسوخ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے الہام کے مطابق ان کا عقد حضرت خواجہ کی صاحبزادی سے ہوا، گویا دونوں جگہ برکت کا حصول ہوا۔

گویا شیخ محمد فضل اللہ پر حضرت خواجہ کی بہت عنایت تھی اسی طرح حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کا بے شمار الطاف بھی تھا۔

احمر

(شیخ محمد فضل اللہ) فرماتے تھے کہ اپنی آخری عمر میں حضرت خازن الرحمت فرماتے تھے کہ میری قبر پر آنا اس طرح اپنی اولاد کو بھی یہی وصیت فرمائی کہ تمہیں یہ سعادت وہاں حاصل ہوگی اور مجھے مردہ نہ سمجھنا ....

حضرت خازن الرحمت قدس سرہ نے اپنی آخری عمر میں شیخ محمد فضل اللہ کو ''ولایت کبریٰ'' کی بشارت دی تھی جو کہ حضرات احمدیہ (مجددیہ) میں رائج بشارات میں سے ایک ہے۔

حضرت (عبدالاحد) وحدت نے اس ارباب کمال (خواجہ محمد سعید) کے وصال پرملال جو کہ ۲۰ جمادی الآخر میں ہوا تھا (یہ مادۂ تاریخ کہا):

سال رحلت بیابی ارخوانی ''رفت قطب زمان سعید ازل''

۱۰۷۱ھ

(حضرت خواجہ محمد سعید) کے وصال کے ایک ماہ بعد شیخ محمد فضل اللہ حضرت خواجہ کی خدمت میں چلے گئے، حضرت خواجہ نے فرمایا کہ میں ازسرنو طریقہ تلقین کروں گا، تو آپ نے اس کے جواب میں یہ شعر پڑھا (۳۷۱)

سپردم بہ تو مایۂ خویش را تو دانی حسابِ کم و بیش را

حضرت خواجہ نے بہت عنایت فرماتے ہوئے توجہ دی اور اپنی زبان الہام ترجمان سے فرمانے لگے کہ تمہیں حضرت میاں جیو (شیخ خواجہ محمد سعید) سے ''ولایت کبریٰ'' کی جو بشارت ملی تھی مجھے بھی معلوم ہوگئی ہے، آپ آٹھ سال تک حضرت

خواجہ کے حضور کمال عقیدت کے ساتھ رہے اور بڑی بڑی بشارتیں حاصل کیں، چنانچہ آپ نے اپنی بیاض خاصہ میں ان میں سے چند بشارتیں اپنے دست شریف سے لکھی ہیں میں اسی عبارت میں بغیر کسی ردوبدل کے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں:

فتح

حضرت قطب الاقطاب (حضرت خواجہ) صاحب منصب قیومیت و خلت جو کہ مقام محبوبیت سے مخصوص ہیں جو ذاتی اور کمال انفعالی سے عبارت ہے، یعنی ہمارے حضرت خواجہ نے اس باب میں اس نامراد (شیخ محمد فضل اللہ) کو جن بلند پایہ کلمات سے نوازا اور عالی شان بشارات دیں (ان میں سے چند ایک یہ ہیں):

منہا بوجود موہوب منہا بفنائے نفس ، منہا بکمالات

منہا بحقائق ثلاثہ منہا اقتداء بمرتبہ وجوب تعالت و تقدست

منہا فوق صلوٰۃ کہ جس مقام پر عارف رنگ معروف میں بے رنگ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور اسی رنگ میں بے چون کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

منہا فنائی بہ حقیقت محمدیہ **علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام** اور اس ضمن میں ایسے جواہر نفیسہ عطا ہوئے کہ جنہوں نے مجھے خوش وقت کر دیا۔

منہا سیر مرکزی لیکن اس کے ضمن میں اصالت بھی۔

منہا اللہ تعالیٰ و تقدس کی طرف سے محبت۔

منہا مقام تفضل، کہ جہاں صرف اللہ کی عطا سے ترقی ہو سکتی ہے جہاں کسی علم اور عمل کی گنجائش نہیں ہے، اور اس مقام کی بہت ہی نورانیت بیان فرمائی، یہاں تک کہ آپ کی اپنی چشم مبارک بھی اس کی نورانیت سے خیرہ ہو گئی۔

منہا - دل کے اندر ایک اور دل ہے اور اس کے اندر ایک اور دل اور اسی طرح ہر دل کی تجلی خاص بتائی، فرمانے لگے کہ تمہاری اس نسبت نے مجھے مغلوب کر دیا

ہے پھر کچھ دیر کے بعد فرمایا اب مغلوب نہیں ہوں۔

منہا حضرت مجدد الف ثانی کے مرقد پر گئے تو فرمایا کہ آج رات حضرت کی بہت ہی عنایت کا ظہور ہوا اور مجھے بہت عالی شان جواہرات پہنائے گئے اور ان جواہر میں سے تجھے بھی دیے گئے، فرمانے لگے کہ اس بے پایاں عنایت کا سبب ''خلوت'' ہوسکتا ہے کیوں کہ اس رات چند عورتیں حضرت مجدد الف ثانی کے روضۂ منورہ کی زیارت کے لیے گئی تھیں، بزرگ اصحاب اور صوفیہ نے دروازہ بند کر دیا اور اس بزرگ کے مزار کے اندر کوئی نہ آیا، فرمایا کہ حضرت مجدد الف ثانی کی تجھ پر اس قدر مہربانی اور توجہ کا ظہور ہوا جس سے میری توجہ کی ضرورت نہیں رہی۔

منہا ولایت احمدی (کی بشارت دی)

منہا اس ذات میں سے نصیب (حصہ) عنایت کیا کہ بعض افراد کو قیوم وقت جو کہ صاب ذات ہوتا ہے کی عنایت سے ملتا ہے۔

منہا معیت حبی سے اپنے ساتھ نسبت، منہا اپنے جملہ کمالات

منہا ایک خاص مقام (۲ ۷ ۳) کی بشارت دے کر فرمایا کہ حضرت میاں جیو کلاں (خواجہ محمد سعید) نے تمہیں یہ بشارت نہیں دی تھی۔

منہا علو استعداد (اعلیٰ قابلیت کا عرفان)

منہا مخصوص معنی کی بشارت جو ظاہر کر دی گئی، منہا تعین حبی

منہا سیر نظری از گذشت تعین حبی، منہا وصول بذات بحث تعالیٰ و تقدس

منہا نقطۂ خاک تک نزول - منہا وہ بھی جو کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ وہ کمالات ہیں جو میں نے تم سے کہے ان میں کسی ایک کے بارے میں بھی اپنے حقیقی بیٹوں میں سے کسی نے نہیں کہے ہیں۔

منہا صباحت بلکہ ظاہر ملاحت بھی

منہا آرائش و زینت جو دلہن کی آرائش جیسی ہے۔ انتہیٰ کلامہ

یہ تمام تر صحیح و نادر روایات ہیں جو حضرت خواجہ کے احوال کے سلسلہ میں اس کتاب کے اکثر مقامات پر حضرت شیخ فضل اللہ سے سن کر ان کے نام کی تصریح کے ساتھ نقل کی گئی ہیں، ان بدیع روایات میں بعض اوقات آپ نے اپنا نام درج کرنے سے منع فرمایا تھا اس لیے مصلحتاً نہیں لکھا گیا، لیکن تمام بھائی اور حضرات عالی درجات (روایات کی اس روش) کو پہچانتے ہیں، اس لیے یہاں شیخ فضل اللہ کی محرمیت کو حضرت خواجہ کے بیان کردہ اسرار سے شناخت کریں جو کہ آپ کی محبت میں دل و جان سے شیدا ہیں ....

احمر

فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ نے مجھے ''تعین جبی'' کی بشارت دی تھی جو کہ ''اسبق تعینات'' میں سے ہے (ایک مرتبہ) چھ ماہ گزر گئے کوئی مزید بشارت نہ دی اگرچہ اس سے بلند مرتبہ اور نہیں ہے جس سے کہ آپ نے نہ نوازا ہو البتہ ''سیر نظری'' جس کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:

فتح

> حمد للہ سبحانہ وہاں نظر رکھنا منع نہ فرمائی بلکہ قابلیت کے مطابق اس میں گنجائش رکھی گئی ہے، اس کے بغیر ہی ہوتا اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ تم کلامہ الشریف

اس کے چھ ماہ بعد آپ کی بیٹیوں میں سے ایک نے جو چار سال کی تھی سفر آخرت اختیار کیا اسی روز حضرت خواجہ نے انہیں ''سیر نظری'' کی بشارت دی کہ تم اسی پہلے مقام پر (محدود) بند ہو کر رہ گئے تھے جیسے بہت بڑی گائے بند ہو کر رہ گئی ہو، بالکل اسی طرح تمہارا کام بھی ہو گیا تھا، دستگیری کی گئی اور تمہیں ''سیر نظری'' پر فائز کیا گیا۔

احمر

فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ نے جس وقت ایک مقام کے تفضل کی بشارت دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ اس مقام کی نورانیت چشم مبارک کے خیرہ ہونے کا تذکرہ کیا تھا جیسا کہ فتح (اقتباس) بالا میں ذکر ہو چکا ہے، فرماتے تھے کہ یہاں حضرت ایشاں کی چشم مبارک کی ضرورت تھی کہ ان نورانی شعاعوں کا شہود فرما سکیں یہاں حضرت ایشاں سے مراد (۳۷۳) حضرت مجدد الف ثانی کی ذات مبارک ہے، معلوم یہ ہوا ہے کہ آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) میں نسبت کی رعنائی ایک قسم کی جلوہ نمائی تھی اہل حضور کے لیے کہ بے اختیار اپنے حوصلہ کی بشارات کے موافق لب کشائی کی اور ان کو بھی اس کے سننے کا ذوق تھا لیکن اس کے مقابلہ میں اگر متکلم سادہ دل ہوتا کہ جس نے اس سے پہلے اہل کشف کی صحبت نہ دیکھی ہو اور بشارات کا نام بھی نہ سنا ہو اور اگر وہ تمیز والا ہوتا اور کمال کے غلبہ سے اپنا چہرہ نیستی اور محجوبیت کے نقاب میں ذات بحت تعالت و تقدست میں چھپا لیتا اور آئینہ کبریائی جمال مطلق کا تماشا دیکھتا جو کہ ہر اہل سلوک کو درپیش ہوتا ہے، حضرت خواجہ کے فرزندان جو آپ کے جمال کے آئینے میں سے ان حضرات کے سلوک کا اندازہ کرنا چاہیے اس لیے آپ سے بہت سی بشارات رکھتے تھے جو حضرت شیخ فضل اللہ نے اپنی بیاض خاصہ میں اپنے دست مبارک سے لکھ چھوڑی تھیں۔ ان میں سے چند ایک یہاں نقل کر رہا ہوں، البتہ حضرت حجۃ اللہ کی عطا کردہ بشارات سے آغاز کر رہا ہوں:

فتح

قطب الاقطاب خواجہ جیو فرماتے تھے کہ بجواڑہ کے سفر کے دوران معلوم ہوا کہ تم سابقین میں سے ہو، مجھے الہام ہوا کہ فضل اللہ سابقان میں سے ہے **حمدٌ للہ سبحانہ علیٰ ذالک و علیٰ جمیع نعمائہ** نیز آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ تمہارے بارے میں یہ بھی معلوم ہوا کہ تم

قبولیت خاص رکھتے ہو، شب برأت کو فرمانے لگے کہ تمہاری بخشش کا علم ہو گیا ہے بلکہ تمہارے سر و پاؤں پر معرفت کا لبادہ اوڑھا دیا گیا ہے شیخ شرف کی مسجد پانی پت میں حج کے لیے جاتے وقت یہ (بشارات دی گئی تھیں) رات کو ختم کرواتے وقت تمہارے سر و پاؤں پر بے واسطہ پہنایا گیا اور یہ بھی فرماتے تھے کہ تمہارا نقطۂ عدم مطلق تک نزول ہوا ہے، تمہاری نورانیت سے عدم کے تمام مقامات منور ہو گئے۔ آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ تم نے ساری معرفت پر کر دی ہے اور کامل ہو گئے ہو (ملبب ساختند) - انتہی کلامہ قدس سرہ

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے امور لکھے ہیں بیاض کے اعتبار سے یہ تمام اسرار مناسب ہیں، بس یہیں تک اکتفا کر رہا ہوں اسی بیاض شریف میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

فتح

حضرت حجۃ اللہ نے اس نامراد کے لیے ''اصالت ومحبوبیت'' کی بشارت دی تھی جس کے لیے اللہ سبحانہ کا اور اس کی تمام نعمتوں پر شکر ہے اور اس سے قبل آپ نے مجھ سے ملاحت کی پیدائش (نشاء) کی نشان دہی (۴۷ ۳) فرمائی تھی، آپ نے قیومیت کے مقام میں مجھے بطریق ضمنیت شریک کیا جس میں آپ کے اعزہ و اقربا بھی شریک خدمت تھے، ایک روز فرمانے لگے کہ تمہارا باطن بہشت مانند ہو گیا تھا جس میں بہشت کی ساری طراوت اور حسن جلوہ گر تھا اور ایک عظیم نور تمہارے باطن میں نظر آنے لگا۔ شعبان المعظم کی رات ۱۱۱۴ھ کو حضرت حجۃ اللہ نے مجھے بہشت میں داخل ہونے کی بشارت دی، جمعہ کی رات کو صبح کے وقت ۲۹ محرم ۱۱۱۵ھ کو حضرت حجۃ اللہ کا وصال ہوا اس طرح گویا عاشق اور معشوق

کا ملاپ ہوگیا، .... انتہیٰ

اب وہ بشارات جو حضرت مروج الشریعت قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے دی تھیں اور آپ نے اسے اپنی بیاض خاصہ میں تحریر فرمایا ہے نقل کر رہا ہوں......

فتح

جناب مرحومی ولایت پناہی اقطاب دستگاہی شیخ محمد عبیداللہ (مروج الشریعت) نے اس احقر کے لیے کئی بشارتیں اپنی زبان الہام ترجمان سے بیان کی تھیں اگرچہ وہ اتنی زیادہ ہیں جو کہ احاطۂ تحریر میں نہیں آسکتیں البتہ ان میں سے چند ایک بطور تبرک یہاں نقل کر رہا ہوں تاکہ طالبوں کے شوق میں اضافہ ہو:

منہا ایک روز وہ حضرت خواجہ کے مزار مطہر کی زیارت کے لیے گئے تو کچھ دیر مراقبہ میں بیٹھ گئے اس سے فراغت کے بعد اس درویش سے فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ نے تمہاری تعریف میں یہ حدیث بیان کی ہے:

لن یومن احد کم حتی یقال انه مجنون

ایک روز پھر فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ نے اپنا لباس خاص جو خود پہن رکھا تھا اپنے بدن مبارک سے اتار کر تمہارے لیے دیا ہے، ایک دوسرے روز فرمایا کہ تمہیں اس طرح آراستہ کیا گیا جیسے ایک دلہن کو سجایا جاتا ہے، ایک روز پھر فرمانے لگے کہ تمہارے اور اپنے لیے حرف الف کو مناسب دیکھتا ہوں اور مقطعات کے محکم قلعہ کے اندر میں نے تمہیں اور خود کو داخل کر لیا ہے اور تخصیص کر دی ہے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ تمہاری ذاتی نسبت ظاہر ہوگئی، ایک روز فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ کی کون سی

نسبت ہے جو تم تک نہیں پہنچی ہے۔ تم کلامہ الشریف ایک اور مقام پر میاں رحیم داد جو کہ حضرت خواجہ کے مقبولوں میں سے تھے، کی زبانی تحریر فرماتے ہیں:

فتح

شیخ رحیم داد (۳۷۵) اس فقیر (شیخ محمد فضل اللہ) کے لیے یہ بشارت لائے کہ عالم غیب سے یہ عبارت (نازل ہوئی ہے)

"نعم البدل لعبد فی السابقین استقر فی السابقین الاقرب"

ایک اور عزیز جن کے نام کی تصریح نہیں کی گئی کا بہت سی بشارات لانے کا تذکرہ کیا ہے، فرماتے ہیں:

فتح

ولایت مرتبت حقائق منزلت قطب رتبت (مروج الشریعت) اکثر اپنی زبان الہام ترجمان سے اس احقر (شیخ محمد فضل اللہ) کے بارے میں اعلیٰ بشارتیں دیا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ انہیں بہترین جزا دے:

منہا ماہ رجب ۱۰۸۸ھ کو نمازوں سے فراغت کے بعد آپ نے کچھ دیر مراقبہ کیا اور سر اٹھانے کے بعد بہت ہی خوشی کا اظہار کیا اور فرمانے لگے کہ آج رات رحمت اور عنایت کے دریا تم پر کھل گئے، جہاں تک کشف ہوا ان چند سالوں میں اس سے زیادہ عنایت کا پہلے ورود نہیں ہوا اور سیر میں بہت ہی تیزی کا ظہور ہوا، جب میں نے ولایت احمدی پر نظر ڈالی تو اس میں تمہیں بڑی شان کے ساتھ موجود پایا اور قسم قسم کی زیب و زینت سے مزین کیا گیا اور ظاہراً امر مخصوص بھی بیان کیا گیا۔ اس کے بعد چاروں صفوں پر بھی نظر ڈالی تو وہاں بھی تمہیں اپنے ساتھ پایا اور

وہاں ''اصطفائیت ؎۱'' کا بہت ہی ظہور ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ میں برگزیدہ ہو کر قبولیت خاص کا حامل ہو گیا ہوں اور وہاں بہت سے نکات کا تذکرہ ہوا جن میں سے اکثر بھول چکا ہوں، ایک اور رات کو فرمایا کہ تمہاری مرادیت معلوم ہو گئی ہے جس نے تیرا سر سے پاؤں تک احاطہ کر رکھا ہے اور آپ اصطفائیت کا اثر ذکر کیا کرتے تھے، اور ایک رات کو اپنی زینت و آراستگی کا جو محبوبیت کے باعث تھی کا بھی بہت ذکر فرمایا کیوں کہ آپ اس حال پر مشکور تھے، اس درویش (محمد فضل اللہ) کو اس مقام کی زینتوں اور ترقی کی بشارت بھی دی، ایک اور رات کو فرمایا کہ تمہارے بارے میں عنایت خاص محسوس کی گئی ہے اور تمہارے اوپر آنجناب کی توجہ خاص کا ظہور ہوا، حضرت مجدد الف ثانی نے اس نسبت کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے: توجہ متوجہ الیہ کے رنگ میں ''بے چون'' ہو تو بہت ہی جلوہ گر ہوتی ہے اور تم نے دین کی بطریق احسن پیروی کی بلکہ یہاں اس مقام پر ترقی کا بھی ظہور ہوا اور شان عظیم کا مفہوم معلوم ہوا، نیز آپ فرماتے تھے کہ تمہاری ''محبوبیت'' کی نسبت نے بہت ہی ظہور کیا، قیامت کے دن کا بھی ظہور کیا گیا پھر میزان بھی مکشوف ہوا وہاں تمہارا مرتبہ کامل (تمام) دیکھا گیا مثلث با محبوبیت جو الف سے مناسبت رکھتی تھی بھی دیکھنے میں آئی، اس کے بعد جنت دکھائی گئی، جیسا کہ جنت علیہ کے بارے میں ارشاد ہے (ترجمہ آیت) ''اور جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اس کے لیے دو جنتیں ہیں (۴۶) کا مکشوف و مشہود ہوا جس میں اپنی بیوی اور بچے بھی ہوں گے، ایک روز فرمانے لگے کہ

؎۱ اصطفاء یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندہ کا دل اپنی معرفت کے لیے خالی کر دیتا ہے تا کہ وہ اپنی معرفت میں صفا پیدا کر لے (فرہنگ اصطلاحات عرفانی ۴۷ بحوالہ کشف المحجوب)

مقام خلت پر میں نے تمہیں بڑی شان میں دیکھا ہے، تمہیں گویا حرف لام سے کامل مناسبت ہے جہاں کئی بار "محبوبیت" کی بشارت دی گئی ہے۔ رمضان شریف ۱۰۹۹ھ [1] کو نماز ادا کرنے کے بعد فرمانے لگے کہ حدیث پاک کے مضمون "ساجد اللہ تعالیٰ کے قدم پر سجدہ کرتا ہے" کا میرے اور تمہارے لیے ظہور ہوا، فرماتے تھے کہ تمہاری نسبت میں "ثقل" پایا گیا ہے، اسی تقریب میں میری توجہ ثقل کی طرف منتقل ہوئی تو یہ آیۂ کریمہ (ترجمہ) "اور جس کے ترازو بھاری ہوئے وہ تو من پسند عیش میں ہے" تمہارے بارے میں ظاہر ہوئی۔ ختم اور ختم کی برکات اور اس رات کی بہت سی برکات بیان کیں اور فرمانے لگے کہ میری توجہ دوسری طرف ہوئی تو مجھے غیب سے اشارہ کر کے خبردار کیا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ختم شریف کی برکات بارش کی طرح برس رہی ہیں، اور اس رات کی برکات سے اوپر اس ختم شریف کی اتنی برکات کا نزول ہوا کہ اس قدر حضرت خواجہ کی زندگی میں بھی مشہود نہیں ہوا ہوگا، ایک رات کو فرماتے تھے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا قرآن مجید نے تمہارے اندر گھر کر لیا ہے، اور فرماتے تھے کہ "آفتاب احدیت" تمہارے سامنے دائمی طور پر ظاہر کر دیا گیا ہے، فرماتے تھے کہ یہ بھی مکشوف و ملہم ہوا ہے، یہ بھی بشارت دی گئی ہے کہ تمہاری دنیا کو آخرت میں بدل دیا گیا ہے، فرماتے تھے کہ بعض لوگوں نے قیومیت کے منصب کا دعویٰ کیا ہے، جب تمہارے مقابلہ میں ان پر نظر ڈالی گئی تو تمہیں وہاں منتظر (ربع) پایا گیا، اور حضرت حجۃ اللہ فرماتے تھے کہ کسی کو قیومیت کا دعویٰ ہو سکتا ہے تو وہ

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ محمد فضل اللہ کو یہ بشارات حضرت حجۃ اللہ کے وصال ۱۰۸۳ھ کے بعد ان کے روضہ پر مراقبہ کے دوران ملی ہوں گی (رک بہ تعلقات کتاب حاضر ۳۲۱/۱۲، ۳۷۵/۶)

یہی مرد (شیخ محمد فضل) کرسکتا ہے۔ **انتہٰی کلامہ قدس سرہ**
اسی بیاض میں ایک اور مقام پر شیخ محمد فضل اللہ رقم طراز ہیں:

فتح

(حضرت حجۃ اللہ) نے ان عالی شان بشارات سے نوازا:
منہا بشارت غوثیت ثقلین، **منہا** اس دعا کی سلطنت کی بشارت جس میں تخت آسمان کے اوپر اور اس کے اردگرد ملائکہ ہوں گے گویا کہ وہ تمہارا طواف کر رہے ہیں۔ **منہا** مداریت کل وسلطنت زمین و ہجوم ملائکہ جو اس کے گرداگرد ہوں گے اور ملک وملکوت کے دفاتر بھی اس کے سامنے سے گزارے جائیں گے، جن کا تعلق مداریت ارزاق اور شفا سے ہوگا، بارش کا نزول، اکوان اور الوان کے حدوث سمیت اس کے علاوہ بھی۔ **منہا** جمیع حرکات و اقوال مرضیہ، **منہا** بشارت محبوبیت ذاتی و انفعالی۔
منہا جمیع حرکات و اقوال مرضیہ، **منہا** بشارت محبوبیت ذاتی و انفعالی۔
منہا منصب خلت کی بشارت، **منہا** بشارت اصالت از تخمیر طینت۔ **منہا** اصالت کی چار صفوں میں داخلہ اور انبیاء علیہم السلام کی ضمنیت و **منہا** نزول بلاکیف۔ **منہا** اور یہ حکم اقدس بھی صادر ہوگا کہ تیرے طفیل آدھی دنیا کی بخشش ہوگی۔ **منہا** فیض ذات اقدس بلاتوسط احد (۳۷۷) **منہا** وہ اسرار جن کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے۔ **منہا** موت کے وقت نزول بلاکیف کا وعدہ اور حشر میں بھی۔ **منہا** حوض کوثر پر ریاست وتخت نشینی کی طرح خدمت کا ملنا، **منہا** طوالت عمر، **منہا** اہل بدر میں داخلہ، **منہا** اہل بیت میں داخلہ، **منہا** ماہ مبارک شعبان میں اس بزرگ پر خاص طور پر نزول بلاکیف اور یہ حکم بھی ہوا۔ یہ نزول اس نسبت سے ہے کہ فلاں کو وزارت عظمیٰ کی بشارت دی گئی ہے۔ (اس دوران) اس ضعیف کی طرف اشارہ

کیا گیا، قیامت کے روز ایک سجے ہوئے تخت کا بھی کہا گیا اور وہاں بھی نزول بلا کیف ہو گا، وہاں وزارت کے فرائض ملیں گے اور اس کے دفاتر بھی سپرد کیے جائیں گے، اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الطاف، عنایات ہوں گی، اور اس کے سوا اور بہت سے امور بھی لکھے ہوئے ہیں لیکن اس وقت صرف اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

یہ بھی اس بیاض شریف میں درج ہے:

فتح

شیخ فی الحال نے حضرت حجۃ اللہ کے روضہ میں اس قسم کی بشارت دی کہ حضرت تیرے بارے میں یوں فرماتے ہیں: **غفران ما تقدم و ما تاخرو عتق رقبة** اس بیاض خاصہ میں ایک جگہ آپ نے لکھا ہے:

فتح

حقائق و معارف آگاہ شیخ بدیع الدین کہ میری نظر اس جماعت جس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے (ترجمہ) "تو ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا" پر پڑی اور وہ لوگ جو اس (بخشش) کے سمندر میں غوطہ زن ہوں گے، نمودار ہوئے تمہیں اس دریا میں بھی دیکھا اور ان لوگوں میں نظر آئے، **حمد للّٰہ سبحانہ ذلک سبحانہ اللہ۔**

اس کثرت کمال کے باوجود جو کہ حضرت خواجہ کی بشارت کے نتیجہ میں حاصل ہوئے تھے آپ خود نہایت عاجزی فرماتے تھے اور مقام عبودیت جو تمام مقامات سے بالاتر ہے کی نگہداشت فرماتے تھے اور ہر اہل دل کے دل کا حال آپ خود معلوم کر لیتے تھے اور آپ پر صاف عیاں ہو جاتا تھا۔ آپ کو علم تفسیر میں کامل ملکہ حاصل تھا اور علم حدیث کے موضوع پر آپ نے سند جید کے ساتھ نجم الہدایت کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے اور اس میں ارواح کی جو تحقیق کی ہے وہ بہت سی کتب کے مطالعہ کا نتیجہ

ہے اور اس میں حضرت مجدد الف ثانی کے مسلک کی جس طرح تحقیق کی ہے اس کا دسواں حصہ بھی دوسری کتابوں میں نہیں ملتا، بہت سے معاملات دقیقہ جو حضرت (شیخ محمد فضل اللہ) کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں وہ انہی کے کشف والہام سے احاطۂ تحریر میں لائے گئے ہیں ان کا دوسری جگہ ملنا امور محال (۳۷۸) میں سے ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس کتاب مفتاح اہل سعادت (مقامات معصومی) میں درج اکثر علوم (معلومات) وہ ہیں جو آپ سے سن کر معرض تحریر میں لائے گئے ہیں جو خوب نفع بخش ہیں ......

پیر مغاں کی ہمت و برکت سے یہ قطرہ دریا ہو جائے گا

تو پھر وہ نکات جو آپ نے خود لکھے ہیں تو ان میں سے کوئی مطلب رہ جائے یہ کیسے ممکن ہے؟ اور وہ نادر کتب جو کامل اعتبار کے قابل ہیں آپ کی نظر سے رہ سکتی تھیں جن کی نہایت تو صرف غیب کا علم جاننے والے کے علم میں جلوہ نما ہے۔

آپ نے اپنی بیاض خاصہ میں زبور میں سے ایک عبارت نقل کی ہے جو یہاں درج کر رہا ہوں۔

فتح

زبور میں وارد ہوا ہے:

اے داؤد میرا بہشت اتباع کرنے والوں کے لیے ہے، میری کفایت توکل کرنے والوں کے لیے ہے، میری زیارت شکر کرنے والوں کے لیے ہے، میری محبت ہر طالب کے لیے ہے، میری رحمت ان محسنوں کے لیے ہے، میری مغفرت توبہ کرنے والوں کے لیے ہے اور میں اشتیاق رکھنے والوں کے لیے مخصوص ہوں ...... تفسیر مواہب علیہ سے منقول ہے۔ ایک روز اس حقیر نے عرض کیا کہ یہ عبارت کیا زبور کی اصل عبارت ہے یا ترجمہ؟ فرمانے لگے البتہ یہ اس کا ترجمہ ہے، اگر اس کا عربی (ترجمہ) چاہیں تو وہ بھی کچھ بعید نہیں کہ (مل جائے) کیوں کہ یہ

تینوں کتابیں بمنزلہ عربی الفاظ میں بھی نازل ہوئی تھیں۔ جیسا کہ انجیل میں درج ہے۔ **ولد اللّٰہ عیسیٰ من جاریة عذرأ** (اللہ نے عیسیٰ کو جاریہ عذرا کے بطن سے پیدا کیا) اور آپ نے تورات کی ایک عبارت بھی ایک تقریب سے نقل کی ہے:

''امیر سا سیر سا شار سا سور سا''

ان امور کی فضیلت میں (مولف) اپنی کتاب مظہر ابواب فضل میں لکھنا چاہتا ہوں۔ اگر **اللہ سبحانہ** کی رضا ہوئی۔

ایک حدیث قدسی جو میں نے آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللہ سبحانہ** سے سنی ہے بیان کر رہا ہوں:

فتح

ملائکة النہا ارفق من ملائکة اللیل یعنی وہ فرشتے جو قبر میں سوال کے لیے آئیں گے ان فرشتوں سے زیادہ مہربان ہوں گے جو رات کے فرشتوں والا سوال کریں گے۔ **حسبنا اللہ و نعم الوکیل**

فقہی مسائل، قواعد اصول، کلیات منطق، دقیق نکات حکمت، علم کلام کی حقیقت کے مقدمات، اسرار معانی، محسنات بدیع کے ساتھ غوامض (گہرے و دقیق علوم) علوم کا بیان جو کہ آنجناب (شیخ محمد فضل اللہ) سے سنا ہے اگر وہ سب کچھ تحریر کیا جائے تو ایک ضخیم و جداگانہ کتاب مرتب ہو جائے گی، لغات، صرف ونحو کے تمام علوم آپ کو زیادہ تر حفظ تھے، علوم عربیہ پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، اسمائے حسنیٰ کے خواص اور بعض قرآنی آیات (مع فوائد) جو کہ آپ نے تحریر کی ہیں اور اس کا مقصد عام نفع (۳۷۹) پہنچانا ہے کا کہاں تک بیان کیا جائے، مدت دراز سے میرا یہ پختہ عزم ہے اگر زندگی نے چند روز مزید وفا کی تو اس کتاب مقامات معصومی و الہامات قیومی کی تکمیل کے بعد کتاب مظہر ابواب فضل جو کہ آپ کے مخصوص احوال پر مشتمل ہو گی اور جس میں

آنحضرت کی طرف سے درج کیے گئے ایسے نکات جن کا نفع عام ہو احاطۂ تحریر میں لاؤں گا اور وہ معاملات جو آپ سے سنے ہیں اور وہ نکات جو ان کے علاوہ ہوں اور اس فقیر (مولف) کے علم میں آئے ہیں وہ سب میں ادائے حق کے جذبے سے تصنیف کروں گا، ان شاء اللہ تعالی۔

اب آپ کے عالی شان معارف، عالی درجات تصرفات اور آپ کے فرزندان گرامی، اپنے بھائی کے کمالات اور اس مغرور (مولف) کا معاملہ بھی بیان کر کے یہ کنز ختم کر دینی چاہیے۔

احمر

فرماتے تھے کہ جس کسی میں خدا طلبی کا تھوڑا سا بھی (جذبہ) پاؤ اس کا بہت ہی ادب کرنا چاہیے اس کا امتحان مشائخ کرام کی محبت میں ہے، البتہ اس کو اس کے حوصلہ کے مطابق اپنے مشائخ سے محبت کے باعث کمالات میں سے حصہ ملتا رہتا ہے۔ اور اگر ان دونوں کے مابین کچھ مخالفت کے آثار ہوں تو یہ قیاس نہ کیجیے کہ جیسا دوسروں میں بدعت کے ارتکاب کے باعث ظلمت چھا جاتی ہے یہ بھی ویسا ہی ہے بلکہ طعن و تشنیع سے بھی کام نہ لیجیے کہ جو خدا رسیدہ ہو جائے وہ دنیا کا چراغ بن جاتا ہے، اس کے لیے کوئی تاویل کا موقع تلاش کریں اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو خاموشی اختیار کرنی چاہیے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے "جس نے خاموشی اختیار کی وہ محفوظ رہا اور جو محفوظ رہا وہ نجات پا گیا" یہ بہت ہی مفید نصیحت ہے، سمجھ دار لوگوں کو اسے ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

احمر

فرماتے تھے کہ مجھے فارسی عبارت میں اس طرح الہام ہوا ہے، کہ جلدی پہنچو کہ ولایت (افغانستان) کے بزرگ تمہارے منتظر ہیں، اور ایک بار میری جلال آباد ولایت معلوم ہوئی، پھر میں وہاں پہنچا اور اہل ولایت یعنی کابل اور اس کے نواح اور جلال

آباد کو اپنے فیض سے شاداب کیا۔

احمر

فرماتے تھے کہ مجھے ''سید العاشقین'' کے خطاب سے مخاطب کیا گیا ہے جو کہ اولیائے مقربین کے لیے ہوتا ہے۔

احمر

فرماتے تھے حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) مکتوبات قدسی سمات حضرت مجدد الف ثانی کا باقاعدگی سے درس دیتے تھے لیکن آپ خاموشی اور کامل ادب کے ساتھ صرف سنتے ہی تھے اور اس کے مطالب و معانی پر گفتگو (بحث) نہیں کرتے تھے اور حضرت خواجہ محمد معصوم بھی بڑے اہتمام سے مکتوبات کا درس دیا کرتے تھے لیکن آپ حاضرین کی استعداد کے مطابق اس کے معانی بیان کرتے تھے ....

(۳۸۰) ایک روز اس درویش (مولف) نے آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) سے دریافت کیا کہ حضرت خازن الرحمت کی خاموشی کی کیا وجہ تھی؟ اور حضرت خواجہ محمد معصوم مطالب کا بیان کیوں کر کرتے تھے؟ اگر آپ بیان کریں تو نیاز مندوں کی تسلی کا باعث ہو گا، فرمانے لگے حضرت خازن الرحمت مکتوبات کے معنی کا القاء حضرت مجدد الف ثانی کے باطن فیض مواطن کے ذریعہ کرتے تھے جس کی برکات اہل مجلس کے دلوں پر پڑتی تھیں اور آپ خاموش مراقب رہتے تھے لیکن حضرت خواجہ محمد معصوم مفسرین او رشارحین حدیث کے اتباع میں مکتوبات کی شرح بیان کرتے تھے اگرچہ بہت سے (اصحاب) نے کلام الٰہی کی تفسیر بیان کی ہے اور کتب حدیث کی شرح پر بے شمار کتابیں تالیف ہو چکی ہیں .... پس تقریر (شرح) کی قابلیت رکھنے کے باوجود آپ نے ایسا کیوں نہ کیا وہ اس لیے کہ صرف سننے سے اس کی برکات یوم قیامت تک باقی رہیں اور حضرت خواجہ کا بیان بھی فیض یابی کا باعث تھا، تا کہ اہل مجلس سامعین دونوں طرح کی شرح (القائی وقولی) کا اجر حاصل کر سکیں۔

اس کی تیسری وجہ جو اس نامراد (مولف) کے ذہن میں آئی ہے وہ بھی سننے والوں کے نزدیک معقول معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کہیں کم عقل یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ (حضرت مجدد الف ثانی) کا کلام بیان کا متحمل ہی نہیں ہے بلکہ یہ تو شافی بیان کا مستحق ہے۔

چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی ایک جگہ خود لکھتے ہیں:

فتح

یہ اسرار نہ تو اس قابل ہیں کہ بیان ہی نہ کیے جائیں بلکہ (زیادہ بہتر) یہی ہے کہ بیان نہ ہوں۔ تم کلامہ الشریف

یعنی صرف وہ اسرار بیان نہ کیے جائیں جو چھپانے کے قابل ہیں، حضرت خواجہ کو ان کو بیان کا ملکہ کامل حاصل تھا لیکن اگر آپ نے مصلحت کے تحت حال پر چشم پوشی کرتے ہوئے ایسا کیا ہے تو اس کی گنجائش موجود ہے۔ چنانچہ خود حضرت خواجہ کے مکتوبات اس قسم کے اسرار سے بھرے پڑے ہیں۔

احمر

فرماتے تھے کہ اگر کسی نے حضرت خواجہ سے صحیح معنوں میں توجہ لی ہے تو وہ صرف میں ہی ہوں آپ کی اس توجہ کی طرف چھ روز بعد حضرت خواجہ اس جہان سے جنت الفردوس کی طرف کوچ کر گئے۔

احمر

فرماتے تھے کہ جو کوئی صبح سات مرتبہ **حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت و ھو رب العرش العظیم** پڑھے تو یہ اس کی سارے دن کی مہمات کے لیے کافی ہوگا اور اگر وہ یہی شام کو پڑھے تو رات کی مہمات کی کفایت کرے گا۔

فرماتے تھے کہ مجھے ''فردیت'' کے مقام میں شان عظیم حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طالبوں کا میری طرف رجوع بہت کم ہے، اس طرح اگر کوئی چند روز میری

صحبت اختیار کرے تو اسے بے شمار فوائد حاصل ہوں گے، کیوں کہ قرب حق تعالیٰ میں فرد کو قطب پر فوقیت حاصل ہے اور اگر کسی مرید کو اس (فرد) کا قرب حاصل ہو اور اسے اس کے ساتھ اخلاص بھی ہو تو اسے بہت ہی ترقی حاصل ہو گی، اگرچہ مقام قطبیت میں بھی نصیب اور حظ کامل (۳۸۱) میسر ہے جو کہ مجھے حضرت خواجہ کی صحبت میں میسر آیا تھا اس میں اس قدر رجوع ہوتا ہے جتنا کہ اسے نسبت ہو، اسی دوران میرے مرحوم بھائی معرفت آگاہ شیخ عزالدین احمد قدس سرہ نے عرض کیا کہ ''فردیت'' کہاں سے حاصل ہوئی ہے؟ فرمانے لگے کہ حضرت خازن الرحمت سے جنہیں اس مقام میں شان عظیم حاصل تھی، انہوں نے میرے احوال کے آغاز میں ہی اس بزرگ مقام کی بشارت دی تھی جو بعد میں آخر کار منصۂ ظہور میں آئی۔

احمر

فرماتے تھے کہ شروع سے ہی میرے دل کی تمنا یہ ہے کہ حضرت حق سبحانہ نے جو کچھ عطا فرمایا ہے اور مقام قرب میں جس قدر ترقیاں دی ہیں ان کا آخرت میں ظہور ہو اور دنیا سے وہ پوشیدہ ہی رہیں، آپ کے مقرب درویشوں میں سے ایک نے پوچھا کہ دنیا میں مقامات قرب کا اظہار نفع بخش ہے جس سے اللہ کے بندوں کے لیے ارشاد و ہدایت ہو سکتی ہے، فرمانے لگے صحیح کہتے ہو لیکن اس وقت اولیاء کثرت سے ہیں خصوصاً حضرت خواجہ کے صاحبزادگان اور ارشاد کا معاملہ (عمل) انہیں تفویض کیا گیا جو کہ مسلم ہے اس لیے چاہتا ہوں کہ اپنا مدار کار آخرت کو بنا لوں جو اولین و آخرین کے مشاہدہ کا مقام ہے۔

احمر

فرماتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوا کہ اگر تو چاہے تو تیرے پاس خلائق کا اتنا ہجوم کر دیا جائے کہ سابقہ اولیاء میں سے کسی کو بھی میسر نہ ہوا ہو، حضرت نے عرض کیا کہ تیری بارگاہ میں کوئی اور قرب مل جائے، حکم ہوا

کہ نہیں، پھر الہام ہوا کہ اگر تو چاہے تو تیری قبر پر زیارت کے لیے آنے والوں کا اتنا اضافہ کر دیا جائے کہ اسلاف میں سے کسی کی قبر پر نہ ہوا ہو، حضرت نے پھر وہی جواب عرض کیا، حضرت مجدد الف ثانی مناجات میں عرض کیا کرتے تھے کہ یا الٰہی قیامت کے روز جو اولین و آخرین کا مجمع ہے کہ تمام رجوع خلائق جس کا تو وعدہ فرما رہا ہے، مجھے اس روز اپنا ایسا قرب عطا کر جہاں میں تیرا مشاہدہ کرسکوں کہ کس طرح اولین و آخرین (مخلوق) تیرا دیدار کرتی ہے اور تیری شان کا جلوہ دیکھ سکوں اور ان حضرات کے حق میں میری شفاعت فرما، آپ کی یہ عرض داشت (دعا) قبول کر لی گئی، آنحضرت (شیخ فضل اللہ) کے مریدین کو سمجھ لینا چاہیے کہ آپ نے بھی (حضرت مجدد الف ثانی) کے اتباع (تشبیہ) میں ایسی خواہش کی تھی ....

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ابیض

فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ کی اپنے تمام اقربا پر فضیلت مسلمہ ہے جو کہ کمالات علیہ احمدیہ (مجددیہ) سے عبارت ہے، اگرچہ اس کی بہت سی وجوہات ہیں مثلاً قیومیت جو کہ خلافت الٰہی ہے، لیکن اس کی سب سے بڑی وجہ ''محبوبیت ذاتی'' ہے جو ''اصالت'' کے ذریعہ حاصل ہوئی ہے جس نے آپ کو آفتاب فضل بنا دیا ہے۔

احمر

(۳۸۲) فرماتے تھے کہ مجھے لوگوں کے مابین معروف طریقوں میں سے چودہ خانوادۂ (تصوف) کی طرف سے تلقین کی اجازت ہے۔

آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) کی خلوت میں عادت (وضع) سوز و گداز تھی کہ اکثر زبان مبارک سے بڑے سوز کے ساتھ اشعار پڑھتے رہتے تھے، ان میں سے بعض اشعار تو آپ کی زبان شریف پر رواں رہتے تھے لیکن بعد میں بعض کتب میں سے ابیات یاد بھی کر لیے تھے۔ (یہ اشعار بھی پڑھتے رہتے تھے):

گر از بویم گریزی هم بہ خوشم — کہ تو عطار و ماہی فروشم
عرفی دہ قدم ہست تا یار — افسوس کہ پای بخت لنگ است
گفت او رو کہ آنچنانم من — کہ بجز عشق تو ندانم من
عشق تو ایں کار فرزانہ — آنچناں ساخت در دلم خانہ
کہ ترا ہم نماند گنجای — بعد ازیں خوشترم بہ تنہای

نصیحت کے وقت آپ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

صحرا فراخ است ای پسر تو گوشۂ ما گوشہ
منزل دراز است ای پسر تو نوشہ مانوشہ

مثنوی نل دمن حضرت خواجہ پسند فرماتے تھے اس کے اکثر اشعار آپ نے اپنے مکتوبات شریفہ میں نقل کیے ہیں، اس شعر کو اس مثنوی کا دل تصور کرتے تھے:

اے صبح بتاب برشب من — کز جان رمق است برلب من

رات سحر کے وقت تہجد کی نماز سے فراغت کے بعد (شیخ فضل اللہ) یہ شعر بڑے سوز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے:

بس بے رنگ است یار دل خواہ اے دل...... قانع نہ شوی برنگ ما گاہ اے دل

(شیخ محمد فضل اللہ) کے اس قسم کے محبوبانہ احوال کہاں تک شمار کیے جائیں، بہتر یہی ہے کہ ان قابل بیان مقدمات کی تفصیل آپ کے احوال پر میں (مولف) نے جس رسالے کی تالیف کا وعدہ کیا ہے اس میں لکھے جائیں، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آنحضرت کی عبادات کی تفصیل اس قدر طویل ہے کہ اس میں سے کچھ آپ کے احوال پر موعودہ رسالہ میں لکھی جائیں گی اگر اللہ سبحانہ نے توفیق دی۔

لیکن مختصر ترین بات یہ ہے کہ حضرت خواجہ کی شب و روز کی وہ عبادات جن کا بیان (اس کتاب) کی چوتھی مفتاح میں ہو چکا ہے وہی اعمال بعینہٖ آنحضرت کے بھی ہیں۔

احمر

(۳۸۳) فرماتے تھے کہ میں نے حضرت خواجہ کے تمام ظاہری اعمال صالح اختیار کر لیے ہیں کہ ان سے بال برابر بھی (اپنے اعمال میں) فرق نہیں آنے دیا۔ حضرت شیخ فضل اللہ کی تمکنت کے بارے میں کیا عرض کیا جائے اور کثرت و ارادت جو آپ کے شامل تھیں کہ کہاں تک تفصیل دی جائے اور حسن اخلاق کا کہاں تک بیان ہو .... آپ کی سخاوت ذاتی اور پیدائشی کرم جو کہ سن شعور سے یوم وصال تک مسلسل جاری رہا کی اگر تھوڑی سی بھی تفصیل بیان کر دی جائے کوئی بھی سخاوت کا دعویٰ نہ کر سکے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ، ان میں سے بعض امور کی تفصیل آپ کے احوال پر جس رسالہ کی تالیف کا وعدہ کیا گیا ہے، میں بیان کی جائے گی۔

ابیض

ایک بار وہ قلبۂ ابرار (شیخ محمد فضل اللہ) باجوڑ گئے وہاں ایک روز آپ اس نہر کی طرف بھی گئے جو (قصبہ باجوڑ سے) ایک مرحلہ کے فاصلہ پر تھی، وہاں کے لوگ کامل نیاز مندی سے اپنے گھروں سے نکل آئے اور اپنی حیثیت کے مطابق خدمت انجام دی اور عرض کیا یہ قصبہ پہاڑ کے اوپر واقع ہے یہاں تک پانی لانا بہت ہی دشوار ہے، اس کے نیچے سے جو کہ تین میل یعنی ایک فرسنگ کے برابر ہے پانی لانا پڑتا ہے، کئی سال پہلے اس کے قریب واقع ایک گاؤں میں نہر بہتی تھی جو ہمارے اعمال کی شامت کے باعث اب بالکل خشک ہو کر رہ گئی ہے۔ آپ دعا فرمایئے کہ وہ خشک نہ رہے جاری ہو جائے تاکہ یہاں کے مسلمانوں کو اس سے نفع عظیم حاصل ہو اور حضرت کی کرامت بھی یادگار رہے، فرمانے لگے کہ میری پالکی اس خشک نہر پر لے جاؤ تاکہ میں وہیں جا کر دعا کروں تو اس وقت چند ہزار افغان مرد اور عورتیں آپ کی کرامت کا مشاہدہ کرنے کے لیے جمع ہو گئے، آپ کی پالکی مبارک لے جائی گئی پتھروں سے بھری ہوئی پتھریلی زمین پر لے جا کر عرض کیا گیا کہ نہر کی جگہ یہ ہے۔ فرمایا کہ میری پالکی

نیچے کرو تو انہوں نے اسے نیچے رکھ دیا۔ انہوں نے اپنے مبارک ہاتھ دعا کے لیے اٹھائے اس طرح دو تین گھڑیاں گزر گئیں کہ پھر اچانک ان پتھروں میں سے پانی کی آواز آنے لگی اور پیاسے لبوں والے افراد نے وہ آواز سنی، عرض کیا گیا کہ پانی آ گیا ہے۔ آپ وہاں اسی طرح بیٹھے رہے یہاں تک کہ پانی پالکی کے درمیان تک آ گیا، اس وقت آپ نے اپنے ہاتھ اپنے منہ مبارک پر پھیرتے ہوئے دعا سے فراغت حاصل کی، شکر گزار حضرات کو خوشی ہوئی، فرمانے لگے کہ جستجو کریں اس (نہر میں) شکار بھی ملے گا اس وقت بہت سی مچھلیاں نمودار ہوئیں، افغانوں نے بہت شکار بھی کیا اور پھر بڑے ہی عجز کے ساتھ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے، حضرت وہاں مزید چند روز قیام کر کے وہاں سے واپس تشریف لائے۔ اس واقعہ کو چالیس سال ہو گئے ہیں کہ افغان اب تک آپ کی اس (عطا) اور جاں بخشی کے لیے شکر گزار ہیں اور اللہ کے حکم (۳۸۴) سے پانی اب تک جاری ہے۔

ابیض

اس سفر کے دوران جب افغانوں نے نہر کے پانی (کے جاری) ہونے کا مشاہدہ کیا اور آپ کے اس تصرف (کرامت) کو دیکھا تو اس قصبہ کے مقدم (رئیس) ملک عثمان کی بیٹی بھی تھی جو کہ سترہ سال سے نابینا تھی جس کی عمر اب اٹھارہ سال تھی، آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ حضرت حق سبحانہ اسے بینا کر دے، آپ فرمانے لگے کہ یہ تو انبیائے کرام کا معجزہ ہے کہ نابینا کو بینا کر دیتے تھے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بی بی زلیخا کی آنکھیں روشن کر دی تھیں اور اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سے نابیناؤں کو بینا کر دیا تھا، مجھ بیچارہ میں بھلا اس کی قابلیت کہاں ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ خدا کے لیے توجہ کیجیے اور بہت ہی منت سماجت بھی کی، فرمایا کہ اس حکم کے تحت کہ ''علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں'' دم کرتا ہوں، عین دم کرنے کے دوران ہی حق سبحانہ نے محض اپنی قدرت کاملہ

سے اسے آنکھوں کی روشنی دے دی............

احمر

فرماتے تھے کہ اس دم کے دوران میں نے یہ کلمہ بھی پڑھا **اللھم اشف امتک و صدق رسولک صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و سلم**

ابیض

آپ کے حین حیات آپ کی خادماؤں میں سے ایک شدید اور مہلک امراض میں مبتلا ہو گئی اور جو حاذق طبیب اس کا معالج تھا، اس نے علاج سے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اب انسانی حکمت کی حد ختم ہو گئی ہے البتہ حکمت رحمانی جہاں کہیں بھی میسر آئے آزمایئے اس فقیر (مولف) نے یہ معاملہ حضرت قبلہ (شیخ محمد فضل اللہ) کی خدمت میں عرض کیا آپ فرمانے لگے کہ میں بھی اپنے حکیم **جلت عظمۃ** سے پوچھوں گا اس کے دو تین گھنٹے بعد آپ نے فرمایا میں نے اپنے حکیم سے پوچھا ہے، حکم ہوا ہے کہ میں شفا دے دوں گا، اس روز بیمار کے مرض میں (صحت) کی امید نظر آنے لگی اور دو تین روز کے اندر ہی اسے شفاء کاملہ عاجلہ حاصل ہو گئی، **والحمد للّٰہ الحمید**......

ابیض

اس آوارہ (مولف) کے ہاں جو بھی بچہ پیدا ہوتا تھا اس کی ولادت سے پہلے ہی آپ یہ بتا دیتے تھے کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی، یہاں تک کہ اس کی صورت کی بھی نشاندہی فرما دیتے تھے، خاص طور پر میرے بیٹے نیاز احمد **سلمہ اللّٰہ تعالیٰ** جس کے حمل کو ابھی صرف چار ماہ ہوئے تھے (۳۸۵) کی ولادت کی خوشخبری حضرت خواجہ کی زبانی ان الفاظ میں مرحمت کی کہ میں آج حضرت خواجہ **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کے روضۂ منورہ میں بیٹھا ہوا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے ہاتھ میں ایک خوبصورت سبز رنگ (کے لباس میں ملبوس) بچہ ہے جو مجھے عنایت کرتے ہوئے

فرمانے لگے کہ یہ تیرا پوتا ہے جس کا نام رحم رحمٰن اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر کیا جا چکا ہے، فرماتے تھے کہ اسے مجھ سے دو طریقوں سے فرزندی کی نسبت دی گئی ہے ایک تمہاری نسبت اور دوسری میرے فرزند محمد صبغت اللہ سے ہے[۱]، چنانچہ اسی طرح ہوا یعنی اس کے پہلے عقیقہ کے موقع پر اس کا مذکور نام رکھا گیا، لیکن عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) نے فرمایا کہ اس کا ایک نام نیاز احمد بھی ہوگا، اس کی کنیت ابو داؤد اور اس کا نام اس کے بڑے بھائی محمد معشوق **سلمہ ربہ** کے نام کی مناسبت سے محمد عاشق رکھا گیا، لیکن اب تو اس کی اسی نام سے عوام میں شہرت ہے۔

ابیض

احقر (مولف) کے بچپن میں آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ فلاں (مولف مقامات معصومی) مصنف ہے، یہ اسی قول کی برکت ہے کہ یہ فقیر اس وقت تک ان تین کتابوں کا مصنف بن چکا ہے جن میں سے ہر ایک اہل کمال کے نزدیک مقبول ہو چکی ہے (ان کتابوں میں سے) معدن الجواہر، منظر اولی الالباب، مفتاح اہل السعادت (مقامات معصومی) اور کتاب مظہر ابواب فضل کی تالیف کا عزم دل میں لیے ہوئے ہوں کہ تقدیر حیات (اس کی ان شاء اللہ مہلت دے گی) اور ایک دوسرے رسالہ (در بقیہ احوال والد خود شیخ محمد فضل اللہ) کی ترتیب کا بھی ارادہ رکھتا ہوں، اور پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ آخری عمر میں معاملہ کہاں تک پہنچتا ہے، **وما توفیقی الا باللہ**۔

احمر

ولایت پناہ شیخ روح اللہ کہتے تھے جب شیخ فضل اللہ کو پشاور کا آخری سفر در پیش تھا تو آپ اس فقیر سے فرمانے لگے کہ یہ میرا آخری سفر ہے، آپ نے فرمایا کہ حسن

---

[۱] شیخ محمد صبغت اللہ بن حضرت خواجہ محمد معصوم کی بیٹی ماریہ مولف مقامات معصومی کی زوجہ تھیں یعنی نو مولود نیاز احمد، حضرت شیخ صبغت اللہ کے نواسے تھے (رک تعلیقات مقامات معصومی ۳۸۵ / ۴-۵) اور شیخ محمد فضل اللہ حضرت خواجہ کے بھانجے و داماد تھے۔

خاتمہ کی دعا میں یاد رکھنا، آخر کار آپ پشاور پہنچے اور دنیا کو راہ راست پر لا کر جمعہ کے روز ۳ رجب المرجب کو جان جان آفرین کے سپرد کر دی، انا للّٰہ و انا الیہ رجعون۔

آپ کی تاریخ وصال ۱۱۱۷ھ ہے "وی خاتم اولیاء بوذ" اور دو تین دوسرے مادے (تاریخ) بھی ہیں جن میں سے ایک سال زاید برآمد ہوتا ہے جو کہ ماہرین تاریخ گوئی کے نزدیک جائز ہے بلکہ مروج ہے، کا بھی ذکر کر دینا چاہیے:

"وی از اکابر عرفاء وقت بود [۱]"، "ایں ظل نبی احمد بود [۲]" "محب محمد فضل اللہ [۳]"

(۳۸۶) یہ فقرات (مادہ ہای تاریخ) میرے نیاز مند فرزند نیاز احمد مدظلہ نے تجویز کیے ہیں جو کہ آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) کے نزدیک معزز تھے، ان کے علاوہ بعض اور مخلصین نے بھی (قطعات تاریخ) کہے ہیں جن میں سے خاص طور پر حافظ عبدالعزیز پشاوری اور عبدالحی سرہندی کے قابل ذکر ہیں جو طوالت کے خیال سے نقل نہیں کیے گئے۔

یہاں تک کہ آپ کا تابوت شریف (پشاور سے) سرہند شریف لا کر حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ کے تہ خانہ مقدسہ میں حضرت کے پاؤں کی جانب دفن کیا گیا .... (شیخ فضل اللہ) کے یہ تین بیٹے بڑے ہوئے ہیں:

شیخ عزالدین احمد

ان میں سب سے بڑے معرفت دستگاہ مرحوم قبلہ گاہ شیخ عزالدین احمد قدس سرہ تھے جو کہ حضرت خواجہ کی نظر میں بھی مقبول تھے، چنانچہ پیدا ہوتے ہی انہیں آپ کا شرف حاصل ہوا، جب آپ کی نظر مبارک ان پر پڑی تو فرمایا:

احمد

سبحان اللہ پہلی نظر میں ہی مقبول ہوئے اور آپ نے نہایت عنایت کرتے

---

[۱] اس مادے سے بھی پورے ۱۱۱۷ھ برآمد ہوتا ہے۔ [۲] اس سے ۱۱۱۸ھ

[۳] اس سے بھی ۱۱۱۷ھ برآمد ہوتا ہے (رک تعلیقات کتاب حاضر ۳۸۵/ ۱۰-۲۰)

ہوئے انہیں ''ملا معز الملک'' (کے خطاب سے) نوازا اور پھر اپنی ''خلت'' بھی عطا کی، اس امر کی تفصیل بیان کرنا ارباب عقل کے نزدیک بہت ضروری ہے، تامل سے سنیے:

حضرت خواجہ کے دوسرے پوتے اور نواسے جو کہ آنجناب (شیخ محمد فضل اللہ) کے ہم عمر تھے وہ اپنی عمر کے تقاضے سے جب کبھی دیکھتے کہ حضرت خواجہ کا قلمدان آپ کی موجودگی میں کھول دیتے اور کبھی قینچی کھینچ لیتے (بچوں کی) یہ حرکت حضرت خواجہ کے لیے ملال کا سبب بنتی تو آپ بڑی سختی سے منع فرماتے کہ میرے قلمدان سے کوئی نہ کھیلے:

احمر

فرماتے تھے ملا معز الملک (عز الدین احمد) کے ساتھ اس معاملہ میں رشک نہ کریں کیوں کہ وہ میرا دوست ہے، وہ جو کچھ چاہے کرے مجھے منظور و قبول ہے اور اسے مختلف قسم کی شوخیوں کے دوران بالکل منع نہیں کرتے تھے اور اس قسم کے کلمات سے اکثر آپ سربلند فرمایا کرتے تھے، حضرت خواجہ کا منصب ''خلت'' پر فائز ہونا متحقق ہے، پس بحکم خلیل الخلیل خلیل، کامل امید ہے کہ آنجناب کو بھی اس مقام خلت سے حصہ ملے گا۔

ایک بار بچپن میں میرے اس بھائی کو ایک مرض لاحق ہو گیا تو طبیب نے چکنائی (روغن) کے استعمال سے منع کر دیا، تو حضرت خواجہ نے حکم دیا کہ آئندہ سارے کھانے اسی طرح بے روغن ہی لائے جائیں تاکہ بچہ اس سے برا محسوس نہ کرے کہ لوگ تو مرغن کھا رہے ہیں اور مجھے بے روغن کھانا دیا جا رہا ہے، اور اس امر میں جو دوسرا نکتہ ہے وہ ابھی میرے خیال میں آیا ہے اور یا میں نہیں جانتا (۳۸۷) کہ میں نے پہلے کسی سے یہ سنا ہے یا نہیں کہ وہ حضرات جو کھانا کھایا کرتے تھے وہ تندرست ہونے کے باوجود جب بے روغن کھانا کھائیں گے تو (بچہ کی) صحت یابی کے لیے دل سے دعا کریں گے کیا معلوم کہ اللہ کے بندوں میں سے کس کی دعا قبول ہو جائے۔

ابیض

اس مرض یا کسی دوسری بیماری کے دوران جو کہ بہت سخت تھی، حضرت خواجہ نے ہماری والدۂ ماجدہ سے جو کہ آپ کی بیٹی بھی ہوتی ہیں کی عافیت کی بشارت دی اور فرمایا کہ میں اس کے محاسن دیکھتا ہوں مجھے تسلی ہو گئی، حضرت والدہ ماجدہ سلمہا ربہا فرماتی تھیں حضرت خواجہ نے اس فرزند (عزالدین احمد) کی لمبی عمر کی بشارت دی اور اپنے بیٹے حضرت حجۃ اللہ کو طلب فرمایا کیوں کہ آپ کے نزدیک ان کا کشف معتبر تھا، بلکہ آپ نے خواجہای بزرگوار کے ختم کی شیرینی بھی بھیجی، انہوں نے بھی بشارت دی کہ میں عزالدین احمد کو داڑھی والا دیکھتا ہوں (یعنی معمر)

احمر

آنحضرت (شیخ فضل اللہ) نے خلوت میں فرمایا کہ میں بھی اس کے چہرے پر داڑھی دیکھتا ہوں، اس کا مقصد یہ تھا کہ داڑھی کی سفیدی کی بشارت دی جائے تا کہ دلوں کو اطمینان میسر آئے، حضرت خواجہ نے خود بڑی خوشی سے مکتب میں تعلیم کا آغاز کروایا اور اس کے لیئے فاتحہ بھی خود ہی فرمایا اس ضمن میں آپ نے جس قدر عنایات کیں اہل بصیرت کو اس کی تفصیل سے کہاں تک آگاہ کیا جائے، ایک بڑی عجیب سی روایت بیان کر رہا ہوں، جس سے آنجناب کی حضرت خواجہ کے ساتھ محبوبیت کا نظارہ کیجیے:

احمر

مرض کے غلبہ کے دوران حضرت خواجہ کے سارے بدن مبارک میں حرکت کرنے کی تاب نہیں رہی تھی میرے یہ بھائی ایک روز آپ کے بستر مبارک پر آپ کے ساتھ تھے، جیسا کہ ظاہر ہے آپ کا بستر ہمیشہ پاک ہوتا تھا، شیخ عزالدین احمد نے جلد ہی عرض کیا کہ نانا مجھے تھوڑی دیر کے لیے چھوڑیے کہ میں پیشاب کر آؤں لیکن آپ ایک طرف ہو گئے یہاں تک کہ بچے نے اسی بستر پر پیشاب کر دیا، حضرت نے

اس کو بہت ہی پسند کیا اور اس پر راضی ہوئے، اس کے بعد ہماری والدہ ماجدہ نے جو وہاں موجود تھیں کے سامنے اپنی زبان شیریں بیان سے اس بچے کے حق میں کئی مختلف عبارتوں سے دعائیں دیں اور فرمایا کہ اگر وہ میری بے خبری میں وہاں پیشاب کر دیتا تو میں کیا کر سکتا تھا پھر میرے بدن کو پاک (نماز) کرنا بہت ہی دشوار ہوتا، اللہ اسے جزا دے اور مرتبۂ کمال پر پہنچائے کہ اس نے ایسا کرنے سے پہلے ہی مجھے اطلاع دے دی اور مجھے اس سے خلاصی مل گئی اس کے مقابلہ میں بستر تبدیل کرنا آسان ہے، اب فوری طور پر بستر بدل دیا گیا، ورنہ آپ کا طریقۂ شریفہ یہ تھا کہ ہر وہ شخص (کارمند) جس کا کام مشکوک ہوتا تھا اسے آپ کے حجرۂ شریفہ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اس پر کوئی پیشاب کرے، اس کے خلاف اس بچے پر تمام عنایات فرمائیں بلکہ مقبولیت کا نیا دریچہ اس سے کھل گیا (۳۸۸) حضرت خواجہ ''محبوبیت ذاتی'' سے سرفراز ہیں اور محبوب المحبوب بھی جو کہ اصحاب قلوب کا قاعدہ ہے۔

احمر

حضرت والدۂ ماجدہ فرماتی تھیں کہ ایک روز حضرت خواجہ مجھ سے فرمانے لگے میں نے تیرا یہ بیٹا (عزالدین احمد) لے لیا ہے ضمیر پر بوجھ محسوس نہ کرنا یا بددل نہ ہونا میں اسے پڑھاؤں گا اور اسے وقت کا عارف بنا کر تیرے حوالے کر دوں گا، اگرچہ آپ کی عمر نے وفا نہ کی اور آپ کے مقدس قول کے مطابق اسے دونوں کمال یعنی قال و حال (علم ظاہر و باطن) حاصل ہوا، لیکن آپ کی یہ تمنا کہ میں اسے اکابر جیسا بناؤں گا کے معنی یہ نہیں تھے (کامل) مردوں کے اقوال بے جا نہیں ہوتے خاص طور پر حضرت خواجہ کے منظور نظر اصحاب کو تو الگ نوعیت کی مقبولیت عطا ہوتی ہے کہ اس کا معاملہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے کے راز و نیاز سے متعلق ہوتا ہے......

شیخ عزالدین احمد کی عمر صرف پانچ سال ہی کی تھی کہ حضرت خواجہ کے وصال

نے مکنونات کو مدہوش اور آسمانوں کو بے سر پوش کر دیا اور پھر ان کی تربیت حضرت قبلہ گاہی قطب الاقطابی (شیخ محمد فضل اللہ) قدسنا اللہ سبحانہ کے لیے مسلم ہو گئی اور وہ امور جن کا تعلق ذہن کی پختگی اور بالیدگی سے ہے ان میں جلوہ گر ہو گئے، ان سے متعلق دوسرے وہ امور جو حضرت خواجہ نے فرمائے تھے اور مجھ تک پہنچے تھے اب یاد نہیں رہے اس لیے اس کتاب (مقامات) معصومی میں ان کا اندراج نہیں ہو سکتا۔

اب ان کے وہ دوسرے اسرار جو بشارات قیومی سے ماخوذ ہیں اور جن کا ذکر اس کتاب میں کرنا مناسب ہے کے لیے زبان کھولتا ہوں:

حضرت خواجہ کی محبت جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے میں شیخ عزالدین احمد کا اتنا استغراق تھا کہ آپ کا نام مبارک آتے ہی دل اور آنکھیں نمدار ہو جاتی تھیں انہیں اگر کوئی حضرت خواجہ کی محبت سے منحرف لگتا تو آپ اس کی محبت و صحبت کو زہر قاتل قرار دیتے، وہ کچھ زیادہ ہی تنہائی پسند تھے اور باغات کی سیر کو اس پر ترجیح دیتے تھے تاکہ ایسے لوگوں کی جماعت کا سامنا ہی نہ کرنا پڑے جو حضرت کی فدویت سے عاری ہوں چونکہ ان کے مزاج میں کچھ جلالیت بھی تھی اس لیے بھی محفل و مجلس سے زیادہ تنہائی کو محبوب رکھتے تھے، حضرت خواجہ کے بہت سے دشمنوں سے جو بظاہر محبت کا دم بھرتے تھے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے، ان کے ساتھ انہوں نے مناظرے بھی کیے تھے جن میں ان سے کسی کا جواب بھی نہ بن پایا انہیں حضرت خواجہ کا انیس و دم ساز بنا دیا، وہ سراپا جمال تھے جن سے جلال بہت بعید تھا، حضرت قبلہ گاہی جیو مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) ان پر کامل اعتبار رکھتے تھے، ان کی بات کی شیخ فضل اللہ کی نظر میں خاص قدر و منزلت تھی اور آنحضرت والا منزلت (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ سے عظیم الشان بشارتیں حاصل تھیں اور علم ظاہری پوری دقت کے ساتھ تقریباً مکمل کر لیا تھا۔

(۳۸۹) مختصر معانی، متوسط، شرح کافیہ اور بعض دوسری کتب کا درس بھی جن خاص طلبہ کو دیتے تھے اور خود اس بات کے فکرمند تھے کہ دو تین کتب کا سبق نہیں پڑھا

ہے پڑھ لوں، چونکہ ان کی عمر نے وفا نہ کی اس لیے وہ ان کے مقدر میں نہ ہو سکا۔

احمر

مجھے حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللّٰہ سبحانہ** سے سننے کا موقع ملا ہے کہ عزالدین احمد کو حضرت خواجہ سے جو محبت ہے اور وہ عنایت جو حضرت خواجہ کی اس پر تھی کے باوجود سہواً حضرت خواجہ نے اسے ضمنیت سے نہیں نوازا۔

احمر

آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ حضرت خازن الرحمت (خواجہ محمد سعید) کے اکابر خلفاء میں سے ایک میر شرف الدین سلطان پوری بھی تھے جنہوں نے عزالدین احمد کو ''حقیقت قرآن'' کی بشارت دی تھی، اس امر کی تفصیل یوں ہے:

سلطان پور کی مجالس میں سے ایک مجلس میں ان دونوں عزیزوں (شیخ عزالدین احمد اور میر شرف الدین) کا اجتماع ہو گیا، میر مذکور نے جب کہ مجلس خوب گرم تھی کو برخاست کرتے ہوئے بڑے شوق کے ساتھ شیخ عزالدین احمد سے معانقہ کیا اور کہا کہ مجھے تم سے حضرات احمدیہ (مجددیہ) کی خوش بو آ رہی ہے، اور میں دیکھتا ہوں کہ حقیقت قرآن مجید نے تمہارا احاطہ کر رکھا ہے، بے اختیار تمہاری طرف لپکا اور تمہیں ''نور صرف'' پایا، میں بلا کم و کاست آپ کو حقیقت حال سے آگاہ کر رہا ہوں، حضرت قبلہ گاہی قطب الاقطابی (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کو آنجناب (عزالدین احمد) کے ساتھ ایک خاص قسم کا اعتقاد تھا کہ کسی کو بھی اس میں عدیل نہیں سمجھتے تھے، حضرت خواجہ کے بعد آپ کو انہی پر اعتماد تھا، اپنے اعتقاد کے موافق انہوں نے اس صحبت یا صفت سے بہرۂ کامل حاصل کیا، اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت میں پیر دستگیر نہیں بننا چاہتا، مجھے اس ذات بحت تعالت و تقدست کے سوا اور کسی سے التفات نہیں ہے، خلقت میں مقبولیت کسی اعلیٰ کمال کی دلیل نہیں ہے، بہت سے ایسے اولیا ہوئے ہیں جنہیں کسی نے بھی نہیں جانا وہ ان اولیاء سے افضل ہیں

جن کی طرف خلقت کا بہت ہی رجوع تھا۔ اسی طرح انبیائے گزشتہ میں سے کسی کے تین، دو اور بعض کیساتھ صرف ایک شخص رہا وہ ان اولیاء سے افضل ہیں جن کے ساتھ خلق کثیر ہوتی تھی، ان انبیائے **علیھم السلام** کے احوال کی تحقیق کے لیے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی جلد اول کا مکتوب نمبر ۲۵۹ دیکھنا چاہیے۔

کبھی کبھی (شیخ عزالدین احمد) اپنے وہ عرفانی حقائق اپنے دوستوں سے بیان کیا کرتے تھے جن کا مشاہدہ انہیں حضرت خواجہ کے وصال کے بعد ہوا تھا، ان میں سے بعض یہاں نقل کر رہا ہوں:

حضرت خواجہ کے وصال کے بعد سرہند شریف کی بڑی مسجد کے ایک طرف میرے ماموں حضرت مروج الشریعت (**عبیداللہ**) اپنے مریدین کے ساتھ بیٹھتے اور درس دیتے تھے اور دوسری طرف دوسرے ماموں حضرت شیخ سیف الحق و الملت والدین (۳۹۰) **قدس سرہ** کی نشست ہوتی تھی اور ہر دو طرف شام کے وقت ختم خواجگان **قدس اللہ اسرارھم** کے سلسلہ میں مٹھائیاں حاضر کی جاتی تھیں چونکہ حضرت سیف الحق والملت والدین کے ارشاد کا غلبہ محیط آفاق تھا اس لیے حلویات ان کی طرف بکثرت ہوتے تھے، اتفاق سے جب مجھے حضرت مروج الشریعت کی طرف جانا ہوتا تو وہ اکثر خوش طبعی سے فرمایا کرتے تھے:

احمر

اگر تمہیں شیرینی کھانے کا ذوق ہو تو ختم کے بعد حاضر کی جائے گی اور اگر تم اعلیٰ قسم (شیرینی طلائی) کے خواہش مند ہو تو پہلے تم اپنے ماموں (شیخ سیف الدین) کے پاس چلے جاؤ۔

میرے وہ بھائی (عزالدین احمد) کو ان دونوں حضرات (اخوال) سے دامادی کی نسبت تھی پہلے حضرت شیخ سیف الدین کی بیٹی ان کے گھر میں تھی ان کے فوت ہونے کے بعد حضرت مروج الشریعت کی دختر سے نکاح کیا، ان سے ایک فرزند ہے

جو ان کے وصال کے بعد پیدا ہوا اس فقیر (مولف) نے ان کی ہر طرح تربیت کی اور فرزند اصغر کی طرح اسے رکھا، یہاں چونکہ اختصار سے کام لیا جا رہا ہے اور اس کتاب کے اوراق میں اب اتنی وسعت نہیں ہے اس لیے مظہر ابواب فضل میں جس کی تالیف کی فضل الٰہی سے امید ہے ان کے حالات تفصیل سے لکھے جائیں گے، ان شاء اللہ المجید۔

امید ہے کہ جب ایک مطالعہ کرنے والا یا سبق لینے والا اس مقام تک پہنچے تو میرے اس بھائی کے لیے دعاً مغفرت کرے۔

میرے اس بڑے بھائی کی عمر ۲۷ سال کی تھی کہ وہ سرائے خان خانان جو کہ لاہور سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے میں (سفر کے دوران) مقیم تھے کہ ان کے انتقال کا واقعہ پیش آیا، ان کا تابوت سرہند شریف لا کر حضرت خواجہ کے روضۂ مقدسہ میں آپ کے گنبد معلیٰ کے باہر دفن کیا گیا۔

شیخ عزالدین احمد کی تاریخ وصال ۱۸ ربیع الاول اور سال ہجری اس کلمہ سے برآمد ہوتا ہے جسے میرے فرزند رحم رحمٰن نیاز احمد نے تجویز کیا ہے یعنی:

''در عزیز معرفت بود'' (۱۱۰۰ھ)

انا للّٰہ و انا الیہ راجعون

حضرت قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) ان دنوں (واقعۂ وصال) پشاور میں تشریف فرما تھے اور کابل جانے کا ارادہ رکھتے تھے کہ اس وحشت ناک خبر سے ان کے سینۂ بے کینہ میں شگاف پڑ گیا اور جو لوگ آپ کو صبر کی تلقین کرتے تھے اس سے انہیں کسی طرح بھی قرار نہیں آتا تھا اور یہاں حضرت مجدد الف ثانی کے فرزند شیخ محمد صادق قدس سرہ کے وصال اور اس پر حضرت مجدد الف ثانی کے صبر کا مشاہدہ بھی اصحاب نے بیان کیا۔ اور ان ایام (غم و سوگ) میں آپ بڑے ہی شوق کے ساتھ یہ کلمہ کہا کرتے تھے اور اس سال اپنے مکاتیب کا عنوان بھی اسی کو بناتے رہے:

احمر

ہم اللہ کی طرف سے قضا پر راضی ہوئے اور بلا پر صبر کیا۔

ایک روز آپ نے نواب مکرم خان رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ کو اپنے اس بیٹے کے فراق کے متعلق خط لکھتے ہوئے ایک (عربی) رباعی بھی لکھی تھی..........

میرے بھائی کے وصال ک بعد جب آپ کابل کے لیے جا رہے تھے تو آپ کے ایک مخلص سلطان قلی بیگ تیمی نے کابل کے راستے میں کوہ خیبر کے قریب آپ کے لیے پالکی بھیجی .... ان دونوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی اس میں حافظ کا یہ شعر بھی پڑھا گیا:

صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را — کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادہٗ مارا

آپ نے اپنی بیاض خاصہ میں یہ بھی لکھا ہے:

فتح

حضرت حجۃ اللہ قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس نے مجھ سے پشاور میں فرمایا کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ عزالدین جنت میں ہے، پس مختصر بات کرنی چاہیے۔ والسلام

شیخ حسام الدین احمد

مخدوم زادہٗ ثانی شیخ حسام الدین احمد، شیخ فضل اللہ کے دوسرے فرزند تھے جن کی ولادت حضرت خواجہ کے وصال کے بعد اسی سال ہوئی، ان دنوں حضرت قبلہ گاہی حضرت خواجہ کے عرس کی تقریب کے سلسلہ میں شاہ جہان آباد میں تھے، ان کا نام میرے ماموں صاحب حضرت مروج الشریعت نے رکھا۔ اس مخدوم زادہ کی قوت حافظہ اور ایسی اعلیٰ استعداد تھی کہ اس ضعیف کی توصیف سے مستغنی ہے، وہ حضرت خواجہ کی محبت کو تمام سعادتوں کا سرمایہ خیال کرتے تھے اور اس سرمایہٗ (محبیت) کو وہ اپنی کل متاع اور بساط تصور کرتے تھے، اسی غلبہٗ محبت کے باعث وہ ایک سخت

اندھیری رات کو حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ پر گئے اور آپ سے سلام کا جواب سنا، اس کی تفصیل اس کتاب میں کسی مقام پر گزر چکی ہے جو مطالعہ کے عاشق اصحاب سے پوشیدہ نہیں ہے۔

میرے اس بھائی (حسام الدین احمد) کا وصال حضرت مجدد الف ثانی کے عرس کے روز یعنی ۲۸ صفر کو بالالی دریائے نربدا پر ہوا اس وقت آپ بادشاہ خلد منزل (محمد معظم بن اورنگ زیب) کے ہمراہ اس کے لشکر میں تھے یہ واقعہ ۱۱۱۹ھ کو پیش آیا۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون، وہیں قصبہ اکبر پورہ کے قریب مدفون ہوئے (۳۹۲) رحمۃ اللّٰہ سبحانہ

شیخ حسام الدین کی عمر پورے چالیس سال ہوئی ان کے تین بیٹے اس وقت بقید حیات ہیں۔ ان میں سے ہر ایک مختلف مقامات پر غربت و مسکنت کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے، بندگی کرنے کی انہیں توفیق ہو۔

صفر احمد معصومی (مولف مقامات معصومی)

یہ عاجز شکستہ بال، اللہ تعالیٰ کے فضل کا منتظر اس کتاب مقامات فرخندہ نکات (مقامات معصومی) کا جامع مجد الدین احمد ابوالبرکات اولیاء کا حلقہ بگوش خاص صفر احمد معصومی عفا اللّٰہ تعالیٰ عن زلاتہ، شیخ محمد فضل اللہ کا تیسرا اور آخری فرزند ہے۔ اس ناقص و بے سروپا برگ کے پر اختلال حالات جو کہ تمام افعال و اعمال گناہوں سے بھرے ہوئے ہیں اور اس نے اپنی عمر کا اصل حصہ (جوانی) ہوا و ہوس میں صرف کر دیا ہے اس کے احوال کسی طور بھی اس قابل نہیں ہیں کہ وہ اپنا پاؤں مقبولان صاحب اسرار اور عالی مقدار اصحاب کی صف میں اپنے آپ کو شمار کرے، لیکن دو بڑی قوی وجوہ اس باب میں ہیں جو اصحاب آئندہ پر نظر رکھنے والے ہیں ان کے نزدیک بہتر ہے، ان میں سے پہلی وجہ یہ ہے کہ اس (کتاب) معارف معصومی و دقائق علوی کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک سادہ لوح اور کوتاہ اندیش کو یہ خیال نہ آئے کہ

کہیں ان احوال کا لکھنے والا وہ ان صفات میں سے کسی صفت کا خواہش مند تھا، اس لیے میں نے گناہ مختصر طور پر لکھ دیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے شامل حال ہے اور سادہ دل کو مذکورہ وسوسہ نہ ہو، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان حضرات عالی درجات کے بعض کمالات، مکاشفات اور معاملات بہت ہی عنایت سے اس عاصی تباہ کار (مولف) کے شامل حال ہیں اور بعض دوسرے مقدمات جن کا ذکر اپنے احوال بیان کیے بغیر معلوم نہیں ہوسکتے ......اس لیے تامل کے ساتھ سننا چاہیے، اس آوارہ (مولف) کا کام اس غفار کی نافرمانی کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس کی طاعات فساد کے سوا کچھ نہیں ہیں، اس کا مراقبہ محض عذر اور حیلہ ہے، اس کا مشاہدہ دنیائے دنی ہے جو گناہ ہائے کبائر میں مصروف ہے، اس کی صحبت محض دغا ہے، ایسی مصروفیت جس سے خدایابی ہو اس سے کبھی ممکن نہ ہوئی، وہ حرف جس سے صفائی (باطن) ہو اس کی (زبان پر) نہیں آیا، اس کی نیت نفس امارہ کی پرورش کے سوا کچھ نہیں ہے اور اس کی طمانیت تو صرف نفسانی مطالب سے ہوتی ہے۔

قصہ مختصر کہ یہ بے نظیر مکار اور پر تنویر غدار کو اہل کمال کی بہت صحبت میسر آئی ہے، لیکن ان سے نفع نہیں اٹھا سکا اور دنیا کو اس بہانے سے خراب کیا ہے اور خود کو عرض قلیل کی خاطر تکلیف میں مبتلا کر دیا ہے، نہ تو دنیا کی شرم اسے دامن گیر ہوئی ہے اور نہ ہی اسے آخرت کا خوف ہو سکا ہے، بوالہوس نے اس کی دستگیری کی ہے اور سوائے کوتاہ اندیشی کے کچھ نہیں ہے ....

(۳۹۲) اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی سابقہ رحمت میرے شامل حال نہ ہوئی تو میری نجات کا تصور بھی نہیں ہوسکتا اور اگر اس کی بے انتہا عنایت نے دم سازی نہ فرمائی تو بھی دشوار ہے، اور پھر زندگی کی حلاوت تو بہت ناممکنات میں سے ہے۔ کیوں کہ دنیا کا دشمن اعداء نفسی کی طرح ہر وقت کمین گاہ میں نظر جمائے بیٹھا ہے......

اپنے اکابر و خدا رسیدہ اصحاب سے اپنے بارے میں جو کچھ سنا ہے اس کی تفصیل

بہت ہی طوالت کا باعث ہوگی لیکن اس میں سے اگر کچھ بیان کر دیا جائے تو اس کی البتہ گنجائش ہے، اور اللہ تعالیٰ کی جس قدر عنایت کا خود مشاہدہ کیا ہے اگر وہ بھی لکھ دیا جائے تو یہ ادائے احسان ہوگا۔

میں صرف پانچ چھ سال کا تھا ابھی ہوش کامل نہیں ہوئی تھی کہ عیدالاضحیٰ کی رات کو خواب میں سید الانام علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت وصحبت نصیب ہوئی گویا اس وقت مجھے جیسے شعور کامل آ گیا ہو میں ایسا سمجھا کہ اس ہجوم میں مجھ پر رحم کرتے ہوئے مجھے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے فرما دیا جو کہ دوسرے خلفاء کے ساتھ دوسری صف میں بیٹھے ہوئے تھے، فرمانے لگے کہ یہ بغیر کسی محنت کے اس مرتبہ پر پہنچا ہے، اور پھر مجھے خلیفۂ ثانی (سیدنا عمر فاروقؓ) جن کے ساتھ اس آوارہ (مولف) کا نسبی (۳۹۴) تعلق ہے اور عادل ترین اصحاب میں سے ہیں، کے حوالے کر دیا گیا، کہ جیسے کوئی اپنا بیٹا کسی کے حوالے کرتا ہے، اس کے بعد خلیفۂ ثالث (سیدنا عثمان غنیؓ) اور خلیفۂ رابع (سیدنا علیؓ) کے حوالے کیا گیا (ان بزرگ خلفاء) کی عنایات مجھ پر ہوئیں اور سید الانس والجان صلی اللہ تعالی علیہ و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ وسلم کے ''احسان'' کا بھی مشاہدہ ہوا، ان چاروں (خلفاء کرام) کی عنایات جدا جدا محسوس ہوئیں لیکن خلیفۂ ثانی (سیدنا عمر فاروقؓ) نے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ وسلم کی جو عنایات فرمائیں ان کی خوشی اور مشاہدہ سب سے الگ تھا، پھر اس راقم بے مقدار (مولف) کے والد بزرگوار کے خادموں میں سے ایک سے جو کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک محفل میں حاضر تھے کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے اس کے گھر پہنچا دو، یہ فردوس رفعت صحبت جب تمام ہوئی تو میں نے اپنے مرشد و والد قبلہ گاہ سے اس کی تفصیل عرض کی اور اس خواب سے بیدار ہونے پر جو حیرت ہوئی وہ بھی عرض کی، اس خواب کی تعبیر میں بہت سی عنایات سنیں اور اس کے بعد کئی مشاہدات ہوئے، اس

دوران حضرت والدہ ماجدہ فرمانے لگیں اور وہ اکثر یہ فرمایا کرتی تھیں:

احمد

کہ تیری ولادت سے پہلے مجھے خواب میں یا بیداری کی حالت میں ایک صاحب قوت فقیر جس کے انوار بہت ہی روشن تھے میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا کہ صاحب زادہ مبارک ہو میں نے پوچھا کہ لڑکا ہوگا یا لڑکی؟ وہ فرمانے لگے کہ مجھے اجمیر سے اس قدر مسافت طے کر کے کیا لڑکی کے لیے آنا تھا؟ میں تو لڑکے کے لیے آیا ہوں، میرا نام خواجہ معین الدین چشتی ہے، اس بچے کا نام میرے نام پر رکھنا۔

اس کے بعد یہ فقیر حمل میں آیا اور پھر تولد ہوا تو میرے ناموں میں سے ایک یہ نام بھی رکھا گیا، تجھ سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں جو الحمد للہ ظہور پذیر ہوئیں، مجھ سے فرماتی تھیں:

احمد

کہ تیری ولادت کے وقت میرے برادر بزرگ حضرت سیف الحق والملت والدین قدس اللہ سبحانہ بسرہ العزیز عین روزہ کی حالت میں میرے ہاں آئے، اس وقت ان کے اعلیٰ محاسن کے باعث ولادت کے وقت جو شدائد ہوتے ہیں ان سے مجھے کوئی نقصان نہ ہوا یہاں تک کہ مجھے اس سے فراغت ہوگئی ولادت کے بعد حضرت نے بہت ہی مبارک دی اور تیرے حق میں بہت سی بشارتیں بھی زبان شریف سے فرمائیں:

احمد

فرماتے تھے اس وقت فقیر (حضرت سیف الدین) کی موجودگی بے معنی نہیں ہے، ایک روز تیرے اس فرزند پر حقیقت (معنی) جلوہ گر ہوگی، مجھے ان کا یہ مقولہ یاد ہے، اس کے بعد اس فقیر (مولف) کو جب کبھی بھی دیکھتے تو اپنی زبان مبارک سے بشارت دیتے تھے۔

عقیقہ کے وقت میرے نام رکھنے کی بشارت کا مسئلہ بھی درپیش تھا، فرمانے لگے کہ عقیقہ کے روز حاضرین (۳۹۵) میں سے جو جو بھی اس کے نام رکھے جائیں اسے انہی ناموں سے پکارا جائے، پس بشارتؒ کے طور پر میرا ایک نام معین الدین بھی رکھا گیا، اور پھر مجدالدین بھی رکھا گیا کہ یہ حضرت خواجہ کا لقب تھا اور میری کنیت ابوالبرکات رکھی گئی جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کی کنیت ہے، فرمایا کہ صفر احمد کے نام سے اسے شہرت ہوگی کہ یہ اس کے جد مادری کا نام ہے، اس کی اولاد بھی ہوگی، اس کا نام اہل روزگار میں ہوگا۔

احمد

کہتے ہیں کہ میرے یہ ماموں (حضرت سیف الدین) میری ولادت کے بعد اپنے گھر تشریف لے گئے اور چند دن تک اپنے گھر کی محرمات کے ساتھ یہ بات کرتے رہے کہ میں نہیں جانتا تھا کہ بچہ جننا عورت پر کتنا دشوار اور سخت مرحلہ ہوتا ہے جب میں نے دیکھا تو اس طبقہ پر بہت ہی رحم آیا، فرمایا کہ اگر میں عورت ہوتا تو کبھی اس عمل کو قبول نہ کرتا، آپ نے یہ بات نہایت مہربانی سے فرمائی یہ صرف اس عاجزۂ گناہگار (والدۂ مولف) پر نہایت شفقت تھی، بے شک اسی قسم کی عنایت کا ثمر ہوتا ہے کہ (مسلمان) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبولیت میسر آتی ہے، اس سے قبل حضرت خواجہ میری والدہ کو نعم البدل کی بشارت دے چکے تھے، جس کی تفصیل اس کتاب کے آغاز میں گزر چکی ہے۔ (گویا مولف کی ولادت اسی بشارت کا نتیجہ تھی)

میرے والد بزرگوار جو کہ میرے پیر عالی مقدار بھی تھے، میرے مکاشفات بہت ہی پسند کرتے تھے، مجھ سے میرے لڑکپن میں کئی نکات دریافت کیا کرتے تھے کہ جس سے عقل کوچہ حیرت میں کھو جائے اور اعلیٰ بشارتوں سے نوازتے تھے، کہ ان بشارتوں کا لکھنا محض خودستائی میں شمار ہوگا۔

کتب معقولہ و منقولہ کے سبق کے دوران کتب شرح مواقف اور مشکوۃ المصابیح

ان کے مختلف مقدمات کے حل کے وقت اس فقیر (مولف) کے بیانات جو کہ محض آپ کی صحبت کی برکت سے ادا ہوتے تھے کو بہت پسند کرتے ہوئے ان کتابوں کے حواشی پر یہ عبارت لکھا کرتے تھے:

فتح

ولنعم ما قال میر صفر احمدؒ (جیسا کہ میر صفر احمد نے کیا خوب کہا ہے)

اس کے بعد مطلب کی بات (اپنی تشریح) کرتے تھے، بے شک اس فقیر دور از کار کو کامل ایک قرن ان کی صحبت میسر آئی ہے، اس آوارہ (مولف) کی ولادت ۱۰۸۶ھ ۱۵ ذی قعد کو ہوئی، آنجناب (شیخ محمد فضل اللہ) کے سال وفات کا ذکر اسی مبارک کنز میں ابھی بیان ہوا ہے،آپ نے اکثر عالی شان حقائق (۳۹۶) اور فائق ترین دقائق علوم ظاہری و اسرار باطنی سے مجھے استفادے کا موقع ملا ہے جن میں سے بعض کی تفصیل اس کتاب میں بیان ہو چکی ہے، اور بعض دیگر (عنایات) کا تذکرہ اس کے آئندہ ابواب میں لکھا جائے گا، ان شا اللّٰہ تعالیٰ المجید۔

میرے چھوٹے بھائی مرحوم شیخ عزالدین احمد قدس سرہ بھی مجھ پر بچپن سے ہی بہت مہربانی فرماتے اور بہت سی بشارات سے نوازتے تھے، اس فقیر کو میر بھی کہتے ہیں، وہ ان الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:

بے شک میر موصوف انسانی صفات سے متصف، اعلیٰ کمالات انسانی سے ممدوح، وہ کمالات احمدیہ، معصومیہ اور فضلیہ سے آراستہ ہے، اس کے لیے مقامات......الخ

اور قسم کے دوسرے کلمات بھی کہا کرتے تھے کہ جن کی تفصیل اس وقت حافظہ میں نہیں ہے، جب یہ امور حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ تک پہنچے تو آپ فرمانے لگے:

احمر

تمہارے بھائی تمہارے حق میں بشارات دیتے رہتے ہیں اللہ کریم سے امیدوار ہوں کہ وہ منصۂ ظہور پر آئیں گی۔

ایک روز اس فقیر (مولف) نے اس پیر روشن ضمیر (والد گرامی خود) کی خدمت میں عرض کیا کہ کیا موروثی کمالات بھی نفع بخش ہوتے ہیں یا نہیں؟ فرمانے لگے کہ ان کا نفع ہے، بشرطیکہ کہ موروثی کمالات کا مالک خود کو ان کا پابند کرلے تو وہ بہت جلد مقصد کو پہنچ جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسروں کو مہینوں اور سالوں میں جا کر مقصود حاصل ہوتا ہے جبکہ اسے (صاحب کمالات ارثی) کو دنوں اور گھنٹوں میں اپنی استعداد کے مطابق مل جاتا ہے، اس کو دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ موروثی کمالات کے مالک اصحاب کی صحبت کے بھی جذبات ہوتے ہیں اور مبتدی کو بھی مطالب تک رسائی ہو جاتی ہے۔

اس سوال کے پوچھنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک روز حضرت محمد فضل اللہ نے حضرت مروج الشریعت **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ العزیز** کی زبانی روایت کی کہ آخر کار شاہ جیو (شاہ محمد یحییٰ بن حضرت مجدد الف ثانی) نے حضرت خواجہ کی خدمت میں رجوع کیا اور خود کو حضرت خواجہ کے سپرد کر دیا، ایک روز انہی رجوع کے دنوں میں حضرت مروج الشریعت نے آنحضرت (محمد فضل اللہ) سے سوال کیا کہ شاہ محمد یحییٰ کا کس قسم کا معاملہ نظر آیا ہے؟

احمر

فرمانے لگے کہ انہیں تمام موروثی کمالات حاصل ہیں کیوں کہ وہ حضرت مجدد الف ثانی کے خلف رشید ہیں، البتہ اگر وہ کسی سے بطور کسب کچھ حاصل کریں اور خود کو کسی کے سپرد کر دیں تو حصول کمالات کا یہ مرحلہ جلد ہی طے ہو جائے گا۔

یہ انہی دنوں کی بات ہے جب کہ یہ فقیر (مولف) عالی حضرت (شیخ محمد صبغت

اللہ) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کی خدمت میں رجوع کر رہا تھا کہ ایک روز کسی تقریب سے حضرت شاہ جیو (شاہ محمد یحییٰ) کا ذکر چل نکلا:

احمر

فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ فرمایا کرتے تھے کہ شاہ جیو نے اپنی اصل حالت سے حرکت کی ہے اگر انہوں نے اپنے کام کے سلسلہ میں خود کو اسی طرح سپرد کیے رکھا تو انہیں جلد بہت ترقی حاصل ہو جائے گی ....

(۳۹۷) جاننا چاہیے کہ یہ احقر الانام (مولف) ابھی بالغ نہیں ہوا تھا کہ آنحضرت والا منزلت (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** نے تعلیم طریقت کی اجازت (مجاز) دے دی تھی بلکہ بہت سے مرد اور عورتیں آپ کی خدمت میں ارادت کی غرض سے آتی تھیں انہیں میرے حوالے کرتے ہوئے ان کی قابلیت کی حقیقت کے بارے میں مجھ سے سوال کرتے تھے۔

ایک روز پشاور کے سفر کے دوران جبکہ آپ ایک نیم منزلہ پالکی پر سوار تھے کہ آپ نے وہاں آب رواں پیا یہ فقیر (مولف) اس وقت چودہ سال کا تھا:

احمر

فرمانے لگے کہ توجہ کرو کہ یہ پانی اسماء الٰہی میں سے کس اسم کا مظہر ہے؟ جو کچھ اس وقت منکشف ہوا میں نے عرض کر دیا، میں نے آپ کے حکم کے مطابق توجہ کی معلوم ہوا کہ یہ اسم مبارک کا مظہر ہے، میری عرض (جواب) قبول فرما لیا، اور آپ اکثر کشف کونی سے متعلق بات کرتے رہتے تھے، جو کچھ میں اظہار کرتا آپ اس سے موافقت فرماتے تھے، ایک روز بارکاب کے مقام پر جو کہ کابل سے اس طرف (پشاور) واقع ہے، ہندوستان کی طرف واپس آتے ہوئے وہاں کے ناظم امیر خان کے ہمراہ وہاں ٹھہرے جہاں اہل لشکر کے شتر چراگاہ میں لے جائے گئے وہاں کے غلجہ قبیلہ کے افغان جو کہ سب سے شیطان قسم کے لوگ ہیں، لوٹ لیے جس سے سارے

لشکر میں شور وغل پڑ گیا، اگلے روز نواب (امیر خان) کی وہاں سے روانگی کا وقت مقرر تھا، سرکار قطب المدار (شیخ محمد فضل اللہ) کے ساتھیوں میں سے چودہ کے شتر بھی اس میں شامل تھے، سوتے وقت ایک شتر بان روتا ہوا آیا کہ سرکار کے شتر بھی لوٹ لیے گئے ہیں، سخت حیرت ہوئی کہ قافلہ تو دامن کوہ میں مقیم ہے، صبح کیسے روانہ ہوں گے؟ تقریباً آدھی رات گزری تھی کہ حضرت نے مجھ (مولف) سے فرمایا:

احمر

کہ شہر کی طرف توجہ کرو کہ کیا ہمارے شتر واپس آ رہے ہیں یا نہیں اور اگر پہنچے ہیں تو کب تک آ جائیں گے، میں نے آپ کے حکم کے مطابق آنکھیں بند کیں اور عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ حضرت قبلۃ المحققین ماموں بزرگ شیخ سیف الدین **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** ہمارے شتر پکڑے ہوئے آ رہے ہیں، لمحہ بھی نہ گزرا تھا کہ چند افغان ہمارے چودہ شتر پکڑے آ پہنچے اور عرض کی کہ ہمیں یہ شتر لے جانے کے بعد اپنے گھروں میں جا کر معلوم ہوا کہ یہ شتر آپ سرکار قبلۂ اسرار کے ہیں، آپ کے ساتھ ہمارا اعتقاد تو موروثی ہے، سخت محنت سے سارے لشکر میں تجسس کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ آپ کی دولت (امانت) آپ تک پہنچ گئی ہے **الحمد للہ** کے ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔

(۳۹۸) اس قسم کے مکاشفات اور مقدمات کی تحریر سے نہ تو خودستائی اور نہ ہی ریاکاری مقصود ہے بلکہ آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) کی صحبت کے انوار بیان کرنا ہے کہ وہ جماعت جو گناہوں کی ظلمت میں غرق تھی وہ آپ کی برکت سے آب حیات کے نور سے بہرہ ور ہو گئی اور محبت کے کشکول سے خوشگوار نشہ چکھ لیا، مدت دراز سے وہی حسرت شامل حال ہے اور نہ ہی دل کی ایک حالت ہے اور نہ ہی قلم کی وہ صرافت ہے......

(۳۹۹) جب حضرت قبلہ گاہی والد (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کو میرے ان عجیب حالات کا علم ہوا تو آخری عمر میں آپ نے جو

باطنی علم مجھے بخشا تھا اس کی نگرانی کرنے کی تاکید کی اور اس کی تربیت کے لیے عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) **قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کی صحبت کو مناسب سمجھ کر مجھے خود ان کے حوالے کیا، میرا ہاتھ پکڑ کر اس قبلۂ آفاق کے پاس لے گئے تاکہ صبغۃ الٰہی کی بے رنگی کا رنگ میرے نصیب حال ہو، یہاں میں نے بہت سی توجہات حاصل کیں اور خصوصی نوازشات سے بہرہ مند ہوا اس کے باوجود کہ آپ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ اشاروں سے طالبوں کی تربیت کیا کرتے تھے لیکن میرے ساتھ کمال مہربانی فرماتے ہوئے بلاتکلف سب کچھ واضح فرما دیا، چنانچہ حضرت قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) کے وصال کے بعد تدفین کے وقت آپ بھی وہاں موجود تھے، آنکھیں پرنم تھیں کہ آپ نے یہ آیۃ پڑھی۔

احمر

(ترجمہ) ''تو راحت ہے اور پھول اور سکون کے باغ''

اگر آپ چاہتے تو اس کو بشارت سے مشرف فرماتے، آپ فرمانے لگے کہ ہمارے حضرت خواجہ جب اس کا معاملہ (باطن) یہاں تک دیکھتے تو اس کو اس مقام کی بشارت دے دیتے۔

استغفر اللہ بات میری حیثیت سے بڑھ کر ہو گئی، میرے پیش نظر تو قارئین کتاب (حاضر) پر اپنے گناہوں کا اظہار کرنا تھا .... کیا کروں کہ عرفائے ذی الجلال کی عنایات میرے باطن میں موجود ہیں اگر یہاں وہ جلوہ گر نہ ہوں تو کفران نعمت ہے، جیسا کہ حکم (ترجمہ آیت) ''اور اپنے رب کی نعمت کا خوب ذکر کرو''

(۴۰۰) اس خیال سے بات کچھ طویل ہو جاتی ہے..........

اس عاجز مسکین کے دو فرزند ہیں ان میں بڑے کا نام معشوق ہے اور دوسرا نیاز احمد ہے یہ دونوں ''صلاح اور نامرادی'' کی صفات سے متصف ہیں اور حضرت خواجہ کی محبت میں مستغرق ہیں، **مدّ اللّٰہ تعالیٰ ظلھما**۔

شیخ عبداللطیف قدس سرہ

کنز دوم

(۴۰۱) قدوۃ الواصلین شیخ عبداللطیف قدس سرہ یعنی اپنے چچا بزرگ کے بعض احوال

اگرچہ اس کتاب کی تصنیف کا اصل مقصد حضرت خواجہ کے حالات کا بیان ہے.......... لیکن علم رجال میں چچا بھی باپ ہی ہوتا ہے اور آنجناب (شیخ عبداللطیف نے بھی شراب فضل معصومی پیالوں میں ہی پی ہے اس لیے اگر (ان کے حالات) نہ لکھوں تو امانت میں خیانت کے مساوی ہے، اس لیے سعادت اسی میں سمجھتا ہوں کہ اس کے لطف وکرم کی اسی سے خوشہ چینی کروں، (آیۃ کریمہ ہے) (ترجمہ) "اللہ اپنے بندوں پر لطف فرماتا ہے، جسے چاہے روزی دیتا ہے اور وہی قوت وعزت والا ہے" ہاں لطف [۱] فضل [۲] سے جدا نہیں ہے اور فضل لطف سے علیحدہ نہیں، یہ فضل ہی ہے جو لطف پہنچاتا ہے اور یہ لطف ہی ہے جو فضل کے کرشموں سے جلوہ گر ہے، کارخانۂ لطف فضل سے جاری وساری ہے، فضل کا دارومدار لطف ہی ہے .... [۳]

(۴۰۲) آنجناب (شیخ عبداللطیف) حضرت خواجہ کے مقبول بھانجے تھے، اس آفتاب ہدایت کی ولادت باسعادت سرہند شریف میں حدود ۱۰۵۵ھ کو ہوئی، گویا علم اب مجسم ہوگیا اور معرفت میسر آئی اور وہ انسانی شکل میں متشکل ہوکر احسن تقویم بن گیا، عقیقہ کے روز حضرت خواجہ نے ان کا نام رکھا جس سے معلوم ہوا کہ کئی قسم کے لطف ان کے شامل حال ہیں، حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) نے جو نام رکھا وہ محمد ذاکر تھا ان دونوں ناموں کے باطنی معنی اس علامۂ روزگار کو حاصل ہوئے، غربت،

---

[۱] لطف اشارہ ہے صاحب ترجمہ شیخ عبداللطیف کے نام کی طرف

[۲] شیخ فضل، عبداللطیف کے بھائی شیخ محمد فضل اللہ مراد ہیں۔

[۳] مکررات

مسکنت اور نامراد پرسی ان کا مقبول ترین شیوہ تھا، غالبًا انہوں نے **بسم اللّٰہ** کے آغاز کے ساتھ ہی قرآن مجید کا حفظ کرنا شروع کیا اور پھر معقول و منقول کی مروجہ کتب پڑھنے لگے اور کامل محنت سے اس کے درسیات کو انتہا تک پہنچایا۔

اور پھر خود درس و تدریس کا آغاز کیا، اور اس کے ساتھ باطنی سلوک کی جناب قطب الاقطاب قیومیت مآب حضرت خواجہ کی خدمت میں تکمیل کی گویا اب ظاہری اور باطنی دونوں علوم کا آپ مجمع البحرین ہو گئے، آغاز جوانی میں ہی حضرت خواجہ کے حلقہ میں شامل ہو گئے اور آپ نے بڑے ناز سے یہ سب کچھ حاصل کیا، شیخ عبداللطیف کے بارے میں حضرت خواجہ کی کثیر عنایات سننے میں آئی ہیں، اور انہیں **لا یذکر اللّٰہ الا اللہ** کی بشارت مکتوبات (معصومیہ) کی جلد ثالث میں واضح طور پر ان کے نام لکھی گئی ہے، ان کی زبان دراصل شجرۂ موسوی کا حکم رکھتی ہے، اس کا معنی بھی بالآخر ان کے شامل حال ہو گیا۔ ذکر اور قرآن مجید کی قرأت کے دوران وہ خود کو اپنے آپ میں نہیں پاتے تھے۔ اس طرح مجھے اپنے شیخ اور امام (محمد فضل اللہ) **قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ السامی** کی زبانی سننے کا اتفاق ہوا ہے، آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) کی زبان درفشاں سے متعدد مرتبہ ان کے کمالات باطنی اور علم ظاہری کے تبحر کے بارے میں بہت کچھ سنا، شیخ محمد فضل اللہ نے بعض معتبر کتب بھی ان کی خدمت میں پڑھی تھیں، کیوں کہ آپ اپنے والد کی زندگی میں کم سن تھے، غالب گمان ہے کہ اس وقت تک آپ یتیم ہو چکے تھے اس لیے انہوں نے ظاہری و باطنی تربیت انہی کی خدمت میں پائی، ان دونوں بھائیوں (شیخ فضل اللہ و شیخ عبداللطیف) میں جس قدر محبت نمودار ہوئی وہ ان دونوں بزرگ شخصیتوں یعنی خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) اور حضرت خواجہ محمد معصوم کا پرتو تھا:

احمر

فرماتے تھے کہ ہمارے بھائی شیخ عبداللطیف میں بے نفسی نے آشیانہ بنا لیا ہے

وہ کسی دوسری چیز کی طرف (۴۰۳) توجہ نہیں کرتے تھے، اگر کوئی مصور بے نفسی کی تصویر بنانا چاہیے تو یقیناً وہ بے اختیار اسی کے مشابہہ تصویر کشی کرے گا، وہ عقل معاد رکھنے کے باوجود عقل معاش بھی رکھتے تھے، انہوں نے بادشاہ خلد مکان (اورنگزیب) کی مصاحبت بھی اختیار کر لی تھی، وہ ہر وقت طالب علموں کی صحبت میں رہے تھے، آپ نے اکثر اہل علم کی کفالت (مؤنت) اپنے ذمہ لے کر انہیں مباحثہ اور قیل و قال کے لیے فارغ البال کر دیا، خود سبق دیتے تھے، ان کے اکثر تلامذہ بیضاوی، شرح مواقف اور اس قسم کی کتابوں کا مہارت تامہ کے ساتھ درس دیتے تھے، آپ خود تقریر کے وقت نرمی اور شرح و بسط سے کام لیتے تھے، اس فقیر (مولف) کو بارہا ان کے درس میں شرکت کا موقع ملا تھا، وہ مذاکرہ جو عینیت سے مزین ہو صرف انہی کے ہاں دیکھا جا سکتا ہے۔

احمر

فرماتے تھے کہ استاذی مخدومی مولوی محمد فرخ بھی تقریر اور مذاکرہ کے وقت بہت ہی برسرپیکار رہتے تھے لیکن اکثر طالب علم زیادتی کرتے تھے، ان کی آتش غضب جوش میں آ جاتی اور بعض اوقات طالب علموں کے ساتھ درشت و سخت کلمات کے ساتھ پیش آتے تھے، البتہ یہ بات (درشتی) لازم نہیں تھی کہ ظہور میں آئے، لیکن بعض طالب علموں کی بے جا شورش سے آپ کا دماغ برہم ہو جاتا تھا اگرچہ واجب الادا حرف میں خود نہیں کہتا تھا بلکہ یہ بشریت کا تقاضا تھا، سائل کے جواب کے بعد اسے شافی جواب دیتے تھے اور اگر کسی طرح اس کی تسلی نہیں ہوتی تھی تو وہ دوسری جگہ رجوع کرتا تھا کیوں کہ علم ایک ایسا سمندر ہے جو بہت گہرا ہے، یعنی آپ اہل علم کی ناز برداری بھی کرتے تھے۔

احمر

فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ نے شیخ محی الدین ابن عربی کی اصطلاح کے مطابق

مجھے ''تنزلات خمسہ'' کی بچپن میں تلقین فرمائی تھی، اور فرماتے تھے کہ ان کو یاد کرنا طریقت کے لوازم میں سے ہے، عام مجلس میں اس کا اتفاق نہیں ہوا تو میں خجالت محسوس کرنے لگا حالانکہ اس کا حضرت مجدد الف ثانی کے مسلک (سلوک طریقہ) سے کوئی تعلق نہیں تھا، لیکن یہاں شیخ (محی الدین ابن عربی) قدس سرہ کے مذہب سے متعلق بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

احمر

جناب حضرت قبلہ گاہی قطب الاقطابی (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** فرماتے تھے کہ ہم چند ہم عمر نوجوانوں کو جوانی کے زمانے میں یہ اتفاق ہوا کہ چالیس روز تک ہم فجر کی نماز کے وقت مسجد پہنچ جاتے تھے کہ تحریمہ فوت نہ ہونے پائے، حدیث پاک میں بھی اس کا حکم موجود ہے، ہمیں وہ مقام (جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے) حاصل ہو گا، چنانچہ ہم نے اس طرح کیا اس وقت (۴۰۴) سے لے کر آج تک کہ چالیس سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، سوائے شدید بیماری کے ہم سے وہ فوت نہیں ہوا، جس سے حق سبحانہ نے بھی ہمیں وہ مقام عطا فرمایا، ان ایام میں میرے بھائی شیخ عبداللطیف بالغ ہو چکے تھے کہ وہ ہمارے ساتھ اس نیت میں شریک ہوئے اور انہوں نے اپنی آخری عمر تک یہ نعمت نہیں چھوڑی، اس سے قیاس کریں کہ حکمت کے کتنے سرچشمے ان کے دل سے زبان پر جوش زن ہوئے ہوں گے، ہاں ان کا دل حکمت کا منبع تھا اور زبان اس کی مخرج تھی اور یہ سب کچھ انہوں نے اپنی والدہ کی رضا کی خاطر کیا جو حضرت مجدد الف ثانی کی صاجزادی تھیں جو ان کے نصیب میں ہوا، جس سے وہ اس خدیجۂ زمانی[1] کی محبوبیت سے ممتاز ہوئے، ہاں ان کی شان ملاحظہ کریں جس کی ابتداء اس امام معصوم (حضرت خواجہ) سے ہوئی، ہر چند وہ جماعت جس نے اس مطبخ کی چاشنی چکھنے کی سعادت حاصل کی،

---

[1] اشارہ ان کے نام نامی کی طرف کہ اس صاجزادی کا نام خدیجہ تھا۔

اور پھر اسی امام معصوم کی اقتداء کی گویا وہ دو قسم کے اجر کے مستحق ٹھہرے لیکن اس میں خلوص اعتقاد کی شرط قابل ذکر ہے۔

بات دوسری طرف چل نکلی مقصد یہ تھا کہ آنجناب (شیخ عبداللطیف) نے حضرت خواجہ سے انتہائی فدویت اور کامل اعتقاد کے ساتھ کمالات حاصل کیے۔

اس ہادی ارباب کمال (حضرت خواجہ) کے وصال کے بعد آپ کے خلف رشید قطب المحققین حضرت شیخ سیف الحق والملت والدین **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ العزیز** کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کی صحبت اختیار کر لی۔

شیخ عبداللطیف نے منکران امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے شبہات کے رد میں جو رسالہ لکھا ہے جو آپ ہی کی استصواب سے مرتب کیا گیا ہے، کہتے ہیں کہ یہ رسالہ بہت ہی متین ہے لیکن اس فقیر (مولف) کو اس کے مطالعہ کا اتفاق نہیں ہوا، اگرچہ تعریف کرنے والوں کی زبان سے اس کی بہت تعریف سنی ہے۔ مجھے ان پر بہت ہی اعتقاد ہے جیسا کہ اپنے بڑے بھائی پر تھا، معلوم نہیں ہے کہ حضرت خواجہ کے بعد وہ کسی دوسرے کو عدیل تصور کرتے تھے یا نہیں، ہاں آپ کے بعض صاحبزادوں کو۔

میرے اس بزرگ چچا (شیخ عبداللطیف) کا وصال ۱۱۱۱ھ کو ۷ رمضان المبارک کے روز سرہند شریف میں میرے والد بزرگوار کے حین حیات ہوا اور حضرت مجدد الف ثانی کے روضۂ مقدسہ میں گنبد شریف کے باہر دفن کیے گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

شیخ عبداللطیف کے وصال کے بعد اس کا جو غم حضرت شیخ محمد فضل اللہ کو ہوا قلم اس کے بیان سے عاجز ہے، کہتے ہیں کہ حضرت مولوی محمد فرخ جن کے احوال مبارک اس سے اگلی فصل میں ان شاء اللہ تعالیٰ بیان کیے جائیں گے، فرمانے لگے کہ گویا ستارۂ علم غروب ہو گیا۔

اس وقت شیخ عبداللطیف کے بلاواسطہ ایک فرزند بقید حیات ہیں جن کا نام

مبارک شیخ عبدالحی ہے جو'' صاحب توفیق وطاعت'' ہیں، وہ جہاں کہیں بھی ہیں اے خدا انہیں سلامت رکھنا۔ والسلام علٰی من اتبع الھدٰی۔

مولوی شیخ محمد فرخ قدس سرہ

کنز سوم

قدوۃ العلماء مولوئ معنوی شیخ محمد فرخ قدس اللہ تعالٰی سرہ کے بعض احوال

(۴۰۵) آپ کے علم کا غلغلہ گنبد افلاک میں صدا بخش اور آپ کی فضیلت سے اکثر خاک نشین منور ہوئے، تمام احمدی (مجددی) حضرات ان کی تعریف کرنے والے ہیں اور شیخ محمد سعید کے خانوادہ کے بڑے ان کے شاگرد ہیں یہ آوارہ بے چارہ (مولف) بھلا آپ کی شان میں کیا لکھ سکتا ہے، چوں کہ انہوں نے بھی بالآخر حضرت خواجہ کی خدمت میں رجوع کرلیا تھا اور عالی شان بشارتیں حاصل کرلی تھیں، اس لیے اگر ان کے احوال اس مقامات معصومی میں نہ لکھے جائیں تو ایک فاش غلطی ہوگی، اس لیے مسترشدان قیومی کے احوال اس راقم کے علم کے موافق مجوز نہیں ہیں، اس لیے اگر مختصر سے حالات لکھے جائیں تو وہ علم والے حضرات کے نزدیک زیادہ تکلیف کا باعث نہیں ہوں گے۔ چنانچہ اس کتاب میں اس قدر گنجائش ہے۔ (جیسا کہ آیۂ شریفہ ہے) (ترجمہ) ''میں نے اللہ پر بھروسا کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا رب کوئی چلنے والا نہیں جس کی چوٹی اس کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو، بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ملتا ہے''

(مولوی فرخ) حضرت خواجہ کے برادر زادہ اور حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) کے بڑے بیٹے تھے، اگرچہ ان سے بڑے دو اور بیٹے بھی تھے لیکن ان کے کمال نے عمر، علم اور انابت حضرت خواجہ میں سب کچھ مرتفع کردیا ہے..........

اس شہسوار میدان تحقیق (شیخ محمد فرخ) کی ولادت سرہند شریف میں ۱۰۳۸ھ یا ۱۰۳۹ھ کو ہوئی، اس معدن علم کے ظہور (ولادت) سے چند سال قبل ان کی والدہ ماجدہ نے ایک نیک خواب دیکھا کہ اجزائے نبوت میں سے ایک جز نے خود ہی کامل شان کے ساتھ امام جمعہ کی طرف دنیا میں ظہور کیا ہے انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی خدمت میں عرض کی تاکہ آپ اس کی کوئی اچھی سی تعبیر بتا کر آنے والی دولت کی خوشخبری سنائیں:

احمر

فرماتے تھے کہ اس خواب کی تعبیر بہت ہی روشن ہے جو اپنے وقت پر خود بخود ظہور پذیر ہوگی۔

اس کی عرصہ بعد ان کی ولادت ہوئی کہ اس وقت حضرت مجدد الف ثانی کا اس دار پرملال سے انتقال ہو چکا تھا، بلکہ ان کی والدہ محترمہ بھی ان کی کم سنی میں ہی وفات پا گئی تھیں، یہاں تک کہ آپ مرتبۂ کمال پر فائز ہوئے قرآن مجید حفظ کیا اور اس کا ختم سرہند شریف کی مسجد کلاں میں ہوا جسے حضرات عالی درجات (صاحبزادگان حضرت مجدد الف ثانی) نے سنا اور انہوں نے ایک دنیا کی اقتداء کی، سلام تحیت کے بعد (حضرت خواجہ نے فرمایا)

احمر

(۴۰۶) حضرت خواجہ نے اپنے برادر بزرگ حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے اس امر کا اظہار کیا کہ میں نے نماز کے دوران دیکھا کہ حضرت مجدد الف ثانی اپنے روضۂ مقدسہ سے باہر تشریف لائے اور مسجد کی طرف چل پڑے یہاں تک کہ وہ صفوں میں داخل ہوگئے اور میرے ساتھ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے کہ جس خواب کی تعبیر محمد فرخ کی والدہ نے مجھ سے پوچھی تھی وہ یہی ہے۔

مختصر یہ کہ آپ اپنے وقت کے علامہ تھے اور باطنی علوم کا کسب پہلے اپنے والد بزرگوار حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) کی خدمت میں کیا، بلند پایہ بشارتیں حاصل کیں بلکہ حصول کمالات نبوت کی بشارت بطریق وراثت بھی حاصل کی اور پھر اپنے والد گرامی کے وصال کے بعد حضرت خواجہ کے آخر سال میں ان کی خدمت میں رجوع کیا اور کامل ایک سال تک اس صحبت معرفت بخش سے فیض یاب ہوئے اور وہاں جو کچھ دیکھا بس دیکھا، ان دونوں حضرات کو آپ کے قول پر کامل اعتبار تھا اور ان کی عبادت ابرار کے مابین مشہور تھی۔

ملا عبدالحکیم (سیالکوٹی) نے (علامہ) خیالی (احمد بن موسیٰ خیالی رومی حنفی [۱]) کی کتاب [۲] پر حواشی لکھے تھے، علامہ محمد فرخ مجددی نے ان حواشی پر مزید حواشی بڑی متانت کے ساتھ لکھے، اور رفع سبابہ کے امتناع کے موضوع پر بھی آپ نے بڑے قوی دلائل سے ایک رسالہ تالیف کیا تھا، اگرچہ اس سے قبل اس موضوع پر حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) حضرت مجدد الف ثانی کی زندگی میں ایک مربوط رسالہ لکھ چکے تھے جس کی تعریف حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے مکتوبات کی جلد اول کے ایک مکتوب میں کی ہے، آپ نے حضرت مجدد الف ثانی کے کلام پر شبہات کرنے والوں کے رد میں ایک رسالہ کشف الغطا کے نام سے تالیف کیا تھا جو بہت عمدہ اور متین ہے جس کے مطالعہ سے بہت ہی حلاوت (حظ) حاصل ہوتی ہے، بظاہر آپ نے ان کے علاوہ اور بھی کتب تصنیف فرمائی ہیں۔

شیخ محمد فرخ کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد ارشد سے اکثر صحبت رہتی ہے گویا وہ اپنے والد کے کمالات کا پرتو ہیں جو مشہور حافظ اور بے نظیر فاضل ہیں، ان کے بہت

---

[۱]، [۲] شمس الدین احمد بن موسیٰ خیالی رومی حنفی (ف ۸۷۰ھ) نے شرح عقائد النسفیہ پر حواشی لکھے تھے، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے ان حواشی پر مزید حواشی تحریر کیے جو استنبول سے ۱۸۴۱ء کو طبع ہوئے (المعجم الشامل ۳/۲۳۲) لیکن علامہ محمد فرخ مجددی کے ان حواشی کے کسی خطی نسخے کا ہمیں تاحال علم نہیں ہے۔

سے عجیب وغریب احوال بھی معلوم ہوئے ہیں۔

بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) نے صحیح بخاری انہی مولوی معنوی (شیخ محمد فرخ) کی خدمت میں پڑھی تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ کے چھوٹے بھائی حضرت وحدت قدس سرہ جنہوں نے حضرت خواجہ کے وصال کے بعد حضرت حجۃ اللہ کی خدمت میں رجوع کرلیا تھا اور ان سے بہت سی بشارات حاصل کی تھیں، یہ چاہا کہ ان مشربوں میں سے ایک مشرب حاصل ہو جائے، بار بار ان کی خدمت میں عرض کی کہ شاید بحر زخار موج زن ہو کر معرفت کا جوش مارے اور حضرت نقشبند (حجۃ اللہ) کی خدمت میں رجوع کرتے ہی چاہا کہ دل و دیدہ سیراب ہو جائے، فرمانے لگے کہ میں جو کچھ اپنے نصیب میں پاتا ہوں وہ ان دونوں حضرات کی دین ہے اور میں اس پر قانع ہوں، پھر بڑے ہی مبالغہ سے کہا، اس کے جواب میں (حضرت حجۃ اللہ) فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ قیوم ہیں اور قیوم کا منکر فیض سے محروم ہوتا ہے۔ (۴۰۷) جیسا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکتوبات سے عیاں ہے۔

اس لیے ان کے توسط کے بغیر فیض کی راہ بند ہے، فرمانے لگے کہ قیوم برحق معصوم مطلق پر میں اس طرح اعتقاد رکھتا ہوں اور آنحضرت سے نعمتیں حاصل کی ہیں، اب فیض کسی دوسرے طریقہ سے حاصل کرنے کی مطلق تمنا نہیں ہے جو کوئی ان دونوں قیوموں پر اعتقاد رکھتا ہو اسے انہی کے فیض پر قناعت کرنی چاہیے، درود اور وظائف میں سرگرمی سے پابند رہنا چاہیے، اس جواب میں دو قیوموں سے مراد حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم ہیں۔

(حضرت شیخ محمد فرخ): اپنے وصال سے دس بارہ سال پہلے ہی موت کی تمنا رکھتے تھے جو کہ پروردگار کے ساتھ ملاقات کا ذریعہ ہے اور آیۂ کریمہ کے حکم (ترجمہ) ''جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے۔'' اگر کوئی ان کی درازی عمر کی دعا کرتا تو آپ ناراض ہوتے تھے، ہاں اصحاب کمال کے

معاملات تو علیحدہ ہی ہیں۔

(حضرت علامہ محمد فرخ) کا وصال ۱۱۲۱ھ کو سرہند شریف میں ہوا، حضرت مجدد الف ثانی کے روضہ میں گنبد معلیٰ کے باہر مدفون ہیں، آپ کے فرزند نے آپ کے مزار پر الگ گنبد بنوایا ہے، **قدسنا اللہ سبحانہ** (ترجمہ آیت) ....''اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کی ہیں اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں ان کافروں پر مدد دے۔''

شیخ عبدالاحد وحدت شاہ گل قدس سرہ

کنز چہارم

عارف باللہ الصمد مخدومی مکرمی شیخ عبدالاحد قدس اللہ بسرہ العزیز کے بعض احوال

می تواں امروز غم کردن غلط در کوی گل
می تواں از خویش رفتن یک دو گامی سوی گل

معارف احمدی (مجددی) کے اس نکتہ دان کے اتنے کثیر اشفاق و اخلاق ہیں جن کو سعیدی و معصومی میزان عدالت ہی صحیح طور پر پہچان سکتے ہیں یہ بھلا اس بے پر و بال (مولف) کے کچی مٹی کے پالہ میں کہاں سما سکتے ہیں، اور آپ کے اسرار گوہر بار اس عاصی تباہ کار (مولف) کے حوصلہ میں نہیں آسکتے جس کے پھول چہار چمن گلزار وحدت کے کھلیان میں کھلتے ہیں، جن کی آمد سے جیب و دامان صوفیہ' موحدہ بھر گئے......

اس بانی گلزار وحدت کی ولادت باسعادت سرہند شریف میں حدود ۱۰۵۰ھ کو ہوئی (۴۰۹) چونکہ اشعار میں آپ کا تخلص وحدت ہے اس لیے اس کتاب میں بھی آپ کو اسی نام والا مقام سے یاد کیا گیا ہے۔

آپ کے کلام کی فصاحت میں کامل نرمی پائی جاتی ہے، کثرت جمعیت سے وحدت شان کی آگاہی ہوتی ہے، آپ حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) کے خلف رشید تھے، شریعت اور طریقت دونوں علوم کے آپ ماہر تھے، آداب معرفت و حقیقت آپ کے رخسار پر کامل شیفتگی کے ساتھ اس طرح جلوہ گر تھی کہ حضرت خازن الرحمت نے آپ کو بچپن میں ''گل'' کہہ کر پکارا اور اس نام کی اتنی شہرت ہوئی کہ بہت سے عوام آپ کے اس نام کے سوا دوسرا نام نہیں جانتے، یہاں تک کہ اکثر حضرات احمدیہ (مجددیہ) بھی آپ کو ''گل صاحب'' ہی کہتے ہیں..........

(حضرت وحدت) کو اپنے والد بزرگوار (شیخ محمد سعید) کے اسرار کی اس قدر اطلاع تھی کہ آپ کے فرزندوں میں سے کسی دوسرے کو نہیں ہے، بلکہ حضرت شیخ محمد سعید کے ''کمالات خفیہ'' کا ظہور ہی معرفت وحدت اور اس ضعیف (مولف) کے والد بزرگوار (شیخ محمد فضل اللہ) کے ذریعہ ہوا چنانچہ سابقہ کنز میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ حضرت خازن الرحمت کی اپنے اس فرزند ارجمند (حضرت وحدت) پر خصوصی نظر عنایت تھی، آپ ان کی قابلیت کو بھی پہچانتے تھے اور انہی کے کہنے کے مطابق عمل کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے تمام کمالات عالیات حضرت وحدت کو ابتدائی عمر میں ہی بطریق اجمال ودیعت کر دیے تھے جو بالآخر حضرت خواجہ کی صحبت میں بطریق کسب حاصل ہوئے، اگرچہ متداول بشارتوں کے دینے سے ولایت اصلی یعنی ولایت کبریٰ کا ظہور ہوا، جس کی تفصیل حضرت قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کے احوال کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہے، حضرت شیخ محمد سعید کے دائرۂ بشارت میں تنگی تھی ان دو عزیزوں (حضرت وحدت و شیخ محمد فضل اللہ) کی آمد سے یہ تنگی دور ہوگئی۔

اس قبلۂ ارباب وحدت و قدوۂ اصحاب فضل (حضرت شیخ محمد سعید) کا اس دار پرملال سے وصال ہو گیا تو ایک سال کے وقفہ سے (حضرت وحدت) کو حضرت شیخ محمد سعید کی روح شریف سے بہت سی بشارتیں ملیں اور حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) ''مقام خلت'' کی حفاظت کے لیے جو ان دونوں (۴۱۰) حضرات کو حاصل تھا کی بہت ہی تاکید کی، (حضرت وحدت) حضرت خواجہ کی خدمت میں آ گئے تاکہ اس کا نشہ بھی چکھ لیں، اور یہاں انہوں نے حسرت خواجہ کی اتنی عنایات کا مشاہدہ کیا کہ یہ صفحہ اس کی شرح بیان کرنے سے قاصر ہے، حضرت خواجہ نے خود اپنے ایک مکتوب میں جو کہ مکتوبات (معصومیہ) کی تیسری جلد میں شامل ہے اور یہ مکتوب مخدوم زادۂ ثالث حضرت مروج الشریعت **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کے نام ہے،

تحریر فرمائی ہیں اس میں سے چند سطریں یہاں نقل کر رہا ہوں:

فتح

''تمہارے جانے کے بعد آج کل شیخ عبدالاحد فقیر کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے ہیں اور اپنے معاملات میں بہت ہی سرگرم ہیں، شب و روز خدمت میں حاضر رہتے ہیں خانقاہ میں ایک حجرہ لے کر زندگی گزار رہے ہیں عجیب وارفتگی کی کیفیت ان پر طاری ہے، بہت ترقی کی ہے، شیخ بدیع الدین اور میر محمد باقر بھی ان (شیخ عبدالاحد) کے ساتھ موافقت رکھتے ہوئے طلب گاری کے لوازمات اپنے مقدور کے مطابق انجام دے رہے ہیں، مختصر یہ کہ ان تینوں اعزہ کا معاملہ روز بروز ترقی پر ہے۔ دوسرے عزیز بھی ترقی کر رہے ہیں'' **انتہا کلامہٗ۔**

لیکن جب وہ بانی گلزار وحدت (حضرت وحدت) پہلی بار حضرت خواجہ کی خدمت سراسر سعادت میں حاضر ہوئے تو انہیں آپ کی طرف سے یہ واجب الاتباع حکم ملا کہ میں تجھے از سرنو مرید کرنا چاہتا ہوں اور تجھے اسم ذات جلت عظمۃ کی تلقین کی جائے گی تو اس معاملہ میں انہوں نے بہت ہی تردد کیا کہ اس سے قبل چند سال تک جو میں نے حضرت خازن الرحمت کی خدمت میں محنت کی ہے کیا وہ سب بے کار ہو جائے گی؟

احمر

آپ (حضرت خواجہ) فرمانے لگے ان (شیخ محمد سعید) کا فرمانا بجا ہے لیکن اولیائے مقربین میں سے ہر ایک کا راہ مطلوب تک پہنچنے کا طریقہ جداگانہ اور ہر نبی و ولی کا مسلک بھی علیحدہ ہے، اس لیے کسی کو دوسری راہ سے اپنی راہ پر لانا سخت محنت کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس لیے میں تمہیں از سرنو ذکر کی تعلیم دے رہا ہوں اور اپنی زبان مبارک سے فرمایا:

احمر

حضرت میاں جیو (شیخ محمد سعید) سے تمہیں جو بشارت ملی تھی مجھے معلوم ہے اور تجھ میں ولایت کبرٰی کے کمالات متحقق محسوس کرتا ہوں، اس کے کچھ ہی عرصہ کے بعد آپ نے سیر و سلوک کے مطابق انہیں ولایت کبرٰی، صغرٰی، علیا، کمالات نبوت، حقائق اربعہ اور ان سے بھی بالا بشارات عنایت فرمائیں، جو کہ آپ کے مکتوبات (معصومیہ) کی دوسری اور تیسری جلد سے عیاں ہیں، وہ بشارات جو اس بانی گلزار وحدت (حضرت وحدت سرہندی) کے نام شرف صدور ہوئیں اور حضرت کو مقبول ہی ہیں جو واضح طور پر آپ کے قلم عنبریں رقم سے تحریر ہوئیں اور حضرت وحدت کی طباعی حضرت خواجہ کے معقول خاطر مقدس ہوتیں وہ یوں ہیں:

احمر

ایک روز قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ نے حضرت وحدت کی جودت طبع کے متعلق ایک روایت بیان کی، (۴۱۱) کہ حضرت خواجہ ایک بار رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف کے ارادہ سے دولت خانہ سے مسجد میں آ گئے، میں اور حضرت وحدت ایسے لوگوں میں سے تھے جو پہلے ہی وہاں چلے گئے تھے اور (حضرت مجدد الف ثانی) کے روضۂ مقدس پہنچ گئے تھے، کچھ دیر کے بعد یہ غلغلہ سنائی دیا کہ حضرت قیوم و امام معصوم آ گئے ہیں اور ہجوم کے قریب پہنچ گئے ہیں ایسا معلوم ہوا کہ سورج مشرف کی طرف سے طلوع ہو کر منزل مبارک کی طرف آ رہا ہے۔ ہر ایک جو آپ کے دریائے نور میں مستغرق تھا وہ آداب مسنون بجا لایا، جب ان کی نظر حضرت وحدت پر پڑی تو دریافت فرمایا کہ تم یہاں کیوں کھڑے ہو جا کر مسجد میں بیٹھو میں وہیں نماز کے ارادے سے اعتکاف کے لیے پہنچنے والا ہوں، وہیں ملاقات ہو جائے گی، فی الفور عرض کیا کہ حضور سلامت آپ کا استقبال نماز کی شرط ہے، تبسم آمیز لہجے میں فرمایا:

احمر

حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) سے سنا ہے کہ ایک رات حضرت وحدت نے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کی کہ میں دیکھتا ہوں کہ دائرہ ارشاد نے وسعت پالی ہے۔

ختم قرآن مجید کا ختم جو کہ حضرت نے حضرت خواجہ کے حین حیات ہی کر لیا تھا اور یہ واقعہ تیسری مفتاح میں بیان کیا جا چکا ہے اور حضرت وحدت کو ان دونوں حضرات اپنے یعنی والد ماجد (شیخ محمد سعید) اور عم اکرم (حضرت خواجہ) کے بارے میں یہ اعتقاد تھا کہ آپ دونوں کو مقام قرب میں مساوی سمجھتے تھے، اس کتاب میں کہیں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے، جو ہمارے کلام کا اتباع کرنے والے پر مخفی نہیں ہے۔

میں نے سنا ہے کہ حضرت وحدت قدس سرہ کہتے تھے کہ حضرت خواجہ نے انہیں محمدی المشرب کی استعداد کی بشارت اس وقت دی جب اپنے تمام فرزندوں کو دی تھی ان میں سے سب کے سب اس کی استعداد رکھتے ہیں جو بہت جلد دیکھ لیا گیا، اور عرض پرواز ہوئے کہ میں بھی اس عنایت کا امیدوار ہوں:

احمر

فرماتے تھے کہ تم بھی ہمارے فرزندوں میں شامل ہو۔

حضرت خواجہ حضرت وحدت کے حسن اخلاق اور سنجیدگی اوضاع کی تعریف کیا کرتے تھے اور حضرت خواجہ کے سارے بیٹے بھی ایسا ہی کرتے تھے، حضرت وحدت کی ایک بیاض بھی تھی جس میں انہوں نے وہ بشارتیں درج کی تھیں جو انہیں ملی تھیں اور اس میں ان سے متعلق دیگر معاملات بھی درج کیے تھے، اگر اس بیاض کی طرف رجوع کریں تو ان مقدمات کی تفصیل بہت ہی حلاوت کے ساتھ معلوم ہو گی جو کہ یہاں مختصر طور پر بیان کی گئی ہے، اس کے باوجود کہ آپ نے متداول بشارتیں حاصل کی تھیں آپ کے مکتوبات (معصومی) سے ظاہر و ہویدا ہیں:

حضرت خواجہ کے وصال کے بعد کسی حکمت سے جو آپ ہی کو معلوم ہے آپ حضرت حجۃ اللہ کی خدمت میں بڑے خضوع کے ساتھ رجوع کر کے آپ کے مونس و دمساز بن گئے تھے، جیسا کہ ان کے اعتقاد کی تحقیق اس کتاب کی دوسری کنز اور ساتویں مفتاح میں بیان کی جا چکی ہے۔

(۴۱۲) حضرت وحدت کے اشعار دل کشا ہیں جو حمد و ثنا پر مشتمل ہیں اور وہ رسائل عالیہ جو نظم و نثر میں ہیں مرتب ہو چکے ہیں جو اس گدا (مولف) کی مدح سے بالاتر ہیں۔

ان میں سے چہار چمن سب سے مشہور رسالہ ہے، اسی طرح گلزار وحدت، خرمن گل اور شقائق بھی آپ کی مصنفات میں سے ہیں دیوان ان سے علیحدہ ہے، ان کے علاوہ اور بھی رسائل ہیں کہ جن کے نام مجھے معلوم نہیں ہیں، ان مذکورہ کتابوں میں (رسالہ) شقائق کے سوا سب میری نظر سے گزری ہیں اور (رسالہ) شقائق کی تعریف میں نے اپنے حضرت قبلہ کونین والد بزرگوار رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے سنی ہے، اس کی ہر سطر مطلوب کی طرف رہنمائی اور وحدت سے آشنا کرتی ہے۔

(حضرت وحدت) کی زبان درفشاں سے مجھے خود ایک مکاشفہ سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ وہ دن حضرت قبلہ گاہی مرشدی کو دفن کرنے کا دن تھا کہ حضرت نے حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ میں یہ بیان فرمایا تھا جو درج ہو چکا ہے، حضرت **قدس سرہ** کا وصال ۳ رجب کو پشاور میں ہوا اور آپ کا تابوت شریف شعبان المعظم کو سرہند شریف لایا گیا، گزشتہ کنز مبارک میں اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ اس وقت حضرت وحدت **قدس سرہ** بڑے افسوس کے ساتھ حاضر تھے، اس احقر سے مخاطب ہو کر

احمر

فرمانے لگے کہ میں نے ۳ رجب کی رات کو خواب میں دیکھا کہ قیامت برپا

ہے اور دنیا حساب کے معرکہ میں مبتلا ہے اور تمہارے والد بزرگوار اللہ تعالیٰ کے حضور دست بستہ کھڑے ہیں اس دوران حکم ہوتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے تمام مخلصین کو بہشت میں جانے کی سفارش فرمارہے ہیں کہ انہیں بھی ان کے ساتھ جنت میں داخل ہونے کی اجازت ہو تو آپ اپنے احباب کے مجمع کے ساتھ روضۂ رضوان میں داخل ہوئے وہاں عورتوں کا بھی مجمع تھا، وہاں میرے ساتھی بھی تھے جنہوں نے آغاز سے انتہائے سلوک تک یک جا زندگی بسر کی تھی، میں نے یہ بھی عرض کی کہ یا الٰہی کہ وہ میرے خلیل تھے ان پر تو نے نوازش کی ہے۔ میں بھی تیرے فضل اور طراوت لطف کا امیدوار ہوں تو حکم ہوا کہ ابھی تیرا وقت نہیں آیا ہے لیکن اپنے اس رفیق کا بہشت میں منظر دیکھنے کے لیے جاؤ اس لیے اللہ کے حکم سے مجھے بھی بہشت میں داخل کر دیا گیا، میں نے انہیں (شیخ محمد فضل اللہ) کو جنت میں ایک عالی شان فرش اور بلند مسند پر کامل نشاط کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا ہے، میں نے وہاں ایک حوض بھی دیکھا جس میں فوارہ بھی چلتا تھا جب میں حوض کے قریب ہوا تو اس کا ایک قطرہ میری ٹانگ کے اوپر گرا جس کی لذت سارے بدن میں سرایت کر گئی، گویا یہ حالت بہشت کی خاصیت ہے جس کی لذت نے پورے بدن کو متلذذ کر دیا۔

قصہ مختصر کہ آج اس واقعہ کو ۲۸ دن گزر چکے ہیں لیکن اس قطرے کی لذت سارے بدن میں سرایت کر گئی ہے، اور اس مقام کو درخشاں وسورخ کر دیا ہے، اگر وہ مقام ستر نہ ہوتا تو میں تمہیں دکھاتا، میں جب صبح اٹھا تو اپنے فرزندوں کو یہ واقعہ سنایا اور ان سے اس واقعہ (خواب) کی واضح تعبیر پوچھی اور چاہا کہ آپ کو بھی اس جنت کی بشارت (۴۱۳) سنا دوں لیکن چونکہ موت بالذات سے کراہت ہوتی ہے اس لیے اس سلسلہ میں کچھ نہیں کہہ رہا ہوں کہ یہ معاملہ خود ہی حل ہو جائے گا، ایک عرصہ کے بعد۔

فقیر حضرت وحدت کے خلف رشید شیخ ابو حنیف کے ساتھ شاہ جہان آباد کے سفر میں ساتھ تھا یعنی جس سال حضرت وحدت کا وصال ہوا تھا راستے میں میں جو مکالمات

ہوئے تو انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے اس مکاشفہ کا ذکر کیا کہ میرے سامنے انہوں نے اسی روز یہ سنایا تھا۔

ایک مکاشفہ جو حضرت وحدت کے نبیرے جامع الکمالات اظہر الدین خان نے میرے (مولف) کے فرزند نیاز احمد سلمہ ربہ سے بیان کیا یہاں نقل کر رہا ہوں، ایک روز حضرت وحدت اپنے مکان کاشانۂ فیض میں بیٹھے اپنی اولاد کے سامنے کچھ ارشادات فرما رہے تھے، ان کے دل ان ارشادات سے لبریز ہو رہے تھے کہ اچانک آپ کا ہاتھ اپنی پیشانی پر لگا تو یکا یک خاموش ہو گئے ساتھ ہی اپنی آنکھیں بھی بند کر لیں، اس کے لمحہ بھر کے بعد آنکھیں کھول کر فرمانے لگے

احمر

اس خاموشی کی وجہ دریافت کرنے پر یہ بتائی کہ ایک مچھر نے میری پیشانی پر مس کیا تھا ابھی اس نے کاٹا نہیں تھا کہ میرا ہاتھ وہاں تک پہنچ گیا صرف مس کرنے سے ہی وہ بے چارہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھا اس کی روح حاضر ہوئی اور مجھ پر خون کا دعوٰی کیا کہ مجھے ناحق مارا گیا ہے، لمحہ بھر کے لیے میں حیرت میں رہا کہ غیب سے اس کا جواب القا ہوا، میں نے کہا کہ موذی کا قتل اس کے ایذا پہنچانے سے پہلے کر دینا واجب ہے، وہ لاجواب ہو کر جلدی سے ہٹ گیا۔

ایک بار اس عاصی دور از کار (مولف) نے اس قبلۂ ابرار (حضرت وحدت) کی عمر کے آخری حصہ میں حضرت خواجہ کو خواب میں حضرت وحدت کی صورت میں دیکھا یہاں تک کہ بہت زیادہ ہم شکل ہونے کے باعث ایک ہمراہی نے کہا کہ یہ تو شیخ عبدالاحد (وحدت) ہیں، میں نے کہا نہیں یہ تو حضرت خواجہ ہیں میں نے اس عزیز کی بات تسلیم نہ کی آخر میں نے کہا کہ حضرت وحدت سے پوچھ لینا میں بھی پوچھوں گا اس پر فرمانے لگے کہ میرا نام شیخ محمد معصوم ہے، صبح اس عزیز نے ہم شکل ہونے کی خواب کی خوشخبری حضرت وحدت قدس سرہ کو سنائی اور آپ کی خوشنودی حاصل کی، چند

دنوں کے بعد اس فقیر (مولف) کو آپ سے ملاقات کا اتفاق ہوا تو بالمشافہ سوال فرما کر کمال درجہ کی خوشی کا اظہار کیا اور شکرانۂ الٰہی ادا کیا اور فرمانے لگے کہ تم میرے حق میں بہت عظیم بشارت لائے ہو۔

ان کی غزل کے چند اشعار جو اس وقت میرے دل میں آئے ہیں یہاں لکھ رہا ہوں:

شب خیال طرہ شوخی بدل پیچید و رفت
ساعتی ہمچوں شب قدر از بزم جوشید و رفت
خانہ زیں است دنیا عیش او پادر رکارب
شہسوار است آنکہ آرزوی زود دامن چید و رفت

(۴۱۴) ایک بار اکابر اولیأ کے اس نیاز مند (مولف) نے قبلۃ الاصفیاء والد بزرگوار خود (شیخ محمد فضل اللہ) کا عرس کیا شاید وہ آپ کا پہلا عرس تھا حضرات احمدیہ (مجددیہ) ایک دوسرے کو مکاشفات سنا رہے تھے وہ برسات کی ایک تاریک رات تھی لوگوں کو جلدی تھی لیکن میں (حضرت وحدت) کی آمد کا منتظر تھا اس لیے توقف سے کام لے رہا تھا، قصہ مختصر رات کا تیسرا پہر گزر گیا لوگوں کی ناراضی اس توقف کے باعث تھی آپ فرمانے لگے کہ تم لوگوں کی ایک قسم (جو جلدی میں تھی) رخصت کر دیتے مجھے جس وقت بھی فرصت ملتی میں خود ہی پہنچ جاتا، اس سلسلہ میں یہی شعر صادق آتا ہے:

ناتو ساقی نہ شوی نشہ نجوشد زشراب
بی تو خمخانہ خراب است توہم می دانی

اس شعر سے آپ نے حظ حاصل کیا اور فرمانے لگے یہ نشہ پہنچانے والا لطافت سے موصوف ہے، مگر تمہاری طرح کے سعادت مند جواں بلند فطرت خمار رکھتے ہیں۔

حضرت وحدت کا وصال ۱۱۲۷ھ کو دارالخلافہ شاہ جہان آباد میں ہوا، آپ کا تابوت شریف سرہند شریف لایا گیا جہاں کی مسجد کلاں کے ایک حجرہ میں جس کا نصف حصہ

مسجد سے خارج ہے دفن کیا گیا۔

کہتے ہیں کہ مرض کی شدت کے باعث اسی روز یا وفات سے ایک روز بعد آپ کے پوتے شیخ انوار اللہ فوائد جدیدہ حاصل کرنے کی غرض سے سرہند شریف سے روانہ ہوئے کہ آپ کی خدمت میں جاؤں فرمانے لگے کہ بے خبر دیر سے آیا ہے، وہ پہلی منزل پر ہی رک گئے۔ آپ کے بڑے بیٹے معرفت دستگاہ مرحوم شیخ ابوحنیف اس روز آپ کا تابوت شریف لے کر پانی پت پہنچ چکے تھے وہ معرفت دستگاہ اپنے والد سے ملاقات کے لیے شاہ جہان آباد کا قصد رکھتے تھے اور یہ فقیر (مولف) بھی ان کا ہم سفر تھا (۴۱۵) جن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے، جب انہوں نے تابوت دیکھا تو بہت ہی رنجیدہ ہوئے اور گریہ وزاری کرنے لگے، کچھ دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو تابوت کو خود کندھوں پر اٹھا لیا اور بے اختیار تبسم فرمایا بلکہ ہنسے اس کے بعد ایسی گریہ وزاری شروع کر دی جو شریعت کے خلاف نہیں ہے، جب رات کو سرائے گنور پہنچے اور رات کی تاریکی جب سب چیزوں پر چھا گئی تو اپنی ہنسی کے ساتھ بڑے شوق سے سوال کیا، یہ فقیر (مولف) علم یقینی رکھنے کے باوجود جواب (نہ دے سکا) لیکن میرے فرزند محمد معشوق سلمہ ربہ اور صوفی محمد رفیع مرحوم نے فوراً کہا کہ دیکھو صاحب ہنس رہے ہیں، میں نے بھی تصدیق کی کہ ہنسی تابوت میں سے آ رہی ہے، وہ بہت ہی خوش ہوئے اب انہوں (صاحبزادہ) نے اس کی وجہ خود بیان فرمائی کہ جب میں تابوت کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت وحدت نے بڑے شوق سے مجھ سے معانقہ کیا اور اپنا خاص خلعت مجھے عنایت کیا یہ گویا خلعت قیومیت تھا یہ وہی خلعت تھا جس کے متعلق حضرت وحدت نے فرمایا تھا یہ حضرت حجۃ اللہ قدسنا اللہ سبحانہ باسرارہ کے وصال (کے بعد مجھے ملے گا)، اس کے پہننے سے مجھ پر اس قدر برکات عجیبہ اور تجلی خاص الخاص کا ظہور ہوا کہ میں بے اختیار ہنسنے لگا، الحمد للہ کہ میرے ہم سفر بھی میرے اس خندہ سے مطلع ہو گئے اور وہ بھی ان برکات عجیبہ سے بہرہ ور ہوئے ....

(یہ صاجزادہ) اپنے والد کے تمام کمالات سے آراستہ ہیں جیسا کہ وہ خود تھے، میرے مرشد قبلہ گاہ (شیخ محمد فضل اللہ) سے ان کے آخری ایام میں ان سے ہدایہ پڑھی تھی۔ اس فقیر پر خاص مہربانی فرماتے تھے، ۱۱۳۲ھ کو اس دار فانی سے رحلت فرمائی اور اپنے والد کے پہلو میں اس حجرہ میں مدفون ہیں، ان کے فرزند شیخ محمد زکی جو اپنے والد اور دادا سے خلافت یاب ہوکر جانشین ہیں، اور جید قسم کے طالب علم ہیں اور کامل استقامت کے ساتھ اپنے وطن مولوف (سرہند شریف) میں مقیم ہیں۔

اس وقت حضرت وحدت کے بلاواسطہ دو فرزند شیخ محمد تقی (اور شیخ نورالحق) زندہ ہیں جو صاحب معنی و کمال ہیں، حضرت حجۃ اللہ نے ہندوستان کی قطبیت کی انہیں بشارت دی تھی، اپنے والد کی آخری عمر کے دوران یہ بھی شعر کہنے لگے تھے اور انہیں اپنے والد (جیسی استعداد) حاصل ہوگئی تھی، ان کے اشعار توصیف کرنے والوں کی صفت سے مستغنی ہیں، ایک معتبر روایت کے مطابق حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ ان (شیخ محمد نقی) کے اشعار کو ان کے والد (حضرت وحدت) کے اشعار پر ترجیح دیتے تھے، چونکہ جناب مقدس سے یہ روایت منقول ہے اس لیے اس کی بہت اہمیت (برجستہ) ہے، (۴۱۶) ...... ہر شعر یونانی ہے اور ہر حرف طولانی بھی، مختصر یہ کہ وہ اپنے والد کے صحیح معنی میں جانشین ہیں، حضرت وحدت کا وہی قول اس پر صادق آتا ہے:

وحدت ایں دار محال است جانی ماند | گر یکی رفت چو منصور دگرمی جوشد

گویا زیادہ کہنا طوالت کا باعث ہے، عالی فطرت حضرات صرف ایک حرف سے ہی جامع مطالب حاصل کر سکتے ہیں۔ (ترجمہ آیت) ''اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کی ہیں اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں ان کافروں پر فتح دے۔''

شیخ خلیلُ اللہ

کنز پنجم

(۴۱۷) معارف آگاہ شیخ خلیل اللہ کے مختصر احوال اور ان کے دیگر اقربا جو حضرت خواجہ سے منسلک ہوئے اور ان کے بارے میں ان سے جو روایات اس حقیر تک پہنچیں وہ بھی اس کنز میں درج کر دی ہیں

اگر چہ ان کے لیے ایک جداگانہ کنز بھی کم ہے یہ تمام تر میری اپنی اطلاعات پر مبنی ہے لیکن وہ کثیر بشارتیں جو ان حضرات کے متعلق حضرت خواجہ نے فرمائیں ان کے علاوہ ہیں، جو بہت سی بشارتیں حضرت خواجہ نے شیخ خلیل اللہ کے بارے میں دیں مجھے وہ بھی سب معلوم ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ سب احاطۂ تحریر میں آئیں گی ......

شیخ خلیل اللہ کی ولادت شریفہ حدود ۱۰۵۵ھ کو سرہند میں ہوئی وہ ظاہری و باطنی کمالات سے آراستہ ہیں اور محاسن اخلاق سے متصف انہوں نے حضرت خواجہ ہی کی ارادت کی سعادت حاصل کی، حالانکہ وہ اپنے والد ماجد حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) کی زندگی میں نوجوان تھے اور کتب دینیہ پڑھتے تھے اور حضرت خواجہ ان کے حق میں بہت ہی عنایات فرماتے تھے، اور ان کی تربیت اپنے فرزندوں سے زیادہ چاہتے تھے، چنانچہ اس کتاب میں ان کے چھوٹے بھائیوں کے ضمن میں یہ روایت درج ہو چکی ہے، ممکن ہے کہ آپ کے ملفوظات کے ذیل میں شامل احمرات میں سے کسی میں لکھی گئی ہو، حضرت خواجہ کے مکتوبات کی تیسری جلد میں بہت سے مکاتیب ان کے نام موجود ہیں۔ اگر وہ جلد میسر ہوتی تو بظاہر ان میں سے کچھ یہاں نقل کرتا، اس متبرک جلد کا تیسرا مکتوب جو ان کے نام ہے اور حضرت خازن الرحمت کی مدح پر مشتمل ہے، اس مقدس مکتوب میں یہ عربی مصرع بھی درج ہے۔ (۴۱۸):

فتح

فِی الْمَهْدِ یَنْطِقُ عَنْ سَعَادَةِ جدہٖ
(یہ بچہ گہوارہ میں اپنی سعادت مندی بیان کر رہا ہے)

''تعین حبی'' جو تعینات میں سب سے فائق ہے کی بشارت ان کو دی گئی تھی جو مکتوبات (معصومیہ) شریفہ سے واضح ہے، البتہ دوسری بشارات اسی کا احاطہ ہیں جسے آپ نے طریق اولیٰ کے طور پر فرمایا ہے۔

ایک روز میں عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) **قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور حضرت خواجہ کے اعتقاد کے سلسلہ میں نازیبا بات شیخ خلیل اللہ کے حوالے سے کہی، فرمانے لگے کہ یہ روایت میاں خلیل اللہ جیو کی نہیں ہو سکتی کہ وہ تو پہلے حضرت خواجہ کے مرید ہیں، انہوں نے جو کچھ بھی حاصل کیا ہے وہ انہی قیوم برحق (حضرت خواجہ) سے لکھا ہے۔

اس مقامات (معصومی) کی تالیف کے دوران حضرت خواجہ کے فدویوں (مریدین) میں سے بعض نے آکر اس فقیر (مولف) سے بحث کی کہ وہ (شیخ خلیل اللہ) کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ تہجد کی نماز نہیں پڑھتے تھے، جو محض جھوٹ اور بہتان ہے، پھر تم (مولف) آپ کو مخلصوں میں کیوں شمار کرتے اور ان کے احوال لکھتے ہو میں نے اس موقع پر وہی جواب مدنظر رکھا جو عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) نے دیا تھا کہ لوگ شیخ خلیل اللہ کی طرف جعلی روایت منسوب کرتے ہیں۔

حضرت خواجہ کے وصال کے بعد شیخ خلیل اللہ نے کامل خضوع کے ساتھ حضرت حجۃ اللہ کی خدمت میں رجوع کیا کہ وہ تو حضرت خواجہ کی بیش بہا نعمت ہیں، میرا مطلب ہے کہ انہوں نے یہاں سے بہت ہی فیض پایا۔

حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) شیخ خلیل اللہ کی فقاہت کی بہت تعریف کرتے تھے اور بعض اوقات ان کے مکاشفات بھی بیان کیا کرتے تھے:

احمر

ایک روز کہنے لگے کہ مجھے ماہ مبارک رمضان میں طویل عمری کی بشارت عنایت ہوئی تھی۔

اس وقت شیخ خلیل اللہ چند سال ہوئے کہ کابل سے وہاں کے اصحاب کو فیضیاب کر کے اپنے وطن مالوف (سرہند) واپس آئے ہیں، ان کی عمر اسی سال کے قریب ہے، سنا ہے کہ ان دنوں وہ بیمار ہیں ....

شیخ محمد یعقوب و شیخ محمد تقی

رحمهما الله سبحانه رحمةً واسعةً

چوں کہ یہ (اپنے والد گرامی) حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) کی زندگی میں کم سن تھے کہ یتیم ہو گئے پھر وہ حضرت خواجہ (۴۱۹) کے مرید ہو گئے، حضرت خواجہ ان پر بہت ہی عنایات فرماتے تھے، عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) سے روایت ہے کہ میری موجودگی میں حضرت خواجہ نے شیخ محمد تقی کو فنائے قلب کی بشارت عنایت کی تھی، معتبر حضرات سے سنا ہے کہ صاحبین (حضرت خواجہ و حضرت شیخ محمد سعید) کی توجہ سے انہیں (شیخ محمد تقی) کو حضرت مخدوم زادہ عارف معنوی قدوۂ ارباب تحقیق شیخ محمد صدیق **قدسنا اللہ بسرہ الاقدس** کے سپرد کیا کہ (ان کی تربیت کریں) بلکہ زیادہ گمان یہی ہے کہ آنحضرت (شیخ خلیل اللہ) کی زبان درفشاں سے یہ روایت سنی ہے۔

شیخ عبدالحق مرحوم

حضرت خواجہ کے نواسے اور حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) کے پوتے تھے، حضرت خواجہ کی ارادت سے سعادت یاب اور آپ کی خاص توجہ سے سرفراز ہوئے، (حضرت خواجہ کے وصال کے بعد) اپنے ماموں صاحبان کی خدمت میں تعلیم سلوک مکمل کی۔

شیخ محمد قطب

یہ بھی حضرت خواجہ کے نواسے اور حضرت خازن الرحمت کے پوتے ہیں۔ پہلے اپنے ماموں صاحب شیخ سیف الحق والدین سے توجہات لیں اس کے بعد حضرت حجۃ اللہ قدسنا اللّٰہ سبحانہ اسرارہ سے زیادہ گمان یہی ہے کہ انہوں نے حضرت خواجہ کی خدمت میں بیعت بھی کی تھی۔ اس وقت بقید حیات ہیں، شیخ عبدالحق کے والد شیخ عبداللہ (بن شیخ محمد سعید) تھے اور شیخ محمد قطب کے والد شیخ سعد الدین (بن شیخ محمد سعید) ان دونوں کی مائیں آپس میں سگی بہنیں ہیں (یعنی حضرت خواجہ محمد معصوم کی صاجزادیاں ہیں)۔

شیخ بدیع الدین

حضرت خازن الرحمت کے نواسے تھے، انہوں نے آنحضرت (شیخ خلیل اللہ) کی خدمت میں رہ کر کمال حاصل کیا، اس کے بعد وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بشارات حاصل کیں۔

احمر

حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ فرماتے تھے کہ وہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ عابد (زاہد) ہیں۔ (ترجمہ آیت) "اے ہمارے رب ہمیں دے ہماری ازواج اور ہماری اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔"

مفتاح نہم

حضرت خواجہ محمد معصوم کے چند عالی مقام خلفاءً کا تذکرہ اور اس سے متعلق دیگر امور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۴۲۱) (اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے) (ترجمہ) ''اور غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں، انہیں وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور جو پتہ گرتا ہے وہ اسے جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ نہیں اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا ہوا نہ ہو۔''

اللّٰھم صلّ علیٰ محمد بعدد من صلیٰ علیه و صل علیٰ محمد بعدد من لم یصل علیه ...... حضرت خواجہ کے عقیدت مندوں پر یہ ظاہر و ہویدا ہے۔ (۴۲۲) ...... (کہ آپ کے مریدین و خلفاء نے جو اس درجہ عالی شان کے مالک تھے) کہ ان میں سے کسی نے اصالت کا دعوٰی کیا، کسی نے قیوم ہونے کا اور خواہ وہ اقطاب یا اوتاد ہوں وہ انہی بحار قیومی کے فیض یافتہ قطرات ہیں ...... اس بے چارہ (مولف) کی فکر میں اتنی بیداری کہاں کہ وہ ان کی کمال شان کا احاطہ کر سکے ...... لیکن ان کامل اصحاب کے ذکر کے بغیر اس دکھی دل کو تسلی حاصل نہیں ہو سکتی ...... اگرچہ ان کے تمام احوال تحریر نہیں کیے جا سکے البتہ اپنی یادداشت اور قابلیت اور حوصلہ کے موافق لکھا ہے گویا بحر معصومی میں سے چند قطرے ہیں جو اس راہ کے مشتاق حضرات کے تشنہ لبوں کو حیات جاودانی دے سکیں ...... حضرت خواجہ کی اولاد کرام میں نسبت معصومی کے ظہور کو اپنے حوصلہ (قابلیت) کے مطابق معلوم کر لیا ہے تو اس کا اظہار آپ کے خلفائے عالی مقام کی صورت میں بھی لازمی طور پر ہوا گویا حسن جہاں بھی جلوہ گر ہو وہ معشوقی کے شایان شان ہے ....

(۴۲۳) چونکہ اب قیامت کا وقت قریب ہے اور ہر طرف تاریکی چھا چکی ہے، ان میں سے اکثر خلفاء اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے ہیں، بلکہ شاید آپ کے اصحاب کمال میں سے کوئی بھی اب زندہ نہیں ہے، اور اس وقت (دوران تالیف مقامات معصومی) آپ کے مکتوبات (معصومیہ) کی دو آخری جلدیں بھی موجود نہیں ہیں جن میں ان خلفاء کے احوال درج ہیں۔ اب جو کچھ مجھے یاد ہے یا مجھے جلد اول میں جو کچھ ملا ہے اس کے اظہار کی سعادت حاصل کر رہا ہوں ...... ان کے مریدین کی صحیح تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار دشوار ہے اور اجازت یافتگان کا بھی شمار اسی طرح ہے، ہاں البتہ سنا ہے کہ اکابر خلفاء تعداد میں چار سو کے قریب تھے، کہ جن سے حدود اربعہ (چہار دانگ عالم) منور ہوئے، ان میں سے اس فقیر (مولف) کو بعض کی صحبت بھی میسر آئی ہے۔

اس وقت آپ کے مشہور ترین خلفاء کے اسماء گرامی یاد ہیں اور ان میں سے (بعض) کے کچھ احوال بھی معلوم ہیں، ان میں سے ہر ایک خدا رسیدہ کے نام کو (عنوان دے کر احوال لکھے گئے ہیں) اس مفتاح میں تیس کنز ہیں جن کے حالات کی تفصیل بیان کی گئی ہے، دوسروں کے احوال ان کے ذیل میں لکھے جائیں گے، اس مفتاح میں تیس کنز اجزائے قرآنی کی تعداد کے مطابق رکھی گئی ہیں ....

خواجہ محمد حنیف کابلی

پہلی کنز

قدوۂ خلفاء حضرت خواجہ محمد معصوم عارف معنوی حقائق آگاہ خواجہ محمد حنیف کابلی قدسنا اللہ سبحانہ بسر الاقدس کے مختصر احوال

(۴۲۴) اہل خانقاہ اقرار کرتے ہیں اور حضرت خواجہ کی اولاد کرام اس امر پر متفق ہے کہ خواجہ محمد حنیف کابلی آپ کے سب سے افضل خلیفہ ہیں، اگرچہ حضرت خواجہ کے چھٹے فرزند ماموں محترم حضرت شیخ محمد صدیق قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ

الاقدس کو اس معاملہ میں اپنے قاعدہ کے مطابق اختلاف ہے، کہ حضرت خواجہ کی آخری عمر کا معاملہ (کمالات) مستثنیٰ ہے، انہوں نے ان سے اس "دورۂ اخیرہ" سے فیض نہیں پایا کیوں کہ ان کا وصال حضرت خواجہ کے وصال سے پہلے ہو گیا تھا، پھر آپ کے کلام شریف سے بھی ان کے افضل ہونے کا مفہوم واضح نہیں ہے، لیکن خواجہ محمد صدیق (پشاوری) قدس سرہ کہ جن کے معارف کے لیے اس مفتاح کی کنز دوم مخصوص ہے اس امر سے متفق ہیں (کہ خواجہ محمد حنیف ہی آپ کے افضل ترین خلیفہ تھے)

ایک روز اس حقیر (مولف) نے شیخ محمد صدیق (مخدوم زادہ) کا یہ شبہہ عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) کی خدمت میں اس وقت پیش کیا جب موصوف خواجہ محمد حنیف قدس سرہ کی فضیلت بیان کر رہے تھے، آپ نے بھی انہیں حضرت خواجہ کے افضل خلفاء میں شمار کیا۔

احمر

فرمانے لگے کہ حضرت خواجہ کے "دورۂ اخیر" کے کمالات دیگر احباب کے ذریعہ انہیں قبر میں حاصل ہوئے، کیوں کہ حضرت خواجہ نے اپنے مکتوبات کی جلد ثانی کے ایک مکتوب میں انہیں اپنا خلیفۂ اول لکھا ہے:

فتح

> میرے دل کو تمہارے ساتھ ایک خاص تعلق پیدا ہو گیا ہے جو تمہارے کمال کے حصول کا خواہش مند ہے۔

اس کے باوجود کہ انہوں نے زندگی میں کمالات کا کسب کیا اور بہت ہی ترقی کی اور اس وقت کی متداول بشارتیں حاصل کیں اور حضرت خواجہ سے خصوصی تعلق پیدا کر لیا، آپ کے دورۂ اخیر کے کمالات میں سے ایسا کوئی کمال نہیں تھا جو انہیں قبر منورہ میں وافر صورت میں نہ ملا ہو، (ان کے افضل ترین خلیفہ ہونے کے سلسلے میں) اگر اس

معاملہ میں حضرت خواجہ کے فرزندوں اور بعض اقربائے خاص کو مستثنیٰ کر دیا جائے تو (ان کے افضل) ہونے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

اب خواجہ محمد حنیف کے حضرت خواجہ کی خدمت میں ارادت مندانہ حاضری کا قصہ بھی بیان کر دیا جائے جو حضرت خواجہ کے عظیم تصرفات (کرامات) میں سے ہے تو مناسب ہوگا، لیکن میں صرف صحیح ترین اور مشہور ترین روایت کو ہی ان اوراق میں لکھ رہا ہوں توجہ خاطر سے سنیے:

ابیض

(خواجہ محمد حنیف کابلی) ولایت (افغانستان) کے بزرگ زادوں میں سے تھے ان کے آبا و اجداد میں پیری مریدی بھی موجود تھی (۴۲۵) ہندوستان کے مشائخ اگرچہ کمال کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں اور کسی کی بزرگی کو کم ہی قبول کرتے ہیں، اور اس دیار کے تمام شیوخ میں یہ قاعدہ موجود ہے، **الا ماشأ اللّٰہ تعالیٰ**۔

جوانی کی ایک شب میں اس خواجۂ عالی شان (خواجہ محمد حنیف کابلی) کو اللّٰہ تعالیٰ نے سعادت عطا کی کہ انہیں نقشبندی سلسلہ کی ارجمندی میسر آئی کہ انہیں خواب میں حضرت خواجہ محمد معصوم کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا گویا وہ سرہند شریف آئے اور خانقاہ ملائک پناہ میں پہنچے ہیں کہ وہی دو نورانی عزیز اس خانقاہ میں کامل دبدبہ اور شوکت کے ساتھ بیٹھے ہیں، اب تمنا یہ ہوئی کہ ان دونوں عزیزوں میں سے ایک کا مرید ہو جاؤں، تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص خواجہ محمد حنیف کی طرف بڑھا اور راہنمائی کی انہوں نے ان دو عزیزوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں بتایا گیا کہ یہ دونوں مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے فرزند ہیں ان میں ایک کا نام شیخ محمد سعید اور دوسرے کا شیخ محمد معصوم ہے، خواجہ محمد حنیف نے کہا کہ مجھے حضرت کے دوسرے فرزند جو کہ ولایت کے ایسے آفتاب ہیں جو عظمت کے برج میں کمال رعنائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں، کا مرید بنا دیں، اس نے کہا کہ میں بھی انہی کی طرف

سے آیا ہوں، قصہ مختصر وہ مجھے لے گئے اور حضرت خواجہ محمد معصوم کا مرید بنا دیا۔ جب خواجہ محمد حنیف اس خواب دولت مآب سے بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے قلب کو جاری پایا اور حضرت خواجہ کی محبت میں بہت ہی بے قرار ہوئے اور اپنے ہر سانس کو پہلے سے مختلف پایا اور قلاب عشق کو ہر وقت فنا اور بقا کی طرف جاتے ہوئے محسوس کیا، جب انہوں نے اپنے خواب کا قصہ اپنے خاص دوستوں کو سنایا تو انہوں نے خوب تمسخر اڑایا اور طنز و استہزاء کا ایک ہنگامہ برپا کر دیا جس پر خواجہ محمد حنیف نے خاموشی اختیار کر لی اور سرہند شریف جانے کا تہیہ کر لیا ان میں سے چند سعادتمندوں نے رفاقت سفر بھی قبول کر لی، وہ منزل بہ منزل طے کرتے ہوئے تھوڑے ہی عرصہ میں سرہند شریف کے قریب پہنچ کر عنایات خاص میں شامل ہوگئے .... مختصر یہ کہ شام ہونے سے پہلے ہی وہ اس شہر معرفت مقام (سرہند) پہنچ گئے، تلاش کرتے ہوئے مغرب کی نماز کے بعد وہ اس خانقاہ ملائک پناہ میں پہنچ گئے، یہاں انہوں نے وہی صورت جو خواب کی حالت میں دیکھی تھی عالم شہادت (بیداری) میں بھی دیکھ لی جس میں کوئی فرق نہیں تھا، کہ "بے شک نیک خواب چھیالیسواں جز نبوت ہے۔" صحیح حدیث ہے۔ اور وہی عزیز (۴۲۶) جو خواب میں دیکھے تھے موجود پایا اور حضرت خواجہ کی خدمت پر بہجت میں پہنچ گئے، خواجہ محمد حنیف نے اگرچہ وہاں "قران السعدین" یعنی دونوں بھائیوں کے اجتماع کا مشاہدہ کیا، لیکن معصومی عبودیت کا حلقہ اپنے گلے میں ڈالنا پسند کر کے کمالات قیومی کے امیدوار ہوئے، اور اب ظاہری طور پر بھی آپ کے مرید ہو کر عنایات وافرہ حاصل کیں اور بہت ہی کم مدت میں خلافت حاصل کر کے کابل جانے کی اجازت لے لی، اور اس جلیل القدر امر (دعوت و ارشاد) کے لیے اپنے وطن (کابل) واپس آ گئے۔

اب کم فہم دوستوں نے اس کا مزید تمسخر اڑایا اور ہنگامہ برپا کر دیا کہ فلاں اپنے خواب کے پیر کا مرید ہو کر آیا ہے اور اب مصروف ارشاد ہے، خواجہ محمد حنیف نے

حضرت خواجہ کے بہت سے فضائل بیان کیے لیکن وہ انکار کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے، یہاں تک کہ سب منکروں نے متفقہ طور پر خواجۂ عالی مقام (خواجہ محمد حنیف) کو پیغام بھیجا کہ جب تک ہم اپنی ان ظاہری آنکھوں سے تمہارے پیر بزرگوار کو نہ دیکھ لیں اور ان کی کوئی کرامت نہ دیکھ لیں ہم ان پر اعتقاد نہیں رکھیں گے اور تمہارے ارشاد کو بھی منزل مقصود تک نہیں جانے دیں گے اور اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ تم ان کی دعوت کرو اگر وہ کھانے کے وقت حاضر ہو گئے جیسا کہ دعوت قبول کرنا مسنون ہے، تو ہم ان کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے اس کے سوا اور کچھ (قابل قبول نہیں ہے) خواجہ محمد حنیف چونکہ حضرت خواجہ کے ساتھ ''جذبۂ محبت'' رکھتے تھے اس لیے انہوں نے حضرت خواجہ کو یہ تکلیف دینا بلا تکلف قبول کر لیا، جس روز یہ امر متعین ہوا، شہر کابل میں اس دعوت والے گھر کو کامل زیب و زینت سے آراستہ کیا گیا اور وہاں شہر اور دیہات تک کے اہالی و موالی کا مجمع لگ گیا، مغرب کی نماز کے بعد مراقبہ کیا تو وہ سب مخالفین تمسخر کر رہے تھے، جب عشاء کی نماز سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے دعوت کا کھانا دینے کی درخواست کی تو انہوں نے کہا ذرا ٹھہر جاییے کہ اس وقت آنحضرت (خواجہ محمد معصوم) کے کھانے کا وقت ہے، ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ اچانک ان کے عقب سے غافلوں کو کسی کے پاؤں کی آواز سنائی دی وہ سیڑھی کے ذریعے گھر کے صحن میں آ گئے، حضرت خواجہ کے ساتھ آپ کے عالی مقام مخدوم زادے بھی تھے اور آپ اس مسند پر جا بیٹھے جو آپ کے لیے سجائی گئی تھی اور مخدوم زادگان آپ کے اردگرد دست بستہ بیٹھ گئے، تمام مریضان قلب نے کامل رسوخ کے ساتھ آپ کی قدم بوسی کی، ان میں سے اکثر وہیں شرف ارادت سے مشرف ہوئے، آپ فرمانے لگے کہ ہم محض خواجہ (محمد حنیف) کی خاطر داری کے لیے آئے ہیں، اس کے بعد کبھی بھی اولیاء اللہ سے کرامت طلب نہ کرنا کیوں کہ اس سے سخت نقصان ہو سکتا ہے۔ قصہ مختصر کہ آپ نے وہاں طعام تناول فرمایا اور ساری رات وہیں گزاری اور صبح ہونے کے قریب اور وہ تمام پھل جو

آپ نیاز کے طور پر ہمراہ لائے تھے آپ کے دست مبارک سے لے لیے گئے اور اس طرح راہ بالا سے آنکھ جھپکتے میں سرہند پہنچ گئے، خشک پھل جو نیاز دیگر کے طور پر لائے تھے خواجہ محمد حنیف کے سپرد کیے اور فرمایا کہ اسے براستہ (۴۲۷) لاہور روانہ کرنا۔

لوگوں نے بہت التجا کی کہ آپ نے (کابل) کی جانب قدم رنجہ فرمایا ہی ہے اور ان نامرادوں پر اپنی عظیم کرامت ظاہر کی ہے تو چند دن قیام فرما لیجیے اور پھر اپنے وطن مالوف کی طرف تشریف لے جایئے، فرمانے لگے کہ اہل شہر (سرہند) کو میں نے اپنے جانے کی خبر نہیں دی ہے، اس لیے ان کو بے چینی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت بھی نہیں ملی ہے، اگر ایسا ہوتا تو میں یہی کرتا، یہ کہہ کر آپ روانہ ہوئے اور فجر کی نماز سرہند شریف کی بڑی مسجد میں ادا کی، خواجہ محمد حنیف اور حضرت خواجہ کے نیاز طور پر لائے ہوئے پھلوں کو اپنے عزیزوں اور دوستوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ گویا آپ کا ایک ادنیٰ تصرف (کرامت) تھا **رزقنا اللّٰہ سبحانہ من برکاتہ**......

(اے حضرت خواجہ) آپ نے اس پتھریلی سرزمین پر خواجۂ عالی شان (محمد حنیف کابلی) پر عنایت اور عطا کثیر فرمایا ہے اسی طرح اگر اس عاجز بے پر و بال (مولف) جو کہ گناہوں کے سمندر میں غرق، نفسانی ظلمات اور شیطانی وسوسوں میں گم ہے کی بھی دستگیری فرمایئے تا کہ میں بھی ساحل نجات پر پہنچ سکوں اور محض اپنی نیم نگاہی کے تصرف سے ہی اس کا کام کر دیں تیرے اس مداح کو تیری نوازش سے زیادہ درکار نہیں ہے......

اس زندگی اور آخرت کی حیات میں آپ کی ذات کے سوا میرا کوئی ملجا و ماویٰ نہیں ہے، زندگی کی کل جمعیت آستان معصومی کو بوسہ دینے والوں کی محبت میں تصور کرتا ہوں اور وفات کے بعد بھی میری نظر تفضلات قیومی پر ہی رہے گی ......

یہ وقت فضل کرنے کا ہے اور ہنگام ترحم میں یہ گناہگار کرامت کا مستحق ہے۔

بات کہاں کی کہاں جا نکلی، مقصد یہ ہے کہ خواجۂ عالی شان (محمد حنیف) کامل ارشاد

کے ساتھ متصف ہیں، آپ امر جلیل القدر کے تحت دنیا کی راہنمائی کر رہے ہیں آپ بکثرت آپ کی خدمت سراسر انبساط میں پہنچے ہیں اور وہ عالی شان بشارتوں سے نوازے گئے ہیں اور وہ آپ کے اکابر خلفاء میں سے ہو گئے ہیں۔

مکتوبات قدس سمات (خواجہ محمد معصوم) کی تینوں جلدیں (خواجہ محمد حنیف کابلی) کے نام مکتوبات میں آپ کی بشارات فاخرہ اور ارشادات نادرہ سے مملو ہیں، ان میں سے (صرف) دفتر اول میں مذکور (بشارات) کا عنقریب تذکرہ کیا جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ایک روز یہ درویش (مولف) کابل جاتے ہوئے جلال آباد کے چار باغ میں منزل گزین تھا (۴۲۸) کہ چنار کے درخت کے سایہ میں ایک نورانی صورت سفید داڑھی والا بزرگ نظر آیا کہ اس کی جنسیت کی خوشبو دور سے ہی آئی اور سارے دماغ کو معطر کر دیا بغیر کسی تحریک کے وہ اس فقیر (مولف) کی طرف بڑھا مصافحہ بلکہ معانقہ بھی کیا کہنے لگا کہ تم سے حضرات سرہند کی خوشبو آئی جس نے مجھے بے قرار کر دیا حضرت خواجہ کے ساتھ غلامی کا جو تعلق ہے بیان کیا تو اس نے بے اختیار ہو کر میرے پاؤں کو بوسہ دیا، اس کی زبان شریف پر آیا کہ میں معرفت آگاہی مرحومی خواجہ محمد حنیف کابلی قدس سرہ کے ہمراہ چند بار حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور حضرت سے ارادت کا شرف رکھتا ہوں، ہم ساٹھ سے زیادہ افراد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہمیں تلقین طریقت کی اجازت ملی۔ میں بھی ان میں شامل ہوں چونکہ دنیا کے شب و روز کا یہ ہنگامہ مجھے بے قرار کر دیتا ہے۔ اس لیے مجھے کسی کی صحبت راس نہیں آتی اور کسی معرکہ میں بھی میرا دل نہیں لگتا اس لیے روزانہ اس باغیچہ میں خزاں اور بہار کا مشاہدہ کرنے چلا آتا ہوں اور رات کو اپنے کلیہ میں جو اس قریہ (جلال آباد چار باغ) سے متصل ہے گریہ اور استغفار میں گزارتا ہوں، اگر اتفاق سے حضرت خواجہ کی اولاد میں سے کوئی اس طرف سے گزرے اور مجھے اطلاع مل جائے تو میں اس کی صحبت

اختیار کر لیتا ہوں، مختصر یہ کہ اس نے اس فقیر (مولف) کی بہت خدمت کی، غالباً اس نے اپنا نام صوفی احمد بتایا تھا، مطلب یہ ہے کہ اس خواجۂ عالی شان (محمد حنیف کابلی) کے وہ مریدین جنہیں حضرت خواجہ کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہے وہ اپنے اپنے علاقوں میں خلافت یاب ہو کر اس بادیۂ معرفت میں سرمست ہیں۔

اس خواجۂ عالی جناب (محمد حنیف) کے کمالات پر کچھ لکھنا اس کم حوصلہ مسکین (مولف) میں کہاں سکت کہ عرض کر سکوں، مگر حضرت خواجہ کے مکتوبات سے استفادہ کے بعد یہی بہتر معلوم ہوا کہ اس عبارت کو بغیر کسی تصنع (ردوبدل) کے نقل کر دوں مکتوبات (معصومیہ) کی جلد اول کے مکتوب ۲۲ میں تحریر فرمایا ہے:

فتح

وہ مکتوب جو ملا تیمور لائے تھے اس میں آپ نے لکھا تھا کہ ''ایک رات بیدار ہوا اور نماز تحیۃ الوضو ادا کرنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کرتے ہوئے حضرت ایشاں (مجدد الف ثانی) کی اور فلاں بزرگ کی نسبت خاص حاصل کرنے کی التجا کی، اسی لمحہ اس قسم کی ایک نسبت کا ظہور ہوا، تقریباً ڈیڑھ گھڑی جوش رہا اس کے بعد آہستہ آہستہ کم ہو گیا۔''

اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں کہ دعا کرتے ہی فوراً اس کا اثر قبولیت ظاہر ہو کر اس خاص نسبت نے ظہور کیا، لیکن تعجب ہے کہ آپ نے اپنے پیر دستگیر کی نسبت کے ساتھ دوسرے بزرگ کی نسبت کی بھی تمنا کی، باوجودیکہ یہ بات مسلمہ ہے کہ اگر کسی دوسری جگہ سے کوئی نسبت حاصل ہو تو اس کو بھی اپنے پیر ہی کی طرف منسوب کرنا چاہیے اور اپنی توجہ کے قبلہ کو منتشر نہیں کرنا چاہیے، شاید اس سے مراد حضرت ایشاں (مجدد الف ثانی) کی خاص نسبت اور اس بزرگ کی وہ نسبت ہو جو کہ حضرت ایشاں سے اس کو پہنچی

ہے،

اس تقدیر (۴۲۹) پر دونوں نسبتیں ہمارے حضرت (رضی اللہ عنہ) ہی کی ہوں گی، انتہیٰ

(اس مکتوب شریف میں) میں فلاں بزرگ سے مراد حضرت غوث الثقلین (شیخ عبدالقادر جیلانی) قدس سرہ ہیں مجھے اس طرح اپنے والد (شیخ محمد فضل اللہ) اور اپنے بزرگ ماموؤں (صاحبزادگان حضرت خواجہ محمد معصوم) سے سننے کا اتفاق ہوا ہے۔

جلد اول کا مکتوب ۱۲۰ بھی انہی (خواجہ محمد حنیف کابلی) کے نام ہے جو پورا نقل کر رہا ہوں!

فتح

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، برادر عزیز مولانا محمد حنیف کا مکتوب شریف ملا جس سے بہت خوشی و مسرت ہوئی، اللہ تعالیٰ قرب کے درجات میں بہت ترقی عنایت کرے، آپ نے لکھا تھا "یہاں پہنچنے کے بعد ایک کیفیت ظاہر ہوتی ہے اور تمام بدن میں سرایت کر جاتی ہے"...... الخ اور آپ نے یہ بھی لکھا تھا کہ "ایسا سمجھ میں آتا ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کا اس نسبت کے حاصل ہونے میں کامل دخل ہے، جس قدر تلاوت کرتا ہے وہ نسبت طاقت پکڑتی ہے اور اگر تلاوت میں قدرے فتور ہوتا ہے تو اس نسبت میں بھی فتور واقع ہو جاتا ہے۔"

میرے مخدوم! ہو سکتا ہے کہ اس کیفیت کا منشا حقیقت قرآنی ہو، چونکہ آپ محبت کا رابطہ اس نسبت والوں کے ساتھ صحیح رکھتے ہیں اور استعداد و جمعیت بھی ہے، ایسی کیفیت اور اس قسم کی اور کیفیات کا حصول آپ کے لئے آسان ہے، مختصر یہ کہ مذکورہ نسبت ظلال کی نسبتوں سے اوپر اور اصل

الاصل کے ساتھ وابستہ معلوم ہوتی ہے اور آپ نے مخصوص کمالات اور ضمنی نسبت کا شوق ظاہر کیا تھا اس لیے ممکن ہے کہ اس میں سے کچھ حصہ آپ کو حاصل ہو چکا ہو اور یہ کیفیت جو آپ نے لکھی ہے اس کا اثر ہو، فقیر نے اس پر غور نہیں کیا ہے، امیدوار ہیں:

''اللہ پاک کے کمال میں تو کمی کی نہیں ہوتی اور میرا درجہ بلند ہو جاتا ہے''(ترجمہ شعر)

آپ نے جدید مسودات طلب کیے ہیں اگر توفیق ہوئی تو ہم ایک دوست سے کہیں گے کہ اگر اس میں سے کوئی چیز نقل کرنے کے قابل ہو تو نقل کر کے بھیج دے اور یہ (خواب) واقعہ جو آپ نے دیکھا تھا کہ کوئی شخص اپنے منہ کا لعاب میرے منہ میں ڈالتا اور کہتا ہے کہ آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے جو آنحضرت نے آپ کے لیے دی تھی میں نے پہنچا دی ہے''، نہایت اصیل اور امید دلانے والا ہے اگرچہ اس کا اثر فوری طور پر ظاہر نہ بھی ہو۔

جو کچھ آپ نے اپنے دوستوں کے احوال لکھے ہیں انہوں نے مجھے بہت مسرور کیا تمام احوال مناسب اور مقبول ہیں جو ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اللہ تعالیٰ ترقی عطا فرمائے (۴۳۰) مطلب حقیقی تک پہنچائے چونکہ اعتکاف کے دن تھے اور ضروری کام درپیش تھے اس لیے زیادہ نہیں لکھ سکا اور صرف ضروری امور پر اکتفا کی۔

(ترجمہ آیت) ''اے ہمارے رب ہمارے لیے ہمارے نور کو پورا کر دے اور ہمیں معاف کر دے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' خط مکمل کرنے کے بعد نسبت ضمنیہ کے حاصل ہونے کے بارے میں قدرے غور کیا گیا کچھ واضح نہیں ہوا اگر مقدر ہے تو پھر اس بارے میں غور اور توجہ کروں

گا۔ (ترجمہ آیت) ''بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے''، انتہیٰ مکتوبہ المقدس

اس قسم کے مکتوبات جلد اول میں بہت سے ہیں ان میں سے صرف ایک نقل کرنا ہی طوالت کا باعث ہے۔ یہ تمام تر وہ احوال ہیں جو اس صاحب کمال عارف (خواجہ محمد حنیف کابلی) کے آغاز کار سے متعلق ہیں لیکن جلد ثانی اور جلد ثالث کے مکاتیب کا تعلق ان کے وسطی اور انتہائے کار کے حالات ہیں، اور جلد ثالث کے متعلق کیا لکھوں کہ وہاں تک ان کا معاملہ ہی دوسرا ہو گیا تھا جس نے انہیں اولیت خلافت کے قابل قرار دیا۔ اگرچہ ان کے خلفاء کے نام بہت سی بشارات منقول ہیں ...... اگرچہ ان ایام میں آپ اپنی آخری عمر کو پہنچ گئے تھے لیکن ان میں سے جس قدر ممکن ہوا وہ بشارات منصۂ شہود میں آئیں، حضرت خواجہ کا وہ مکتوب جو آپ نے ان کے وصال پر تعزیت کے طور پر ان کے فرزندوں کو لکھا ہے وہ بھی اس جلد مبارک (سوم) میں درج ہے، وہاں خواجہ عالی شان (محمد حنیف) کی بلند شان قابل ملاحظہ ہے اگر وہ جلد میسر آ گئی تو اس مکتوب کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

اس خواجۂ عالی شان (محمد حنیف کابلی) کے بہت سے تصرفات (کرامات) مجھے سننے کا اتفاق ہوا ہے لیکن وہ کرامت جو میں نے اپنے ماموں صاحب حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ سے سنی ہے ان کا یہ ابیض حضرت حجۃ اللہ کے احمر میں جلوہ گر ہو گیا ہے، نقل کر رہا ہوں:

ابیض

میری (حضرت حجۃ اللہ) شادی کی پہلی رات تھی اور جوانی کے ایام بھی اور حضرت خواجہ اس وقت بقید حیات تھے میرے سر میں شدید درد ہوا کہ میں سر اٹھانے کے قابل نہیں تھا یہاں تک کہ حضرت خواجہ نے مجھے اپنی مجلس میں خواجہ محمد حنیف کے ذریعہ بلا بھیجا، میں نے کہا کہ اے خواجہ میں اس حال میں مبتلا ہوں کہ جانے اور بیٹھنے

کی مجھ میں مطلق سکت ہی نہیں ہے، خواجہ محمد حنیف نے توجہ کی تھوڑی دیر کے لیے آنکھیں بند کیں توجہ فرمائی تو میں فوراً تندرست ہو گیا کہ گویا درد کا کبھی اثر ہی نہیں تھا، میں نے اس وقت خوشی محسوس کی اور (۴۳۱) واجب الاطاعت حکم کے تحت میں آپ کی مجلس کی طرف دیا۔

خواجہ محمد حنیف کابلی کے وصال کے دنوں میں عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) وہاں (کابل) میں تھے چنانچہ ان کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی اور وہی بے دین فرنگی جو حضرت خواجہ کے آخری ایام حیات میں آپ کا معالج بلکہ قاتل تھا وہی خواجہ محمد حنیف کے آخری دنوں میں کابل جا پہنچا اور اپنے علاج سے خواجہ کو ہلاک کر دیا (یعنی اس فرنگی) کا علاج بے سود ثابت ہو کر ان کی موت کا باعث بنا) مجھے شیخ صبغت اللہ سے یہ سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ اپنے وصال سے صرف ایک دن پہلے انہوں نے مجھ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بدبخت فرنگی کہ اسکندر جس کا نام ہے یہ مجھے جان سے مار دے گا گویا ایک پیر و مرید کی شہادت میں بھی مناسبت پائی جاتی ہے جو کہ ایک ظالم نصرانی کے ہاتھوں ہوئی جو کہ بنی آدم میں بدترین کفار ہیں۔

حضرت خواجہ محمد حنیف کا مولد، مسکن اور مدفن قریہ میوہ خاتون ہے جو کہ کابل سے تین فرسخ کے فاصلہ پر دامن کوہ میں واقع ہے، ان کا وصال ۱۰۷۸ھ کو ہوا۔ ان کے جنازہ کی امامت عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ) نے کی۔

اس فقیر دور از کار (مولف) کو کئی بار ان کے روضہ منورہ کی زیارت نصیب ہوئی ہے۔ گویا ان کے روضۂ مقدسہ سے عاشقوں کو حضرت خواجہ کی خوشبو آتی ہے......

خواجہ محمد صدیق پشاوری

کنز ۲

عارف معنوی قبلۂ ارباب توفیق خواجہ محمد صدیق پشاوری قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے بعض احوال

آپ حضرت خواجہ کے قدیم اصحاب اور اکابر خلفاء میں سے ہیں، آپ کے والد بزرگوار خواجہ عبدالغفور سمرقندی حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء میں سے گزرے ہیں، چنانچہ مکتوبات قدسی سمات آں قبلۂ اولیاً عالی درجات (حضرت مجدد الف ثانی) میں کئی مکاتیب (خواجہ عبدالغفور سمرقندی) کے نام ہیں۔

خواجہ محمد صدیق قدس سرہ کے فرزند خواجہ محمد عزیز نے اس فقیر (مولف) سے بیان کیا کہ حضرت مجدد الف ثانی کے قلعۂ گوالیار میں اعتکاف (قید) کے دوران ہمارے دادا (خواجہ عبدالغفور) آپ کی خدمت کے لیے ساتھ تھے، اس امر نے آپ کے خلفاء میں ان کے مقام کو امتیاز بخشا ہے۔

اس خواجۂ عالی جناب (محمد صدیق) کی ولادت پشاور میں ہوئی آپ حضرت خواجہ کے جمال باکمال کے شیدا تھے۔

احمر

حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ السامی کی زبان درفشاں سے مجھے متعدد مرتبہ یہ سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ اگر عشق انسانی صورت جو کہ احسن تقویم ہے میں متمثل ہو جائے تو غالب گمان ہے کہ وہ خواجہ محمد صدیق (پشاوری) کی صورت میں ہوگا۔

اسی قسم کی بات معارف وکمالات دستگاہ خواجہ محمد ہاشم کشمی کے متعلق بھی کہی گئی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی کے اکابر خلفاء اور آپ کے جمال باکمال کے عاشق تھے،

حضرت خازن الرحمت (شیخ محمد سعید) رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ (عشق و فدویت میں) ان دونوں خواجگان (خواجہ محمد صدیق اور خواجہ محمد ہاشم کشمی رحمۃ اللّٰہ علیہما) میں مماثلت پائی جاتی ہے، وہ اس طرح کہ خواجہ محمد ہاشم حضرت مجدد الف ثانی کے خلفاء میں سے تھے جو بقول اکثر خدام سید محمد نعمان (۴۳۳) کہ بعض اصحاب خواجہ محمد ہاشم کو افضل جانتے تھے اور سید سند (خواجہ محمد نعمان بدخشی) کو ثانی تصور کرتے ہیں۔ اس طرح خواجہ محمد صدیق پشاوری بھی حضرت خواجہ محمد معصوم کے خلیفۂ ثانی ہیں اگرچہ بعض حضرات اس امر کے بھی مخالف ہیں اور انہیں حضرت خواجہ کا خلیفۂ اول قرار دیتے ہیں، البتہ شیوخ ثلاثہ یعنی عالی حضرت (شیخ محمد صبغت اللہ)، حضرت حجۃ اللہ (محمد نقشبند ثانی) اور حضرت قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) بھی اکثر اکابر خلفاء پر ان دونوں مذکورہ خواجگان بزرگوار کی ثانویت ثابت کرتے تھے اور میر محمد نعمان و خواجہ محمد حنیف کی اولیت کئی مقامات سے ثابت ہے۔

اب مطلب کی بات کرنی چاہیے، ثقہ حضرات سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ وہ خواجہ عالی شان (خواجہ محمد صدیق پشاوری) حضرت خواجہ کے حضور حاضری کے لیے نہایت شوق اور سوز کامل کے ساتھ دارالاشاد سرہند شریف کی طرف روانہ ہوئے جب وہ سرائے دوہیڑی جو کہ سرہند شریف سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر ہے پہنچے تو وہ تحائف اور نیاز جو حضرت خواجہ کی خدمت قیومیت میں پیش کرنے کے لیے ہمراہ لائے تھے کسی کے ہاتھ بھیج دی اور خود بہ عجلت تمام واپس پشاور کی طرف چل دیے، جب ساتھیوں نے اس امر کا راز پوچھا تو کہنے لگے کہ آفتاب کو اس سے زیادہ نزدیک سے دیکھنے کی مجھ میں تاب نہیں ہے، جب یہ بات حضرت خواجہ تک پہنچی تو آپ کی زبان مبارک پر آیا کہ خواجہ اپنا کام کر کے واپس چلے گئے ہیں، کہتے ہیں کہ یہی معاملہ ان کے ساتھ چند مرتبہ پیش آ چکا ہے، ایک مرتبہ آپ لاہور سے ہی واپس چلے گئے تھے اور وہ ہر مرتبہ حضرت خواجہ کے نزدیک مقبول ہوئے، اور ایسا بھی بہت ہوا ہے کہ آپ

سرہند شریف گئے اور مدت دراز تک وہاں رہ کر کمالات معصومی سے بہرہ ور ہو کر دل و جان وہاں کے کتوں پر فدا کر کے اس عرش اشتباہ درگاہ کے فیض سے منور ہوئے، پھر اجازت لے کر واپس پشاور آ کر خلقت کی ہدایت میں مصروف ہو گئے۔

میں (مولف) نے سنا ہے کہ خواجہ محمد صدیق کو ایک ایسے کتے کا پتا چلا جس کے بارے میں کسی نے ان سے کہا کہ یہ فلاں آدمی کے ساتھ سرہند شریف سے آیا ہے، آپ سن کر بے اختیار ہو گئے، اس کتے کے قدموں پر اپنے قدم رکھے آہ و زاری کی اور کتے کی صحبت میں رہے، اس کے لیے دودھ کا مالیدہ مع گھی ایک وقت کے لیے اور دوسرے وقت کے لیے گوشت اپنی طرف سے اس کے لیے بطور غذا مقرر کیا۔

حافظ عبدالعزیز پشاوری سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک کافر سرہند شریف سے اپنے کسی کام کی غرض سے پشاور آیا کسی طرح اس کی خبر خواجہ (محمد صدیق) کو ہو گئی تو وہ اپنے اصحاب سمیت اس سے ملاقات کے لیے گئے وہ جب تک پشاور میں رہا آپ اس کی مہمانداری کرتے رہے۔

اس قسم کی عجیب وغریب اتنی روایات شورش عشق ان سے منقول ہیں (۴۳۴) کہ یہ کنز ان کے بیان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

مکتوبات (معصومیہ) کی جلد اول کے مکتوب ۱۸ جو (خواجہ محمد صدیق) کے نام ہے سے آپ کے احوال کی حقیقت اور اطوار کی کیفیت کا مختصر سا خاکہ جلوہ گر اہل کمال ہوتا ہے جس میں انہیں ابتدائی بشارت سے ممتاز کیا گیا ہے، اس سے ان کی آخری زمانے کی (ترقی و بشارات) کا اندازہ لگائیے:

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

مکتوبات قدسی سمات کی تینوں جلدوں میں ان کے نام مکاتیب پائے جاتے ہیں، اب صرف مذکورہ اٹھارہواں مکتوب جس کا سابقہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، ہوش کے کانوں سے سنیے:

فتح

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو رحم کرنے والا اور اسی سے مدد مانگتا ہوں، اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلامتی ہو، آپ کے دو مرغوب مکاتیب یکے بعد دیگر ملے، خوشی ہوئی، سرور کائنات علیہ و علیٰ آلہٖ افضل الصلوٰۃ و اکمل التحیات کی (خواب میں) زیارت کرنا رحمت اور بشارت ہے، خوف کے سبب کا پوچھ لینا ہی تسلی دینا اور خوشخبری ہے وہ خواہ زبانی فرمائیں یا نہ فرمائیں۔ اور (ترجمہ آیت) ''ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔''

آپ نے لکھا تھا کہ ''یہ خوف، اندیشہ اور غم اس طرح غلبہ پا چکا ہے کہ قوت و ہمت کو بالکل سلب کر لیا ہے اور فرض و سنن کی ادائیگی کے سوا کسی اور عبادت میں مصروف نہیں ہو سکتا'' خوف و خاتمہ اور فکر آخرت کو طاعات کی توفیق میں اضافہ اور نوافل و اعمال کے زیادہ ہونے کا سبب ہونا چاہیے تھا تو پھر وہ اس میں کمی و نقص کیسے ہوگا، اگرچہ فی نفسہ یہ خوف و اندیشہ عبادات سے ہے جو غفلت اور معاصی کا مانع ہے، روایت کرتے ہیں کہ عطار و شبلی رحمۃ اللہ سبحانہ چالیس سال تک روتے رہے اور آسمان کی طرف نہ دیکھا، لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا، فرمایا کہ یہ قبر کا ڈر اور قیامت کا خوف ہے، پھر لوگوں نے آسمان کی طرف نہ دیکھنے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ گناہوں کی شرم سے، میں نے گناہ بہت کیے ہیں، مجلسوں میں بہت ہنستا اور قہقہے لگاتا رہا ہوں اس کی شرم کے باعث نگاہ اوپر نہیں اٹھاتا ہوں، روایت ہے کہ فتح موصلی ساٹھ سال تک روتے رہے جس کی وجہ سے آپ کے مبارک رخساروں کا گوشت گل گیا، انتقال

کے بعد لوگوں نے آپ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ (۴۳۵) کیا معاملہ کیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا ہے، جس وقت مجھے اوپر لے گئے تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اس کو اور اوپر لاؤ تو مجھے عرش کے نیچے لے گئے وہاں میں نے سجدہ کیا لیکن کانپتے اور ڈرتے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہوا کہ اے فتح! کیا وجہ ہے کہ تم نے اتنا زیادہ گریہ کیا؟ کیا تم نے مجھے غفار نہیں سمجھا تھا میں نے سر سجدہ میں رکھ کر عرض کیا اے اللہ! میں تجھ کو غفار جانتا تھا لیکن قبر کے خوف، قیامت کی ہیبت اور ملک الموت کی سختی سے روتا تھا کہ اس تنگ قبر میں میرا کیا حال ہوگا، حکم ہوا چونکہ تم ڈرتے تھے اس لیے میں نے اس رونے کے بدلے تجھے بخش دیا" یہ رونا اور یہ خوف جو آپ کو نصیب ہوا ہے خوشگوار نعمتوں میں سے ہے جو مبارک اور ترقی بخشنے اور باطن کو منور کرنے والا ہے، اللہ جل شانہ کا شکر بجا لائیں اور خوف کے بدلے سے دل تنگ نہ ہوں حدیث پاک میں مذکور ہے کہ "دو خوف بیک وقت کسی میں جمع نہیں ہوتے یعنی ایک خوف دنیا اور دوسرا خوف آخرت" یعنی اگر آخرت کا خوف دنیا میں نصیب ہو جائے تو آخرت سے بے خوف کر دیتا ہے، یہ دیوانگی یہ شورش، یہ پکار، یہ نعرہ، یہ رونا اور یہ ذوق وشوق جو کہ اس وقت تمہیں نصیب ہے اور بلا طلب تم سے ظاہر ہو رہا ہے دوسرے تمنا کرتے ہیں کہ اس قسم کا ایک لمحہ حاصل ہو جائے اور جذب کی قوت سے شوق وجنون غالب آجائے اور صرف ایک ساعت ظاہر و باطن کو ماسوی اللہ سے بیگانہ و بے تعلق کر دے، ہم جیسے سنگ دل اور خشک آنکھوں والے اس حقیقت سے منزلوں دور ہیں:

نعمت والوں کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں

تم نے لکھا تھا کہ ''ایک روز میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس عاجز کے اندر ایک جوش اٹھا اور قریب تھا کہ اس عاجز کے اندر سے درد بھری چیخیں نکل پڑتیں، پوری کوشش سے میں نے اپنے آپ کو چیخنے سے روکے رکھا جس کی وجہ سے سینہ اور پہلو میں درد پیدا ہو گیا ہے''

شکر ادا کریں کہ اس طرح کے جوش میں جان سلامت رہ گئی، بہت سے صوفیہ نے اس قسم کی حالت میں جان دے دی ہے، روایت ہے کہ حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ ایک روز ایک ایسے مجمع کے پاس سے گزرے جو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مصروف تھا اس جماعت کے ذکر الٰہی سے حضرت ابراہیم (خواص) میں ذوق وشوق نے ایسا اثر کیا کہ رقص کرنے لگے سات دن رات تک اسی کیفیت میں رہے، جب ہوش میں آئے تو ازسرنو وضو کیا دو رکعت نماز ادا کی اور سجدہ میں سر رکھ کر تین بار یا اللہ یا اللہ یا اللہ کہا، سر اٹھایا ور جان دے دے۔

''عاشق دوست کی محبت میں بے ہوش ہو جاتا ہے اور اپنے محب کی یاد سے مدہوش ہو جاتا ہے'' (ترجمہ شعر)

تم نے لکھا تھا کہ تیرے مکتوب میں درج تھا کہ اصل کام محبت ہے بے محبت لوگ کہاں پہنچیں گے، اس معنی سے بہت ہی زیادہ رنجیدہ ہے غم و اندوہ میں اس قدر نیچے چلا گیا کہ سر نہیں (۴۳۶) اٹھا سکتا'' میرے مخدوم تعجب ہے کہ میں نے آپ کے بارے میں جب کہ آپ محبت میں منفرد ہیں یہ کلمہ لکھا ہو، جس قدر غور کرتا ہوں میرے دل میں نہیں آتا کہ میں نے یہ کلمہ لکھا ہو چونکہ آپ نے لکھا ہے تو ضرور ہو گا، معلوم نہیں کس طرح یہ کلمہ قلم سے نکل گیا ہے اور اس سے کیا معنی مراد ہیں؟ بہرحال تمہارے رنج وغم کا باعث ہوا ہے:

''دردمندوں کی آمازئش درودیوار سے آتی ہے''

تم دل میں کوئی خیال نہ لاؤ تمہاری محبت تو ظاہر اور واضح ہے جس میں کسی کلام کی گنجائش نہیں ہے۔ والسلام علیکم۔ آپ کا مکتوب مقدس تمام ہوا۔

یہ (خواجہ محمد صدیق پشاوری) کے نام آپ کا پہلا مکتوب ہے دوسری مجلدات میں ان کے نام جو مکتوبات درج ہیں ان میں کمالات کی رغبت کے باوجود شورش احوال بھی واضح ہے۔

اس فقیر دوراز کار (مولف) کو بچپن میں خواجہ محمد صدیق کا جمال باکمال دیکھنے کا موقع ملا تھا اگرچہ وہ صحیح طریقہ سے مجھے یاد نہیں رہا، البتہ جو کچھ یاد رہ گیا ہے تو وہ ان کا شوق اور درد آمیز اور پرسوز نعرے ہیں اگر حضرت خواجہ کی قوت محافظت ان کی حفاظت نہ کرتی تو ان کی روح بھی ان اکابر کی ارواح کی طرح پرواز کر جاتی جن کے قصے مکتوب شریف میں مذکور ہوئے ہیں۔

اس خواجۂ عالی شان (خواجہ محمد صدیق پشاوری) کے آخری ایام حیات میں حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ السامی** اتفاق سے پشاور گئے ہوئے تھے کہ انہیں دنوں خواجہ محمد صدیق کا وہاں انتقال ہو گیا، تو آپ نے ان کے نماز جنازہ کی امامت کی، ان کے اکثر فرزند اور نیازمند یہ کہتے ہیں کہ خواجہ ہمیشہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ میرے آخری وقت کے قریب حضرت سرہند میں سے کوئی موجود ہو جو میرے جنازہ کی نماز کی امامت کروائے، جو قبول ہوئی ....

(خواجہ محمد صدیق پشاوری) کا سال وصال ۱۰۹۲ھ ہے ان کا روضۂ شریف (پشاور) شہر سے باہر باغ گنج علی خان سے متصل ہے جو راستہ کابل کی طرف جاتا ہے پر واقع ہے، ان کو اپنے مزار پر گنبد قبول نہیں تھا بلکہ ان کی قبر شریف ابھی تک کچی

ہے، اس فقیر نے اس کی متعدد مرتبہ زیارت کی ہے، گویا حضرت خواجہ کے انوار کا پرتو اہل بصیرت کے لیے وہاں جلوہ گر ہے............

(خواجہ محمد صدیق پشاوری) کے پانچ چھ فرزند بھی تھے ان میں سے ہر ایک ان حضرات کی محبت سے سرشار ہے، ان میں خواجہ محمد حسین سب سے (جداگانہ شان رکھتے ہیں) عرصہ دراز سے ان کی مجھے کوئی خبر نہیں ہے کہ آیا ان کے بلاواسطہ فرزندوں میں سے کوئی بقید حیات ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو وہ کامل جمعیت سے ہو اور ان امور میں رحمت الٰہی اس کے شامل حال ہو، **و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔**

مرزا امان اللہ برہانپوری

کنز ۳

عارف باللہ مرزا امان اللہ برہانپوری قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۳۸) مرزا امان اللہ کے احوال کی تفصیل معلوم نہیں ہے، کہ لب کشائی کی جائے، ان کا حسب ونسب اور ولادت و وفات کی بھی کوئی اطلاع نہیں ہے، سوائے اس کے کہ حضرت خواجہ نے ان کے ''فضل'' کا خود تذکرہ کیا ہے جس کے سامنے کسی دوسری تعریف کی ضرورت نہیں، چنانچہ مکتوبات (معصومیہ) کی تیسری جلد میں مکتوب بنام مخدوم زادہ شیخ محمد صدیق **قدس سرہ** بھی ان کے فضائل سے عبارت ہے، اس کے سوا اس مکتوب میں اور کچھ بھی تحریر نہیں ہے، حضرت خواجہ کے ممدوح کو کسی ستائش کی احتیاج نہیں ہے اور حضرت کے مقبول کو کس زبان میں خراج عقیدت پیش کریں، مکتوبات (معصومیہ) کی تینوں جلدوں میں بہت سے مکاتیب ان کے نام ہیں جو عالی شان بشارتوں سے بھرے ہوئے ہیں، ان میں سے مکتوبات کی جلد اول کا مکتوب ۲۴ جو کہ ان کے نام پہلا مکتوب شریف ہے، اسے ان کی (علوشان) کی شہادت کے طور

پر نقل کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، اس سے ان کی اعلیٰ استعداد کا اندازہ لگائیے اور پھر یہ سوچیں کہ آخری ایام میں ان کی شان کیا ہوگی؟

فتح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ارسال کرتے ہوئے اللہ کریم کے نام سے آغاز ہے جو رحمٰن و رحیم ہے، برادر میر ضیاء الدین حسین نے برادر عزیز اللہ تعالیٰ اس کو تمام لغزشوں اور آفتوں سے محفوظ رکھے، کا خط قابل قدر تحفوں کے ساتھ پہنچا کر مسرور کیا، حق سبحانہ وتعالیٰ فیوض کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھے اور اپنی عنایات کے ساتھ سر بلند کرے اور جو کچھ آپ نے مولانا ابوالمظفر نبیرۂ شیخ علم اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کے بارے میں دیکھا ہے کہ گویا حضرت ایشاں (مجدد الف ثانی) ان کی طرف متوجہ ہوئے وہ اس لباس سے جو کہ وہ رکھتے تھے عریاں ہو گئے اور ان کو دوسرا لباس پہنایا گیا اور حضرت ایشاں (مجدد الف ثانی) نے فرمایا کہ ان کے ورق کو پلٹ دیا گیا ہے دوسرے واقعہ میں حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا کہ ان کے ورق کو پلٹ دیا گیا ہے اور دوسرے واقعہ میں فرمایا کہ ہم نے انہیں اپنے ساتھ لے لیا ہے اس کے بعد ان کا معاملہ ہی دوسرا ہو گیا۔"

بہت مبارک ہے امید ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی کی خاص نسبت سے بہت زیادہ حصہ حاصل کریں گے اور ان عنایات سے جو کہ اس واقعہ میں آپ کے متعلق ظاہر ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں گے کہ یہ بشارت عظمیٰ ہے جو کچھ آپ نے عجز و عدم ادراک کے غلبہ کے بارے میں اظہار فرمایا تھا اور لکھا تھا کہ دوسری حالت اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتی جو سب سے جداگانہ ہے۔" بے شک جو نسبت وراء الوراء سے

تعلق رکھتی ہے وہ تمام نسبتوں سے الگ ہے (۴۳۹) اس کے ادراک سے عاجز ہونے کے سوا اور کیا نصیب ہوسکتا ہے۔

جو واقعات کہ محمد شاہ نے دیکھے ہیں وہ واضح ہیں بظاہر وہ وقت قطب وقت کے ساتھ بڑی مناسبت رکھتا ہے اوراس کے انوار و برکات سے امیدوار ہے، حق تعالیٰ قوت سے فعل میں لائے واقعات بشارات ہیں، ہمارے بزرگوں نے ان پر اعتماد کلی نہیں رکھا جو کچھ بیداری میں پیش آئے وہ اس شخص کی ملکیت ہے۔

''میں چونکہ آفتاب کا غلام ہوں اس لیے سب کچھ آفتاب ہی سے کہتا ہوں، میں نہ رات ہوں اور نہ شب پرست جو خواب کی بات کروں۔'' (ترجمہ شعر)

وہ واقعہ جس میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام حضرات نے آپ کو کعبہ شریف کے اوپر لے لیا اور کعبہ کی دیوار کے پورا کرنے کا امر فرمایا اور فرمایا کہ یہ کام تجھ سے متعلق ہے اور تکمیل کے بعد ان حضرات نے فرمایا کہ غلاف کعبہ بھی تو ہی پہنا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرات کی مدد سے کعبہ معظّمہ کو جامہ مبارک پہنایا، اس کے بعد سب حضرات نے مبارک باد دے کر مصافحہ کیا، بہت ہی اعلیٰ ہے، جس سے کعبہ شریف کے ساتھ کامل مناسبت معلوم ہوتی ہے، حق سبحانہ و تعالیٰ اس کی حقیقت سے کچھ حصہ عطا فرمائے، حقیقت کعبہ حقائق مخلوقات وحقیقت واجبی جل سلطانہ کے درمیان جو کہ مرتبۂ احدیت ذات تعالیٰ و تقدس ہے برزخ ہے کیوں کہ کعبہ مخلوق کا مسجود الیہ ہے، اس کی حقیقت تمام مخلوق کے حقائق سے ضرور ممتاز ہونی چاہیے چونکہ مسجود ذات حق سبحانہ ہے اس لیے کعبہ کی خلقت بھی اسی مقدس بارگاہ سے ہونی چاہیے، ہمارے

حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ تعالیٰ بسرہ الاقدس نے اس مکتوب شریف میں جو کہ مکتوبات کی تینوں جلدوں میں سے کسی ایک میں شامل نہیں ہے، لکھا ہے:

''حقیقت کعبہ ذات واجب تعالیٰ ہے اس لیے کہ مسجود حقیقت میں وہی مقدس مرتبہ ہے'' جاننا چاہیے کہ مسجود اگر ذات بے چون ہے، لیکن اعتبار مسجودیت کو اس کے ساتھ ملحوظ رکھا گیا ہے اس لیے مرتبۂ احدیت ذات سے جو کہ نسبتوں اور اعتبارات سے پاک ہے نیچے کے درجہ میں ہوگا اور دید و دانش و گرفتاری میں متمیز ہو جائے گا۔

آپ نے دوسرے واقعہ میں لکھا ہے ''کہ حضرت ایشاں (مجددالف ثانی) فقیر کے سر کو اٹھا کر فقیر کی پیشانی کو بوسہ دے کر فرماتے ہیں کہ خبردار ہو جاؤ، فقیر دیکھتا ہے کہ تمام عالم کی توجہ خواہ آفاقی ہو یا انفسی پوری طرح فقیر کی طرف ہے چنانچہ اگر وہ اس توجہ سے محروم رہ جائیں تو سب معدوم ہو جائیں، میں دیکھتا ہوں کہ فقیر کا حلیہ بعینہ حضرت مجددالف ثانی کا حلیہ ہے اور یہ حالت واضح طور پر دیکھتا ہے، حیرت بہت بڑھ گئی کہ یہ کون دیکھتا ہے اور کس چیز کا مشاہدہ کرتا ہے، حضرت فرماتے ہیں حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں جیسا کہ نظر آ رہا ہے'' میرے مخدوم! جو کچھ آپ نے واقعہ میں دیکھا ہے اگر خارج میں ایسا ہو تو یہ قطب الاقطاب کا مقام ہے اور تمام عالم کا اس طرح پر توجہ کرنا اس سے تعلق رکھتا ہے، اس کا لب لباب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مرید صادق فنا فی الشیخ ہونے کی وجہ سے شیخ کی مخصوص حالت کو اپنے اندر محسوس کرتا ہے اور شیخ کے ساتھ اتحاد پیدا کر لینے کے وقت (۴۴۰) اپنے آئینہ میں شیخ کے کمالات دیکھتا ہے قطبیت کے وہ معنی جن کے ساتھ اس کا شیخ

متصف ہے اگر وہ اس وقت اپنے اندر پائے تو کیا تعجب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قطب کے معاون اس معنی کو اپنے اندر مشاہدہ کرتے ہیں اگرچہ اصالت کے طور پر یہ خدمت قطب کے ساتھ وابستہ ہے لیکن اس کی تبعیت وطفیل سے اس کے مددگار بھی اس خدمت میں اس کے شریک ہوتے ہیں جیسا کہ عالم مجاز میں۔ یہ حقیقت وزراء اور سلاطین میں ثابت ہے، بادشاہ کی طرف سے وزارت کا منصب ایک شخص کے لیے ہوتا ہے لیکن اس کے ارکان سلطنت بھی اسی کی طرح مخلوق کا مرجع ہیں:

جان لیجیے کہ ایک جماعت خواب و واقعہ میں اپنے آپ کو بادشاہ یا قطب وقت دیکھتی ہے اور بیداری میں ان سے کسی کے لیے یہ بات ثابت نہیں ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہت یا قطبیت کی صفت ان میں موجود ہے لیکن ضعیف ہے اس قابل نہیں ہے کہ عالم شہادت میں ظہور پائے، اس کے بعد یہ دو قسم کے حال سے خالی نہیں ہے، اگر اس صفت نے قوت حاصل کر لی اور اس قابل ہو گیا کہ عالم شہادت میں ظاہر ہو جائے تو وہ شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی قدرت سے عالم شہادت میں بھی بادشاہ ہو جاتا ہے اور قطب بھی بن جاتا ہے اور اگر اس قدر قوت پیدا نہ کی تو اسی مثالی ظہور کے ساتھ جو کہ بہت ہی ضعیف ظہور ہے کفایت کرتا ہے اور بقدر قوت ظہور پاتا ہے، وہ واقعات بھی اسی قسم کے ہیں جو کہ اس راستہ کے طالب دیکھتے ہیں اور خود کو بلند مقامات میں پاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ ارباب ولایت کے مناصب پر فائز ہو گئے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی (حضرت ایشان ما) **قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کے اصحاب میں سے ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں عرضداشت پیش کی کہ قطب الاقطاب ہونے کی بشارت جو کہ عالم غیب

سے آتی ہے اس کی کوئی اصیلت ہے یا نہیں؟ آنحضرت نے جواب میں فرمایا کہ یہ مقام قطبیت کے کمالات کے حصول کی بشارت ہے نہ کہ منصب قطبیت کے حصول کی جو کہ علم کے ساتھ مشروط ہے کیوں کہ صاحب منصب کو اس کا علم ہوتا ہے۔

انتہیٰ کلام شریف۔ آپ نے اس واقعہ کے ذیل میں لکھا تھا کہ بہت سے حقائق و معارف ظاہر ہوتے اور گزر جاتے ہیں اور ہر ایک کی حقیقت پر اطلاع دیتے ہیں اگر اس میں سے ذرا بھی ظاہر ہو جائے تو نظام عالم میں خلل آ جائے:

قلم یہاں تک پہنچا تو اس کی نوک ٹوٹ گئی

بے شک اللہ کے خاص بندوں پر ایسا ظہور ہوتا ہے جو عوام کے حوصلہ و ہمت سے باہر ہیں ان کا عوام سے چھپانا ضروری ہے اگر وہ ظاہر ہو جائیں تو فتنہ و فساد کا سبب بن جائیں اور بعض امور اس قسم کے ہیں کہ خواص سے بھی اِن کا پوشیدہ رکھنا لازم ہے کیوں کہ وہ امور بعض خاص لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں، مگر اجازت سے بیان کر سکتے ہیں۔

(۴۴۱) آپ نے لکھا تھا کہ "جو کچھ اس ذرۂ بے مقدار پر گزرتا ہے اس کو کس زبان سے بیان کرے جو کہ قول و فعل سے صادر ہوتا ہے دیکھتا ہے کہ تمام صفات قولی و فعلی و حسی و حرکتی پوشیدہ اور علانیہ سب کسی دوسری جگہ سے ہیں اس جسم و صورت (ہیکل و پیکر) کو اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے یہ قالب جدا ہے اور اس کا درک بھی قالب سے الگ ہے اور اس کا تمام عالم کا عدم ہونا ظاہر ہے اور آنکھ اس معنی کے حصول میں اندھی ہے۔"

شاید آپ نے قالب و پیکر سے انسان کے ظاہر و باطن کا مجموعہ مراد لیا ہو

نہ کہ صرف ظاہر جیسا کہ عام طور پر قالب سے یہی مراد لی جاتی ہے کیوں کہ یہ صفات حقیقت میں باطن کے ساتھ قائم ہیں نہ کہ ظاہر کے ساتھ اور جب عارف اپنی ذات کے عدم ہونے پر دانا و بینا ہو جاتا ہے اور حالت فنا کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو باطن کو بھی ظاہر کی طرح صفات سے خالی پاتا ہے اور عدم صرف اور جماد محض خیال کرتا ہے اور ادراک و شعور کو دونوں سے مسلوب دیکھتا ہے بلکہ حقیقت میں فنا و بقا باطن کی صفات میں سے ہے اور بس عارف کا ظاہر ہمیشہ بشریت کی صفات پر قائم رہتا ہے اور اس نے دو بینی (یعنی دو نظر آنے) سے رہائی نہیں پائی اور توحید کے ساتھ وابستہ نہیں ہوا ہے باطن قرب کے درجات میں ہے اور ظاہر اس سے منزلوں دور ہے، ظاہر کے حق میں کمال یہ ہے کہ وہ باطن کے حالات پر اطلاع حاصل کر لے، احوال خاص باطن کے لیے ہیں اور اگر سالک ارباب علم میں سے ہے تو احوال کا علم ظاہر کے لیے ہے اور جب ظاہر اس کے علم سے خالی ہوگا تو ہمیشہ رنج و اضطراب میں رہے گا یہاں تک کہ جو مقدر ہے وہ پورا ہو جائے۔

آپ نے لکھا تھا کہ صبح کی فرض نماز میں ایک کیفیت (وارد) پیش آئی جو کہ کسی اور وقت میں نہیں تھا، خیال میں ایسا ظاہر کیا گیا کہ یہ وہ حالت ہے کہ جس کے بارے میں آنحضرت سرور عالم **صلی اللہ علیہ وسلم** نے فرمایا ہے "میرا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے" اور ایسا بتایا گیا ہے کہ یہ حالت ونسبت آنسرور **علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام** کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ مقرب فرشتے اور نبیِ مرسل کی حالت اور درجہ سے بلند ہے کہ اس مقام کے اسم کا اطلاق بھی نہیں کیا جا سکتا اور اس دولت کا حاصل ہونا اولوالعزم پیغمبر کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ بھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ہے، امت میں سے جس کو بھی اس دولت سے نوازتے ہیں اس نعمت کا ایک لقمہ مل جاتا ہے...... الخ

میرے مخدوم یہ جائز ہے کہ امت کے بعض کامل افراد کو اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خاص دولت سے تبعیت و وراثت کے طریقہ پر حصہ مل جائے کیوں کہ خاص خادم اپنے مالک کے پس خوردہ سے امیدوار ہیں لیکن کبھی یہ معاملہ حقیقت کے طریق پر ہوتا ہے اور کبھی ظل کے اصل کے ساتھ مشابہ ہونے کے طریقہ پر ہوتا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ''لی مع اللہ وقت'' کا راز یہ ہے کہ آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقت، تمام موجودات/ (۴۴۲) ممکنہ کے حقائق پر فوقیت رکھتی ہے خواہ وہ انبیائے مرسلین کے حقائق ہوں یا ملائکہ مقربین کے حقائق، وہ حقیقت بمنزلہ کل ہے اور دوسرے تمام حقائق اس کے اجزا کی مانند ہیں، پہلی چیز جو غیب کی کمین گاہ سے ظہور کے میدان میں آئی اور صادر ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ہے اور مرتبۂ لاتعین کا سب سے پہلا تعین بھی وہی (یعنی حقیقت محمدی) ہے جو تعین حبی ہے وجود و ایجاد سب محبت ہی کی فروعات ہیں اور کہنا سننا اور محبّ و محبوب بھی اس کا ثمرہ ہیں کیوں کہ حب ہی ہے جس نے غیب الغیب کے فضل کو کھولا ہے اور وجود و ایجاد کے کارخانہ کو پھیلایا ہے اور پوشیدہ خزانے کو ظہور دیا ہے اور محبت ہی کا جوش ہے جس نے محبوب کے اسرار کو روشن و ظاہر بنایا اور عشق ہی کی آواز ہے جس نے کہ اس کے جمال و کمال کو پوشیدگی کے پردے سے نکالا، اگر یہ عشق نہ ہوتا تو جمال لازوال سے پردہ کون کھولتا اور اس کے کمال کی شہرت دنیا اور اہل دنیا کے کانوں تک کون پہنچاتا۔

''اگر عشق اور اس کا غم نہ ہوتا تو اس قدر نادر باتیں کون کہتا اور پھر کون سنتا'' (ترجمہ شعر)

یہاں معلوم یہ ہوا کہ حسن خود بے پردہ ہونا چاہتا ہے اور جمال چھپنے کا خیال نہیں رکھتا۔

''پری چہرہ چھپنے کی تاب نہیں رکھتا، اگر تو دروازہ بند کر لے گا تو وہ سوراخ سے سر نکال لے گا'' (ترجمہ شعر)

کیوں کہ حسن کے لیے عشق لازم ہے اور جمال کے لیے محبت دامنگیر ہے۔

''حسن جہاں بھی جلوہ نما ہوتا ہے عشق اس طرف سر بسجدہ ہو جاتا ہے'' (ترجمہ شعر)

اب اصل بات پر آیئے، اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جو قرب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو ذات اقدس تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ کسی دوسری حقیقت کو نہیں ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت ممتاز ہو گا اور کسی پیغمبر اور فرشتہ کو اس وقت میں گنجائش نہ ہو گی، ہاں اگر کسی کی حقیقت کو اس حقیقت الحقائق کے ساتھ طفیلی ہونے یا تبعیت کے طور پر قدرے الحاق حاصل ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ طفیلی ہو کر اس دولت میں شریک ہو جائے لیکن چونکہ اصالت و تبعیت کا فرق ہمیشہ باقی و قائم رہے گا اس لیے ہر لحاظ سے شریک ہونے کی نفی کی گئی ہے بلکہ اگر شرکت ہے تو وہ صورۃً شرکت ہے اور حقیقت میں کچھ شرکت نہیں ہے خادم کو مخدوم کیساتھ کیا شرکت اور طفیلی کو اصل کے ساتھ کیا مساوات اور یہ الحاق و اتحاد حقیقت بعض کامل ترین افراد میں ثابت ہے چونکہ اس حقیقت الحقائق کے لیے مراتب تنزلات میں ظلال اور تمثیلات کے

ظہورات ہیں اس لیے جب کوئی سالک ان ظلال میں سے کسی ظل میں پہنچتا ہے اور ظل اور اصل میں تمیز نہیں کرسکتا تو وہ خیال کرتا ہے کہ اس حقیقت کو پہنچ گیا ہے اور اس خاص وقت میں شریک ہوگیا ہے (۴۴۳) جب کہ ایسا نہیں ہے یہ ظل کے اصل کے ساتھ مشابہہ ہونے کی ایک قسم سے ہے۔

سوال ''لی مع اللّٰه'' کے مقام کا ظل بھی آنسرور عالم **صلی اللّٰہ علیہ وسلم** کے ساتھ مخصوص ہے اور کسی دوسرے کو آپ کے ساتھ شرکت نہیں ہے، پس جو شخص کہ اس مقام کے ظل کو پہنچ جائے تو اس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص مقام میں حقیقی طور پر شریک ہو جانا چاہیے، ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت تمام انبیائے کرام و ملائکہ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اس مقام کی اصل کے اعتبار سے ہے جو کہ قرب کے تمام مقامات سے اوپر ہے نہ کہ اس مقام کے ظل کے اعتبار سے، اس لیے کہ یہ فوقیت وہاں مفقود ہے کیوں کہ ہوسکتا ہے کہ انبیاء و ملائکہ کے مقامات کے اصول میں ظل سے اوپر ہوں اگرچہ ان کے مقامات کے ظلال اس ظل سے نیچے ہوں اگر کہا جائے کہ اس ظل کا ان ظلال پر فوقیت رکھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری فضیلت کے باعث ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ اس ظل کی ان ظلال پر فوقیت دوسروں کے اصول کی اس ظل پر فوقیت کے باوجود جزئی فضیلت کا موجب ہے نہ کہ کلی فضیلت کا جو کہ بحث سے خارج ہے، کیوں کہ ہر شخص اپنے مقام کی خصوصیت کے اعتبار سے دوسروں پر فضیلت رکھتا ہے لیکن یہ فضیلت جزئی ہے، اگرچہ ایک جزئی فضیلت اور دوسری جزی فضیلت میں بھی فرق ہے، کیوں کہ یہ ظل تمام ظلال پر فوقیت رکھتا ہے اور ان سب

کا جامع ہے اس کے باوجود اصول پر نظر کرتے ہوئے یہ فضیلت جزئی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ''لی مع اللہ'' وقت پر فرمایا ہے وہ اصل کے اعتبار سے فرمایا ہے جو کہ تمام مقامات پر فوقیت رکھتی ہے، ظل کے اعتبار سے نہیں فرمایا کیوں کہ فوقیت وہاں نہیں ہے پس سالک جو کہ ظل کے مقامات میں شرکت کا گمان پیدا کر لیتا ہے یہ ظل کے اصل کے ساتھ مشتبہ ہونے کی قسم سے ہوگا۔

سوال: ان اکابر میں سے ہر ایک کی حقیقت دوسرے کی حقیقت سے ممتاز ہے اور کسی شخص کو اصالت کے طور پر کسی دوسرے کی حقیقت میں شرکت نہیں ہے۔ پس ہر کسی کا وقت ممتاز ہوگا اور اس کے خاص وقت میں کسی دوسرے کو کوئی دخل نہ ہوگا، پس ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ کون سی خصوصیت ہوگی کہ جس کے اعتبار سے آپ نے ''لی مع اللہ وقت'' فرمایا، ہم اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ ہر کسی کے خاص وقت میں اگرچہ دوسروں کی شخصی شرکت نہیں پائی جاتی لیکن نوعی شرکت موجود ہے جو کہ مماثلت کا سبب ہے کیوں کہ ہر حقیقت کو دوسری حقیقت کے ساتھ کچھ نہ کچھ اشتراک ہے اور تمام حقائق حقیقۃ الحقائق میں درج ہیں اور حقیقۃ الحقائق کو دوسرے تمام حقائق کے ساتھ کچھ بھی اشتراک نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو ان کے ساتھ شرکت نوعی ہوتی جس سے مماثلت ثابت (۴۴۴) ہوتی، پس آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص وقت میں دوسروں کو نہ تو نوعی شرکت ہے اور نہ شخصی شرکت۔ ایک اور جواب یہ ہے کہ حقیقت آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے وہ کل ہے اور دوسروں کے حقائق اس کے اجزا کے درجے میں ہیں اور یہ مسلم ہے کہ جو کمال جزو کے لیے ثابت وہ کل کے لیے بھی ثابت

ہے، لیکن اس کے برعکس ثابت نہیں ہے، پس دوسروں کے کمالات میں ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرکت ثابت ہو گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص کمال میں دوسروں کو شرکت نہیں ہو گی اور حدیث ''لی مع اللہ وقت'' صادق ثابت ہو گی، بلکہ ہم کہتے ہیں کہ جن لوگوں کے حقائق اسمائے کلی کی جزئیات ہیں یا ان اسماء کی جزئیات کی جزئیات ہیں ہمارے پیغمبر علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان میں شرکت ہے اس لیے جو شخص جزو کے جزو سے موسوم ہو وہ صاحب اسم جزئی کے دائرہ کے تحت ہے اور یہی نسبت صاحب اسم جزئی کو صاحب اسم کلی کے ساتھ ہے پس سمجھ لیجیے یا ہم یہ کہتے ہیں کہ اس قسم کی عبارت سے فوری طور پر ذہن اس طرف آجاتا ہے کہ صاحب عبارت کے وقت کو دوسروں کے وقت پر فوقیت اور عدم مماثلت و مشارکت ہے۔ اس عبارت کے صدور میں خصوصیت محض کافی نہیں ہے پس اس عبارت کا مصدر آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے نہ کہ کوئی اور، کیوں کہ اس میں فوقیت و عدم مماثلت و مشارکت مفقود ہے اگرچہ یہ خصوصیت ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ ''میں ایک روز حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں حکم ہے کہ آج تیرے عقد کا دن ہے، میں حق سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ تیرا عقد کرتا ہوں، اس وقت فقیر پر ایک ایسی حالت ہے جس کو بیان نہیں کر سکتا، فرمایا کہ ہم نے دنیا اور آخرت کو تیرے مہر میں دے دیا...... الخ جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ عقد سے مراد شاید اللہ تعالیٰ کے اس اسم کے ساتھ عقد ہو جو اس شخص کا مبدأ تعین ہے یا اس اسم کے اصول کے ساتھ جو کہ شیون و اعتبارات ذاتیہ پر ختم ہوتے

ہیں اور عقد سے مراد اسم یا اس اسم کے اصول تک وصول ہے اور اس اسم کا وصول اس کے ساتھ فنا و بقا کا حصول ہے کہ ولایت اور اسلام حقیقی کا حاصل ہونا اس پر موقوف ہے چنانچہ شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ جب تک تو اپنی ماں سے جفتی نہ کرے مسلمان نہیں ہوگا یعنی جب تک تو اس اسم کے ساتھ جو کہ تیرا مبداء تعین ہے متحقق نہیں ہوگا مسلمان نہیں ہوگا، مختصر یہ ہے کہ جب تک معاملہ اصول کے ساتھ یا اصول اصول کے ساتھ فنا و بقا اور حصول و تحقیق کی نسبت کا حاصل ہونا مقصود ہے اور جب یہ کام اصول سے اوپر چلا جاتا ہے اور فنا و بقا اور حصول و تحقیق کی نسبت کا حاصل ہونا متصور ہے اور جب کام اصول سے اوپر چلا جاتا ہے اور فنا و بقا اور حصول و تحقیق کی نسبت کا حاصل ہونا متصور ہے اور جب کام اصول سے اوپر چلا جاتا ہے اور اصول ظل کی مانند راستہ میں رہ جاتا ہے اور معاملہ ذات غیب تعالیٰ سے جا پڑتا ہے تو مذکورہ بالا نسبتوں میں سے کچھ بھی (۴۴۵) وہاں متصور نہیں ہوگا، آیۃ شریفہ ہے (ترجمہ) ''اس نے کسی کو نہیں جنا ہے اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے اور نہ اس کی کوئی مثل ہے'' اسی مقام کا پتا دیتی ہے۔

''لَا اور ھُوَ اس بارگاہ مقدس سے اس حال پر لوٹتے ہیں کہ جیب اور تھیلی خالی ہوتی ہے'' (ترجمہ شعر)

یہ جو فرمایا ہے کہ دنیا اور آخرت کو تیرے مہر میں دے دیا گیا ہے اس سے مراد ہے کہ جو کچھ کہ اسم کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور اسم کی جامعیت کے لائق ہے جیسا کہ ہمارے حضرت (مجدد الف ثانی) نے لکھا ہے کہ ''ہر شخص کی بہشت اس اسم الٰہی کے ظہور سے عبارت ہے جو اس شخص کا مبداء تعین ہے اور اس اسم نے اشجار، انہار اور حور و قصور کے لباس میں

ظہور فرمایا ہے اسمائے الٰہی کی بلندی و پستی اور جامعیت و عدم جامعیت میں تفاوت و فرق کے مطابق جنت کے درجات میں بھی تفاوت و فرق ہے اور ہو سکتا ہے'' اور ممکن ہے کہ مراد آنسرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقد ہو کیوں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شریعت اور احکام الٰہی کے مظہر ہیں تو یہ عقد شریعت کے ساتھ ہوگا خواہ ظاہر شریعت ہو یا ظاہر و باطن دونوں کے ساتھ ہو اور عقد سے کنایہ احکام شرعیہ کے ساتھ آراستہ ہونا اور سنن پسندیدہ کے ساتھ مزین ہونا ہے اور شریعت کا باطن حقیقی اسلام ہے اور اس کے ساتھ متصف ہونا اولیاء اللہ کے قدموں کا انتہائی مقام ہے اور ہو سکتا ہے کہ عقد سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کے ساتھ وابستگی ہو جو کہ حقیقۃ الحقائق ہے جیسا کہ اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

آپ نے دوسری جگہ لکھا تھا کہ ''اس حالت میں ظاہر کیا گیا کہ یہ مقام لاتعین ہے'' آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں تک سیر و سلوک ہے تمام ترقی اور عروج مراتب تعینات میں ہے، مراتب تعینات کے اوپر قدم رکھنے کی جگہ نہیں ہے اگرچہ عروج کے وقت بلاتعین ظاہر ہو حقیقت میں تعین کے پردے کے بغیر نہیں ہے، لاتعین میں قدم رکھنا وجوب کے ساتھ متحقق ہونا ہے جو کہ محال ہے ہاں اس بارگاہ میں نظری وصول شاید محال نہ ہو۔

آپ نے قبر کا معاملہ منکشف ہونے کے بارے میں تحریر کیا تھا اور لکھا تھا کہ ''قبر میں میری ایسی حالت ہے جو تحریر و تقریر میں نہیں آسکتی شرح و بیان سے باہر ہے، اس وقت حال دوسرا ہے جو کہ اس عالم کے مانند نہیں ہے، اس مقام میں سرور و حضور اس عالم سے ہے کہ عالم دنیا کو مطلق اس

کا تصور اور خبر نہیں ہے''، بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جو شخص مر گیا پس اس کی قیامت قائم ہو گئی جو معاملہ آخرت سے تعلق رکھتا ہے اس کا آغاز قبر سے ہوتا ہے قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے، تمام دنیا ظلی ظہورات اور مثال نمونوں کا مقام ہے ''کسی علیل کو شفا نہیں بخشتے اور کسی پیاسے کو سیراب نہیں کرتے'' میں اسی امر کی خبر دی ہے۔ نہ طالب صادق کو اس سے سیری (۴۴۶) حاصل ہے اور نہ پیاسے کو سیرابی ہے (آیۃ کریمہ ہے) (ترجمہ) ''اس سراب کی طرح جو چٹیل میدان میں ہے جس کو پیاسا سمجھتا ہے کہ پانی ہے'' دنیا کھیتی اور کام کرنے کا مقام ہے اور طاعت و عبادت کی جگہ ہے، دنیا آخرت کے لیے کھیتی ہونے سے زیادہ نہیں ہے کہ آخرت ہی ظہور اصل کا محل ہے اور بطریق کمال لقا (دیدار خداوندی) کا مقام ہے اور آخرت کا معاملہ برزخ صغریٰ سے شروع ہوتا ہے جو قبر ہے (جیسا کہ آیۃ شریفہ ہے) (ترجمہ) ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا امیدوار ہے پس اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا وقت آنے والا ہے'' پس قبر کا معاملہ دنیا کے معاملات کی طرح نہیں ہے اگرچہ برزخ ہے لیکن وہاں اس مقام کے معاملات غالب ہیں، ہاں نماز ہے جو کہ دنیا میں اصل کا نشان رکھتی ہے اور ظلی ظہورات سے اعراض کرنے والی ہے، حدیث پاک میں آیا ہے کہ بندہ اور حق سبحانہ و تعالیٰ کے درمیان جو پردہ ہے وہ نماز میں اٹھا دیا جاتا ہے اور حدیث شریف میں یہ بھی تحریر ہے کہ سجدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کے دونوں قدموں پر سجدہ کرتا ہے، پس اللہ تعالیٰ سے اس حالت کو طلب کرنا اور اس کی رغبت کرنا چاہیے، نماز صورت کے اعتبار سے اگرچہ دنیا سے ہے لیکن حقیقت میں

آخرت سے ہے اس لیے کہ یہ مومن کی معراج ہے جو چیز کہ آخرت سے تعلق رکھتی ہے وہ اس میں سے کچھ حصہ دلا دیتی ہے۔

میرے مخدوم آپ کا ایک خط اس خط کے بعد کہ جس کو میر ضیاء الدین حسین لائے تھے ملا، اس خط میں آپ نے لکھا ہے کہ ان دنوں میں ایسے حالات گزر رہے ہیں کہ یہ بندہ ان کے لکھنے اور بیان کرنے سے عاجز ہے، اکثر نماز میں ایسی حالت پیش آتی ہے کہ شرح و بیان سے باہر اور کیفیت سے ماوراء ہے عجیب وغریب امور اور اسرار وارد ہوتے ہیں ......

الخ فرض نماز ان کمالات میں جو کہ پہلے بیان ہو چکے ہیں تمام نمازوں سے ممتاز ہے، قرب فرائض کو قرب نوافل سے کیا نسبت، ان کمالات کی ابتداء میں نوافل کے ساتھ لذت بخشتے ہیں اور انتہا میں یہ حالت قرب فرض نمازوں پر موقوف ہے اور اس کے باہر گویا معطل اور بیکار ہے، حدیث میں ہے ''اے بلال مجھ کو نماز کے ساتھ راحت پہنچا'' گویا اس کمال کی نشاندہی کرتی ہے کیوں کہ فرائض ہی ہیں جو کہ بلال رضی اللہ عنہ کی دعوت اذان سے وابستہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی راحت کو اس میں فرمایا، نوافل کا دائرہ وسیع ہے، حضرت بلال کی اذان کے ساتھ مقید اور ان کے بلاوے پر موقوف نہیں ہے ان کی زیبائش و آرائش فرائض کے لیے ہے جو کہ بے نشان کا کچھ پتا رکھتی اور مطلوب کی خبر لاتی ہے:

''اگر وہ چاند میری آغوش میں آ جائے تو میرے گریباں سے صبح طلوع ہو''۔

جاننا چاہیے کہ وہ آداب ونوافل جو کہ فرائض کو مکمل اور پورا کرنے والے ہیں وہ فرائض میں ہی شمار کیے جاتے ہیں ان کی رعایت جس قدر زیادہ کی

جائے گی فرض کا نتیجہ اس قدر زیادہ اچھا نکلے گا، بلکہ موکدہ سنتوں میں بھی یہ نسبت اثر کرتی ہے کہ گویا وہ فرائض کو مکمل کرنے والی ہیں اور یہ اس مکتوب کا اخیر ہو جانا چاہیے۔ الحمد للّٰہ اولاً و آخراً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول محمد وآلہ دائماً و سرمد و علیٰ جمیع (۴۴۷) الانبیاء و المرسلین و علیٰ ملائکۃ المقربین و سائر الصالحین اجمعین، آمین۔

آنجناب (مرزا امان اللہ برہانپوری کا مسکن اور مدفن دارالسرور برہانپور ہے......

شیخ ابوالمظفر برہانپوری

کنز ۴

عارف اکبر شیخ ابوالمظفر برہانپوری قدس سرہ کے بعض احوال

(۴۴۸) شیخ ابوالمظفر برہانپور کے اکابر شرفاء میں سے تھے، ان کے دادا (جد شریف) شیخ علم اللہ وہاں کے مشہور مشائخ میں سے تھے ان کا نام حضرت خواجہ کے مکتوب شریف کے آغاز میں ایک تقریب سے آ چکا ہے جو اس سے پہلی کنز میں نقل کر آیا ہوں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ارادت شروع میں مرزا امان اللہ (برہانپوری) کی خدمت میں تھی، اس کے بعد ان کی رضامندی سے انہوں نے حضرت خواجہ کی صحبت میں فیض حاصل کیا اور وہاں اپنا کام (حصول علم سلوک) مکمل کیا، کہتے ہیں کہ شیخ ابوالمظفر اپنے علم عمیق کے ساتھ ظاہری وجاہت بھی رکھتے تھے، انہوں نے اس بحر معرفت کی غواصی کی تھی جس کا سرچشمہ فیوض معصومی ہے، جو وصف بیان سے مستغنی ہے، ان کے احوال کی تفصیل کے لیے حضرت خواجہ کے مکتوبات قدسی آیات کی دو آخری جلدیں طلب کرنی چاہیں، مختصر یہ کہ انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی جس نسبت خاصہ کی امید لگائی ہوئی تھی وہ حضرت خواجہ کی بشارات سے حاصل ہو گئی

جس کا ذکر مذکورہ بالا مکتوب میں کیا جا چکا ہے، اور اس وقت تک وہ مرزا (امان اللہ) کی صحبت میں تھے، اس کے بعد ان کے کام (سلوک) نے دوسری ہی شکل اختیار کر لی اور ایک اور لاکھ کا فرق محسوس کیا بلکہ اس سے بھی زیادہ، کمالات ولایت کو کمالات وراثت سے بھلا کیا نسبت یہ گویا اس طرح ہے جیسے قطرہ کو دریا سے نسبت ہوتی ہے، یہ دونوں ایک جنس سے ماخوذ ہیں یعنی اول میں قلت اجزا ہے اور دوسری میں کثرت ہے، یہاں نسبت بھی مفقود ہے، انہیں یہ بشارت مراتب ولایت کے حصول کے دوران بالکل ابتدائی زمانہ میں دی گئی تھی، اس کے بعد کو صحبت قیومی کے تصرفات سے کمالات ولایت کی ان میں کثرت ہوگئی، یہاں تک کہ ان کا کام کمالات وراثت تک پہنچ گیا،

سیادت پناہ مرحوم میر محمد عیسیٰ برہانپوری رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً سے روایت ہے پہلے تو وہ دلیل جو شیخ ابوالمظفر کے کمال کو ظاہر کرتی ہے فکرمندی کے ساتھ سماعت فرمایئے، حضرت خواجہ کے وصال کے بعد جب شیخ صاحبزادگان کے ساتھ تعزیت اور فاتحہ خوانی کے لیے سرہند آئے تو ان کی حضرت خواجہ کی زندگی میں بھی مخدوم زادۂ ثالث مروج الشریعت قدس سرہ سے زیادہ اخلاص و محبت تھی اس لیے انہوں نے آپ کی خدمت میں رجوع کیا اور توجہ کی درخواست کی جس پر آپ نے کسر نفسی کا بہت زیادہ اظہار فرمایا لیکن جب ان کی عاجزی حد سے بڑھ گئی تو اپنی زبان مبارک سے فرمایا:

احمر

میں چند روز تک خود اپنی پرورش (مشق سلوک) کروں گا اور تمہارے ساتھ کچھ دیر بیٹھوں گا کہ تم حضرت قطب الاقطاب (خواجہ محمد معصوم) کے اکابر اصحاب میں سے ہو، بظاہر تین دن کے مراقبات کے بعد (فرمایا) کہ حق بین دل چاہتا تھا اور اس شیخ (ابوالمظفر) کی صحبت توجہ سے خود کو آراستہ کرلیا، اس سے فراغت کے بعد ارشاد فرمایا

کہ حضرت خواجہ نے انہیں جو آخری بشارت دی تھی وہ یہ ہے کہ میں خود تجھے سیر و سلوک میں دو انگشت سبابہ اور وسطی کی طرح شمار کرتا ہوں، میں نے تم میں یہی قسم پائی ہے، اس قسم کی شاندار بشارتوں سے ان کی شان اور عالی مرتبہ کا پتا چلتا ہے......

(شیخ ابوالمظفر) کا مولد، مسکن اور مدفن شہر برہانپور ہے اس فقیر (مولف) نے ان کے مزار کی زیارت کی ہے، ان کے فرزند رشید جن کا نام شیخ ابوالخیر تھا کامل انکساری کی صفت سے موصوف تھے بلکہ غالب گمان ہے کہ انہوں نے حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ سے خلافت بھی حاصل کر لی تھی، وہ دقیق کتب کے درس کا شغل فرماتے تھے، میں نے انہیں دیکھا ہے لیکن عرصہ ہوا کہ وہ اس دار پرملال سے آخرت کا سفر اختیار کر چکے ہیں۔

اس فقیر (مولف) نے جناب شیخ ابوالمظفر کے کئی تصرفات (کرامات) اس شہر (برہانپور) کے باشندوں سے سنے ہیں، لیکن اب ان میں کچھ بھی یاد نہیں ہے اس لیے ان میں سے کچھ بھی نہیں لکھ رہا ہوں، تاکہ اختلاف کے کسی حرف کی بھی گنجائش نہ رہے اور کتاب (مقامات) معصومی صدق امانت سے آراستہ رہے اور اصحاب کے نزدیک وہ پر خطر نہ ہو اور پھر خجالت کا احساس بھی نہ رہے...... [1]

---

[1] شیخ ابو المظفر کا مزار برہانپور کی عیدگاہ کے قریب ہے ان کے خلیفہ مولانا سید عنایت اللہ بالا پوری (ف ۱۱۱۷ھ) ان کے فرزند مولانا منیب اللہ (ف ۱۱۶۱ھ) اور ان کے بیٹے مولانا سید قمر الدین اورنگ آبادی (ف ۱۱۹۳ھ) مولف مظہر النور وغیرہ) ان کے فرزند نور الہدیٰ (ف ۱۲۱۰ھ شارح مظہر النور) ان کے بیٹے نور المقتدیٰ خان حیدر آبادی تھے جن کی اولاد میں نواب قادر الملک تھے۔ بالا پور میں سید عنایت اللہ کی اولاد میں سے مولوی سید معصوم (ف ۱۲۹۷ھ) سجادہ نشین تھے (تاریخ برہانپور مولفہ خلیل الرحمٰن ص ۱۹۲-۱۹۳)

شیخ محمد علیم جلال آبادی

کنز ۵

عارف اسرار کریم شیخ محمد علیم جلال آبادی قدس سرہ کے مختصر احوال

آپ خوبان روزگار اور بڑی بصیرت والے اصحاب میں سے تھے، ان کے اخلاق، محاسن اور فصاحت کلام اس قدر سن رکھے ہیں کہ اس کٹی ہوئی زبان والے قلم میں ان کے بیان کی سکت ہی کہاں ہے اور حضرت خواجہ کے مکتوبات کی تیسری جلد میں ان کے نام مکتوبات میں بکثرت بشارتیں درج ہیں، آخر زمانہ میں انہوں نے حضرت خواجہ سے بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) کے لیے خلافت حاصل کر لی تھی اور فوج میں رہ کر کثیر تعداد کو راہ راست پر لائے تھے مکتوبات (معصومیہ) کی پہلی جلد کا ایک مکتوب اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ اگرچہ وہ ان کے آغاز سلوک کے معارف سے متعلق ہے، اسے بطور تبرک نقل کر رہا ہوں اور وہ مکتوب نمبر ۲۸ ہے:

فتح

الحمد للّٰہ و سلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی، برادر عزیز شیخ علیم کا صحیفہ شریفہ موصول ہو کر باعث مسرت ہوا، آپ نے لکھا تھا کہ ''خطرۂ قلبی اس طرح دور ہو گیا ہے کہ تکلف کے ساتھ بھی خطرہ نہیں گزرتا'' میرے مخدوم یہ معاملہ فنائے قلب سے تعبیر کیا گیا ہے یہ گویا پہلا کمال ہے جو دوسرے کمالات کے لیے شرط ہے۔ اور آپ نے لکھا تھا کہ ''اپنی رضا و اختیار کو اللہ سبحانہ کی رضا اور اختیار میں گم پاتا ہوں'' ایسا دیکھنا بھی فنا کے شعبوں میں سے ہے، جب یہ معاملہ انجام کو پہنچ جاتا ہے تو پھر کوئی مراد اس کے سینے کی وسعت میں نہیں رہتی اور ارادے بھی مرادوں کی طرح فنا ہو جاتے ہیں، اس کے بعد وہ فنا سے بقا کے مقام میں آتا

ہے تو اس وقت اس کو صاحب ارادہ بنا دیتے ہیں اور اپنے پاس سے اراہ عطا فرماتے ہیں۔

آپ نے لکھا تھا کہ ''حق تعالیٰ کا کرم اور عنایت کا بہت زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے اس کے پہلے کچھ عرصہ تک اپنی ذات کو اللہ تعالیٰ کی ذات کا اور اپنی صفات کو اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر جانتا تھا، اب معلوم ہوتا ہے کہ میں کچھ نہیں ہوں اور سب اسی سے ہے...... الخ یہ معاملہ بقا کے ساتھ وابستہ ہے، لیکن جو کچھ آپ پہلے جانتے تھے وہ قَابَ قوسَیْن سے مشابہت رکھتا تھا اور جو کچھ اب معلوم ہوتا ہے وہ اَوْ اَدْنٰی سے مناسبت رکھتا ہے، حق سبحانہ اَوْ ادْنٰی کی حقیقت سے کچھ حصہ عطا فرمائے اس لیے کہ جو کچھ آپ نے لکھا ہے اندراج کے طریقہ پر ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لائیں کہ قلت (۴۵۱) صحبت کے باوجود آپ پر اس قسم کے واردات ہونے لگے ہیں۔

آپ نے اپنے دوستوں کے احوال بھی لکھے تھے کہ اس قدر قلبی ذکر اور یادداشت رکھتے ہیں'' آپ نے شاید یادداشت سے قبل کی دوام آگہی مراد لی ہے نہ کہ وہ یادداشت جس کے بارے میں ہمارے حضرت قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ نے اپنے بعض مکاتیب میں لکھا ہے جو کہ کامل منتہیوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

آپ نے مولانا یار محمد کے بارے میں لکھا تھا کہ ''اس کے قلب سے خطرہ اس حد تک دور ہو گیا ہے کہ تکلف سے بھی نہیں آتا اور وہ کہتا ہے کہ میں اپنے قلب میں آفتاب کے ذرات کی مانند دیکھتا ہوں جو کہ جوش مارتے ہیں، اکثر اوقات اپنے آپ کو گم پاتا ہوں اور اپنے قلب کو کبھی اس قدر وسیع پاتا ہوں کہ اگر دنیا و مافیہا کو اس میں سمو دیں تو سما جائے ...... الخ

میرے مخدوم اس طرح ہر قلبی خطرہ کا دور ہونا اسمائی وصفاتی انوار کے ظہور کے بغیر نہیں ہوتا جب تک تو انہیں نہ پائے رہائی نہ پا سکے گا۔ دل میں ذرات آفتاب کی مانند مشاہدہ کرنا اس راستہ کی کیفیات سے ہے اور قلب کو وسیع پاتا بھی اسی سے ہے، اس لیے کہ اس عالم کا ان انوار کے مقابلہ میں کوئی شمار نہیں ہے اس دوست کا ایسا دیکھنا اس کی بلند فطرتی اور بلند استعداد کی خبر دیتا ہے، حقیقی علم اللہ سبحانہ ہی کو ہے، اگر یہ دوست کچھ عرصہ یہاں گزارے اور سرہند کی سیر کرے تو بظاہر لاحاصل نہیں ہوگا، دیگر یہ کہ اس سے پہلے فقیر نے ملاحسن علی کے خط میں لکھا تھا کہ جس تعداد کی آپ کو اجازت دی گئی تھی اس سے دو چند کی اجازت ہے اب بتا رہا ہوں کہ چار گنا تعداد کو طریقہ سکھائیں۔ والسلام۔

اس کے بعد شیخ محمد علیم نے متداول بشارتیں حاصل کر لیں اور حضرت خواجہ کے اکابر خلفاء میں شمار کیے گئے، ان کا مدفن دارالخلافہ شاہ جہان آباد ہے، ان کا مولد جلال آباد (افغانستان) کے نواح کا (قصبہ) کندی باغ ہے، رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

شیخ محمد باقر لاہوری

کنز ۶

عارف باللہ القادر شیخ محمد باقر لاہوری قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۵۲) اعلیٰ اخلاق کے مالک اور بہت مقبول تھے، آخر کار انہوں نے مصلحت اسی میں جانی کہ خدمات (مفتی لاہور) اختیار کر لیں، جس میں انہیں بہت قبولیت ہوئی جس کے ذریعہ بعض اہل حاجت کی حاجت روائی ہوئی، مکتوبات (معصومیہ) کی تیسری جلد میں ان کے نام مکاتیب میں جس قدر بشارتیں درج ہیں شاید کسی اور خلیفہ کے نام

ان کا نصف حصہ بھی نہ ہو جو اس مبارک جلد کا مطالعہ کرنے والوں پر روشن و ہویدا ہے۔

انہیں بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) کی تربیت کے لیے حضرت خواجہ نے خلافتؒ دی تھی، انہوں نے فوج کے ایک بڑے حصے کے دلوں کی تسخیر کی، حضرت خواجہ نے مکتوبات کی تیسری جلد کے ایک مکتوب بنام بادشاہ میں انہیں اپنا فرزند بھی لکھا ہے، بادشاہوں میں جو بدعات رائج ہو گئی تھیں اور جن کا ختم ہونا ممکن نہیں تھا وہ محض ان کے کہنے پر ہی ختم کر دی گئیں۔

ہندوستانِ کے بادشاہوں میں عرصہ دراز سے یہ رسم چلی آ رہی تھی کہ (کھانے کے دوران) ہر لقمہ کھانے کے بعد اپنی انگلیاں صاف کرتے تھے تاکہ ان پر چکنائی کا نشان باقی نہ رہے اور پھر دوسرے لقمہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے تھے اور یہ سب کچھ کھانے کے آخر تک جاری رہتا تھا، بادشاہ نے شیخ محمد باقر کی بات سنی یہ کہتے ہوئے شیخ کا بادشاہ پر تصرف بھی جلوہ گر ہوا کہ شیخ اس کام سے منع کر رہے ہیں، جب شیخ نے ایسا کام کرنے سے منع کیا تو بادشاہ نے کہا کہ شیخ جی میں آپ کا یہ حکم مانتا ہوں، اور پھر کبھی ایسا نہیں کروں گا، لیکن جس مسند (شاہی) پر میں بیٹھا ہوا ہوں اگر آپ بیٹھیں تو آپ پر حقیقت حال واضح ہو کہ اس میں کس قدر نخوت اور کئی قسم کے غرور ہیں کہ (لوگ) کس طرح دست بستہ میرے سامنے کھڑے ہیں۔

اس کے بعد شیخ تو لاہور کی خدمات (مفتی لاہور) میں ''مبتلا ہو گئے'' لیکن یہ معاملہ بالکل مختلف تھا کیوں کہ یہ خدمت جبراً نہیں تھی کیوں کہ بادشاہ حضرت خواجہ کا منظور نظر تھا۔

شیخ محمد باقر لاہوری کئی عمدہ کتابوں کے مصنف ہیں، انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر مختصر طور پر تحریر کی ہے اور (حضرت مجدد الف ثانی کے) مکتوبات کی چھ جلدوں میں سے مشکل مقامات کی شرح اپنی استعداد کے مطابق کی ہے، اور مکتوبات میں شامل متفرق اسرار موضوعاتی اعتبار سے بغیر کسی ردوبدل کے یکجا کر کے جداگانہ کتاب

(۴۵۳) مرتب کی ہے، (یعنی کنز الہدایات)

حضرت قبلہ گاہی قطب الاقطابی (شیخ محمد فضل اللہ) کی بیاض خاصہ میں شیخ محمد باقر نے ان کے امر کے مطابق اپنے احوال (باطنی) بدست خود لکھے ہیں، جو بعینہ یہاں نقل کر رہا ہوں:

فتح

الحمد للہ رات گیارہ ذی الحج ۱۰۸۸ھ کو میں حضرت مجدد الف ثانی اور قیوم زمانی (حضرت خواجہ) کے روضۂ منورہ کی زیارت کے لیے لاہور سے دارالارشاد (سرہند) کی طرف روانہ ہوا تو میں نے دیکھا کہ حضرت خواجہ اور حضرت مجدد الف ثانی نے نہایت عنایت فرماتے ہوئے لاہور سے ہی میرا استقبال شروع کر دیا، یہاں تک کہ آپ اس حزن کے شہر میں تشریف فرما ہوئے اور اس کے بعد اس دیار فیض آثار (سرہند شریف) پہنچنے پر جب دونوں مزارات (حضرت مجدد الف ثانی و حضرت خواجہ) سے عنایات کا مفہوم ہوا جن کی اجازت کے بغیر تفصیل بیان کرنا نامناسب نہیں ہے، مختصر یہ کہ نعمتوں کے خوان حضرت خواجہ کی طرف سے مرحمت ہوئے اور ان دونوں حضرات کی طرف سے ایسے عجیب و غریب خزانے مرحمت ہوئے کہ جن کی نہایت معلوم نہیں ہے، ان دنوں طبیعت غفلت کی طرف مائل ہے، یہ ظاہر کیا گیا کہ اگر تم حضور اور مراقبہ بہت زیادہ کرو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا اس دار پرملال سے انتقال کا وقت قریب ہے، اس کی وجہ کیا ہوسکتی ہے:

رشتۂ درپاء من افگند دوست
می کشد ہر سو کہ خاطر خواہ اوست

معارف آگاہی مورد فضل الٰہی (شیخ محمد فضل) کے ایما پر نہ ختم ہونے والے کلمات میں سے دو کلمے لکھ دیے ہیں، تم کلامہ قدس سرہ

شیخ محمد باقر لاہوری نے اپنا اور اپنے شہر کا نام اشارہ کے طور پر حروف مفردات میں (اس تحریر کے آخر میں) یوں لکھا ہے:

ب اق ر   لا ہ و ر ی

اس کے بعد دوسرے صفحہ پر یہ بھی تحریر فرمایا:

له الحمد چونکہ صاحب بیاض ہذا (شیخ محمد فضل اللہ) سلمہ اللہ تعالیٰ کا دلی میلان بعض مشہور خصائص کی تحریر اور صفحہ گزشتہ کی تحریر پر اکتفا کرنے پر نہیں ہے کیوں کہ میرے پیر دستگیر اس احقر خدام پر توجہات فرمائیں اور حضرت خواجہ سیف الدین مدظلہ نے مقام تفضّل کی بشارت دی اور حروف مقطعات و متشابہات اور محبوبیت اور خصائص رمزی از نسبت اصالت بلکہ اس کی واضح تصریح بھی کر دی، لاہور کی مداریت کے علاوہ ولایت محمدی و احمدی اور دوسری بشارتوں (۴۵۴) سے نوازا، ولایات ثلاثہ، حقائق ثلاثہ بلکہ فوق تعین جبی سے بھی بہت ہی کم وقت میں نوازا اور فرمانے لگے کہ تمہارا معاملہ تو خرق عادت سے وابستہ ہو گیا ہے، حضرت خواجہ کے وصال کے بعد (حروف) مقطعات و متشابہات اور دوسرے کئی اسرار اور پھر دوسرے کئی اعضا کا تعین اور ملاحت و صباحت امور کی بالیدگی کہ جن کا لکھنا نامناسب ہے، آنحضرت قبلۂ دو جہانی (حضرت خواجہ سیف الدین) فرماتے تھے کہ تمہاری تنقیح کو ہماری تصدیق و تسلیق کی ضرورت نہیں ہے یہ اسی کا ثمر ہے قبلۂ دو جہانی کی فرط محبت......

اس کے بعد جو نکات اس بیاض میں لکھے تھے وہ شیخ محمد باقر نے اپنے لعاب یا پانی سے صاف کر دیے ہیں اور انہیں بے وقعت جانا اور اس میں مصلحت سمجھی اس کے بعد دو تین سطریں رہنے دیں جن کا کچھ مفہوم سمجھ میں نہیں آتا، اسی لیے صرف اتنا ہی نقل کرنے پر اکتفا کی ہے۔

اس فقیر (مولف) کی شیخ محمد باقر سے متعدد مرتبہ صحبت رہی ہے میں نے ان کی صحبت سے حظ کامل حاصل کیا ہے، ان کی ہر بات سے معرفت کی سیر حاصل ہوئی، چنانچہ اس متبرک بیاض میں انہوں نے جو کچھ لکھا تھا اس درویش (مولف) کے سامنے بھی بیان فرمایا، ان دنوں ان کی طبیعت غفلت [۱] کی جانب بہت زیادہ مائل ہے، اگر حضور و مراقبہ کرو گے تو اس جہاں سے جلد ہی انتقال ہو جائے گا، ایک مجلس میں اس فقیر (مولف) کے سامنے بیان کیا کہ جب شہزادہ معظم بہادر شاہ ملتان اور کابل کی صوبہ داری پر متعین ہو کر یہاں (لاہور) سے گزرا تو مجھے لاہور میں ملازمت (مفتی لاہور) کی وجہ سے اس کا استقبال کرنا پڑا، جس کی میرے دل میں بہت ہی خجالت تھی کہ جب میرے ارشاد کا غلبہ اور میری مشیخت کا طنطنہ بج رہا تھا تو معاملہ ہی دوسرا تھا اب تو نوکری کا معاملہ درمیان ہے، دیکھیے صحبت کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے، پالکی پر سوار ہوتے ہی کیا دیکھتا ہوں کہ ایک طرف تو حضرت مجدد الف ثانی تشریف فرما ہیں اور (پالکی کے) دوسری جانب حضرت خواجہ تشریف لائے ہیں اور اپنے اس مخلص کو بہت ہی تسلیمات کہہ رہے ہیں کہ تیری عزت عین ہماری عزت ہے۔ اور ہم کسی مقام اور معرکہ میں تجھ سے جدا نہیں ہیں، اب میں پوری جمعیت کے ساتھ پورے شاہی آداب بجا لاتا ہوا استقبال کے لیے آگے بڑھا، یہاں تک کہ لشکر شاہی میں بھی (بزرگوں کے ساتھ) یہی صحبت رہی، جب میں شہزادہ کے شاہی خیموں کے پاس پہنچا تو ارباب حضرات نے میرے آنے کی خبر شاہ گیتی پناہ تک پہنچا دی، انہوں نے بڑی خوشی سے بلایا میں نے سلام کرنے میں پہل کی، قدیم طریقہ و دستور کے مطابق انہوں نے مصافحہ کیا اور اپنی مسند کے قریب مجھے بٹھایا اور حسن سلوک سے پیش آئے، اس سے قبل فقر کے دوران پیش نہیں آئے تھے (۴۵۵) کہنے لگے کہ ان خدمات سے تمہاری وضع

---

[۱] مرتکبہ گناہوں سے توبہ کرنے کو اہل اللہ غفلت کہتے ہیں (طبقات الصوفیہ سلمی ۳۳۳) دیگر بیانات کے لیے دیکھئے فرہنگ لغات و اصطلاحات عرفانی ۳۴۹-۳۵۰

میں کوئی فرق نہیں آیا ہے بلکہ روز بروز اس میں ترقی ہو رہی ہے، انہوں نے اس مجلس میں شہزادہ کو سلطنت کی بشارت بھی دی جو حضرت خواجہ کی طرف سے (روحانی طور پر) ملی تھی اس کے آثار روز افزوں تھے۔

حضرت مرشدی قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) نے شیخ محمد باقر کا ایک شعر اپنی بیاض خاصہ میں اپنے دست مبارک سے لکھا ہے، جو اسی عبارت میں نقل کر رہا ہوں:

فتح

یہ (شعر) مولوی محمد باقر لاہوری کا ہے جو عارف کامل ہیں:

خواہش جس خود است سینہ قفس ساختن　　　کاہش نفس خود است کینہ بکس داشتن

(شیخ محمد باقر لاہوری) کا وصال حدود ۱۰۹۱ھ کو لاہور شہر میں ہوا اور وہی دیوان خانہ جوان کا مسکن تھا مدفن بنایا گیا، اور وہیں ان کی قبر مشخص ہوئی، بادی النظر میں اہل بصیرت پر آثار جمعیت جلوہ گر ہیں، رحمۃ اللّٰہ تعالٰی رحمۃً واسعۃً۔

مرزا عبید اللہ بیگ داراشکوہی

کنز ے

عرفان شعار مرزا عبید اللہ بیگ داراشکوہی قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۵۶) وہ حضرت خواجہ کے مقبولوں میں سے تھے، مخالف (داراشکوہ) کی صحبت کے باوجود وہ شریعت میں استقامت اور مشائخ کی محبت میں راسخ تھے، داراشکوہ کے مقرب ہوتے ہوئے بھی وہ اس کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں بے غم وخطر تھے۔

جلد اول (مکتوبات معصومیہ) کے مکتوب ۲۹ کی یہاں نقل کا مقصد امر معروف کی فرضیت اور نہی عن منکر اور اس جماعت کا رد ہے جس نے صوفیہ علیہ کا مذہب ترک کر دیا ہے اور وہ ان سے عمل ساقط ہو گیا ہے اور اس قسم کے دیگر مفاسد کے قائل ہو گئے ہیں، (یہ خط) محض داراشکوہ کے (عقائد) کی نمود کی خاطر ہے، چونکہ وہ مکتوب

بہت طویل ہے، اس صحیفہ شریفہ سے صرف چند سطریں ہی نقل کی ہیں، اور باقی کے لیے مکتوبات قدسی آیات (کا مطالعہ) کرنے والے اور سعادت کے شائق حضرات اس کی طرف رجوع فرمائیں:

فتح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے سید المرسلین حضرت محمد اور آپ کی تمام آل و اصحاب پر درود و سلام

میرے مخدوم دنیا میں یہ بات مشہور اور شائع ہوگئی ہے کہ صوفیہ علیہ کا مسلک مخلوق کے حال سے تعرض نہ کرنا اور کسی کے ساتھ برا نہ کرنا، چونکہ یہ بات خلاف واقعہ ہے او بہت سی برائیوں کا مجموعہ ہے اس لیے میرے دل میں آیا کہ اس کے بارے میں کچھ لکھوں تا کہ اس کی برائیوں کو ظاہر کرسکوں، اس سلسلہ میں جو احادیث امر معروف اور نہی منکر اور حب فی اللہ وبغض فی اللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت اور مجاہدین کے مراتب اور شہداء کے درجات کی بلندی سے متعلق آئی ہیں بیان کروں اور صوفیہ کرام کی بعض تحریروں کو بھی جو اس سے متعلق ہیں لکھوں اور شریعت شریف کی راہ پر استقامت کی خبر دینے والی ہے، اور اس جماعت کی تردید کرتی ہیں، جو اپنے آپ کو اس گروہ سے منسوب کرتے ہیں اور شریعت حقہ کے دائرہ سے باہر جاتے ہیں درج کر کے دوستوں کو ارسال کروں، (کار) خیر کی توفیق اللہ سبحانہ کی طرف سے ہے...... الخ

ان کے نام حضرت خواجہ کے دوسرے مکاتیب بھی ہیں جو عالی شان بشارتوں اور خفیہ وجلیہ فوائد پر مشتمل ہیں، جو طوالت کے خوف سے نقل نہیں کر رہا ہوں، مکتوبات قدسی آیات کا مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر و باہر ہیں۔

(مرزا عبید اللہ بیگ) کے مولد، مسکن اور مدفن کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ کہ کچھ لکھ سکوں، غالب امکان یہی ہے کہ انہوں نے (اپنی زندگی) شہزادہ داراشکوہ کے ساتھ گزاری ہے، وہ متعدد مرتبہ (شہزادہ) سے اجازت لے کر سرہند شریف حاضر ہوتے اور پھر حضرت خواجہ سے رخصت لے کر واپس شہزادہ کے پاس چلے جاتے تھے، رحمہ اللہ تعالیٰ۔

ملا حسن علی پشاوری

کنز ۸

کمالات دستگاہ ملا حسن علی پشاوری قدس سرہ کے بعض احوال

(۴۵۸) حضرت خواجہ کے قدیم اصحاب سے تھے ان کے نام مکتوبات (معصومیہ) کی تینوں جلدوں میں بہت مکاتیب موجود ہیں جن میں انہوں نے بڑے عجیب سوالات کیے ہیں جن کے انہیں اسی نوعیت کے جواب بھی ملے ہیں، حضرت خواجہ کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ مکاتیب میں دعا کا عنوان یوں تحریر فرماتے تھے:

فتح

احسن اللّٰہ سبحانہ حالہٗ و حصل آمالہٗ

یعنی "اللہ سبحانہ اس کے حال کو صحیح رکھے اور اس کی امیدیں پوری کرے"

پس حضرت خواجہ کی مقبول دعا سے ان کا کام (سلوک) کس مرتبہ پر پہنچا اور حصول آمال کی انتہا پر فائز ہے۔

ملا حسن علی پشاوری نے سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ قدس اللّٰہ اسرارھم کے شجرہ کو نظم کیا ہے، جو حضرت خواجہ سے شروع ہوا ہے اور حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچایا ہے، اس شجرہ شریفہ کا مقطع اس طرح ہے:

اے حسن تا میتوانی مدح شان احسن بگو تا تو گردی از طفیل مدح شان احسن مآل

ان کے نام مکتوبات شریفہ میں بشارات متداولہ درج ہیں، اگرچہ جلد اول کے مکاتیب ان کے ابتدائے حال کے ہیں اور ان میں خلافت بطریق سفارت دی گئی ہے، البتہ آخری دونوں جلدوں میں خلافت بالاصالت جلوہ گر ہے، ان کا کمال اور استقلال اہل نظر پر واضح ہے ہم نے اختصار پر اکتفا کی ہے۔

ملا حسن علی کا مولد، مسکن اور مدفن بلدۂ پشاور ہی ہے، رحمۃ اللّٰہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

ملا موسیٰ بھٹی کوٹی

کنز۹

سیادت وولایت پناہ مرحوم ملا موسیٰ بھٹی کوٹی قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۵۹) بھٹی کوٹ پشاور اور کابل کے درمیان ایک گاؤں ہے جو انہی ملا موسیٰ کے نام سے مشہور ہے، انہیں آخوند کہا جاتا تھا کیوں کہ اس دیار (افغانستان) کے علماء کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا تھا، اب ان کی علمیت اور (حضرت خواجہ سے ملنے والی) خلافت کے اجتماع سے ان کا کارخانۂ ارشاد شہرہ آفاق ہوگیا ان کی مشیخت کا غلغلہ افلاک تک پہنچا، حضرت خواجہ کے خلفاء میں سے صرف چند ایک ہی اس مرتبۂ ارشاد کے ہوئے ہیں، وہ آپ کے مقبولان خاص اور معتبر خلفاء میں سے تھے، وہ مدتوں خدمت قیومی میں رہ کر محبت سے فیض یاب ہوئے ہیں، اور آپ کے جلیل القدر امر کے تحت خلقت کی راہنمائی کی،

پہلی بار وہ اپنے بھائی میر رحمت اللہ کے ہمراہ حضرت خواجہ کی خدمت میں ارادت کی غرض سے آئے اور فیوض و برکات حاصل کیں، جب حضرت خواجہ کو ان کی طالب علمی کا علم ہوا تو آپ نے انہیں سبق پڑھنے پر مامور کیا جہاں انہوں نے اس وقت کے فضلاء سے تحصیل کی اور باقی وقت حضرت خواجہ کی خدمت میں رہے، وہ

حضرت خواجہ کے دارالخلافہ (دہلی) کے سفر میں ہم سفر بھی تھے، کہتے تھے کہ حضرت خواجہ کا ارشاد اتنا وسیع تھا کہ کسی دوسرے کی اس میں شرکت ممکن نہیں، جب مجھے ہمرکابی کی دولت میسر آئی اور ہم دارالخلافہ پہنچے تو بادشاہ فردوس آشیان (شاہ جہان) کے مزاج میں (حضرت خواجہ کے بارے میں) قدرے غلط فہمی نے ر، پا لی تھی لیکن پھر بھی ایک روز کے حلقہ کے دوران چالیس ہزار افراد حاضر ہوتے تھے، لیکن اس کے بعد حضرت خلد مکان (اورنگ زیب) کے عہد میں آپ کے غلبۂ ارشاد کی تو نوعیت ہی مختلف ہوگئی تھی کہ آپ کے ہر فرزند، اقربا عظام اور خلفائے عالی مقام میں سے ہر ایک کو اس کا فیض نصیب ہوا تھا جس سے دنیا آج تک فیض یاب ہو رہی ہے، یہ وہ روایت ہے جو کاتب الحروف نے ملا موسیٰ کی زبان سے براہ راست سنی ہے، اس کے علاوہ دیگر روایات بھی ایسی ہیں جو انہوں نے اپنے بارے میں مجھ سے بیان کی تھیں، ان میں سے ایک یہاں نقل کر رہا ہوں:

اخر

فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ اپنی چھوٹی بیٹی کی شادی کی شب کو جو کہ اس مقامات (معصومی) کے راقم کی والدہ ہوتی ہیں ہم دونوں بھائیوں (ملا موسیٰ و میر رحمت اللہ) کو کھانے کا نگران بناتے ہوئے سب کچھ ہمارے حوالہ کرنے کے بعد زبان شریف سے فرمایا کہ یہاں کے لوگ کھانے کو اہل مجلس تک پہنچنے سے پہلے ہی غارت کر دیتے ہیں، جس سے اہل مجلس (مہمانان) سے (۴۶۰) شرم آنے لگتی ہے، تم لوگ اعتقاد کے محکم ہو اور امانت داری میں بھی ممتاز ہو اس لیے طعام کے پاس احتیاط کے طور پر حاضر رہو کہ کوئی بھی میری اجازت کے بغیر کھانے پر دست تصرف نہ بڑھائے، تو ہم کامل سعادت مندی اور رغبت کے ساتھ اس خدمت پر مامور ہو گئے ...... یہاں تک کہ اس دوران حضرت شاہ جیو (شیخ محمد یحییٰ بن حضرت مجدد الف ثانی) **قدس سرہ** جو کہ حضرت خواجہ کے چھوٹے بھائی تھے دو اشخاص کا ہاتھ تھام کر ہمراہ لائے اور فرمایا

کہ ان کو کچھ کھانے کو دیں کہ یہ محتاج ہیں، میں نے عرض کیا کہ حضرت خواجہ کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ نہیں دیا جا سکتا میں اس امر پر مامور ہوں، اور مامور معذور ہوتا ہے، یہ بات (بظاہر) بڑی گستاخانہ تھی لیکن حضرت شاہ جیو نے نہایت مہربانی سے اسے پسند فرمایا اور کہا کہ آفرین ہے ایسا ہی اعتقاد ہونا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ مریدین کو اپنے مرشد کا حکم ماننے کے لیے ایسی استقامت عطا کرے، یہ کہہ کر وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں گئے کہ پہلے ان غربا کو کھانا دے دیں یہ سنتے ہی حضرت خواجہ خود وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ میں نے تو غیروں کی بے باکانہ دست درازی سے منع کیا تھا نہ کہ کسی محتاج کو کھانا دینے سے کیوں کہ ان اخراجات کا مقصد ہی یہی ہے، پھر حضرت شاہ جیو نے جس کی سفارش کی ہو حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ انہی کا ہے، میں نے اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے دونوں حضرات سے معافی کی درخواست کی جو انہوں نے قبول کرتے ہوئے بہت سی عنایات سے نوازا۔

۱۴۳

یہ روایت بھی مجھے اخوند میر موسیٰ قدس سرہ سے سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ جب حضرت خواجہ نے نہایت مہربانی فرماتے ہوئے مجھے خلافت عطا کی تو میں نے عرض کی یہ قوم افغان نہایت سخت ہے جب تک وہ کسی قوی قسم کا تصرف (کرامت) دیکھ نہ لیں اس وقت تک وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے، بلکہ دعوت و ارشاد کے سلسلہ کا ہی وہ مذاق بناتے ہیں۔ (میرے علاقہ بھٹی کوٹ) کے نواح میں پہاڑوں کے باعث وہاں سانپوں اور بچھوؤں کا غلبہ ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا ان دونوں بلاؤں کے کاٹے ہوئے کے لیے تیرا نام ہی شفا ہے، اور تمہارا دم وہاں دوا کے طور پر کام کرے گا، مطلب یہ ہے کہ اگر تم سے کوئی بڑی کرامت بھی طلب کرے تو وہ بھی تم سے جلوہ گر ہوگی، پس جو تصرفات (کرامات) مجھ سے ظہور پذیر ہوئیں وہ دراصل حضرت خواجہ کا ایک تصرف تھا جس کا ظہور ہوا۔

اخوند موسیٰ کے تصرفات اتنے زیادہ ہیں کہ وہ شمار سے باہر ہیں، بانجھ (مرد و عورت) کے لیے ان کا تعویذ بہت مجرب ہے کہ اس میں کبھی خطا نہیں ہوتی۔

ایک روز یہ فقیر (مولف) دانتوں کے درد میں مبتلا ہوا کہ مجھے یہ تکلیف بچپن سے ہے۔ جس کے لیے میں نے ان سے تعویذ مانگا جو مجرب ہوتا ہے، سنن موکدہ میں ہے کہ قرأت معوذتین کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی جائے تب بھی بفضل خدا درد سے نجات مل جاتی ہے، مجھے اس سے بہت ہی فائدہ ہوا، اس فقیر نے بھی دو رکعت سنت (۴۶۱) قرأت مذکورہ کے ساتھ ادا کیے، اس وقت میں نے قرأت کے دوران قل یٰآیہا الکٰفرون اور قل ھو اللّٰہ احد ادائے سنت کے تحت ہاتھ سے نہ جانے دی مختصر یہ کہ ان کے علاقے میں ان کی یہ کرامت اظہر من الشمس ہے۔

(اخوند موسیٰ کے بھائی) میر رحمت اللّٰہ قدس سرہ کا ساری عمر ارشاد بہت اچھے طریقے سے جاری رہا وہ حضرت خواجہ کے وصال کے چند سال بعد ہی فوت ہو گئے اور دعوت و ارشاد کی ساری ذمہ داری اب میر ملا موسیٰ سے متعلق ہو گئی ان کی نان دینے (کی کرامت) شہرۂ آفاق ہے تائید الٰہی سے ان کی ہمت اور عبادت اس درجہ کی ہے جو قوت بشری سے باہر ہے، افغانوں کے تمام قبائل ان کے نام پر فدا ہیں، سالکان مسالک طریقت ان کے سامنے یہ دولت لینے کے لیے گداؤں کی طرح ان کی ناز برداری کرتے ہیں، وہ حضرت خواجہ کی درگاہ سے محبت کامل اور رسوخ صحیح سے وابستہ ہیں اور فدویان ان کی صحبت کو بہت ہی غنیمت جانتے ہیں۔

(اخوند موسیٰ) نے طویل عمر پا کر حدود[1] ۱۱۲۳ھ اس دار پر ملال سے رحلت کی انا للّٰہ و انا الیہ رٰجعون، اس باغیچہ میں جہاں ان کے بھائی میر رحمت اللّٰہ مدفون ہیں وہیں ان کو بھی دفن کیا گیا۔ ملا موسیٰ کے فرزند میر سعد اللّٰہ سلمہٗ ربہٗ اپنے باپ کے جانشین ہیں جنہیں مسند ارشاد پر بڑی مقبولیت حاصل ہے، چونکہ وہ ظاہری علم میں

---

[1] متن مقامات معصومی میں یہ سنہ ۱۰۲۳ھ درج ہے جو درست نہیں ہے بلکہ اسے ۱۱۲۳ھ ہونا چاہیے۔

بھی کمال رکھتے ہیں اس لیے مکتوبات قدسی آیات (حضرت مجدد الف ثانی) کا بڑی دقت اور متانت کامل کے ساتھ درس دیتے ہیں، توفیق اور مراضی الٰہی جل شانہ ان کے شامل حاصل ہو۔ و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔

ملا بدر الدین سلطان پوری

کنز ۱۰

جامع العلوم ملا بدر الدین سلطانپوری قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۶۳) علم گر بر دل زنی یاری بود

(ملا بدر الدین) اپنے وقت کے صاحب کمال اکابر علماء اور مقبول اولیا اللہ میں سے گزرے ہیں، کثرت فقاہت (علمیت) کے باوجود ان میں انکساری اور فرو رفتگی پوری طرح پائی جاتی تھی جو آج تک حضرات احمدیہ (مجددیہ) میں مشہور ہے، "نیستی، نامرادی اور انکساری" جیسے اوصاف کے باعث وہ جامع البرکات اکابر معصومیہ کے ممدوح تھے۔

(ملا بدر الدین) حضرت خواجہ کے قدیم اصحاب اور آپ کے مقبول احباب میں سے تھے، تمام مخدوم زادے ان کے شاگرد ہیں، مجھے اکابر سے یہ سننے کا اتفاق ہوا ہے کہ اگر کوئی سائل ان سے سوال کرتا یا مسئلہ دریافت کرتا جس کا بظاہر بڑی آسانی سے متوسط درجہ کا طالب علم بھی اس کا جواب دے سکتا تھا لیکن ملا بدر الدین کتاب دیکھے بغیر مطلق جواب نہیں دیتے تھے، حضرت خواجہ کی طرف سے انہیں عمدہ بشارتیں ملی تھیں اور کمال کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو کر حال وقال کے جامع ہوئے تھے۔

(ملا بدر الدین) نے حجاز کا سفر حضرت خواجہ کے ہمراہ کیا اور پھر وہیں ان دیار پر انوار میں اقامت کا ارادہ کر لیا یہاں تک کہ ان کے اہل خانہ نے فقر اور اضطرار پر

مشتمل خطوط انہیں لکھے جس میں معاشی تنگدستی کا ذکر کیا۔

اس اخوند (ملا بدرالدین) میں کس قدر توکل، جواں مردی اور برداشت فقر کا مادہ تھا، مختلف اصحاب نے اس سلسلہ میں جو روایات بیان کی ہیں وہ کسی دوسرے کے بارے میں کم ہی سنی ہوں گی، مختصر یہ کہ جب انہیں مفلسی کے معاملات پر مشتمل مکتوب ملا تو انہوں نے جواب دیا کہ قبر کی تنگی اس سے کہیں زیادہ ہوگی اس کی فکر کرنا مہمات میں سے ہے، القصہ کہ ملا بدرالدین ان اماکن متبرکہ میں سات سال تک مقیم رہے یہاں تک کہ ان کے قبیلہ کے لوگ سرہند شریف حضرت خواجہ کی خدمت میں آئے اور التماس کی کہ اخوند صاحب کو لکھئے کہ پہلے واجب احکام پر عمل کریں، وہ اسے قبول کرتے ہوئے حضرت خواجہ کے حضور حاضر ہوئے حضرت خواجہ کا وہ مکتوب مکتوبات (معصومیہ) کی تیسری جلد میں درج ہے، جس میں آپ نے سرہند شریف کی تعریف اور روضۂ منورۂ حضرت مجدد الف ثانی کے فضائل بھی لکھے ہیں، اگر وہ جلد مل گئی تو اس میں سے چند سطریں نقل کروں گا۔

(۴۶۳) القصہ حضرت خواجہ کا نوازش نامہ ملنے پر انہیں سر اور پاؤں تک کی ہوش نہ رہی اور فوراً سرہند شریف کی طرف متوجہ ہوئے، کچھ عرصہ وہ آستانہ بوسی اور روضۂ مقدسہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کے طواف میں گزار کر اپنے وطن مالوف آئے اور پھر حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت خواجہ کے وصال (۱۰۷۹ھ) کے چند سال بعد (ملا بدرالدین سلطانپوری) بھی رحمت حق سے پیوست ہو گئے، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

ملا بدرالدین کے چار یا پانچ فرزند تھے ان میں سے ہر ایک عارف باکمال اور عالم عالی مقال ہے اور سب غربت سے آراستہ اور فضائل سے متصف ہیں لیکن ان میں علامی فہامی مولانا نجم الدین جمیع کمالات سے آراستہ اور اپنے والد بزرگوار کے

قائم مقام ہیں، بلکہ حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ (ان کے بارے میں) فرماتے تھے:

احمر

کہ ملا نجم الدین اگرچہ علم وفضل میں اپنے والد کے جانشین ہیں لیکن وہ تواضع اور بے نفسی میں اپنے والد سے بڑھ کر تھے۔

(ملا نجم الدین) نے ارادت کا آغاز حضرت خواجہ کی خدمت میں کیا لیکن وہ میرے ماموں بزرگ قطب العارفین حضرت شیخ سیف الحق و الملت والدین قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کی خدمت میں رہ کر تکمیل کر کے حال اور قال کے جامع ہو گئے، عرصہ دراز سے اس رئیس الاخیار کے احوال مجھے معلوم نہیں ہیں کہ میں دونوں طرف کی دعا کے لیے کچھ کہہ سکوں، ہر قسم کے حالات میں اللہ تعالیٰ کا فضل اس عالم کے شامل حال ہو، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید البشر و آلہ الاطہار۔

حافظ عبدالکریم توہانی

کنز ۱۱۱

عارف اسرار حکیم حافظ عبدالکریم توہانی قدس سرہ کے بعض احوال

ان کے بارے میں حضرت خواجہ کی خصوصی عنایت کا حضرات کرام سے بہت سنا ہے اور مکتوبات (معصومیہ) کا مطالعہ کرنے والوں پر بھی یہ جلوہ گر ہے، چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب بنام حقائق آگاہ خواجہ محمد حنیف کابلی میں رقم طراز ہیں:

فتح

فرزند صبغت اللہ اور حافظ (عبدالکریم) خیر و عافیت سے پہنچ گئے ہیں اور تم سے بہت خوش ہو کر آئے ہیں، حق سبحانہ تمہیں اس کی جزا دے۔

اس سے حافظ (عبدالکریم) کا حضرت خواجہ کے نزدیک قرب اور بزرگی کا

اندازہ لگائیے کہ خواجہ (محمد حنیف) کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے فرزند اکبر (شیخ محمد صبغت اللہ) کی خوشنودی کے لیے گواہ کے طور پر بیان کیا ہے، حضرت خواجہ انہی (حافظ عبدالکریم) سے قرآن مجید کی سماعت فرماتے تھے، ممکن ہے کہ انہیں بشارت قرآنی بھی انہی ایام (سماعت) کے دوران دی گئی ہو۔

مختصر یہ کہ وہ (حافظ عبدالکریم) خوبان روزگار اور صاحب بصیرت ہو گزرے ہیں، وہ حضرت خواجہ کی محبت میں فانی تھے، ان کے احوال مکتوبات شریفہ (معصومیہ) میں مندرج ہیں، چونکہ یہاں اختصار مقصود ہے اور اس کا وعدہ بھی کر رکھا ہے اس لیے اسی پر اکتفا کرتے ہوئے مکاتیب نقل نہیں کیے گئے۔ البتہ جلد اول کا مکتوب ۳۴ جو کہ دنیا و عقبیٰ کی زندگی اور عالم برزخ صغریٰ سے متعلق ہے اور مختصر بھی ہے اس لیے یہاں نقل کر رہا ہوں:

مع

الحمد للّٰه و سلام علٰی عباده الذین اصطفٰی، جو زندگی عالم دینوی سے تعلق رکھتی ہے وہ دو اشیاء حس وحرکت کا مطالبہ کرتی ہے، جو زندگی عالم برزخ کے متعلق ہے وہ محض حس ہے اس کے بغیر کہ اس کے ساتھ کوئی حرکت نہ ہو حق سبحانہ، حکیم مطلق ہے، اس نے ہر مقام کے مطابق ایک زندگی عطا کی ہے۔ برزخ میں حس کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے تاکہ دکھ اور لذت ظاہر ہو اور حرکت کی وہاں مطلق ضرورت نہیں ہے دنیاوی اور اخروی عالم کے خلاف وہاں دونوں (حس اور حرکت) درکار ہیں، پس جان لیجیے والسلام

یہاں آپ کا مکتوب مقدس ختم ہوا۔

(حافظ عبدالکریم) کا مولد، مسکن اور مدفن قصبہ توہانہ ہے، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعةً۔

شیخ بایزید سہارنپوری

کنز ۱۲

واقف اسرار قرآن مجید شیخ بایزید سہارنپوری قدس سرہ کے مختصر احوال

شیخ بایزید اسوۃ المحققین شیخ بدیع الدین کے فرزند رشید ہیں جو کہ حضرت مجدد الف ثانی کے اکابر خلفاء میں ہو گزرے ہیں جو ارشاد میں کامل اور علم و فضل سے متصف تھے، ان کے بعد یہ معنوی میراث، ارث صوری کی صورت میں ان کے فرزند ارجمند یعنی شیخ بایزید میں جلوہ گر ہوئی، اور حضرت خواجہ کے مقبول ترین اصحاب میں شمار ہوئے اور وہ بھی علم وفضل کے اسی مرتبہ پر فائز ہوئے، بلکہ ان کی اولاد میں اب تک علم تحقیق اور کثرت توفیق جلوہ افروز ہے، ان کی عمر کا ایک بڑا حصہ فیض رساں صحبت معصومی میں گزرا جہاں انہوں نے اپنی استعداد کے مطابق برکات قیومی حاصل کیں، اور پھر خلافت یاب ہو کر اپنے وطن مالوف (سہارنپور) میں متعین ہوئے، جہاں انہوں نے ایک دنیا کو ہدایت بخشی۔

مکتوبات قدسی آیات (حضرت خواجہ) کی آخری دو جلدوں میں کثیر مکاتیب ان کے نام صادر ہوئے ہیں جو عالی شان بشارتوں سے مملو ہیں، بے شک بقعۂ سہارنپور کو ان کی مداریت کا شرف حاصل ہے۔ جیسا کہ اس سے پہلے ان کے والد بزرگوار (شیخ بدیع الدین) کو تھا، مجھے اسی طرح مستند حضرات سے یہ روایت سننے کا اتفاق ہوا ہے۔

(شیخ بایزید) کے تصرفات (کرامات) ان کے علاقہ (سہارنپور) میں بہت مشہور ہیں اور وہ لوگ ان کے بہت معتقد ہیں۔

اس فقیر (مولف) کو بھی اس عارف باکمال (شیخ بایزید) کے وصال کے بعد قطب الاقطاب قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) کے ہمراہ سہارنپور سے گزرتے ہوئے ان دونوں بزرگوں (شیخ بدیع الدین اور شیخ بایزید) کی تربتوں کی زیارت کا

اتفاق ہوا ہے، ان کی خانقاہ کو خدا طلب صوفیہ اور طلبۂ جید سے بھرا ہوا پایا، ان دنوں شیخ بایزید کے خلف رشید حسام الدین بقید حیات تھے اور انہوں نے ''مرافض الروافض'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی، جس میں انہوں نے حضرت مجدد الف ثانی کی تصنیف ''رد روافض'' کے کئی اقتباسات سند کے طور پر دیے تھے، جس سے انہوں نے اپنی کتاب کو معتبر اور مضبوط بنا لیا ہے، لیکن ہر وہ مقام جہاں ان کے بحر علم و معرفت نے جوش مارا اور اس کے قطرات پہنچے تو وہاں کے اہل مجلس کو مدہوش کر دیا تشنہ لبوں کو ان کے بحر بے کنار نے (۴۶۶) سیراب کر دیا، خاص طور پر ان اصحاب کو جو ان سے نسبت رکھتے ہیں اور ہر وقت آنکھوں سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ جب کتاب (مرافض الروافض) سرہند شریف پہنچی تو حضرات (مجددیہ) میں مقبول ہوئی:

احمر

میرے ماموں بزرگ حضرت شیخ محمد اشرف قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس کتاب میں رسالۂ رد روافض کے دقیق مسائل و مطالب کو اختصار کے ساتھ غور وفکر کے بعد عمدہ پیرایۂ بیان میں مفصل طور پر لکھ دیا ہے، بہت آفرین ہے کہ انہوں نے ''خرمن'' سے ایک ایک دانہ چن کر نیاز مندوں کو مطلع کیا ہے، اور اپنے حسن اعتقاد کے مطابق ہمارے علم میں اضافہ کیا، **سبحان اللہ**

ہمارا قلم شیخ (بایزید) کے احوال لکھتے لکھتے ان کے فرزند رشید کی طرف چل نکلا کہ یہ بھی اسی شیخ کے صافی احوال ہیں، شیخ علم وفضل اور معرفت کے باوجود ایک فصیح شاعر بھی تھے، چنانچہ انہوں نے حضرت خواجہ کا شجرۂ سلسلہ علیہ نقشبندیہ و قادریہ لطیف اشعار میں تصنیف کیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی کی ایک کرامت (تصرف) ان کی زبانی اس کتاب کی کنز اول میں لکھی جا چکی ہے۔

شیخ بایزید کا مولد، مسکن اور مدفن شہر سہارنپور ہے، رحمة اللّٰہ سبحانه رحمة واسعةً والصلٰوة والسلام علٰی سید العرب والعجم ذی الجود والکرم۔

حاجی حبیب اللہ حصاری بخاری

کنز ۱۳

عارف خدا آگاہ حاجی حبیب اللہ حصاری ثم بخاری قدس اللّٰہ تعالٰی سرہ کے بعض احوال

(۴٦۷) ان کا وطن مالوف اگرچہ ولایت حصار کا ایک قصبہ ہے، لیکن ان کا مسکن اور مدفن بخارا شریف ہے، امام حفص کبیر نے کیا خوب فرمایا ہے:

کفا بالمرء عزّا و افتخارا　　　بان قد کان مثواه البخارا

خاص طور پر معارف ہند کہ جس کی بنیاد (افکار و معرفت) سمرقند و بخارا سے ہے، آپ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حظ کامل حاصل کرنے کے بعد آپ نے حضرت خواجہ کے حکم کے مطابق اپنا مسکن و ماوٰی بخارا ہی کو بنایا، جس سے ان کی عزت وعظمت صد چند ہوگئی جو اس حبیب کے نصیب میں ہوئی۔

آپ حضرت خواجہ کے اصحاب میں سے تھے، انہوں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ حضرت خواجہ کی خانقاہ ملائک پناہ میں خدا طلبی میں گزارا اور آپ کے منظور نظر ہو کر عنایات اور خلافت بخارا کا امتیاز حاصل کیا۔

میں نے سنا ہے کہ ماوراء النہر کے اکابر کے حقوق کے سلسلے میں حضرت خواجہ کے دل دریا مقاطر میں عرصہ دراز سے یہ آرزو موجزن تھی کہ حضرت خواجہ کے اصحاب میں کسی ایک کو جو کمالات احمدی کا حامل ہو اسے اس دیار پر انوار میں بھیجا جائے اس دوران اس بلدۂ متبرکہ کے معززین کے عریضے موصول ہوئے کہ اپنا کوئی خلیفہ جو کمالات معصومی کا حامل اور مطبخ قیومی کا نمک خوار ہو بھیج دیں، اب ہر ایک جو یہ

کمالات رکھتا تھا، امیدوار تھا کہ حضرت ہمیں خلافت عنایت فرمائیں بلکہ ان میں سے بعض نے تو پیغام تک بھیجا لیکن حضرت خواجہ نے اس بارے میں لب کشائی نہ فرمائی بلکہ واضح الہام کے منتظر رہے حالانکہ ان حضرات میں استعداد موجود تھی لیکن آپ نے یہ سب کچھ حاجی (حبیب اللہ) میں محسوس کیا اور دریافت کرنے پر الہام ہوا اور انہیں اس سرزمین کا مدار قرار دیا، انہیں خلعت خلافت سے نواز کر اس مقام (بخارا) کے لیے اجازت و رخصت مرحمت فرمائی، وہاں ان کے (۴۶۸) غلغلۂ ارشاد کا ظہور ہوا اور ان سے اتنے تصرفات دیکھے اور محسوس کیے گئے کہ اگر ان کی تفصیل لکھوں تو ایک جداگانہ ضخیم کتاب تیار ہو جائے، امراء و فقراء سبھی ان کے گرویدہ تھے۔

(حاجی حبیب اللہ) کا شیوۂ مرضیہ ہی حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات قدسی آیات پر عمل اور ان کا درس دینا تھا، ایک عزیز سے روایت ہے کہ انہوں نے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی اور مرقومات (مکتوبات) معصومی کے درس کو بخارا شریف میں اتنا رواج دیا کہ اس کا عشر عشیر بھی ہندوستان میں نہیں ہے اور اس سلسلہ میں پابندی اوقات کا اتنا خیال رکھا گیا اور اسے بہت بلند درجہ دیا گیا کہ اگر اس کی تفصیل لکھی جائے تو تین جز مزید بڑھ جائیں گے۔

ولایت (بخارا) کا بادشاہ (سبحان قلی بن نذر محمد خان) حاجی حبیب اللہ کا حلقہ بگوش تھا، خواجہ زادگان نے بھی بعض اکابر کی صحبت اختیار کر کے اپنے کار (سلوک) کو انتہا تک پہنچایا تھا انہیں پیرزادگی بے قناعت معلوم ہوتی تھی وہ اپنے قصور کا اعتراف کرتے تھے، انہوں نے کمالات احمدی اور معارف معصومی سے اپنے حوصلہ (استعداد) اور ایمان کے مطابق کمالات حاصل کیے۔

حاجی (حبیب اللہ) نے حدود ۱۱۱۰ھ کو اس دار پرملال سے انتقال کیا، ازاں بعد ان کی نسبت ان کے بیٹوں اور خلفاء میں منتقل ہوگئی، خاص طور پر ان کے منجھلے بیٹے کی بہت تعریف سنی ہے جو اپنے والد بزرگوار کی مسند پر کامل رسوخ اعتقاد بیٹھ کر خلائق

کی رہنمائی کر رہے ہیں، وہ جہاں کہیں بھی ہیں خدا انہیں سلامت رکھے۔

حاجی مرحوم کا مرقد بخارا میں ہے۔ اللہ تعالی اسے آفات سے محفوظ رکھے......

شیخ محمد مراد شامی

کنز ۱۴۲

عارف محکم بنیاد شیخ محمد مراد قدس سرہ کے مختصر احوال

اگرچہ شیخ محمد مراد کا مولد کشمیر ہے لیکن ان کا مسکن اور مدفن شام شریف ہے وہ حضرت خواجہ کے اتنے مقبول تھے کہ صرف ایک ہفتہ کی صحبت سے اپنے کام کا اعتبار ثابت کر کے اپنے دیار پر انوار (شام) کے لیے خلافت حاصل کی، ان کی مدت صحبت کے تعین میں اصحاب کے مابین اختلاف ہے، لیکن اکثر حضرات عالی درجات کے نزدیک وہ ایک ماہ سے بھی کم مدت ہے، ایک گروہ بیس دن کی روایت کرتا ہے بعض اصحاب اس میں دو تین دن کا اضافہ کرتے ہیں، لیکن جو کچھ ان سے سنا ہے وہ زیب عنوان کر دیا ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت خواجہ کی نظر کیمیائے سعادت کہ وہ صرف ایک ہی ساعت میں کامل بنا دیں تو یہ تعجب کا مقام نہیں ہوگا، اس کے لیے حسن اعتقاد اولین شرط ہے، تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ استعداد کامل ہو اور وہ کبریت احمر نہ بنے یہ تمام تر حسن اعتقاد اور اعلیٰ استعداد کا نتیجہ ہے ...... مطلب یہ ہے کہ شیخ مراد نے بہت ہی کم عرصہ میں سلوک کی منازل طے کر لیں اور حرمین شریفین **زادھما اللّٰہ سبحانہ شرفا و تعظیماً**، روم اور شام کی خلافت کا امتیاز حاصل کیا، ان کا مسکن شریف شام مقرر کیا گیا اور اس دیار پر انوار کے تمام اہل فضل ان کے ساتھ کامل اعتقاد اور فدویت سے قائل تھے، شیخ محمد مراد شامی نے مکتوبات احمدی (حضرت مجدد الف ثانی) اور مکتوبات معصومی کے درس کا آغاز کیا بلکہ اکثر مکاتیب جو فارسی میں تھے انہوں نے ان کا عربی ترجمہ

کیا، تاکہ جو لوگ وہ زبان (فارسی) نہیں جانتے وہ بھی سمجھ سکیں ورنہ مولانا خود اپنے زمانہ کے علمائے دین میں سے گزرے ہیں جو کہ معقول قسم کی فارسی جانتے تھے۔

حضرت حجۃ اللہ **قدس سرہ** کے آخری سفر (حرمین) میں حضرات احمدیہ (مجددیہ) کی کثیر تعداد ان کے ہمراہ تھی جو کہ حج بیت اللہ اور روضۂ مطہرہ سید الانام **علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام** کی زیارت کے ارادہ سے نکلی تھی اس موقع پر مولانا (شیخ محمد مراد) نے شائستہ خدمات انجام دیں اور تمام اہل قافلہ ان کے شکر گزار تھے، کہا جاتا ہے کہ (مولانا) ایک لاکھ روپے لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی (۴۷۰) کہ ان اماکن مقدسہ میں اخراجات دامی درمی ہوتے رہیں گے یہ رقم اس مقصد کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تو محض حضرت خواجہ کے ساتھ محبت ہے جس کا اظہار آپ کے فرزندوں کے ساتھ کر رہا ہوں اور اس شہنشاہ ولایت (حضرت حجۃ اللہ) کی خدمت میں عرض کیا کہ اس سے پہلے میں نے سات مرتبہ (یہ رقم) جمع کی جب حج کے ارادہ سے گھر سے نکلتا اور ہر مرتبہ آپ کی آمد کی خبر سنتا تھا یہاں تک کہ حج کے ایام میں مکہ مکرمہ پہنچ جاتا اور حج کی سعادت حاصل کرتا کیوں کہ آپ کو اس حج کی بہت ہی تمنا تھی اور پھر حضرت خواجہ کے ان دو مخلصین کی زیارت کے اکثر شائقین نے اپنے گھر کا سامان تک بیچ کر طواف کعبہ کا قصد کیا جب حج کا وقت ختم ہو جاتا تو یہ اصحاب اپنے اپنے ملکوں کو لوٹ جاتے اور یہ آرزو رکھتے کہ اگر آئندہ زندگی نے وفا کی تو پھر اسی ارادہ سے آ کر حج اور (حضرت حجۃ اللہ کی) زیارت کریں گے، لیکن حضرت نے اپنی زبان مبارک سے ان مطالب کی نفی نہیں کی ...... اس عارف محکم بنیاد (مولانا محمد مراد شامی) کے اعتقاد (عقیدت) کے بارے میں اتنی روایات سنی ہیں کہ اس کاغذ میں انہیں سمیٹنے کی تاب نہیں ہے......

مولانا (محمد مراد شامی) کا وصال حدود ۱۱۲۴ھ یا ۱۱۲۵ھ کو ہوا اور ان کا مدفن بیت المقدس قرار پایا۔ **رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً**

اللہ تعالیٰ کی سعادت ان کے شامل حال رہی وہ کشمیر سے نکلے اور کمالات معصومی میں پرورش پا کر بحر احمدی (مجددی) کا لطف اٹھایا، انہیں بیت الحرام اور روضۂ سیدالانام علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام کا طواف نصیب ہوا، مسجد اقصیٰ پہنچ گئے جو ان کے دل کی خواب گاہ بنی، "یہ اللہ کا فضل ہے جسے وہ چاہے عطا کرے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔"

مولانا (محمد مراد) کے دو فرزند ہیں ہر ایک استقامت سے متصف ہے، ان میں سے ایک (شیخ محمد شامی) میں ارشاد معصومی جلوہ گر ہے۔ جس سے فدویان عشاق سے دنیا روشن ہے۔ یا الٰہی اسے تا قیامت قائم رکھنا۔ و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ اجمعین

مخدوم آدم ٹھٹھوی

کنز ۱۵

عارف افخم مخدوم آدم ٹھٹھوی قدس سرہ کے بعض احوال

(۱۷۴) وہ اپنے وقت کے عرفاً میں سے ہو گزرے ہیں جو حضرت خواجہ کی محبت میں فانی تھے، انہوں نے ہر عریضہ جو حضرت خواجہ کی خدمت میں لکھا وہ عربی میں تحریر کیا، جس کا حضرت خواجہ نے فصیح عربی میں جواب دیا، حضرت خواجہ کی بہت سی عنایات ان کے شامل حال رہیں، کہتے ہیں کہ وہ کئی بار اپنے وطن مالوف سے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے سوا انہیں کوئی دوسرا شغل نہیں تھا ار، کا یہ عمل حضرت خواجہ کو بہت زیادہ پسند آیا، سنا ہے کہ آغاز سے ہی انہیں علم عمیق کی توفیق ہوئی دوسرے جب حضرت خواجہ کے ارشاد کا شہرہ ان تک پہنچا تو مخدوم (آدم) نے بھی اس سے فیض پایا، حضرت خواجہ کے ہاں تو فیض بخشی بارش کی مانند ہوتی تھی کہ سب حضرات س معرفت سے شاداب ہوتے تھے۔ (شیخ آدم) بہت کم مدت میں

اپنے کار (سلوک) کو آخر تک پہنچا کر خلافت قیومی کے مستحق ہوئے اور اپنے وطن مالوف کی راہ لی اور اپنے وطن کی قطبیت بھی انہی سے متعلق ہوگئی تو دنیا کو طریقۂ نقشبندیہ باطوار احمدیہ (مجددیہ) اور انوار معصومیہ سے بکمال مسرت فیض یاب کیا، انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں حضرت خواجہ سے یہ سوال کیا کہ طریقہ علیہ صوفیہ کس طرح رسالت خاتمیت علیه و علٰی آله الصلٰوة والسلام تک واصل ہوتا ہے، حضرت خواجہ نے جواب میں فرمایا:

فتح

اس میں سے کچھ بھی خود ساختہ نہیں ہے۔

یہ الفاظ مبارک بعینہ حضرت خواجہ کے ہیں، اور باقی مکتوب کا لب لباب میرے حافظہ میں ہے، کہ اسرار باطنیہ کے معارف بھی علوم ظاہری کیطرح حضرت محبوب رب العالمین صلی اللّٰه تعالٰی علیه وسلم و بارک، (تک واصل ہوتے ہیں) طالبوں کو ان دونوں علوم میں کبھی کامل سیر (طمانیت) نہیں ہوئی، (حضرت خواجہ) نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے جس کے لیے مکتوبات (معصومیہ) کی دوسری جلد کی طرف رجوع فرمائیں، اور آپ نے جو فوائد جدیدہ عربی زبان میں لکھے ہیں وہ حاصل کریں۔

حضرت خواجہ کے وصال کے چند سال بعد تک مخدوم (آدم) بقید حیات رہ کر (۴۷) مسند ارشاد پر متمکن رہے، اس کے بعد وقت موعود پر سفر آخرت اختیار کیا،

رحمة اللّٰه سبحانه رحمةً واسعةً

(مخدوم آدم) کا مولد، مسکن اور مدفن بلدہ ٹھٹھہ ہے ان کی اولاد اور خلفاء میں آج بھی یہ نسبت ان کی استعداد کے مطابق جاری ہے، الحمد للّٰه علی الاحسان والصلٰوة علٰی رسوله سید الانس و الجان وآله و صحبه

احیاء الرحمٰن۔

سید یوسف گردیزی ملتانی

کنز۱۶۲

عارف سبحانی سید یوسف گردیزی ملتانی قدس سرہٗ کے مختصر احوال

(۴۷۳) آپ حضرت خواجہ سے منسلک ہونے سے پہلے ہی حقیقت شناس اور اپنی موروثی بزرگی کے حامل اور اپنے آباء کرام کی مسند پر اہتمام کامل کے ساتھ سجادہ نشین تھے، انہیں تصفیۂ قلب بھی حاصل تھا، یہاں تک کہ عنایت ان کے شامل حال ہوئی اور حب جاہ ترک کر کے حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ کے اجل اصحاب میں شامل ہو گئے، فیض احمدی (مجددی) کے حامل ہوکر کمالات معصومی میں اپنا ایمان درست کیا اور اپنے وطن (ملتان) کی خلافت سے ممتاز ہوئے اور ملتان کی قطبیت سے سرفراز کیے گئے۔

کہتے ہیں کہ اس سید فضیلت پناہ کا حب جاہ (آبائی نسبت) کے ترک کرنے کا جہاد حضرت خواجہ کو بہت پسند آیا اور وہ متعدد مرتبہ سرہند شریف حاضر ہوئے اور ہر مرتبہ وہ عنایات اور کرامات سے سربلند کیے گئے، آخری خبر جو ملتان سے ملی وہ ان کے ہاں فرزند کی ولادت تھی، انہوں نے حضرت خواجہ سے اس کا نام رکھنے کی درخواست کی، آپ نے (اس فرزند) کا نام سید ابراہیم رکھا اس نام کی برکت سے جو حضرت خواجہ کی زبان الہام ترجمان پر آیا تو بالآخر بامعنی سجادگی انہیں نصیب ہوئی، اس سید عالی تبار کے تین چار فرزند تھے ان میں سے ہر ایک فضائل سے آراستہ ہوا لیکن جو علمی قابلیت (سید ابراہیم) کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسرے کے نصیب میں نہ ہوسکی۔

یہ حقیر (مولف) حضرت قبلۂ دارین والدی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) کے ہمراہ تیرہ سال کی عمر میں ملتان کی سیر کے لیے گیا اس وقت نواب مکرم خان صوبہ ملتان

کی صوبہ داری پر مامور تھا، اس وقت مجھے ان کی تربت کی زیارت نصیب ہوئی۔

سید یوسف گردیزی کے فرزندوں میں سید ابراہیم سب سے مستثنیٰ تھے بلکہ حضرت شیخ فضل اللہ نے بھی ان کے اس علم و معرفت میں استثنا کے بارے میں سنا، اس وقت علم منطق کی کتاب شرح شمسیہ کے ایک دو سبق اس سید زادہ کی خدمت میں رہ کر پڑھے۔

بات کہاں سے کہاں جا پہنچی مقصد یہ ہے کہ جب سید یوسف **قدس سرہ** نے اپنے ہاں فرزند کے تولد (۴۷۴) کی خبر سنی تو حضرت خواجہ سے رخصت لے کر ملتان چلے گئے اور پھر حضرت خواجہ سے ملاقات نہ ہو سکی یہاں تک کہ حضرت خواجہ کا وصال ہو گیا، پھر وہ فاتحہ اور روضۂ مقدسہ کی زیارت کے لیے سرہند شریف آئے تو مخدوم زادۂ ثانی حضرت حجۃ اللہ کی خدمت میں ذکر خفی کی ذکر جہر پر فضیلت کے سلسلہ میں سوال کیا تو حضرت حجۃ اللہ نے اس کے جواب میں عربی زبان میں ذکر خفی کی فضیلت پر ایک متین رسالہ فصیح عربی میں لکھا جو آیات، احادیث اور اکابر کے اقوال سے مزین تھا، جس کا ایک فقرہ اس طرح ہے:

فقح

اما بعد فقد سالتی من هو اشرف منی

اس رسالۂ شریفہ کے خاتمہ میں (حضرت حجۃ اللہ) نے ذکر خفی کی فضیلت میں بہت کچھ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ ان دونوں اذکار (خفی و جہر) میں ایک کو ترجیح ضرور دی گئی ہے، بہرحال ذکر جس طرح بھی کیا جائے وہ اولیٰ و افضل امر ہے، یہ رسالہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے۔

فقح

ولذكر الله تعالىٰ اعلىٰ و اولىٰ و اعز و اجل و اتم و اَهَم

(سید یوسف گردیزی) حدود ۱۰۹۰ھ کو دارالبقا میں پیوست ہو گئے (وصال فرمایا) ان کا

مولد، مسکن اور مدفن دارالامان ملتان ہے۔ رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ سبحانہ رحمۃً واسعۃً ان کا مرقد شہر کے وسط میں واقع ہے، حضرت قبلہ گاہی مرشدی (شیخ محمد فضل اللہ) اس مزار کے انوار کا بہت ذکر کرتے تھے، اس شہر میں موجود دوسرے مزارات اکابر کے مقابلہ میں اسے مستثنیٰ جانتے تھے، کہ وہاں سے کمالات وراثت کی خوشبو آتی ہے......

میر سید شرف الدین حسین لاہوری

کنز ۱۷

سید عالی نسب واقف اسرار قاب قوسین میر شرف الدین حسین لاہوری کے بعض احوال

(۴۷۵) میر شرف الدین معین معانی و اسرار کے نکتہ سنج اور کمالات ابرار کے بانی تھے، توکل ان کی زندگی کا شیوہ خاص تھا ان میں استقامت کی کرامت تھی، وہ حضرت خواجہ کے مخصوص فدوی تھے اور آپ کے خاص منظور نظر بھی، وہ بحر وحدت الوجود میں مستغرق تھے اور کثرت کو کفر تصور کرتے تھے، ایک مقام پر انہوں نے اس مقام کی اجازت چاہی ہے......

چوں کہ ان کی ابتدائی سیر یہی منزل وحدت الوجود تھی، جیسا کہ میں نے اس کتاب کی دوسری مفتاح میں اس کا ذکر کیا ہے، کہ بچپن کے ایام میں جو دو تین سال کے مساوی تھا وہ اس کلام دلکشاء میں متکلم تھے، ......صوفیۂ موحدین نے ساری عمر اسی گہرے دریائے (وحدت الوجود) میں غوطہ زنی کی تھی، لیکن ان میں سے بعض ساحل مراد پر آ گئے تھے اور کنارے پر پہنچ گئے تھے۔ شیخ علاء الدلہ سمنانی قدس سرہ ایک جگہ فرماتے ہیں اور بتایا ہے ''عالم وجود کے اوپر مالک ودود کا عالم ہے'' حضرت خواجہ نے ''مافوق'' کو اپنے دلائل لطیف عبارتوں میں بیان فرمائے ہیں، اس سے عمدہ تر شاہراہ پر وحدت وجود کا نام و نشان نہیں ہے، لیکن میر (شریف الدین حسین) کو اس مقام کی

لذت کا ذائقہ اس قدر اچھا لگا کہ وہ آداب شریعت اور اس سے اوپر کے مقامات کا اعتراف کرنے کے باوجود ساری عمر اس مقام (وحدت الوجود) پر پرجوش طریقہ سے کاربند رہے اور اس میں حلاوت محسوس کرتے رہے۔

حضرت مخدوم زادہ قطب العارفین شیخ سیف الملت والدین قدسنا اللہ سبحانہ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میر شرف الدین تم اس عہد کے شیخ محی الدین (ابن عربی) ہو، میر کو حضرت خواجہ سے خلافت بھی ملی تھی اور لاہور میں متعین ہوئے تھے اس کے بعد وہ بھی حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ کے وصال کے بعد بھی یہی طریقہ رکھا کہ لاہور سے سرہند شریف ہر ایک دو سال کے بعد آتے اور کئی ماہ تک وہاں مقیم رہ کر روضۂ مقدسہ کی زیارت کی سعادت حاصل کرتے اور پھر اپنے وطن (لاہور) کی طرف (۴۷۶) مراجعت کرتے، میر کی اہل خانہ (بیوی) بھی صحیح نسب سیدہ تھیں وہ بھی حضرت خواجہ کی ایک عظیم مخلص گزری ہیں، اور حضرت خواجہ کے حکم سے وہ ذاکرات عورتوں کا حلقہ کرتی تھیں، ان کی ہمت مستثنیٰ تھی وہ اپنی بیگم سمیت سرہند شریف آتے تھے طیب لوگوں کے لیے طیبات ہی ہوتی ہیں کا مقولہ یہاں علمی طور پر جلوہ گر تھا۔

میر (شرف الدین) سے لطیف کلمات سننے میں آئے ہیں ان میں ایک یہاں نقل کر رہا ہوں، ایک امیر جو کہ میر شرف الدین کا بے رنگ مخلص تھا اس نے ایک روز آپ کو بڑے شوق سے نصیحت کرنے کے لیے کہا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ نصیحت تو اس کو جاتی ہے کہ جس کا کوئی برا عمل اس (نصیحت کرنے والے) کی نظر میں آئے مگر تم جیسے لوگوں سے اگر کوئی ناملائم حرکت جلوت یا خلوت میں سرزد ہو جائے تو تمام حاضرین خوش فہمی کی بنا پر اسے کرامت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے عقلی دلائل سے معقول ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے بے اختیار تم جیسوں کا نفس مسرور ہو جاتا ہے، ...... اس لیے تمہیں کن الفاظ میں نصیحت کی جائے؟

(میر شرف الدین حسین) کی عمر اسی (۸۰) سال سے متجاوز تھی وہ ۱۱۰۲ھ یا ۱۱۰۳ھ کو دارالسلطنت لاہور میں فوت ہوئے ان کے تین یا چار سال بعد ان کی اہلیہ بھی اسی شہر میں دارالبقا کی طرف چل دیں (وصال ہو گیا) اور اسی شہر میں جو حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک قطب بلاد ہے مدفون ہیں۔ رحمهما الله سبحانه و صلی الله تعالٰی علٰی خیر خلقهٖ محمد و آلهٖ و صحبهٖ اجمعین۔

شیخ انور نور سرائی

کنز ۱۸

عارف اشہر شیخ انور نور سرائی قدس سرہ کے بعض احوال

(۴۷۷) اگرچہ شیخ انور کا مولد و مسکن نور سرا سے دو فرسنگ کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے، لیکن چونکہ نور سرا دارالسلطنت لاہور اور دارالارشاد سرہند شریف کی شاہراہ پر دونوں شہروں کے وسط میں واقع ہے اور مشہور بھی ہے وہ مسافر جو ولایت سے جنوب (دکھن) کی طرف سفر کرے تو یہ (سرائے منزل یا پڑاؤ کے طور پر تعمیر کی گئی ہے) اسی رعایت سے مکتوبات (معصومیہ) کے جامعین نے شیخ انور کے نام کے مکاتیب کے آغاز میں ان کی نسبت نور سرائی لکھی ہے۔ ہم نے بھی اس کا اتباع کرتے ہوئے لب کشائی کی ہے۔

(شیخ انور) صاحب کمال اصحاب میں سے گزرے ہیں، جو شریعت پر نہایت مستحکم تھے وہ حضرت خواجہ کی محبت میں فانی تھے، بہت مختصر صحبت میں بہت سے نتائج اخذ کیے اگرچہ ان کی حضرت خواجہ سے آپ کے آخری زمانے میں ملاقات ہوئی اس عہد میں شہر سرہند شریف کی طرف مراجعت کرنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اور وہ اپنی منزل (سلوک) کو پہنچ جاتے تھے، شیخ انور بھی حضرت خواجہ سے خلافت و اجازت حاصل کر کے خلائق کے ارشاد میں سرگرم عمل ہو گئے اور اپنے وطن کی قطبیت

کی بشارت حاصل کی اور دلی حلاوت کے ساتھ بیٹھ گئے۔ حضرت خواجہ کے وصال کے بعد عرس کے زمانے میں آپ سرہند آتے تھے اور دونوں روضوں کا طواف کرتے اور پھر واپس اپنے وطن چلے جاتے تھے۔

(شیخ انور) کی بہت سی کرامات (تصرفات) کے بارے میں سنا ہے......

(شیخ انور) کا مولد، مسکن اور مدفن وہی ان کا قصبہ (نزد نور سرائے) ہے، ان کے فرزندوں میں ان کی نسبت شریفہ آج تک جاری ہے......

شیخ حسین منصور جالندھری

کنز ۱۹

عارف مشہور شیخ حسین منصور جالندھری قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۷۸) شیخ حسین منصور کا مولد و مسکن جالندھر کے قصبات میں سے ایک قصبہ ہے لیکن چونکہ جالندھر ایک مشہور قصبہ ہے جو کہ دوآبہ کے قصبات میں سے ہے، اس لیے جامعین مکتوبات (معصومیہ) نے ان کی نسبت (جالندھری) اختیار کی ہے، (ہم جیسے) تابعین کے لیے ان حضرات کی اقتداء لازم ہے۔

(شیخ حسین منصور) ہمارے حضرت خواجہ کے اجل اصحاب میں سے تھے جو سیر و سلوک میں تیزی (سرعت) سے موصوف تھے، انہوں نے حضرت خواجہ کے آخری دور حیات میں آپ کی صحبت اختیار کی تھی جس میں حضرت کا فیض شدید بارش کی طرح برستا تھا جو شیخ حسین منصور کے نصیب میں ہوا۔ چونکہ ان کی استعداد بلند اور فطرت عالی تھی اس لیے ان کا کام (سلوک) دوسری نوعیت کا تھا، ان کے نام (حضرت خواجہ کے) مکاتیب میں بکثرت بشارتیں تحریر ہیں، اگر آخری دو جلدوں کی طرف رجوع کریں تو ان کے اور دیگر اصحاب صاحب کمال کے احوال معلوم ہو جائیں گے ......[1]

انہیں اپنے وطن (جالندھر) کی خلافت سے سرفراز کر کے ان بقعات کی قطبیت

---

[1] مکررات۔

بھی سونپی گئی تھی وہ بہت سی کرامات سے بھی ممتاز کیے گئے تھے، وہ استقامت بر شریعت سے بھی موصوف تھے، وہ ہر سال حضرت خواجہ کے عرس کے موقع پر سرہند شریف آتے تھے ان کی نسبت شریفہ ان کے دوستوں اور مریدین میں آج تک اسی طرح جاری ہے۔

(شیخ حسین منصور) کا مدفن ان کا وہی قصبہ ہے جو ان کا مولد و مسکن ہے، کہتے ہیں کہ ان کے مزار سے عجیب کیفیت کا ظہور ہوتا ہے، ان کے مزار سے بہت ہی روشن انوار نظر آتے ہیں یہاں تک کہ عامۂ مسلمین جو زیارت (مزار) کے لیے آتے ہیں بے ہوش ہو جاتے ہیں، پھر اہل دل کی کیا حالت ہوگی؟ ہاں حضرت خواجہ کے اصحاب سب سے جدا ہیں، جو کہ محبوب کے کمالات کے آئینے ہیں، لیکن مبصر بھی ان انوار کا ادراک کرسکتا ہے۔ جبکہ کور باطن (۴۷۹) اس بحث سے خارج ہیں ......

اخوند سجاول سرہندی

کنز ۲۰

جامع الفضائل اخوند سجاول قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۸۰) اخوند سجاول کا مولد اگرچہ قصبہ مورندہ ہے جو کہ بلدۂ طیبہ سرہند کے مضافات میں چھ سات میل خام کے فاصلہ پر واقع ہے، لیکن ان کا مسکن تحت اقدام حضرت خواجہ (یعنی سرہند شریف میں ہی ہے)

حضرت اخوند ایک پرہیز گار عالم اور کثیر الاعتبار فاضل تھے وہ حضرت خواجہ کے قدیم اصحاب اور اس قبلہ درویشان کے مقبول خاص گزرے ہیں، انہیں عالی شان بشارتوں سے نوازا گیا تھا۔ (حضرت اخوند) نے شرح وقایہ کا حضرت خواجہ کے حکم اقدس سے فارسی دانوں کے عام فائدہ کے لیے عربی سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔

(حضرت اخوند) اکثر حضرات احمدیہ (مجددیہ) کے استاد ہیں چنانچہ حضرت قبلہ

گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) ماموں مکرم حضرت شیخ محمد سیف الدین، چچا صاحب شیخ عبداللطیف اور حضرت وحدت **قدسنا اللّٰہ سبحانہ باسرارھم** نے بلااشتباہ حضرت اخوند کی خدمت میں پڑھا ہے، اور غالب گمان ہے کہ ماموں صاحب کمال حضرت شیخ محمد صدیق نے بھی اخوند سجاول کی خدمت میں دینی علوم کا استفادہ کیا ہے اور چند کتب ان کی خدمت میں پڑھی ہیں، حضرت خواجہ کی قرآن مجید کی سماعت بھی حضرت اخوند سے ہی وابستہ تھی اگرچہ ان کے علاوہ حضرات بھی اس دولت قصوٰی میں شریک تھے اور انہوں نے بھی یہ سعادت حاصل کی تھی، جیسا کہ حافظ عبدالکریم توہانی کے احوال کے ضمن میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

حضرت خواجہ کو وصال کے بعد غسل دینے کی سعادت بھی حضرت اخوند کو نصیب ہوئی تھی چنانچہ ام المریدین جدۂ محترمہ (زوجۂ حضرت خواجہ) **قدس سرھا** اپنی مجالس خلوت میں صاحبزادیوں اور مخلصات کے سامنے حضرت اخوند کے حق کا ذکر کیا کرتی تھیں۔ (۴۸۱) خال اکرم حضرت مروج الشریعت **قدسنا اللّٰہ سبحانہ** کے وصال کے وقت حضرت اخوند آپ کے رفیق سفر تھے، اس لیے انہوں نے آپ کو بھی غسل دینے کی سعادت حاصل کی چنانچہ آپ کے احوال کے باب میں یہ معاملہ تحقیق لکھا جا چکا ہے کہ حضرت اخوند نے آپ کو غسل دیا، حضرت اخوند حضرت خواجہ کو اکثر اپنے ہاں دعوت کے سلسلے میں تکلیف دیتے تھے ایک مرتبہ ان کے گاؤں جو کہ حضرت اخوند کے لیے مدد معاش کے طور پر تھا اور سرہند سے صرف چار فرسنگ کے فاصلہ پر ہے جو قریۂ برکت چرک [1] کے قصبات میں سے ہے میں حضرت کو لے گئے، اس کا

---

[1] قریۂ چرک، ضلع فیروز پور میں ہے (سیر پنجاب ۴۰۶) Atlas of the Mughal Empire (4-A, 30+75+)

Chirak is in the midst of the Moga Tahsil of Frozpur districk (Gazetteer of Kalsa state part A.P.2)

اس گزیٹیر میں شامل نقشہ نمبر ا کے نیچے دیے گئے ناموں میں بنگار چرک نام بھی آیا ہے، فیروز پور ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں چرک کو ایک چھوٹا سا گاؤں بتایا گیا ہے۔

مطلب یہ صرف یہ بتانا ہے کہ حضرت اخوند کو حضرت خواجہ کی نظر میں خاص مقبولیت تھی، وہ یہ کہ حضرت اخوند کا مدفن حضرت خواجہ کے روضہ میں ہوا جو کہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور وہ سایۂ معصومی میں آسودہ ہیں اگرچہ ان کا وصال سرہند سے تین چار منزل کے فاصلہ پر (برکت چرک) میں ہوا لیکن ان کی دعا جو کہ زبان حال سے کرتے تھے قبول ہوئی......

میر رفعت بیگ گرزدار

کنز ۲۱

شجاعت شعار میر رفعت بیگ گرزدار قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۸۲) (میر رفعت بیگ) کو معرفت کی دولت میسر آ گئی اور پستی کے علائق سے خلاصی ملی اور وہ حقائق کی بلندی سے ہم کنار ہوئے اور صورتوں کی تنگی سے وسعت معانی سے دل بستہ ہوئے، وہ شاہ جہان بادشاہ کے طلائی گرز بردار تھے، وہ حضرت خواجہ کے فدویان خاص میں سے گزرے ہیں اور خلافت مطلقہ سے ممتاز کیے گئے اس کتاب کی تالیف کے دوران ان پر حضرت خواجہ کی عنایات کی شہادت ملی، جسے بیان کر رہا ہوں کہ اب ۱۱ شعبان معظم ۱۱۳۴ھ ہے اور میں اس کنز کی ترقیم تک پہنچا ہوں...... (ایک مرتبہ) حضرت خواجہ کمال سرور میں تھے کہ ایک مخلص مغلوں کی صورت میں لباس شاہانہ (فاخرہ) میں حاضر ہوا، مکالمات قدسیہ کے بعد اس نے ان مقامات (کتاب حاضر) کے فضل کے بارے میں بیان کرنا شروع کیا اور اس راقم (مولف) کو عمدہ بشارتوں سے نوازا پھر فرمایا کہ میں رفعت بیگ حضرت خواجہ کے اصحاب مخصوص میں سے ہوں، پھر اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مغل جو فنا و بقا تک پہنچا ہے میں ہی ہوں، پھر ظل سے اصل کی طرف آئے، اور اعتبار حاصل کیا .... اس لیے ان کے نام مکتوبات شریفہ میں، ایک مکتوب یہاں نقل کر رہا ہوں

کیوں کہ وہ آپ کے قدیم اصحاب میں سے ہیں، پھر رفعت بیگ نے بشاشت کے ساتھ فقیر کی طرف دیکھتے اور انکسار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس فدوی میں یہ لیاقت ہی کہاں ہے کہ اس کا شمار حضرت خواجہ کے خلفائے عالی مقام میں کیا جائے، فرمانے لگے کہ تم (مولف) میرے مقبول احباب میں سے ہو اور اس قسم کے دوسرے امور کا مفہوم بھی ہوا۔ مکتوبات (معصومیہ) کے دفتر اول کا ایک مکتوب نقل کر رہا ہوں کیوں کہ اس وقت یہی جلد موجود ہے اور وہ مکتوب ان کے ابتدائی احوال پر مبنی ہے، بلکہ اس میں وہ امور تحریر ہوئے ہیں کہ اس راہ کے طالب کے لیے وہ ناگزیر ہیں، وہ اس جلد مبارک کا مکتوب نمبر ۳۶ ہے:[۱]

نظم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو برادر عزیز میر رفعت بیگ (۴۸۳) آپ تعلقات کی پستی سے حقائق کی بلندی پر فائز ہوں اور ظاہر کی تنگی سے باطن کی وسعت کی طرف توجہ کریں اس چند روزہ زندگی کو جس کی بدولت ہمیشہ کا ملک حاصل ہوتا ہے فضولیات میں صرف نہ کریں اور بے چون حقیقی (اللہ تعالیٰ) جل مجدہ کی مقدس بارگاہ کی طرف متوجہ رہنے کو ترک نہ کریں۔

''ہمیشہ ہر جگہ ہر شخص کے ساتھ کام میں دل کی آنکھ کو خفیہ طور پر یار کی طرف رکھو'' (ترجمہ شعر)

تاریک راتوں کو اذکار کی پابندی کے ساتھ روشن کریں، صبح کے وقت گریہ اور استغفار کو غنیمت تصور کریں، عمر کا بہترین حصہ ہاتھ سے نکلے جا رہا ہے اور کام کا وقت ختم ہونے کو ہے ہم کس عذر کے تحت آج کا کام کل پر ڈالیں کیوں کہ ہر آج کا کل نہیں ہوتا، اصل کی فکر کرنی چاہیے اور ظل سے

---

[۱] مطبوعہ جلد اول میں یہ مکتوب نمبر ۳۸ ہے۔

اصل کی طرف جانا چاہیے ''پس تم اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑ کر جاؤ''

''ہم نے مقصود کے خزانہ کی نشاندہی کر دی ہے اگر ہم نہ پہنچے تو شاید تم ہی پہنچ جاؤ'' (ترجمہ شعر)

والسلام علیکم، مکتوب گرامی ختم ہوا اور قابل عمل حکم ادا ہو گیا۔

میر (رفعت بیگ) کا مدفن مجھے معلوم نہیں ہے، ممکن ہے کہ دہلی شریف ہو، والعلم عنداللّٰہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ و اتباعہٖ اجمعین۔

شیخ پیر دہلوی

کنز ۲۲

عارف روشن ضمیر شیخ پیر دہلوی کے بعض احوال

شیخ پیر اس بلدۂ معظّمہ (دہلی) کے شرفاء اور خوبان روزگار میں سے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سعادت ان کے شامل حال ہوئی اور وہ حضرت خواجہ کی ارادت میں آ گئے اور کمالات معصومی جو کہ اصالت قیومی پر مبنی ہیں کے ناظر ہوئے، نفحات ولایت احمدی جو کہ سر سرمدی کے مخزن ہیں کے اعتقاد میں آ کر خلافت کے مستحق ہوئے، حضرت خواجہ کے حکم کے مطابق وہ اپنے وطن مالوف (دہلی) میں اس امر رفیع القدر (دعوت وارشاد) کی مسند پر بیٹھے۔

کہتے ہیں کہ قبر کی تجلی جسے شیخ محی الدین ابن عربی اور ان کے متبعین قدس اسرارھم تجلی ذات سے تعبیر کرتے ہیں پر مدتوں استقرار رہا، پھر بالآخر حضرت خواجہ کی عنایت سے اس تنگی سے خلاصی حاصل ہوئی اور تجلی ذات کو حضرت مجدد الف ثانی کی (تشریح) کے مطابق دائمی طور پر سمجھ گئے، جیسا کہ حضرت خواجہ خود تحریر فرماتے ہیں:

فتح

والذات اذا تجلی لا استتار له

یہ وہی ہے جسے کہ مخدوم زادہ خامس قطب المحققین شیخ سیف الدین قدس سرہ نے اپنے ایک مکتوب میں تجلیات خمسہ یعنی تجلی ذاتی، صفاتی، اسمائی، شیونی اور اعتباراتی ہوتی ہیں کے بارے میں ان (شیخ پیر) کو لکھا ہے جو کہ اس کتاب کی کنز پنجم کے مفتاح ہفتم میں آنحضرت (شیخ سیف الدین) کا مکتوب نقل کیا جا چکا ہے، اس کی طرف رجوع کریں۔

شیخ پیر دہلوی کا مولد، مسکن اور مدفن دارالخلافہ شاہ جہان آباد (دہلی) ہے، **رحمۃ اللّٰہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً و صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔**

شاہ حسین عشاق اورنگ آبادی

کنز ۲۳

عارف شہرہ آفاق شاہ حسین عشاق قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۸۵) شاہ حسین عشاق صاحب جذب و کرامات اور معارف و تصرفات کے مالک تھے، ان کا مولد اگرچہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہے لیکن ان کا مسکن خجستہ بنیاد اورنگ آباد ہے۔ انہوں نے طریقت کے حصول کا آغاز عارف اکبر شیخ ابوالمظفر (برہانپوری) قدس سرہ کی خدمت میں کیا، ان کا کام (مشق سلوک) اعتبار کے مرتبہ کو پہنچ گیا اور پھر بالآخر وہ اپنے شیخ (ابوالمظفر) کے ہمراہ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت کی نظر کیمیا اثر میں منظور ہوئے، توجہات سے ممتاز کیے گئے اور پھر بلاواسطہ خلافت سے سرفراز کیے گئے، فرماتے تھے کہ حضرت خواجہ کے حین حیات میں سات مرتبہ سرہند شریف حاضر ہوا ہوں، اور ہر مرتبہ ایک ہفتہ سے زیادہ اقامت کا

موقع میسر نہیں آیا، پہلی مرتبہ اس وقت اپنے شیخ کے ہمراہ جو حضرت کے خلیفہ بھی تھے اور مجھے ابھی داڑھی بھی نہیں آئی تھی، سرہند شریف حاضر ہوا اور حضرت قیومیت مرتبت کے حضور مشرف ہوا:

احمر

تو زبان مقدس سے فرمایا ''تم اس بچے کی استعداد پر نظر رکھو'' محض ان دو لفظوں کا فرمانا تھا کہ میرے دل کا سارا خانہ پر ہو گیا، اس دن سے شیخ جیو (ابوالمظفر) اس بے پر و بال کی بلندیٔ اقبال پر مختلف طریقہ سے توجہ فرمانے لگے، انہی دنوں حضرت خواجہ نے ایک روز شیخ ابوالمظفر سے میرا نام پوچھا، انہوں نے کہا ''حسین'' حضرت خواجہ نے فرمایا ''شاہ حسین عشاق'' یہ روایت مجھے براہ راست (شاہ حسین عشاق) سے سننے کا اتفاق ہوا ہے جو ان دنوں (قلعہ) پرینده میں تھے یہ قلعہ دکن کے مشہور قلعہ جات میں سے ہے۔

حضرت خواجہ کے فرزندوں میں سے مخدوم زادۂ ثالث مروج الشریعت قدس سرہ کو جو کہ حضرت خواجہ کی افضل اولاد سمجھا گیا ہے، ممکن ہے کہ شیخ ابوالمظفر کا بھی یہی اعتقاد ہو کیوں کہ انہوں نے بھی حضرت خواجہ کے بعد انہی سے توجہ لی تھی، جیسا کہ اس مفتاح کی چوتھی کنز میں بیان ہو چکا ہے، اور اگر قلم شاہ حسین عشاق کی کرامات لکھنے میں آئے تو اس کنز کے کئی اجزا اس پر صرف ہو جائیں چونکہ اس سے پہلے کی شخصیات کے باب میں اس سلسلہ میں سکوت اختیار کیا گیا ہے اس لیے یہاں بھی یہی مناسب ہے۔ (شاہ حسین عشاق) کا قاعدہ یہ ہے کہ جو کوئی بھی حاجت مند ان کی خدمت میں جاتا ہے تو اس کی حاجت کو وہ بنظر کشفی معلوم (۴۸۶) کر کے بتا دیتے اور پھر حاجت اور حاجت مند کی حیثیت کے مطابق پہلے سے ہی اس کی نیاز مقرر کر دی جاتی تھی اور نیاز کی رقم کو کسی تیسرے فریق کے پاس بطور امانت رکھوا دیتے تھے، جب حاجت مند کی وقت مقررہ پر حاجت پوری ہو جاتی تو آپ نیاز قبول کر لیتے تھے اگر

پوری نہ ہوتی تو کبھی قبول نہ کرتے لیکن ان کا کہا ہوا اکثر پورا ہو جاتا تھا کبھی اس کے خلاف واقعہ نہیں ہوا، اگر پہلے ہی اس حاجت کے بارے میں آپ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ پوری نہیں ہوسکتی ہے تو فرماتے کہ تمہارا یہ کام ہونے والا نہیں ہے، میں کیوں کر نیاز لینے میں دعا کروں۔

فرماتے تھے کہ چونکہ مسنون عمر تریسٹھ سال ہے، حضرت مجدد الف ثانی کی عمر بھی اتنی ہی ہوئی تھی، ممکن ہے کہ ان کے پیر اول شیخ ابوالمظفر (برہانپوری) کی عمر بھی اتنی ہی ہوئی ہو، اس لیے ہماری عمر بھی اتنی ہی ہوگی، بظاہر ان کی عمر بھی اتنی ہی ہوگی ان دنوں (ایام ملاقات) انہوں نے اپنی عمر چھپن سال بتائی تھی اس کے سات سال بعد ان کا واقعہ (وفات) حدود ۱۱۰۹ھ پیش آیا۔

(شاہ حسین عشاق) کا مدفن وہی ان کا بلدۂ مذکورہ (قلعہ پرینده) ہے، **رحمة اللّٰہ تعالٰی واسعةً و صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین۔**

خواجہ عبدالصمد کابلی

کنز ۴۴

عارف باللہ الاحد خواجہ عبدالصمد کابلی قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۸۷) خواجہ عبدالصمد ولایت (افغانستان) کے بزرگ زادہ اور صاحب مقام ارشاد و ہدایت تھے، جسے وہ ترک کرتے ہوئے حضرت خواجہ کی خدمت میں پہنچے، منظور نظر عنایت ہو کر ولایت ظلی و اصلی حاصل کی اور اس طرح انہیں کمالات نبوت **علٰی اربابہا الصلٰوۃ والتسلیمات** بھی ملے، اور صاحب مسند ارشاد ہوئے، حضرت خواجہ سے خلافت لے کر اپنے وطن میں رہنمائی خلائق میں مصروف ہو گئے۔

مختصر یہ کہ شیخ عبدالصمد حضرت خواجہ کے قدیم اصحاب میں سے تھے وہ کئی بار

خدمت قیومیت رتبت میں پہنچے، اور خرمن معصومی سے اپنے نصیب کا دانہ حاصل کیا، او معرکہ ابرار میں صاحب اعتبار ہو گئے، مہمان نوازی میں بے مثال تھے، چنانچہ ایک دن اس فقیر (مولف) کی موجودگی میں اپنے بیٹوں کو وصیت فرمائی کہ گھر میں جو کچھ بھی ہے اور جو بھی مہمان ہے (ہر ایک کو دے دیں)

خواجہ (عبدالصمد) کا مولد قصبہ دیہ یعقوب ہے جو کابل سے لاہور کی جانب صرف ایک فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے، جہاں ایک عمدہ خانقاہ تعمیر کروائی ہے جہاں مسافروں (عابران) کی خدمت کی جاتی ہے جہاں ہر کوئی اپنے نصیب کا رزق حاصل کرتا ہے اگرچہ خواجہ (عبدالصمد) کا زیادہ وقت بلدہ (کابل) میں گزرتا ہے لیکن ان کے فرزند یہ کام (نان دہی) انجام دیتے ہیں۔

خواجۂ عالی تبار (عبدالصمد کابلی) کے وصال کے بعد ان کی اولاد نے بھی مہمان نوازی کا وہی التزام قائم رکھا ہے، خواجہ نے آخری عمر میں حج کی سعادت بھی حاصل کی تھی اس کے باوجود کہ بہت ہی دشوار تھا لیکن حضرت حق سبحانہ کی مدد سے انہوں نے (حج کیا) اور واپس اپنے وطن آ کر فوت ہوئے، **رحمة اللّٰہ سبحانہ رحمةً واسعةً**، (خواجہ عبدالصمد کابلی) کا سال وصال ۱۱۰۸ھ ہے، اور دیہ یعقوب کے باغات میں سے ایک باغ میں ان کا مدفن بنا۔

(مجھے (مولف) کو ایک روز انہوں نے بتایا کہ) یہ فقیر اپنے انتقال سے چند روز پیشتر اس باغ میں گیا اور وہاں اپنی قبر دیکھی، وہاں کچھ دیر بیٹھا رہا یہاں تک کہ وہ نور سے منور ہو گئی، یہ ان کا حسن ظن تھا، حق سبحانہ اس کے موافق اس سے معاملہ کرے .... **والصلوٰة والسلام علی سید الاولین و الآخرین و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین الیٰ یوم الدین۔**

شیخ عبدالکریم کابلی

کنز ۲۵

عارف اسرار قدیم شیخ عبدالکریم کابلی قدس سرہ کے بعض احوال

(۴۸۸) شیخ عبدالکریم، حضرت خواجہ کی عنایت سے ممتاز اور اپنے وطن (کابل) کی قطبیت سے سرفراز کیے گئے تھے اس کے باوجود کہ حضرت خواجہ کے وہاں سے بہت سے خلفاء ہوئے ہیں، جن میں سے ہر ایک معارف و اسرار کے حلیہ سے آراستہ تھا، چنانچہ یہ دولت (شیخ عبدالکریم) کو بھی ملی، اس کتاب کی مفتاح ہفتم کی دوسری کنز میں اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔

مخدوم زادۂ عالی مرتبہ صاحب مقام ارشاد و تکمیل شیخ محمد اسماعیل سلمہٗ ربہٗ نے ابھی پرسوں ہی مجھ سے بیان فرمایا ہے کہ حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ کی زوجہ کے والد میر عبداللہ جو کہ بہت سے کمالات سے متصف تھے، (سلوک و عرفان) کی دولت ملنے سے پہلے حضرت خواجہ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے آستان بوسی کا شوق تحریر سے کہیں زیادہ ہے لیکن یہاں کی تعیناتی اور بخشی گری کابل کی خدمت دو ایسی زنجیریں ہیں کہ اس راہ میں مانع آرہی ہیں کہ یہ بے نظیر دولت مجھ سے چھوٹ گئی ہے، اس لیے اس دولت کے حصول کے لیے اپنے خلفاء میں سے کسی کی طرف اشارہ فرمائیے کہ میں اس سے توجہ لے سکوں اور آپ کی ارادت میں داخل ہو کر اپنا ہاتھ اس عزیز کے ہاتھ میں دے دوں، تو اس مضمون کا ایک نوازش نامہ مرقوم فرمایا کہ یاران فقیر میں سے خواجہ محمد حنیف اور شیخ عبدالکریم کسی ایک سے ملو تمہیں انشراح صدر حاصل ہو جائے گا اور اس سے مزید اعتقاد پیدا ہو گا۔

آخر کار میر عبداللہ خواجہ محمد حنیف کابلی قدس سرہ سے منسلک ہو گئے اور شیخ نے ان خواجہ عالی شان (محمد حنیف کابلی) سے کمالات حاصل کیے۔

مختصر یہ کہ شیخ (عبدالکریم) زمانے کے عزیز ترین افراد میں سے گزرے ہیں ان کی صحبت عشاق کے دلوں کو متاثر کرتی تھی وہ حدود ۱۱۱۴ھ کو فوت ہوکر بلدہ فاخرہ کابل میں دفن ہوئے، رحمۃ اللّٰہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً ......

شیخ قاسم کابلی

کنز ۲۶

عارف باللہ القائم الدائم شیخ عبدالکریم کابلی ولد صوفی مغربی رحمہما اللہ سبحانہ کے بعض احوال

(۴۸۹) شیخ قاسم حضرت خواجہ کے خاص منظور نظر اور راز دان اسرار (عرفان) تھے، انہیں عالی شان بشارتوں سے سرفراز کیا گیا اور وہ کمالات سے ممتاز ہوئے، انہیں اصالت کا بھی دعویٰ ہے اور ان کے مافی الضمیر میں قیومیت کا خلجان بھی ہے، ان کی ہتھیلی کے مساوی ایک منقوش ژالہ ان کے پاس گرا فرمایا کہ اے مسلمانو توبہ کرو کہ جو کچھ میرے ہاتھ میں ہے وہ اس حالت میں آسمان سے مجھ تک پہنچا ہے، اس فقیر نے فی الواقع اسے دیکھا ہے اس پر اس دنیا کے نقوش معلوم نہیں ہوتے، یہ حقیر اس پتھر میں اس قسم کے رنگ نہیں بھر سکتا، اس کا علم صرف اللہ سبحانہ کو ہی ہے اور اس سے اوپر کے علم کے بارے میں بھی وہی جانتا ہے۔

(شیخ قاسم) کی وفات کی خبر صحیح طور پر مجھے معلوم نہیں ہے، جس شخص سے میں نے یہ خبر سنی ہے اسے صحیح طور سے یاد نہیں ہے، اس لحاظ سے ان کے بارے میں دو نوعیت کی خبر ہوگی اول یہ کہ اگر وہ زندہ ہیں تو زندہ اصحاب کے لیے جو دعا ہوتی ہے کی جائے گی سلمہ اللہ تعالیٰ اور اگر وہ فوت ہوگئے ہیں تو دعائے رحمت ہو، یعنی رحمۃ اللہ و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ اجمعین و بارک وسلم۔

ملا محمد امین حافظ آبادی

کنز ۲۷

عارف حق الیقین ملا محمد امین حافظ آبادی قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۹۰) ملا محمد امین صاحب اسرار بلند و معنی ارجمند تھے، انہوں نے عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت خواجہ کی خدمت میں گزارا اور بحر معرفت میں غوطہ زنی کی اور ان کے فقر سے نایاب موتی ہم دست ہوئے، سرائر اصالت جو کہ محبوبیت ذاتی اور کمال انفعالی سے عبارت ہے پر فوقیت حاصل کر کے انوار احمدی (مجددی) سے بہرہ ور ہوئے اور پھر سرادقات معصومی میں اشعات قیومی کے ناظر ہوئے، مکتوبات (حضرت مجدد الف ثانی) جو کہ شش جہت کو منور کرنے والے ہیں کے مطالب پر مہارت حاصل کر کے مخدوم زادہ قطب المحققین شیخ سیف الحق والدین قدس سرہ سے ''مکتوب خوان'' کا خطاب حاصل کیا، حضرت خواجہ سے خلافت لے کر اپنے وطن (حافظ آباد) میں گوشۂ ارشاد مزین کیا پھر وہاں کی مداریت سے بھی سرفراز ہوئے، انہوں نے علوم حال و قال (باطنی و ظاہری) کو مروج کیا۔ چونکہ حافظ آباد دارالسلطنت لاہور کے مضافات میں ایک قصبہ ہے اس لیے کبھی کبھی معارف آگاہ مرحوم شیخ محمد باقر جن سے ان کی ہمشیرگی (بھائی) کی نسبت ہے اس میں جب جوش پیدا ہوتا تو جلدی سے ان کی خدمت میں چلے جاتے اور پھر اپنے وطن مالوف جو کہ لاہور سے صرف تین مرحلوں پر واقع ہے واپس آ جاتے۔

(ملا محمد امین حافظ آبادی) کا مولد، مسکن اور مدفن ان کا مذکورہ قصبہ ہی ہے، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

شیخ عطاء اللہ سورتی

کنز ۲۸

عارف بلا اشتباہ شیخ عطاء اللہ سورتی ثم خجستہ بنیادی قدس سرہٗ کے مختصر احوال

(۴۹۱) شیخ عطاء اللہ عرصہ دراز تک حضرت خواجہ کی خدمت میں رہے اور پھر خلافت سے سرفراز کیے گئے پھر صاحب معنی و کمالات ہو گئے، ان کا حظ بھی بلند پایہ تھا، انہوں نے قرآن مجید کے تین نسخے اپنے ہاتھ سے کتابت کیے ایک حضرت سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ منورہ کے لیے، دوسرا حضرت خواجہ کے مرقد شریف کے لیے اور تیسرا نسخہ حضرت خواجہ بزرگ خواجہ بہاء الدین نقشبند قدس اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے مرقد شریف کے لیے بھیجا۔

شیخ عطاء اللہ مدت سے خجستہ بنیاد (اورنگ آباد) میں مقیم تھے وہیں اس عالم سے کوچ کیا۔ رحمۃ اللّٰہ سبحانہ و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

شیخ نور محمد سورتی

کنز ۲۹

عارف مجد شیخ نور محمد سواتی قدس سرہ کے بعض احوال

شیخ نور محمد حضرت خواجہ کے مخلص یک رنگ تھے، انہیں عالی شان بشارتوں سے نوازا گیا تھا، ان کی صحبت قیوم عالم (حضرت خواجہ) کے نزدیک مقبول تھی، فنا اور محویت تو پہلی صحبت میں ہی ایسا لگتا تھا کہ ان کے چہرہ سے جیسے گرمی کے موسم میں گرمی کی شدت سے کسی بار بردار کے چہرہ سے پسینہ ٹپکتا ہے، (پھر دوسری صحبت میں)

ان کا معاملہ (سلوک) حد درجہ بلندی پر پہنچ گیا تو خلافت معصومی کے حق دار ہوئے، انہیں اپنے وطن مالوف (سورت) میں مسند ارشاد پر متمکن کیا گیا وہیں جان جان آفرین کے سپرد کی، رحمة اللّٰہ تعالیٰ رحمةً واسعةً۔

شیخ عطاء اللہ کا مولد، مسکن اور مدفن بلدہ سورت ہے، و صلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و صحبہٖ و اتباعہٖ اجمعین و بارک وسلم۔

حافظ محسن سیالکوٹی

کنز ۳۰

عارف اسرار جبروتی حافظ محسن سیالکوٹی قدس سرہ کے مختصر احوال

(۴۹۳) حافظ محسن صاحب معانی بلند اور کمالات ارجمند کے مالک تھے، وہ عنایات قیومی سے ممتاز ہو کر خلافت معصومی سے سرفراز کیے گئے، حضرت خواجہ ان کے احوال پسند کرتے تھے اور ان کے احوال کی تعریف کیا کرتے تھے مجھے انہی الفاظ میں یہ روایت شیخ محمد باقر لاہوری قدس سرہ سے سننے کا موقع ملا ہے، کہتے ہیں کہ حافظ محسن اعلیٰ اخلاق سے متصف تھے، مہمان کا اپنی حیثیت سے بڑھ کر احترام کرتے تھے، خویش اور درویش سبھی ان کی حضرت خواجہ سے محبت کے دلائل دیتے ہیں، حافظ محسن مکتوبات (حضرت مجدد الف ثانی) کے درس کا اہتمام کرتے اور ان کے معنی بھی بیان کیا کرتے تھے (تشریحات کرتے تھے)

حضرت خواجہ کے وصال سے چند سال بعد (حافظ محسن) بھی وصال فرما گئے، رحمة اللّٰہ واسعة (ترجمہ آیت) "اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کی ہیں، اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر فتح دے"

جب قلم اسرار بیان کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا اور خلفائے کرام کے احوال

جب تیس تک پہنچے جو قرآنی اجزا اور ماہ رمضان کے روزوں کی (تعداد کے مساوی ہیں) تو اس سے یہ دقیقہ اخذ کیا کہ مزید کوئی کنز اس سے بڑھائی نہ جائے، محرمِ طبیعت اصحاب سے مشورہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ اس مفتاح کی تیس کنزیں ہی رہنے دی جائیں باقی دیگر اصحاب کے احوال کے لیے ایک ذیل بنا دیا جائے جس میں ان اصحاب کے حالات یکجا کر دیے جائیں .... (۴۹۴) احباب نے یہ بھی مشورہ دیا کہ طوالت سے بچنے کے لیے ان کے احوال بھی مختصر ہی لکھے جائیں، پھر اس امر کا شبہہ ایک جماعت کو رہے گا کہ آیا جن اصحاب کے احوال کنزوں میں لکھے گئے ہیں کیا وہ ذیل میں شامل احباب سے افضل ہیں؟ تو اس پر میں نے کہا کہ یہ سب پر لازم نہیں آتا کیوں کہ ذیل میں شامل اصحاب بھی کامل شان سے متصف ہیں، چنانچہ اس کا بھی اجمالاً ذکر کیا جائے گا، **ان شاء اللّٰہ تعالیٰ**، لیکن سابقہ کنوز میں شامل اصحاب بلاشبہہ حضرت خواجہ کے افضل خلفاء ہیں اور آنے (والے ذیل میں) جو احوال لکھے گئے ہیں وہ اس قبیل کے ہیں کہ وہ اشارت غیبی سے بغیر کسی فاضلیت اور مفضولیت کے میرے سینہ پر وارد ہوئے اور میں نے اپنے مقدور کے مطابق انہیں لکھ دیا یہ بھی میخانۂ معصومی کے خماران ہیں، جو وادی اصالت کو عبور کر کے انوار احمدی (مجددی) کے ناظر ہیں اور پس پردۂ معصومی ہی ہیں ....

ذیل

حضرت خواجہ کے ارشاد کا دامن (اتنا وسیع ہے کہ) کوئی مشہور اور غیر مشہور شہر ایسا نہیں ہے جہاں فیض رسانی کے لیے آپ نے اپنا صاحب کمال خلیفہ ارسال نہ کیا ہو، لیکن یہ لازم نہیں ہے کہ ان سب کا (ہمیں) علم ہو اور یہ بھی (بظاہر ممکن نہیں ہے) کہ وہاں ہم گئے ہوں لیکن چند بلاد، قریے اور قصبوں سے کہ مختلف تقریبوں کے دوران ہمارا وہاں سے گزر ہوا تو ان مقامات پر متعدد صاحب اسرار اصحاب کو دیکھا اور سنا کہ جن کی تفصیل اور ان سب کے نام اور ان کے مساکن کے نام ذہن میں رہ جانا ممکن

نہیں، مثال کے طور پر ایک شہر دارالسلطنت لاہور کو لیجیے جو قطب البلاد ہے کہ سابقہ کنوز میں صرف دو خلفاء کے احوال بیان کیے جا سکے ہیں۔ (اب باقی اصحاب کے احوال ملاحظہ ہوں):

حافظ محمد شریف لاہوری

(۴۹۵) حافظ محمد شریف قدس سرہ حضرت خواجہ کے اکابر اور اجل اصحاب میں سے گزرے ہیں۔ موصوف صاحب معنی و اسرار تھے، ان کا مولد، مسکن اور مدفن بلدۂ مذکورہ (لاہور) ہے، مکتوبات (معصومیہ) کی جلد اول میں ان کے نام مکاتیب نظر آتے ہیں جو ان کے ابتدائی زمانۂ (سلوک) کے ہیں، اس کے بعد ان کا کمال اس بے پروبال (مولف) کے قول سے زیادہ ہو گیا، محض تبرک کے طور پر ان کے نام مکتوب نمبر ۱۳۲ یہاں نقل کر رہا ہوں:

فح

جناب برادرم حافظ محمد شریف اوقات کی حفاظت اور نسبت باطن کے شرف سے مشرف ہو کر اس کی کیفیت کے زیادہ کرنے میں کوشش کر رہے ہیں، آپ کے ذکر قلبی کے دوام کے بارے میں لکھا ہے، کوشش کریں کہ ذکر سے مذکور تک پہنچ جائیں اور راہنمائی کرنے والے سے جس کی طرف راہنمائی کی جائے تک آ جائیں۔ صورت سے حقیقت کے ساتھ مل جائیں اور لفظ سے معنی کی طرف مائل ہو جائیں کسی نے کیا خوب کہا ہے،

''ایک قوم اپنے وجود سے فانی ہے وہ حروف سے معانی پر پہنچ گئی ہے۔''
(ترجمۂ شعر)

اس لمحہ اس زیادہ لکھنے کی وقت میں گنجائش نہیں ہے،

''ایک فرصت کی شب اور عمدہ چاندنی ہونی چاہیے تا کہ میں تجھ سے ہر چیز

کے بارے میں بیان کرسکوں"، (ترجمۂ شعر) والسلام والاکرام

حاجی امان اللہ لاہوری

بھی حضرت خواجہ کے خلفاء میں سے لاہور میں گزرے ہیں، جو کامل مسکنت سے متصف تھے، قبلۂ ولایت (حضرت خواجہ کے) سفر حجاز میں ہمرکاب سعادت تھے، اس مقام (حرمین) کی وہ عنایات جو حضرت خواجہ پر ہوئیں وہ بطریق الوش خور ایک قطرہ انہوں نے بھی چکھا، کیوں کہ وہ حضرت خواجہ کی سچی محبت رکھتے تھے، وہ حضرت خواجہ سے روایات بیان کیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ حضرت خواجہ اس بندہ سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے:

احمر

آمیختہ باش و آویختہ مباش

(۴۹۶) حاجی امان اللہ کا حدود ۱۱۱۰ھ وصال ہوا اور اپنے وطن مالوف (لاہور) میں دفن ہوئے، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

شیخ محمد فاروق لاہوری

شیخ محمد فاروق لاہوری، قدس سرہ بھی صاحب اسرار و معانی تھے، ان کے چہرہ سے نور برستا تھا، اگرچہ ان کی ظاہری آنکھوں کا نور عرصہ دراز سے جاتا رہا تھا، البتہ ان کا نور باطنی آنکھوں میں سرایت کر گیا تھا، ہر وہ کام جو اہل بصارت سے تعلق رکھتا ہو ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا بلکہ کور باطن لوگوں سے جو بظاہر بینا ہوتے تھے سے بہتر طور پر اشکال عالم بیان کرتے تھے، کشف الٰہی کے طریقہ سے جو کام کا اصل مدار ہے وہ اس میں کمال رکھتے تھے، وہ حضرت خواجہ کی محبت میں محو ہو کر خلافت معصومی سے ممتاز کیے گئے۔

اس فقیر (مولف) نے ان کے چند تصرفات بھی دیکھے ہیں جنہیں طوالت کے

خیال سے قلم زد کیا جا رہا ہے، وہ حضرت خواجہ کے بارے میں روایات بھی بیان کیا کرتے تھے، ان شاء اللہ تعالیٰ ان میں سے ایک روایت اس کتاب کے خاتمہ میں تحریر کی جائے گی، کہتے ہیں کہ ان کا وصال ہو چکا ہے، رحمۃ اللّٰہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

شیخ محمد عارف لاہوری

شیخ محمد عارف بھی حضرت خواجہ کے معتبر اصحاب میں سے لاہور میں ہوئے ہیں، ولایت علیا کی بشارت ان کے نام آپ کے مکتوبات شریفہ میں واضح طور پر درج ہے۔

ان کے علاوہ بھی بعض اصحاب (لاہور) میں تھے لیکن ان کے احوال کی تفصیل معلوم نہیں ہے، البتہ یہ معلوم ہے کہ انہوں نے خرمن معصومی سے دانہ کھایا ہے، اور محبت قیومی پر دل و جان سے فدا تھے، چنانچہ ان میں سے محمد حکیم ولد حاجی محمد اسلم وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مولانا محمد امین بخاری ثم پشاوری

(۴۹۷) مولانا محمد امین بخاری ثم پشاوری قدس سرہ بھی حضرت خواجہ کے قابل اعتماد اصحاب میں سے تھے، چنانچہ ان کے کمال کا اندازہ (مکتوبات معصومیہ میں شامل ان کے نام حضرت خواجہ کے مکتوب سے لگایا جا سکتا ہے) جو دیگر مشائخ قدس سرہ کے موافق ہے اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

فتح

میرے مخدوم! اس دید اور اس شہود کو دوسرے مشائخ کمال جانتے ہیں اور فتح الباب کہتے ہیں جو نیک اور مبارک ہے............الخ

اگر اس پورے مکتوب کا جو اس جلد مبارک (اول) کا مکتوب نمبر ۱۱۹ ہے مطالعہ کریں تو اس سے بہت سے فوائد کا مشاہدہ ہو گا، اس میں مندرج (مکاشفات) حضرت خواجہ کی طبیعت کو مقبول ہوئے، اس لیے ان کے شائستہ اقوال حضرت خواجہ

نے منظور فرمائے۔

(مولانا محمد امین) کے نکات میں سے ایک لطیفہ یہاں نقل کر رہا ہوں: وہ فرماتے تھے جس کسی نے مشائخ میں سے حضرت خواجہ کو دیکھا ہے وہ دوسرے شیخ کو ہرگز نہیں دیکھے گا، اور اگر کوئی بادشاہوں میں سے شاہ جہان کو دیکھ لے تو دوسرے بادشاہوں کو دیکھنے کا شوق ختم ہو جائے گا۔ اور جس کسی نے شہروں میں سے شاہ جہان آباد دیکھا ہے تو اس کے دل میں کسی دوسرے شہر کو دیکھنے کا خیال نہیں آئے گا، جب یہ نکتہ حضرت خواجہ نے سنا تو آپ نے پسند فرمایا۔

ان کی جائے مدفن بالیقین مجھے معلوم نہیں ہے، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

حاجی سلیم بلخی

حاجی سلیم بلخی قدس سرہ بھی حضرت خواجہ کے یاران مقبول میں سے تھے اور انہیں ان کے وطن (بلخ) کی خلافت سے ممتاز کیا گیا تھا، انہوں نے مدتوں دعوت و ارشاد کا فریضہ انجام دیا، وصال ہو چکا ہے اور وہیں (بلخ) میں مدفون ہیں، رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

حاجی محمد عاشور بخاری

(۴۸۹) حاجی محمد عاشور بخاری قدس سرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ قبلۂ ابرار (حضرت خواجہ) کے رازدار تھے، انہوں نے حضرت خواجہ کے حضور آپ کے حکم اقدس کے بموجب طالبوں کو توجہ بھی دی، انہوں نے مکتوبات شریفہ (حضرت خواجہ کی جلد ثالث) مخدوم زادۂ ثانی حضرت حجۃ اللہ قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے حسب ایما جمع (و مرتب) کی، طویل عمر پا کر ۱۱۰۷ھ کو رحمت حق میں پیوست ہوئے اور دارالخلافہ شاہ جہان آباد میں مدفون ہیں، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً

واسعۃً۔

حافظ صادق کابلی

حافظ صادق کابلی حضرت خواجہ کے یاران صاحب کمال میں سے تھے، اگر چہ وہ مخدوم زادہ گرامی شیخ ابوالقاسم (بن شیخ صبغت اللہ) قدس سرھما کو تکلیف پہنچانے کی وجہ سے مسلوب الحال ہو گئے تھے لیکن توبہ کرنے کے بعد ان کی سلب شدہ نسبت بحال ہو گئی تھی، پھر وہ حضرت خواجہ کی عنایات سے نوازے گئے، سرہند شریف میں دفن ہیں، رحمۃ اللّٰہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

نذر بیگ سمرقندی

نذر بیگ سمرقندی حضرت خواجہ کے خاص منظور نظر حضرات میں سے ہو گزرے ہیں، مختلف مراتب حاصل کرنے کے بعد رحمت حق میں پیوست ہوئے، رحمۃ اللّٰہ رحمۃً واسعۃً۔

خلفائے دہلی

حضرت خواجہ کے یاران شاہ جہان آباد (دہلی) میں سے اگر چہ شیخ پیر (دہلوی) کے احوال کنوز گزشتہ میں لکھے جا چکے ہیں لیکن ان کے علاوہ سید اسرائیل، مولانا محسن، خواجہ ماہ ولد خواجہ عبدالرحمٰن نقشبندی بھی (دہلی میں) حضرت خواجہ کے معتبر خلفاء میں سے گزرے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے نام حضرت خواجہ کے عنایت نامے مکتوبات شریفہ کی دوسری اور تیسری جلد میں موجود ہیں جو بشارت بخش ہیں، یہ تمام حضرات قدس اسرارھم رحمت حق (۴۹۹) میں پیوست ہو چکے ہیں۔

میر غضنفر داراشکوہی

میر غضنفر داراشکوہی اس صاحب قیومیت (حضرت خواجہ) کی محبت میں محو (فنا)

تھے، حضرت خواجہ کی مختلف عنایات سے سرفراز ہو کر خلافت مطلقہ سے ممتاز کیے گئے، وہ شاہ جہان آباد میں فوت ہوئے، رحمۃ اللّٰہ سبحانہ۔

اس قسم کے دوسرے اصحاب بھی تھے جو کتاب کی تالیف کے وقت مجھے یاد نہیں ہیں، مستقر دارالخلافہ اکبر آباد (آگرہ) میں (حضرت خواجہ کے خلفاء میں سے) سیادت پناہ میر عارف نواسۂ میر محمد نعمان (اکبر آبادی)، میر عبدالفتاح بن میر محمد نعمان مذکور اور شیخ محمد جان کو بھی حضرت خواجہ سے خلافت کا امتیاز حاصل ہوا تھا اگرچہ میر عارف مذکور حضرت مخدومی مکرمی شیخ محمد اسماعیل سلمہٗ ربہٗ کے مقبولوں میں پیش قدم رہے ہیں۔

مولانا جان محمد ورسکی

مولانا جان محمد ورسکی کے فضائل اس امر کا استحقاق رکھتے ہیں کہ سابقہ کنوز میں ان کے احوال تفصیلی طور پر بیان کیے جاتے، لیکن شیطان انسان کو (ایسے امور میں) مانع آتا ہے، لیکن بہرحال حضرت خواجہ کے تصرف سے یہاں یاد آگئے کہ اس ذیل کو بھی بعض کنوز پر فوقیت مل گئی، مولانا کو درجۂ کمال و تکمیل پر فائز ہونے کے بعد بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) کے لیے خلافت معصومی کا مستحق ٹھہرایا گیا، جہاں انہوں نے کامل بے نفسی (بے غرضی) کے ساتھ زندگی گزاری وہ کاسۂ قیومی لیے فضل سبحانی سے دوسرے باریابان محفل سلطانی (جن میں حضرت خواجہ کے کئی خلفاء پہلے سے موجود تھے) کے ساتھ شامل ہوگئے، اس فقیر (مولف) نے بچپن میں اپنے ماموں بزرگ شیخ سیف الحق والدین قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ المتین سے اس عزیز (مولانا جان محمد) کے بہت سے اوصاف سنے تھے، حضرت خواجہ سیف الدین کے مکتوبات شریفہ میں اس عریضہ میں جو آپ نے حضرت خواجہ کی خدمتؒ میں لکھا ہے میں بھی درج ہیں اور اس میں انہیں حضرت خواجہ سے جو محبت تھی جو کہ

کمال کا اصل مدار ہے کا بھی مشروح تذکرہ کیا گیا ہے، رحمة اللّٰہ سبحانہ رحمةً واسعةً۔

خاندان میر عماد الحسینی

میر عماد ہروی حسینی اپنے سارے بیٹوں سمیت یعنی میر مفاخر حسین متخلص بہ ثاقب، میر شرف الدین حسین جو کہ مکتوبات حضرت خواجہ کی جلد ثانی کے جامع ہیں اور انہوں نے یہ کام حضرت شیخ سیف الدین قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ کے ایما پر انجام دیا، میر مظفر حسین بھی جناب قیومیت مآب (حضرت خواجہ) کے مخصوصان میں سے تھے اگرچہ ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت حاصل تھی، میر محمد زمان راسخ جو کہ میر عماد مذکور کے پوتے تھے اور ان کے والد میر مراد جو کہ اپنے والد میر عماد کے حین حیات ہی فوت ہو گئے تھے، بھی حضرت خواجہ کے اکابر فدویوں میں سے گزرے ہیں، اس خاندان کا ہر فرد شاعر فصیح اور عاقل وجیہ تھا، یہاں ثاقب کا ایک شعر نقل کیا جا رہا ہے:

گرہ زدن بنفسی اے نسیم زار کہ بود — بہ بے دلاں نہ رسیدن پیغام یار کہ بود

میر شرف الدین حسین قدس سرہ کی بلاغت (مکتوبات معصومیہ) کی (جلد) ثانی مسمیٰ بہ وسیلة السعادت کے خطبہ کا مطالعہ کرنے والوں پر ظاہر اور ہویدا ہے۔

راسخ کی مثنوی بعض اہل طبع کے نزدیک ناصر علی (سرہندی) کی مثنوی سے خیال اور نسبت سے زیادہ نازک تر ہے، ان الفاظ کے لکھتے وقت اس شاعر راسخ کی ایک رباعی یاد آ گئی ہے جسے یہاں نقل کر رہا ہوں:

سجدہ بنیاد کردم سر نمی دانم چہ شد — ریخت ایں می برزمیں ساغر نمی دانم چہ شد
اشک بی کیفیت و داغ جنوں بی رنگ — ماندمی بجا ساغر بجا دلبر نمی دانم چہ شد

غرض ان عزیزوں میں سے ہر ایک حضرت خواجہ کی محبت میں محو تھا اور ان میں سے ہر ایک کے نام آپ کے مکتوبات قدسی آیات میں متعدد مکتوبات موجود ہیں جو

عالی شان بشارتوں پر مشتمل ہیں۔

اس میں شک نہیں ہے کہ میر شرف حسین نے مکتوبات (معصومیہ) کا دفتر جمع کر کے خود کو حضرت خواجہ کے مداحوں میں شمار کروا لیا ہے اور گویا ایک داستان زمانہ کے ہاتھ میں دے دی ہے، لیکن راسخ حضرت خواجہ کی کمال محبت حاصل ہونے کے باوجود (اس سے محروم ہے) ایک روز اس فقیر (مولف) نے راسخ سے اس کی بابت سوال بھی کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ تمہاری مثنوی حضرت خواجہ کے ذکر سے خالی ہے،؟ اس نے جواب دیا کہ میری زبان میں اس امر کی لیاقت ہی نہیں ہے۔ کہ اسرار معصومی کی تعریف کی متحمل ہو سکے، گویا فقیر کو اس کا تسلی بخش جواب نہ مل سکا، بہرحال وہ محبت قیومی میں استوار تھے (راسخ) کا ۱۱۰۶ھ یا ۱۱۰۷ھ کو سینتالیس سال کی عمر میں انتقال ہوا اور وہ روضۂ مقدسہ حضرت خواجہ میں مدفون ہیں رحمۃ اللہ سبحانہ (۵۰۱) میر مظفر حسین کے سوا جو کہ بنگال کی طرف چلے گئے تھے اور عرصۂ دراز تک مسند ارشاد پر متمکن رہ کر وہیں آسودۂ (خاک) ہیں، باقی تمام حضرات سرہند شریف میں دفن ہیں۔

میر عماد تو اپنے آباد کردہ شہر عماد نگر[1] میں مدفون ہیں جو کہ بالائی آب جہلم واقع ہے۔ رحمۃ اللہ سبحانہ۔

---

[1] عماد نگر نام کا کوئی قصبہ یا بستی جہلم میں اب موجود نہیں ہے، البتہ چار باغ پنجاب مولفہ گنیش داس وڈیرہ کے انڈیکس میں ایک نام عماد پور آیا ہے یہ قیاس کرتے ہوئے کہ شاید عماد نگر کثرت استعمال سے عماد پور بن گیا ہو، لیکن سعی تمام کے باوجود متن کتاب مذکور میں اس کا سراغ نہ مل سکا۔ دار العلوم سلطانیہ، ٹاہلیانوالہ جہلم کے ایک بزرگ استاد مولانا محمد علیم الدین صاحب کی خدمت میں تحریری استفسار پر بھی یہی معلوم ہوا کہ اس نام کی کوئی بستی ضلع جہلم میں اب موجود نہیں ہے، انہوں نے کوشش کی اور جہلم کے محکمہ مال کے ریکارڈ آفس سے رابطہ قائم کیا تو وہاں بندوبست اراضی ۱۸۸۰ء میں ایک "چک مادنگر" کا نام ملا جو شہر جہلم کے قریب واقع ہے۔ خیال ہوا کہ شاید عماد نگر بگڑ کر مادنگر بن گیا ہوگا، لیکن مولانا موصوف کی معلومات کی حد تک وہاں کسی قبرستان کا کوئی نشان نہیں ہے اور نہ ہی وہاں اس وقت میر عماد حسینی نام کی کسی شخصیت کا مزار ہے، البتہ کچھ قدیم مزارات وہاں موجود ہیں جن کے ناموں کے بارے میں تاحال کوئی معلومات نہیں ہیں (مکتوب مولانا محمد علیم الدین صاحب بنام محمد اقبال مجددی، مورخہ ۴ اگست ۲۰۰۳ء)

خواجہ محمد شریف بخاری و خواجہ عبداللطیف

خواجہ محمد شریف بخاری اور خواجہ عبداللطیف دونوں بھائی حضرت خواجہ پر اعتقاد میں محکم بنیاد تھے، انہوں نے اپنے اخلاص کے غلبہ کے باعث سرہند شریف میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اگرچہ انہوں نے بادشاہ کی نوکری بھی کرتے تھے اور گرزدار بن گئے تھے لیکن ان کے خاندان یہیں (سرہند) میں آباد رہے، غالب گمان یہ ہے کہ وہ اسی بلدۂ طیبہ (سرہند) میں دفن ہیں، **رحمهما الله سبحانه رحمةً واسعةً۔**

یہ محمد شریف وہی ہیں کہ جن کا حضرت خواجہ کے مکتوب مقدس بنام خلد مکان (اورنگ زیب) میں نام آیا ہے، اس مکتوب محبوب میں سے دو تین سطریں یہاں نقل کر رہا ہوں:

شعر

آپ کا فرمان (مکتوب) عالی شان جو کمال عنایت و مہربانی کے ساتھ قلم عنبریں رقم سے لکھا گیا تھا خواجہ محمد شریف بخاری نے عزیز ترین زمانہ میں پہنچایا، انتہی کلامہ۔

ان دونوں بھائیوں سے اور بھی روایات منقول ہیں لیکن طوالت کے خیال سے تحریر نہیں کی گئیں۔

صوفی پائندہ محمد کابلی و ملا پائندہ محمد کابلی

صوفی پائندہ محمد کابلی قدس سرہ جو کہ صوفی پائندہ طلائی کے نام سے مشہور ہیں، قبلۃ الاولیاء (حضرت خواجہ) کے معتبر اصحاب میں سے گزرے ہیں، ان کی کرامات میں سے ایک یہ ہے کہ اگر خلقت میں سے کوئی زرد رنگ کا کاغذ لے کر آتا تو آپ اس کی اشرفی بنا دیتے اور اگر کاغذ سفید ہوتا تو اس سے روپیہ ظاہر ہو جاتا، ہاں فرماتے تھے کہ البتہ اشرفی بنانے میں زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے اور بڑی سخت توجہ صرف

کرنا پڑتی ہے، ان کے نام حضرت خواجہ کے مکاتیب میں بشارتیں بھی درج ہیں۔

ملا پائندہ محمد کابلی اگرچہ آغاز میں خواجہ محمد حنیف کابلی کے مریدین میں سے تھے لیکن بعد میں انہیں قبلۂ ارباب معرفت (حضرت خواجہ) کی صحبت میسر آئی اور وہ خلافت سے ممتاز کیے گئے، یہ دونوں پائندہ کابل میں ہی مدفون ہیں، رحمهما اللّٰه سبحانه رحمةً واسعةً۔

صوفی عبدالرؤف کابلی

صوفی عبدالرؤف کابلی جن کا مولد و مسکن قریہ سنجت درہ ہے جو کہ دامنۂ کوہ بلدہ کابل کے مشہور قریوں میں سے ایک قریہ ہے، وہ پہلے خواجہ محمد حنیف (کابلی) کے مریدین میں شامل تھے، لیکن بعد میں پہلے تو خواجہ (محمد حنیف) کی رفاقت میں اور پھر بغیر رفاقت کے سرہند شریف حاضر ہوئے اور حضرت خواجہ کی صحبت کی برکات سے بہرہ ور ہو کر خلافت یاب ہوئے۔

میر عرب ماہ

اسی طرح میر عرب ماہ بھی جو کہ میوہ خاتوں سے متصل ایک قریہ مارکی سے تعلق رکھتے تھے حضرت خواجہ کی اجازت سے سرفراز ہوئے۔

صوفی سعد اللہ کابلی

صوفی سعداللہ اپنے وطن (کابل) سے بڑی سعادت کے ساتھ سرہند شریف آئے اور حضرت خواجہ کی بشارتوں سے مبشر ہو کر رحمت حق میں پیوست ہوئے۔

میاں شیخ عبدالخالق

صاحب کمالات میاں شیخ عبدالخالق قدس سرہ کو رعایت خان صوبہ دار بنگال کی التماس پر خلافت دے کر بنگالہ بھیجا، لیکن رعایت خان نے بہت بدقسمتی سے ان کی

قدر نہ جانی اور حضرت خواجہ سے ان کے اس سے بلند پایہ خلیفہ کی طلب کی اور ان پر اعتراض کرنے لگا، اس فقیر کو اس کے لکھنے کی جرأت نہیں ہے اگر جلد ثالث (مکتوبات معصومیہ) میسر آ گئی تو اس میں یہ مکتوب جلوہ گر ہے (۵۰۳):

فتح

اور بھیجے ہوئے شخص کو بھیجنے والے کے آئینہ میں دیکھنا چاہیے۔

اگر وہ جلد (سوم) موجود ہوتی تو وہ مکتوب سعادت انگیز نقل کیا جاتا تا کہ اہل بصیرت پر میاں شیخ عبدالخالق کی فضیلت جلوہ گر ہوتی۔

(شیخ عبدالخالق) کا مولد، مسکن اور مدفن معلوم نہیں ہے کہ وہ لکھا جاتا، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

شیخ رحیم داد افغان، غلام محمد افغان، حاجی خان افغان اور احمد خان افغان رحم اللہ سبحانہ ساکنان نواح بجواڑہ بھی سب کے سب حضرت خواجہ کے اجازت یافتہ ہیں، اور حضرت خواجہ کے اخلاص و محبت میں جانفشان ہیں، ان میں شیخ رحیم داد کو معانی میں ان سب پر ترجیح حاصل ہے، اور اس کا علم صرف اللہ سبحانہ کو ہے۔

حضرت قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ کے ہمراہ پنجاب کے قریوں میں سے ایک قریہ ملحان [1] نام کا ہے، جہاں ایک سو حفاظ قرآن مجید تھے، عورتوں کے سوا جو کہ وہاں کی صالحات میں سے ہیں اس دولت سے مالا مال ہیں ان میں سے سات اصحاب ایسے تھے جو حضرت خواجہ سے اجازت یافتہ تھے، مرشدی قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اگر اس بستی کے نواح کی پوری

---

[1] ملحان نام کا ایک قریہ موجود ہے جسے انگریزوں کے عہد میں منزل یا پڑاؤ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا (منزل نامہ از فیروز پور تا پشاور مقررہ صاحبان عالیان ص ۲ بستہ ۶۷ مسل نمبر ۱۱ پنجاب آرکائیوز، سیکرٹریٹ، لاہور) یعنی: فیروز پور، گنڈا سنگھ والا ۴ کوہ، قصور ۸ کوہ، للیانی ۷ کوہ، جججانی ۷ کوہ، شرق پور ۷ کوہ، ڈنگہ ۷ کوہ، ملحان ۷ کوہ، نوشہرہ ۷ کوہ، نہال ۷ کوہ، نائے والہ ۸ کوہ ..... راج پور، پٹارس، سرہند، سرای کہنہ..... گویا سرہند سے بھی ملحان جائیں تو راستہ بصورت منزل موجود تھا۔

طرح سیر کی جائے تو اس کے ہر قریہ میں حضرت خواجہ کے خلفاء ملیں گے اور آنحضرت (شیخ محمد فضل اللہ) کی خدمت میں بھی بہت سے اصحاب نے فدویت کا اظہار کیا اور وہاں کے رہنے والے آپ کے مرید ہوئے ان میں سے بعض خلافت کے منصب سر سرفراز کیے گئے۔

چنانچہ حافظ شہاب الدین کو جند نیوٹ کی خلافت سے سرفراز کیا گیا۔

خواجہ عبداللطیف پشاوری قدس سرہ بھی حضرت خواجہ کے خلفاء میں سے گزرے ہیں جن کے بیٹے خواجہ عبدالرحمٰن نے طریقۂ نقشبندیہ تو حضرت شیخ صبغت اللہ سے حاصل کیا لیکن اسماء سیفی کی اجازت کہیں اور سے لے کر اپنے شہر کے عامل بن گئے تھے۔

پشاور ہی میں صوفی دوست بیگ[۱] حضرت خواجہ کے اجازت یافتہ اصحاب میں سے تھے جو وصال فرما چکے ہیں، **رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً**۔

حضرت خواجہ کے سرہند شریف میں مقیم اصحاب میں سے میر علی مراد صاحب معنی واسرار تھے اور جن زدہ بچوں (۵۰۴) پر ان کا دم آب حیات تھا، ان کا بھی اس دنیا سے انتقال ہو چکا ہے، حضرت خواجہ کے سفر حجاز کے بعد یہاں (سرہند شریف) کی جوگی خواتین آنحضرت کے حسب ارشاد یہاں سے تعلق رکھتی تھیں، ایک رات کو میر علی مراد جوگی کی طرف سے تہجد کے وقت غلغلہ اٹھا چونکہ وہ برسات کا موسم تھا نیک خواتین اپنے اپنے حجروں میں عبادت میں مصروف تھیں کہ میر مذکور بڑی تیزی سے اس جہان سے پرواز کر گئے، اس واقعہ کی اطلاع حضرت ام المریدین (زوجۂ حضرت خواجہ) کو بھی ہوئی تھی۔

---

[۱] اذکار معصومیہ کا ایک قلمی نسخہ صوفی دوست محمد بیگ پشاوری کے ہاتھ کا کتابت شدہ جناب خلیل الرحمن داؤدی مرحوم کے پاس تھا جو انہوں نے مرتب مقامات معصومی احقر محمد اقبال مجددی کو عنایت کر دیا، صوفی دوست محمد نے یہ کتاب حضرت خواجہ (وصال ۱۰۷۹ھ) کے حین حیات ۲۶ محرم ۱۰۷۶ھ کو کتابت کی تھی اس کے آخری ورق کا عکس اس کتاب میں شامل ہے۔

میاں شیخ حامد، حاجی تاجو اور حاجی نصر اللہ بھی آپ کے ذوی الاحترام خادموں میں سے گزرے ہیں اور اس خدمت کے عوض ان کا کام (سلوک وعروج) افلاک کی بلندیوں تک پہنچا، ملا خیرا ایک مغلوب الحال تھا اور وہ اکثر غیر شرعی لباس پہنتا تھا بلکہ بعض لوگ اسے عورتوں والا لباس پہننے پر تنبیہ بھی کرتے رہتے تھے وہ بعض اوقات داڑھی بھی منڈوا دیتا تھا، اور عورتوں والے زیورات بھی پہنتا تھا، لیکن اس کی یہ عادتیں حضرت خواجہ کے وصال کے بعد شروع ہوئیں ورنہ حضرت خواجہ کی زندگی میں ان میں سے وہ کچھ بھی نہیں کرتا تھا بلکہ قبلہ ارباب تحقیق (حضرت خواجہ) کی تقلید کے سوا کوئی دوسری بات اسے زیب ہی نہیں دیتی تھی، یہ سب کے سب انتقال کر چکے ہیں، **رحمهم اللّٰہ سبحانہ رحمةً واسعةً۔**

میر محمد خافی، شاہ خواجہ ترمذی، اسد اللہ افغان، خواجہ محمد فاروق بن خواجہ عبدالغفور سمرقندی، مولانا جمال الدین، مولانا محمد افضل، حاجی حسین، صوفی نور بیگ، مولانا قاسم روپڑی اور ملا فیض محمد فتح آبادی تمام کے تمام کمالات معصومی کے بشارت یافتہ اور صحبت قیومی کے باریاب حضرات میں سے گزرے ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے نام مکتوبات (معصومیہ) کی تینوں جلدوں میں مکاتیب موجود ہیں، **رحمهم اللّٰہ سبحانہ رحمةً واسعةً۔**

میاں دینار جو کہ شاہ جہان بادشاہ کا خواجہ سرا تھا اس قبلة الابرار (حضرت خواجہ) کے مقبولان خاص میں سے گزرا ہے، ان کا ذکر آپ کے قلم محترم میں آیا ہے، **رحمة اللّٰہ سبحانہ رحمةً واسعةً۔**

شیخ محمد یار ملقب بہ خدا پرست خان

(۵۰۵) شیخ محمد یار ملقب بہ خدا پرست خان نے اپنی عمر کے چار سال حضرت خواجہ کی خدمت میں صرف کیے اور پھر واجب استتار اسرار کے محرم بنے اور حضرت

خواجہ سے خلافت حاصل کی، وہ عرصہ دراز تک اس پر قائم رہے، آخر بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) نے بغیر درخواست کے انہیں منصب سے سرفراز کر کے خدمات کا امتیاز بخشا اور پھر اپنی استعداد کے مطابق دنیا کے لیے آسائش بہم پہنچاتے رہے، بادشاہ خلدمنزل (بہادر شاہ) کے عہد میں ہزاری (منصب) ہو گیا، لاہور میں ۱۱۲۳ھ کو اس دنیا سے انتقال کیا، شاہ جہان آباد میں زیر قدم مبارک مدفون ہیں، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

قل احمد ترک

شیخ قل احمد حضرت خواجہ کے مقبول تھے اور ان کا ایک ہی ہاتھ تھا، انہوں نے اپنا ایمان کمالات معصومی کے ذریعہ درست کیا، آخر کار انہوں نے حضرت خواجہ کے ارشاد کے مطابق حرمین شریفین میں اقامت اختیار کر لی جہاں انہوں نے مدتوں خلائق کی راہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور وہیں وصال فرمایا، رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

محمد یوسف موذن بھی صاحب اسرار تھے اور ان کی اذان کا خنجر (خاص آواز و لہجہ) شہرۂ آفاق ہے، وہ بھی فوت ہو چکے ہیں۔

میر معصوم سرہندی، خواجہ مومن جذبی، حاجی محمد جان طالقانی، مومن بیگ برہانپوری، میر مغل، مومن بیگ کابلی، ملا مسافر، شیخ عبدالحمید برہانپوری اور محمد کاشف بھی اسی قبلۂ آفاق (حضرت خواجہ) کے یک رنگ مخلصین میں سے تھے اور غالب گمان ہے کہ وہ خلافت سے بھی سرفراز ہوئے ہوں گے، رحمہم اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً۔

اس وقت تک اس بارگاہ عرش اشتباہ قیومی کے خدا رسیدہ اصحاب اسی قدر تھے جو لکھ دیے گئے ہیں۔ اگر سخن کی باگ اس غوث الانام (حضرت خواجہ) قدسنا اللہ

سبحانہ بسرہ الاقدس کے خلفاء کے اسماء لکھنے پر توجہ کرے تو یہ کتاب بہت طویل ہو جائے گی، لہٰذا اسی ماقل و دل کے اصول کو قائم رکھتے ہوئے اسی پر کفایت کی ہے۔

سلاطین و امراء از مریدان حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ

(۵۰۶) ہاں بعض امراء حضرت خواجہ کی صحبت کی بدولت مالداری میں درجہ کمال کو پہنچے اور پھر صاحب معنی و حال ہوئے، اگر اس جماعت کے چند ان افراد کے احوال جو کہ معلوم ہیں اس نویں مفتاح میں لکھ دیے جائیں تو اس کی گنجائش ہے۔

اورنگزیب عالمگیر

ان اہل ثروت اصحاب میں سے پہلے بادشاہ خلد مکان (اورنگ زیب) کو لیجیے وہ عنایات جو اورنگ زیب سے متعلق ہیں وہ مکتوبات قدسی آیات (حضرت خواجہ) کی تیسری جلد میں ہیں، کا مطالعہ فرمایئے، حضرت کی توجہات مخصوصہ اس ظل ظلیل ایزد متعال (اورنگ زیب) کے شامل حال تھیں، چنانچہ آپ کے مکتوبات میں سے جلد ثانی کے ایک مکتوب میں شیخ سعدی شیرازی قدس سرہ کا یہ مصراع اس امر کی تصریح کرتا ہے:

فتح

دیدۂ سعدی و جان ہمراہ تست (سعدی کی آنکھیں اور جان تیرے ساتھ ہے)

یہ مکتوب خاصا طویل ہے، خلیفہ (اورنگ زیب) کو آخری عمر تک جنگ و جدل کرنا پڑا جس میں وہ کامیاب ہوا، پھر (اسی کے زمانے میں) شریعت او رطریقت اکٹھی ہوگئیں اور ان کا خوب رواج ہوا، جس سے امراء کی ہمت میں عروج پیدا ہوا، چنانچہ بعض فوجی حضرات نے اہل حق کے ساتھ خدمات انجام دیں، اس زمانے کے لوگ یہ سب کچھ بادشاہ سے منسوب نہیں کرتے (بلکہ اس میں حضرت خواجہ بھی شامل ہیں) اورنگ زیب کو فناء قلب کی بشارت آپ نے اپنے قلم مشکیں رقم سے اس طرح لکھ کر بھیجی:

فتح

امید ہے کہ (بادشاہ) کو عنقریب فناء قلب کا درجہ حاصل ہو گا جو ولایت کے درجات میں سے اول درجہ ہے۔

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت خواجہ نے (اورنگ زیب) کی اس ولایت میں داخل ہونے کی خوشخبری اپنی زبان الہام ترجمان سے دے دی تھی۔

احمر

حضرت قبلہ گاہی اقطاب دستگاہی (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ سے سنا ہے کہ اس بانی مبانی (۵۰۷) سلطنت (اورنگ زیب) کی آفتاب ولایت (حضرت خواجہ) کی خدمت میں ارادت کا سوال کیا گیا کہ آیا وہ حضرت خواجہ کی ارادت میں آنے سے پہلے بھی کہیں ارادت رکھتا تھا؟ بعض مقربان (بادشاہ) یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ بعض درویشوں کا مرید تھا، خاص طور پر ایک بڑے متشرع بزرگ عبداللطیف برہانپوری کا نام لیا گیا، اس کے جواب میں عرض کیا گیا کہ ان میں سے بعض اعمال غریبہ اور بعض اسماء الٰہی کے ورد کی اجازت اس نے بعض درویشوں سے ضرور لی تھی، لیکن شغل باطنی اور ارادت (بیعت) کسی دوسرے سے تھی بالکل زیر بحث نہیں آیا، جو کوئی اس موضوع پر زبان کھولے وہ جھوٹا اور مفتری ہے۔

ان حضرات کی سیر اسم بامسمیٰ ہوتی ہے وہ طاق کے پیش نظر بلند رہتی ہے، ان کی توجہ شریف صوری و معنوی آفات کے لیے دافع ہوتی ہے، ان کے تصرفات شریف ظاہری و باطنی مہمات کے لیے کافی ہوتے ہیں اسی طرح جب سلطنت کے معاملات درپیش ہوں تو (ان حضرات کی توجہ اور تصرف درکار ہوتا ہے) خلد مکان (اورنگزیب) ابھی شہزادہ تھا تو اس کی ارادت حضرت خواجہ سے مسلمہ تھی، اگر (یہ اوراد) بوقت ضرورت پڑھ لیے جائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، (حضرت خواجہ نے بھی) اسے اپنی طرف سے اجازت دی تھی، لیکن قبلۂ توجہ کو کسی صورت میں بھی منتشر نہ ہونے دیں

کیوں کہ یہ خطر بے ظفر ہے ورنہ ظفر ہی بے خطر ہو کر رہ جاتا ہے، پس ساری تعریف اللہ کے لیے ہے، لیکن اس خلیفہ (اورنگ زیب) کی توجہ میں انتشار کا نام نہیں تھا اور بے خطر کامیابی کے ساتھ اسے طویل عمر نصیب ہوئی تھی۔

(اورنگ زیب) کے دیگر کمالات کے سلسلہ میں (حضرت خواجہ) کے مکتوبات قدسی آیات اور آپ کے فرزندان گرامی کے مکتوبات میں جستجو کرنی چاہیے۔

بادشاہ خلد منزل (بہادر شاہ بن اورنگ زیب) نے بھی جب وہ شہزادہ تھا ایک منصب دار سے راہ (سلوک) طلب کی تو اس نے کہا کہ میرا بیٹا حضرت شیخ محمد معصوم قیوم سے مجاز ہے اس لیے تمہیں مرید کرلوں گا، آخر اس کی تمنا قبول کرتے ہوئے اس نے مرید کر لیا اس وقت حضرت خواجہ کا اسم گرامی بھی مذکور ہوا تھا۔

شہزادگان اورنگ زیب

دیگر شہزادگان بھی حضرت خواجہ کے صاجزادگان کے دست مبارک پر بیعت تھے، چنانچہ محمد اعظم شاہ حضرت شیخ سیف الحق و الملت والدین سے اور محمد کام بخش حضرت حجۃ اللہ قدس سرہ کا مرید تھا۔ (۵۰۸) اگرچہ اعظم شاہ اپنے آخری ایام حیات میں شیعہ ہو گیا تھا، مجھے خود متعدد مرتبہ اس سے اور کئی ثقہ راویوں سے بھی اس امر کا ثبوت ملا ہے اسے کئی مشائخ نے مرتد قرار دیا ہے۔

(ہندوستان) کے اطراف کے کئی بادشاہ جو اہل حق میں سے تھے اس معصوم مطلق (حضرت خواجہ) کے مریدین میں داخل ہو گئے تھے۔ ملازمت صوری اور دولت حضوری کا حصول اس طبقہ (سلاطین) میں محالات میں سے ہے، لیکن نیاز مندی کے کارخانہ نے غائبانہ طور پر غلبہ، آپ کے خلفاء جو کہ آپ کے کمالات کے مظہر ہیں سے بھی (ان امراء) نے (فیض حاصل کیا ہے) اور ان کے جمال باکمال کا اپنی قابلیت اور حوصلہ (استعداد) کے مطابق اپنے باطن کے آئینہ کی صفائی کی ہے، سب تعریف

اللہ کے لیے ہے کہ جس نے بخشش کی بشارت دی............

فرخ سیر

اس وقت کہ بادشاہ مغفور شہید مرحوم محمد فرخ سیر رحمۃ اللہ سبحانہ رحمۃً واسعۃً

مخدوم زادۂ اصغر اکمل محمد صدیق قدس سرہ کے ہاتھ سے حضرت خواجہ کا مرید ہوا ہے، یہ بات میں نے خود اپنے مامون بزرگ (شیخ محمد صدیق) سے سنی ہے، کہ یہ بادشاہ بہت سی روایات بیان کرتا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ بادشاہ نے مجھ سے کہا کہ اے جیو میں خود حضرت شیخ محمد معصوم کا مرید ہوں، میں نے کہا ہاں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

اعلیٰ منصب دار اور مال دار تاجر بھی حضرت خواجہ سے شرف ارادت رکھتے تھے جن کی باطنی کیفیت حروف سے معانی تک پہنچ گئی تھی، ان کی تعداد کہاں تک لکھوں؟ ان میں سے بعض تو آپ کے مخصوص لباس سے اور چند ایک کی محبت تو حضرت قیومیت میں قابل توجہ ہوئی اور یہ امراء اپنی کثرت شان وشوکت اور نفس کشی کی طرف مائل ہوکر اور کامل نیاز مندی سے مرید ہو گئے، اگر ان کا تذکرہ کر دیا جائے تو اس کی البتہ گنجائش ہے:

نواب مکرم خان

(۵۰۹) نواب مکرم خان مرحوم اس پرشکوہ خانوادہ کا سرغنہ تھا، اس سید صحیح نسب کا نام میر محمد اسحاق تھا، اس کے والد شیخ میر اور چچا سید میر (میر خوافی مخاطب بہ امیر خان) حضرت خواجہ کے مریدان خاص اور فدویان مخصوص میں سے گزرے ہیں، لیکن ن میں سے مکرم خان اپنے بڑے بھائی محتشم خان اور چھوٹے بھائی شمشیر خان جن میں سے بڑے کا نام میر ابراہیم اور چھوٹے کا میر یعقوب تھا، نے کئی سال تک سرہند

شریف میں قیام کیا اور متعدد مرتبہ اپنے مناصب ترک کر کے تحصیل کمال کیا اور حضرت خواجہ کی پالکیٔ مبارک اپنے کندھوں پر اٹھائی اور ہر طرح سے نیازمندی کا اظہار کیا اور اپنے سروں پر حضرت خواجہ کے دست مبارک سے دستار بھی بندھوائی، جو انہیں عنایت کی گئی تھیں جو انہوں نے اپنی آخری عمر تک اپنے پاس رکھیں، ان تینوں بھائیوں کو ہر قسم کی بشارات ولایات سے مبشر کیا گیا، اگر مکتوبات شریفہ کی آخری دو جلدوں میں جستجو کی جائے تو ان کے احوال کا مفصل طور پر مشاہدہ ہوگا، اس لیے میں ان میں سے پہلے دو کا تذکرہ کر رہا ہوں کہ حضرت خواجہ کی مبارک تحریرات میں یہی نام مذکور ہوئے ہیں، اسے خان کا خطاب حضرت خواجہ کے وصال کے بعد ملا تھا، مکرم خان نے اپنے اعتقاد کے بارے میں حضرت خواجہ کی خدمت میں خود عرض کیا تھا کہ مجھے آپ کی محبت حق سبحانہ کی محبت سے زیادہ محسوس ہوتی ہے، جس کا حضرت خواجہ کی طرف سے جواب ایک مکتوب قدسیہ میں درج ہے، اس کی صرف دو تین سطریں یاد ہیں یہاں نقل کر رہا ہوں باقی (مکتوبات معصومیہ) کی دوسری جلد کے ملنے پر موقوف ہے:

فقرہ

آپ نے لکھا تھا کہ مجھے جو محبت آپ سے ہے وہ جناب قدس تعالیٰ سے زیادہ معلوم ہوتی ہے، جس سے مجھے اکثر خوف اور وحشت ہونے لگتی ہے، سعادت آثار کو اس معاملہ میں جو کچھ معلوم ہوا ہے اس کی تین توجیہات ہیں، پہلی توجیہ اہل ابتداء کے حال کے موافق ہے، جس کو متوسط اور انتہا سے کوئی مناسبت نہیں ہے، دوسری توجیہ اہل وسط سے مناسبت رکھتی ہے جس کا منتہی اصحاب سے کوئی تعلق نہیں ہے، تیسری توجیہ منتہی حضرات سے مناسبت رکھتی ہے، جس کا مبتدیوں اور متوسطیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے، توجیہ اول کا تعلق اس کی اپنے پیر و مرشد سے محبت کا ہے، جو کہ حق تعالیٰ کے ساتھ محبت کا وسیلہ ہے۔ ان معنوں میں کہ جب تک یہ محبت درست

نہیں ہوگی وہ اس محبت تک جو کہ مقصود اصل ہے نہیں پہنچ سکے گا، اس لیے اگر مطلب تک پہنچنے سے پہلے (۵۱۰) وسیلہ کو محکم ترین کر لے تو اس کی گنجائش ہے، ورنہ معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

اگر آخری دو توجیہات جو کہ اہل وسط اور منتہی حضرات کے احوال کے مناسب ہیں کے مطالعہ کا شوق شورش انگیز ہو تو مکتوبات کی جلد ثانی کی طرف رجوع کریں کہ وہ مبارک جلد اس وقت موجود نہیں ہے، یہ بھی پہلے کی طرح اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے ہوئے لکھا ہے، جو کہ بے شک الفاظ و معانی کے اختلاف سے پاک ہے، **الا ماشاء اللّٰہ** اور اگر کسی اتباع کرنے والے کو کچھ فرق محسوس ہو تو وہ اس میں اصلاح کر لے، **احسن اللّٰہ جزاہ**۔

(نواب مکرم خان) کے باقی دو اعزہ یعنی محتشم خان اور شمشیر خان بھی حضرت خواجہ سے اس قسم کی راسخ محبت و عقیدت رکھتے تھے، ان کے والد اور چچا بھی اس اعتقاد میں محکم تھے۔

دیگر امراء

(دیگر وہ امراء جو حضرت خواجہ کے حلقہ بگوش تھے) جملۃ الملکی جعفر خان اور اس کا بیٹا نامدار خان، میر بخشی ہمت خان اور اس کا باپ اسلام خان، طاہر خان، قباد خان، ترکتاز خان، سرانداز خان، تیر انداز خان او رمحمد میرک خان گرزدار ان میں سے ہر ایک کے نام خطوط میں واضح بشارات درج ہیں۔

افغان (امراء) میں سے قطب خان، شمس خان، الہداد خان خویشگی، شمشیر خان اور اس کا بیٹا الہداد خان ترین، ملقب بہ ترین خان، اختیار خان، حاجی خان اور قلعہ دار کابل شرزہ خان، اور وہاں کا صحیح نسب دیوان سید یعقوب خان، وہاں کا (دوسرا) دیوان ارشد خان، اسی طرح دوسرے مقتدی مثلاً امانت خان، دیانت خان، عبداللہ خان قلعہ دار اکبر آباد، مسعود خان فوجدار اکبر آباد، اہل اللہ خان ولد سعید خان بہادر،

سلطان عبدالرحمٰن خان بلخی، سید عبدالرحیم خان، مرزا خان، نظارۃ پناہ بختاور خان، میاں معقول اور مراد بخش، **رحمهم الله سبحانه۔**

ان میں سے بعض امراء کا تذکرہ سابقہ ذیل میں کیا جا چکا ہے، اور بہت سے (نام) بھول گئے ہیں ان میں سے ہر ایک بلاواسطہ حضرت خواجہ سے ارادت کا شرف رکھتا تھا اور بہت سے تاجر بھی اسی (طبقہ) سے تعلق رکھتے تھے، ان میں سے ایک کے نام مکتوب میں اس حدیث شریف کے یہ الفاظ تحریر کیے ہیں:

فتح

بے شک اللہ تعالیٰ سچے تاجر کو پسند کرتا ہے۔

(۵۱۱) اس طویل مگر سعادت انجام کلام کا مقصد یہ ہے کہ نور کے سمندروں میں سے کچھ نور مسلمانوں کا ہر فرقہ چکھ لے تاکہ قیامت کے دن مریدین میں سے فیض یافتہ طالب صادق ہو جائیں:

فریاد حافظ ایں ہمہ آخر بہرزہ نیست　　　ہم قصۂ غریب و حدیث عجیب ہست

اے مولا ربی خدائے کارساز اس شرمندہ (مولف) کی ہمت اور اس کتاب کا مطالعہ کرنے والے تمام ناظرین بلکہ تمام احباب کی خاک روبان درگاہ احمدی اور بارگاہ معصومی کے جاروب کشوں کے خاتمہ کے وقت اور آخری سانس کے موقع پر "جبکہ جان گلے تک پہنچے اور تم اس وقت دیکھ رہے ہو" کا منظر ہو تو محض اپنے فضل سے عطا فرما اور اس حشر میں ان گناہگاروں پر اس طرح رحمت فرما کہ دنیا و آخرت کی زندگی میں یہ دو نشاء احمدی (مجددی) اور معصومی کی کیفیت شامل حال ہو جائے اور اس کتاب کے لکھنے والے (مولف) سے اس تحریر میں یا سابقہ تحریرات میں اگر کوئی خطا سرزد ہوئی ہو تو ان دونوں مقبول بندوں (حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ محمد معصوم) کے وسیلہ سے معاف فرما، اور اسے صراط مستقیم کے لیے چاند (راہنما) بنا کر درپیش مشکلات کو آسان فرما...... **ان ربک واسع المغفرة انه سميع قريب**......

خاتمۂ حسنہ

(۵۱۲) خاتمۂ حسنہ حسن خاتمہ کے طور پر مقرر کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی تائید و فضل شامل ہو، اس عالی شان کام میں اس عاصی تباہ کار و خستہ دل فگار پر سابقہ عنایت ازلی بھی رہے" اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے میں نے اسی پر بھروسا کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں" .... [1]

(۵۱۳) یہ خاتمہ دو کنوزوں پر مشتمل ہے:

کنز اول میں وہ خزائن اور دفائن قیومی مذکور ہیں جن کا تعلق اس کتاب کے مقدمہ اور نو مفتاحوں سے ہے، کہ (وہ روایات) جو متعلقہ مقامات میں حافظہ کے ضعف یا کسی اور معقول وجہ سے درج ہونے سے رہ گئی ہیں وہ اس خاتمہ میں درج کر لی جائیں، بہر حال گزشتہ ابواب سے منسلک امور کہ جن کا تذکرہ کیے بغیر چارۂ کار ہی نہیں تھا وہ اس (خاتمہ) میں درج کرنے لازم خیال کیے .... حضرت رحمۃ للعالمین سید الانبیاء والمرسلین **صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ و جمیع المرسلین والملائکۃ المقربین و اھل طاعۃ اللہ اجمعین و سلم و بارک** کی تعریف بیان کی جائے تاکہ کہنے اور سننے والے دونوں کو سعادت حاصل ہو سکے اور پھر حسن خاتمہ کی امید بھی کامل ہو جائے اس لیے اس (خاتمہ) کی کنز دوم آنسرور **علیہ و علیٰ آلہ** (۵۱۴) **الصلوۃ والسلام** کے مناقب کے لیے مقرر کر دی، (ترجمہ آیت) "اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دل میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب بے شک تو ہی نہایت مہربان رحم والا ہے"

کنز اول

حضرت خواجہ کے بعض اسرار غریبہ اور معارف نادرہ جو کہ آپ نے خاص خاص

[1] تکررات۔

خلوتوں اور مخصوص محافل میں آپ کی زبان الہام ترجمان پر جاری ہوتے یا وہ مکتوبات شریفہ میں ظہور پذیر ہوئے یا ان میں سے کچھ اس حقیر بے بضاعت (مولف) تک درایت کے طور پر پہنچے وہ تحریر کر دیے جائیں (ترجمہ آیت) ''اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر بھروسا کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔''

باوجود اس کے کہ حضرت خواجہ محبوبیت ذاتی رکھتے تھے اور اس کا سرتا قدم نظارہ بھی کرتے تھے اور اس سے کامل طور پر سرشار تھے اس کے باوجود نگاہ دل عشاق کی مانند کہہ اٹھتے تھے:

بیک کرشمہ کہ درکار آسمان کر دی ہنوز می پرواز شوق چشم کوکب با

لیکن اس بے ہمتا مطلوب کے عشق میں بے بدل تھے اور رب جمیل تعالیٰ کے جمال کے درد و سوز کے ساتھ شیفتہ تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے جانان بیگم کے نام اپنے مکتوب شریف میں یہ (شعر) تحریر فرمایا ہے:

عاشقاں ہر چند مشتاق جمال دلبرند دلبراں بر عاشقاں از عاشقاں عاشق ترند

ایک برگزیدہ شخص سے روایت ہے کہ حضرت خواجہ جب آزردہ (الجا) ہوتے تو گریہ و زاری اور استغفار کے بعد ہندی زبان کا یہ دوہڑہ بڑے سوز کے ساتھ پڑھا کرتے تھے:

دوہڑہ

ایک ابھاگی [۱] کلسری [۲] رین [۳] موئی [۴] اکلائی [۵]
ایک جو ساجن چت [۶] چڑھی [۷] سوتی لنی جگائی

---

[۱] ابھاگی = بدقسمت، [۲] کلسری = (تحقیراً) عورت مراد ہے سیہ بخت (کالے سر والی)
[۳] رین = رات [۴] موئی = مری [۵] اکلانا = بے قرار، تڑپنا (بسبب تنہائی)
[۶] چت = دل، من، خاطر [۷] چڑھی = دل پسند، منظور نظر

اس دوہے کی تصحیح جناب ڈاکٹر مظہر محمود شیرانی نے متن کے دونوں نسخوں کی بنیاد پر کی ہے جس کے لیے میں موصوف کا شکر گزار ہوں۔

فارسی گو(اردو گو) حضرات کے لیے اس کا مفہوم لکھ رہا ہوں تا کہ ان ہندی الفاظ کی حلاوت سے وہ اصحاب بھی ذائقہ چکھ سکیں جو اس زبان سے آشنا نہیں ہیں:

(ترجمہ) ایک بدنصیب سیہ بخت تو رات کو تڑپ تڑپ کر مر رہی ہے اور ایک جو شوہر کی دل پسند ہے اسے نیند سے بیدار (کر کے طلب) کیا جا رہا ہے۔

جیسا کہ محبوبوں کے رئیس محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے بارے میں کہا گیا ہے رسول اللہ **صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم** ''ہمیشہ غمگین اور فکرمند رہتے تھے، دیگر محبوب جو کہ اس روشن نعمت کے الوش خور ہیں انہیں چاہیے کہ وہ بھی اس صفت کمال سے موصوف ہوں، پس اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس دنیا کی سب سے بہترین دولت ''حزن'' ہے، کیوں کہ وہ سید مخلوقات (۵۱۰) **علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام** کے نزدیک مقبول تھی، جو اس خالق کائنات کے قرب و منزلت کا باعث ہے۔ دراصل حضرت قدسی سمات کا فرمانا: **انا عند منکسرۃ القلوب** ہی اس امر کی دلیل ہے کیوں کہ شکستہ دلی اہل حزن کا خاصا ہے، بہرحال اس امر میں جو کچھ بھی ہو حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ کے نزدیک محبوب کا غم اس کے انعام کے مقابلہ میں زیادہ اعلیٰ اور زیادہ لذیذ ہے، کیوں کہ غم و اندوہ میں شکستہ دلی کا رنگ (پوری طرح) موجود ہے، ان حضرات کے مخلصین میں سے کسی نے اس امر کا استفسار کیا تو انہوں نے زبان کھولی ان امور کا تذکرہ مکتوبات شریفہ میں کیا گیا ہے کہ ''انعام میں محبوب کی مراد اپنی مراد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے اور (جلال) و ایلام میں خالص محبوب ہی مراد ہے جو ہماری مراد کے بالکل خلاف ہے[۱]''......

(یہاں) حضرت وحدت **قدس سرہ** نے کیا خوب فرمایا ہے:

حلیہ عاشق چہ نویسد قلم نشا' درد است ز سر تا قدم

(قلم بھلا عاشق کا حلیہ ہی کیا لکھ سکتا ہے، اس میں سوز عشق سر تا پا سرایت کر چکا

---

[۱] مکتوبات امام ربانی ۳/۶/۸۶

ہوتا ہے) عاشق کا نالہ ساز کے لیے قوت بخش اور اس کا گریہ جلترنگ ہوتا ہے۔

احمر

اکابر احمدیہ (مجددیہ) ومعصومیہ سے سنا ہے کہ جب حضرت خواجہ حرمین الشریفین کے لیے روانہ ہونے لگے تو یہ اہتمام کیا کہ راستے میں مشائخ، علماء اور صوفیہ کے جس قدر مزارات معلوم ہوں ان کی زیارت کی جائے، چنانچہ اسی طرح کیا گیا، اور اس میں یہ معلوم ہونے کی صورت میں کہ ایک سے تین میل کے اندر اندر مزارات میں سے جو مزار بھی آئے اس کی زیارت سے گریز نہیں کیا جائے گا اور ہر مقام پر درود و فاتحہ کا ہدیہ کیا جائے گا، اور ان عالی مقدار عزیزوں (مدفونین مزارات) کے انوار آپ کی نظر مبارک میں آئے اور ان ارباب کمال کے احوال کی کیفیت اس قدوۂ اولیا ذی الجلال (حضرت خواجہ) پر جو کچھ (منکشف) ہوتی وہ آپ اپنے خاص خاص احباب سے بیان کرتے تھے۔

جب دریائے شور عبور کر لیا تو دوسری طرف کے جنگلوں اور پہاڑوں کو انوار نبوت سے مالا مال اور رسالت کی شعاعوں سے پر دیکھا، جوں جوں آپ (حرمین الشریفین) کے نزدیک ہوتے جاتے تھے، معاملہ دوسری نوعیت کا ہوتا جاتا تھا، (یہاں تک کہ) آپ مدینہ سکینہ **علیٰ ساکنھا افضل الصلوٰۃ و اکمل التسلیمات** حاضر ہو گئے۔

جب سید الانس والجان **علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰت والسلام** کی رضامندی سے آپ نے واپس ہندوستان کی طرف مراجعت فرمائی تو اسی طرح مزارات کی زیارت کا سلسلہ پھر سے شروع کیا، چونکہ آپ کی نظر انوار رسالت (کا مشاہدہ) کرنے کی عادی ہو گئی تھی اس لیے اب ان ارباب ولایت (مدفین مزارات) کے انوار آپ کی نظر کیمیا اثر (۵۱۶) میں ''مستقل'' نہیں رہتے تھے، بلکہ تیزی سے متحرک کرم کی مانند معلوم ہوتے تھے......

حضرت خواجہ کے دل مبارک میں یہ خطرہ بار بار آتا تھا کہ حضرت مجدد الف ثانی بہرحال بطریق وراثت کمالات نبوت سے متصف تھے، لیکن وہ ولایت کے منصب پر فائز تھے اور وہاں سے باہر قدم رکھا تھا کیوں کہ نبوت کا منصب ختم ہو چکا ہے، اس لیے آپ کے انوار بھی اول الذکر (انوار مدینہ) جیسے نظر آنے چاہیں نہ کہ موخرالذکر (کرم شتابی) کی طرح، جب آپ دارالخلافہ شاہ جہان آباد سے دارالارشاد سرہند شریف کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں وہی انوار جو کہ عرب میں دیکھے تھے بغیر کسی فرق کے جلوہ گر ہونے لگے جو ہر قدم پر بڑھتے ہی چلے گئے اور پھر منازل (سفر) میں سے ہر منزل ہر معاملہ مدینہ منورہ کے قرب جیسا ہونے لگا، میری حیرت میں اضافہ ہوتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہی معاملہ درپیش آیا جو مدینہ شریف میں داخل ہوتے وقت پیش آیا تھا، جب میں (حضرت مجدد الف ثانی) کے روضہ منورہ میں داخل ہوا تو ایسا معلوم ہوا کہ یہ حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا روضہ مقدسہ مطہرہ ہی ہے، اور وہاں حضرت مجدد الف ثانی کے جاہ و جلال کا مشاہدہ کیا، حضرت مجدد الف ثانی کو (میرے اس دلی) خطرہ کا علم ہوگیا، فرمانے لگے کہ کون سا وقت ایسا ہوا ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت ذرہ پروری اور امت نوازی سے یہاں ورود نہیں فرمایا اور اس روضۂ منورہ کو اپنے وجود مسعود سے (منور) نہیں فرمایا؟:

شاہاں چہ عجب گر بہ نوازند گدا را

(شہنشاہ فقیروں کو نوازیں اس میں کیا عجب ہے)

ہاں یہاں (سرہند شریف) کے خواص اصحاب کی تو طینت ہی خاک مدینہ سے تخمیر ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ بزرگی، فضل، مرتبت اور کمالات نبوت یہیں دریافت کیے جا سکتے ہیں کہ اگر تینوں ولایتیں یعنی ولایت صغریٰ، کبریٰ اور علیا جمع ہو جائیں تب بھی وہ محیط کمالات نبوت و رسالت کے ایک چھوٹے سے قطرہ کے

برابر بھی نہیں ہوسکتیں کیوں کہ وہ منصب نبوت سے ممتاز ہیں ان کی فضیلت نبوت کے باعث ہے نہ کہ ولایت سے۔ نبی کو بھی (ولایت) نبوت کے ضمن (طفیل) حاصل ہوتی ہے، ان مباحث کی تحقیق مکتوبات حضرتین قیومین (حضرت مجدد الف ثانی و حضرت خواجہ) قدسنا اللّٰہ سبحانہ باسرارھما میں بہت عمدہ طریقہ سے بیان کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔

اس مقام پر تمام (ناپختہ) صوفیہ کو کشفی طور پر مغالطہ ہوا ہے انہوں نے ولایت کو نبوت سے افضل سمجھ لیا ہے اور ان کے پیروکاروں نے جو اس حال (تکمیل) تک نہیں پہنچے ہیں انہوں نے اس امر کی تقلید کر کے (۵۱۷) گمراہی کا راستہ اختیار کیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں صراط مستقیم دکھائے، یہاں اس کی تفصیل بیان کر دی ہے اور اس فقیر نے اس کتاب میں کہیں اس امر کے بارے میں پہلے جو کچھ لکھا ہے اس کی طرف مراجعت کریں، لیکن سائل کا ذہن اس طرف ضرور جاتا ہے کہ ولایت رو بحق ہے اور نبوت رو بہ خلق اس مقام پر مکتوبات کی معلومات کافی نہیں ہیں اس لیے یہاں اس کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ عروج کے وقت نبوت اور ولایت دونوں رو بحق ہوتی ہیں اور نزول کے وقت رو بہ خلق لیکن نبوت کا عروج ولایت کے عروج سے ارفع و اکمل ہوتا ہے اسی طرح (نبوت) کا نزول بھی ولایت کے نزول سے اتم و احکم ہوتا ہے، واصل کمال عبارت سے دونوں مرتبوں میں اپنی نہایت پر منتہی ہوتا ہے......

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں جو تیسری جلد [1] میں ہے، لکھتے ہیں:

فتح

کوئی جاہل اس راز کے بارے میں کہتا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور دوسرا اس معاملہ سے ناواقفیت کے باعث اس کی توجیہ یوں کرتا

---

[1] یہ جلد سوم کا نہیں بلکہ جلد اول کا مکتوب ۲۶۰ ہے۔ (تعلیقات کتاب حاضر)

ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے" کتنی بڑی بات ہے جو ان کے منہ سے نکلتی ہے، اس قسم کے اقوال جھوٹ پر مبنی ہیں۔" تم کلامہ الشریف

اس قول کے قائل شیخ ابن عربی قدس سرہ ہیں اور عارف جام (مولانا عبدالرحمٰن جامی) نور اللہ مرقدہ نے جو کہ فصوص کے شارح بھی ہیں اس کی توجیہ کرتے ہوئے (لکھا ہے) کہ چونکہ یہ بات اکابر سے سرزد ہوئی ہے جس سے ان کے کمالات میں رخنہ پڑ گیا ہے، عارف روم برد اللہ مضجعہ کا یہ شعر اس حال کا مبین ہے:

ہرچہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملی ملت شود

حضرت مجدد الف ثانی جو کہ ان اسرار و معانی کے بانی ہیں یہ سطور لکھنے کے بعد شیخ (ابن عربی) کے بارے میں لکھتے ہیں[۱]

فح

عجب معاملہ ہے کہ شیخ محی الدین مقبولین میں سے نظر آتے ہیں لیکن ان کے اکثر علوم جو اہل حق کی آراء کے مخالف ہیں، خطا اور نادرست ظاہر ہوتے ہیں شاید ان کو خطائے کشفی کے باعث معذور رکھا گیا ہے اور خطائے اجتہادی کی طرح ان سے ملامت دور کر دی گئی ہے، شیخ محی الدین کے حق میں فقیر کا اعتقاد یہی ہے کہ ان کو مقبولین میں سے جانتا ہے اور ان کے ان علوم کو (جو اہل حق کے نزدیک) مخالف ہیں خطا اور ضرر رساں دیکھتا ہے۔

(حضرت مجدد الف ثانی) نے مکاتیب شریفہ میں شیخ (ابن عربی) کے بہت سے فضائل مختلف مقامات پر بیان کیے گئے ہیں، (۵۱۷) جلد ثانی کے پہلے مکتوب میں

---

[۱] چونکہ مولف نے مکتوبات کی یہ عبارت حافظہ کی بنیاد پر لکھی ہے جس کے باعث الفاظ قدرے مختلف ہو گئے ہیں ہم نے براہ راست مکتوب (۱/ ۲۶۶/ ۴۷۰) سے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ (تعلیقات)

تحریر فرماتے ہیں:

فتح

پس شیخ (ابن عربی) اس طائفہ علیہ (طبقۂ صوفیہ) کے مقتدیٰ ہیں اور متاخرین کے لیے بھی حجت ہیں۔

اس لیے حضرت مجدد الف ثانی کے تابعین شیخ (ابن عربی) کے معتقدان ہیں، چونکہ یہ تکلیف دہ بات دراصل علمائے اہل حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی مخالف آراء پر مبنی ہے، لیکن (حضرت مجدد الف ثانی) نے سائل کی خاطر جو کہ فاضل بھی ہیں اس لیے اس مسئلہ میں شیخ (ابن عربی) کی تقلید اختیار کی ہے ناچار فضل ذکر اور طویل کلام اختیار کیا گیا ہے......

احمر

نواح کابل کے مشائخ میں سے ایک نے اس احقر الانام (مولف) کی موجودگی میں حضرت قبلہ گاہی قطب الاقطابی (شیخ محمد فضل اللہ) قدسنا اللہ سبحانہ بسرہ الاقدس کی خدمت میں یہ سوال کیا کہ مجھ سے ایک شخص نے یہ پوچھا کہ حضرات سرہند نے اپنے اکثر مریدین کو ''خلافت مقیدہ'' ہی بخشی ہے۔ اگر وہ کامل ہیں تو یہ قید (تقید محدود) کیسی؟ اور اگر وہ ناقص ہیں تو پھر ایک (طالب) کا معاملہ بھی انجام تک نہیں پہنچ سکتا پھر وہ دس یا بیس کی کس طرح تربیت کرتے تھے؟ اس کے جواب میں میں نے کہا ہر نبی اور ہر ولی کا مسلک جداگانہ ہوتا ہے، انہوں نے اس میں کوئی وجہ سمجھی ہوگی، آنحضرت والا منزلت (شیخ محمد فضل اللہ) قدس سرہ نے فرمایا کہ ہمارے طریقہ کی اصل بنیاد طریقۂ خواجگان (حضرات نقشبندیہ) پر ہے، کہ چند اصحاب جو جمع ہو جاتے ہیں انہیں ذکر کی تعلیم دیتے ہیں وہ اس سے بہتر ہے کہ خلوت میں ایک کو ذکر سکھایا جائے جس سے ایک ذاکر کا دوسرے پر انعکاس (پرتو) ہو، ہر ایک کا معاملہ پختہ ہو جاتا ہے، جو کار واحد کی سرانجام دہی ہی ہے۔ اس قسم کی چند اجازتیں سفارت کہلاتی

ہیں جو خلافت میں تبدیل نہیں ہوتیں اور اس میں اُس وقت جو حکمت اور مصلحت ہوتی ہے اس میں وہ اپنے اجتہاد سے سب کچھ کرتا ہے اور اس کا سرگروہ چند مخلصین کو کئی طرح کی اجازت سے سرفراز کرتا ہے تو اس وقت وہ اپنی توجہ ان پر رکھتا ہے۔ تاکہ وہ مجاز خلیفۂ مطلق بن جائے اور اس کا حال کمال کو پہنچ جائے اور اس سے منتسب ہر ایک اپنے نصیب اور اپنی قابلیت کے مطابق فیض حاصل کرے، اس حقیر پر تقصیر نے اس مقام پر جناب عالی مرتبت (شیخ محمد فضل اللہ) **قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس** کسی اور وقت اور کسی دوسری تقریب سے اس کا جو مطلب اخذ کیا تھا اور اس سے پہلے اس کتاب میں اس کا ذکر کر چکا ہوں کا دل میں پھر سے خیال آیا کہ اس اجازت معدودہ کی اصل حضرتین قیومیں (حضرت مجدد الف ثانی وحضرت خواجہ) کے اکابر جو ان سے پہلے ہوئے ہیں میں موجود تھی جس کا ذکر اس (سلسلہ) کے معتبرین سے سنا ہے، اس لیے اس کا صرف حضرات سرہند پر اطلاق نہیں کیا جا سکتا، بہرحال یہ دونوں حضرتین قیومین تمام امور سے مامور ہیں اس لیے یہ اجازت ان اشخاص (۵۱۹) کے لیے امر حق تعالیٰ کے بموجب وقوع پذیر ہوئی ہے اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

عالی حضرت (شیخ صبغت اللہ) نے حضرت خواجہ کے اس امر (خلافت و اجازت مقیدہ) کے بارے میں جو کچھ فرمایا تھا وہ مجھے عارف جمیل شیخ محمد اسماعیل **سلمہ ربہ** کی زبانی سننے کا موقع ملا ہے اور حضرت خواجہ کے دیگر فرزندان گرامی بھی اس کرامت سے سرفراز تھے جس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے، قبلہ گاہی (شیخ محمد فضل اللہ) کے بارے میں کیا لکھا جائے کہ وہ حضرت خواجہ سے ایسی بشارتوں سے مبشر ہوئے تھے کہ آپ نے اپنے فرزندوں کو بھی نہیں دی تھیں جیسا کہ میں اس کتاب کی آٹھویں مفتاح کے پہلے کنز مبارک میں متعارف کروا چکا ہوں، آپ کے دوسرے اکابر خلفاء بھی اس دولت سے ممتاز تھے اور اگر وہ اس مرتبہ پر نہ بھی پہنچے ہوں تو اس معاملہ میں حضرتین قیومین کی تقلید ہی حجت ہے، خاص طور پر آپ نے اس معاملہ میں از روی الہام یا

اجتہاد فرمایا ہو وہ سب کچھ عین حق اور درست ہے، اصل جواب اور سوال وہی ہے جو آنحضرت والا منزلت (شیخ فضل اللہ) سے مروی ہے، اور یہ اس کے علاوہ ہے جو ان کی توجہ شریف سے تحریر میں آیا، **سبحان اعلم۔**

احمر

ایک بار حضرت خواجہ قصبہ سنام گئے جو سرہند شریف کے قصبات میں سے ایک ہے، (مقصد) عارف معنوی شیخ زین الدین بنوڑی قدس سرہ کے (مزار) کی زیارت تھا، جو کہ وہاں آسودۂ خاک ہیں، ان کے مزار پر آپ نے کچھ دیر مراقبہ کیا اور پھر جلد ہی اٹھ گئے، شیخ (زین الدین) کی قبر کے قریب واقع ایک قبر پر گئے جنہیں کوئی بھی نہیں جانتا تھا وہاں آپ نے دیر تک مراقبہ کیا اور پھر جب اس سے سر اٹھایا تو اپنے اصحاب سے فرمایا کہ شیخ زین الدین بنوڑی قدس سرہ اولیاء میں سے گزرے ہیں وہ اس دیار کی قطبیت پر مامور تھے اور انہیں بہت مقبولیت حاصل تھی اور پھر آج تک ان کے تصرفات نمایاں ہیں ان کے وصال کو آج سو سال ہو چکے ہیں لیکن پھر بھی اہل اعتقاد کے لیے جلوہ گر ہیں، لیکن اس قبر (علاوہ تربت شیخ زین الدین) میں مدفون نسبت سے ممتاز ہیں مگر تعجب یہ ہے کہ یہاں کے رہنے والے اس بلند احوال بزرگ سے غافل ہیں۔ اور اپنی مرادات کے حصول کے لیے ان کی توجہ کو وسیلہ نہیں بناتے اور نہ ہی ضروری مقاصد کے لیے ان کا ذریعہ اختیار کیا جاتا ہے، کہ ان کی نسبت ''اصالت'' کی خبر دے رہی ہے اور بے رنگی کو رنگ بخشتی ہے۔

احمر

ایک صالحہ سے جو حضرت خواجہ کی بہ واسطہ بیٹیوں میں سے تھیں سنا ہے کہ ایک بار حضرت خواجہ اپنے اہل و عیال سمیت شاہ جہان آباد (دہلی) کے سفر پر روانہ ہوئے آپ نے تھانیسر اور کرنال (۵۲۰) سے باہر قدم رکھا اس میں سے دو قصبات میں جن کے نام اس صالحہ کو بھول گئے تھے نہ کہ اس راقم شکستہ روزگار (مولف) کو بھولے

تھے، آپ کا گزر ایک قبرستان کے قریب سے ہوا تو آپ اپنی پالکی مبارک سے نیچے اترے تو (قبرستان میں) آپ نے دیر تک مراقبہ کیا یہاں تک کہ اہل قافلہ منزل مقصود پر پہنچ کر آرام کرنے لگے تو حضرت خواجہ نے عصر کے قریب (مراقبہ سے) سر اٹھایا تو آپ کے وہ ملازمین رکاب جو کہ آپ کا چہرہ بلا نقاب اور حجرۂ آفتاب کے عاکف تھے تو انہوں نے آپ کے اس (طویل مراقبہ) کے بارے میں سوال کیا، آپ فرمانے لگے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر کسی قبرستان میں سے کوئی عالم گزرے تو اس گورستان سے چالیس روز کا عذاب کم کر دیا جاتا ہے، جب میرا گزر اس قبرستان کے قریب سے ہوا تو تمام اموات بڑی نیاز مندی کے ساتھ میرے پاس آئیں اور کہا کہ آپ کے اس ورود کی برکت سے ہمارا چالیس روز کا عذاب اٹھالیا گیا ہے، اور یہ حکم ہر عالم کے لیے ہے، آپ کے یہاں تشریف لانے سے کہ آپ قیوم زمان ہیں امیدوار ہیں کہ ہمارا یوم حساب تک سارا عذاب اٹھا لیا جائے گا تو ان کی نہایت عاجزانہ عرض پر میں نے (اللہ تعالیٰ سے) التجا کی تو مجھے الہام ہوا کہ تمہاری سفارش سے ان کا چالیس ماہ کا عذاب اٹھالیا گیا ہے۔ میں اس کے بعد پھر ملتجی ہوا کہ تیری رحمت بہت وسیع ہے، مزید رحمت کا امیدوار ہوں تو حکم ہوا کہ ان کا چالیس سال کا عذاب ختم کر دیا ہے، اس کے بعد پھر عرض کیا کہ تیرا اس بندہ پر کمال درجہ کا کرم ہے پھر التماس کی تو آواز آئی کہ قیامت تک کا عذاب اس قبرستان سے اٹھالیا گیا ہے، **الحمد للّٰہ الذی بعزتہ و جلالہ**، اہل قبور خوش ہو گئے، میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں وہاں سے فارغ ہو کر آیا ہوں۔

سبحان اللّٰہ اس روایت سے کیا شان معصومی اور بزرگی قیومی کا اظہار ہو رہا ہے کہ تمام عتاب زدہ مردوں کو عذاب الٰہی سے خلاصی دلا کر ان وحشت زدگان کو مغفرت کی راہ پر ڈال دیا، ان کے لیے بادیۂ حسرت کھول دیا اور رحمت الٰہی کے نامتناہی سمندر کو جوش دلا دیا...... اگر یہی نظر عنایت و کریمانہ اس عاصی شرمندہ (مولف) کی طرف فرمائیں تو اس کے لیے تمام آفات و مصائب سے نجات کا وسیلہ بن جائے اور اس کی

تنگدستی آسانی میں بدل جائے اور اس خاتمۂ کتاب کی تحریر ہو جائے اور مختلف تفرقوں کے شعبدوں سے نجات مل جائے اور اس سے جمعیت کی راہ پر پڑ جاؤں، آفاق و انفس سے گزر کر شاہراہ احدیت مطلقہ پر آ جاؤں جہاں شاہدی و مشہودی کے اوصاف خود بخود جلوہ گر ہیں کو دیکھوں، یہ حقیر پر تقصیر (مولف) تمام صوری و معنوی مصائب میں حضرت خواجہ کی روح کی توجہ سے ان ہزاروں زندہ اکابر سے جن کا معاملہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے، بہتر اور نفع بخش ہے، اور اس امام صفا کیشان (حضرت خواجہ) کے محیط کمالات کے مقابلہ میں ان کو ایک حقیر قطرہ تصور کرتا ہوں......

ابیض

(۵۲۱) اس عہد کے امراء میں سے ایک نے جو کہ عمدہ منصب رکھتا ہے اور خدمات شائستہ سے سرفراز بھی ہے اور اس بے بضاعت (مولف) کے ہاتھ سے حضرت خواجہ کا ارادت مند بنا ہے (یعنی مولف کا مرید ہے) مجھ سے کئی بار یہ بیان کیا کہ سلطنت (مغلیہ) کی گردش کے دنوں میں کہ بہادر شاہ کے بعد اس کے بڑے بیٹے (جہاندار شاہ) کو حکومت ملی تو ایک مرتبہ دارالسلطنت لاہور سے دارالخلافہ شاہ جہان آباد (دہلی) جا رہا تھا کہ ایک روز دارالارشاد سرہند میں (لشکر نے پڑاؤ ڈالا) تو میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ کامل تنگدستی سے لشکر کے ہمراہ اس شہر میں داخل ہوا جو حرمین الشریفین کے بعد سب سے زیادہ برکت والا شہر ہے، اہل لشکر سے حضرت خواجہ کے روضہ کے اوصاف سنے، میں اس وقت فاقہ سے تھا اور تصرف کی امید لیے اس روضہ مقدسہ کی جانب چل دیا، میں نے وہاں کے نور کے سمندر میں استغراق حاصل کر لیا، وہاں دنیا کے خطرہ کی مجال نہیں کہ وہ قلب صنوبری پر اثرانداز ہو سکے۔ وہاں اس بحر نور میں استغراق کے دوران مجھے معلوم ہوا کہ فلاں (میں راوی) عالم پریشانی میں اس مزار پر انوار پر آیا ہے، یہ سفر خرچ لے لو اور تم اور تمہارا گھوڑا کھا کر شاہ جہان آباد کا سفر کرو، اس کے بعد جلد ہی میں دولت عاجلہ سے سرفراز ہوا، جب مجھے قدرے افاقہ

ہوا اور روضۂ مطہرہ سے باہر آیا تو دیکھا کہ ایک شخص میری تلاش میں ہے، وہ میرے پاس آیا اور میں خوش ہو گیا اور اس نے کہا کہ فلاں نے تیرے لیے تین سو روپے بھیجے ہیں، میں نے کامل خوشی کے ساتھ اس سے وہ رقم لے لی اور بڑی حلاوت کے ساتھ دارالخلافہ (شاہ جہان آباد) پہنچ گیا، اس کے بعد میں کامل سعادت مندی کے ساتھ آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوا۔

اس قسم کے تصرفات روحی جو کہ میں نے خود دیکھے یا معتبر اصحاب سے سنے ہیں کہاں تک گنواؤں، ہر وہ مریض جو اس کے کرم سے معاملہ کو نہیں پہنچا اگر وہ اس روضہ (حضرت خواجہ) کی طرف رجوع کرے یا وہاں کے مجاوروں کے سامنے سر نیاز خم کرے تو اسے بغیر کسی توقف کے شفا حاصل ہو جائے گی .... [۱]

(۵۲۲) حضرت خواجہ کا مکتوب نمبر ۸ جلد اولی بنام ارشاد پناہ میر محمد نعمان قدس سرہ ہے جو ان امور کی توضیح کرتا ہے اس کی چند سطریں شائقین ارجمند کے لیے یہاں نقل کر رہا ہوں:

فتح

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم، میرے مخدوم لڑکپن سے ہی اس عاجز کی فطرت میں ایک جوش و جنون ودیعت کیا گیا ہے اور آغاز ولایت سے ہی اس عاجز کی طینت کو عشق کے خمیر اور جنون کی شراب سے گوندھا گیا ہے لیکن قوت مدرکہ کی کمزوری اور طبعی خواہشات کے غلبہ کے باعث اصل فطرت پوشیدہ چیز کی طرح تھی جو کبھی کبھار ظاہر ہوتی تھی لیکن اکثر اوقات وہ پوشیدہ ہی رہتی تھی، لیکن اس معنی کا یقین اس کے بعد حاصل ہوا اور ہمیشہ اس دماغ سے یہ آواز آتی رہتی ہے:

دل آرامے کہ داری دل در و بند ۔۔۔ دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

---

[۱] مکررات

(تو دل لگا اپنے دلبر سے اور آنکھ بند کر لے پوری دنیا سے)

یہ حقیقت زمانہ کے گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ ظاہر ہونا شروع ہوئی اور پھر قوی ہونے لگی (آیۃ پاک ہے) (ترجمہ) ''اور بے شک اللہ کا گروہ ہی غالب ہے'' کے مطابق ان دنوں میں وہ نشہ از سرنو تازہ ہوگیا ہے اور اتنے زور کے ساتھ ظاہر ہوا ہے کہ ایک خاص دیوانگی دماغ میں سما گئی ہے اور ایک تازہ جنون سر میں سما گیا ہے:

در سرم سودائے شیرین دلبرے ست

(یعنی میرے سر میں ایک دلکش محبوب کا سودا ہے)

(۵۲۴) اب تو یہ کتاب ختم ہو رہی ہے، مشکلات کی کشائش اور مرادات کا حصول اس قبلۂ اولیا عالی درجات (حضرت خواجہ) کی توجہات سے جلد ہی ہونے والا ہے لیکن داستان عشق ختم ہونے والی ہی نہیں ہے اور درد محبت کا کوئی علاج بھی نہیں ہے، اگرچہ بنیادی طور پر اس معما کا حل بہت ہی دشوار ہے۔ لیکن ان ارباب کمال کے لیے جو کہ محفل بے رنگی کے بالانشین ہیں اس میں نہایت سہولت اور انتہائی لطافت ہے۔ اور یہ اسرار تو پوشیدہ رکھنے کے واجب ہیں ....[1]

احمر

ایک روز حضرت خواجہ کی نظر مبارک اپنے برادر بزرگ عالم ربانی شیخ محمد صادق قدسنا اللّٰہ سبحانہ بسرہ الاقدس کے بعض چھوٹے بچوں پر پڑی تو فرمانے لگے کہ میں دیکھتا ہوں کہ ان کی روح شریف ان بچوں کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہے۔ اور حضرت خواجہ کی ان بچوں پر سب سے زیادہ شفقت، خاص طور پر ان کے نواسہ پر جو کہ بحکم سنت محبوب ترین ہوتے ہیں پر (اور بھی زیادہ تھی) اگر اسی طرح آپ کی توجہ کریمانہ اور تفضلات قیومانہ (۵۲۵) ان پر مرکوز رہے تو وہ مطالب حاصل

---

[1] مکررات

کر ہی لیں گے، یہ کلیہ ہے کہ ان اکابر کی نسبت نسبی محبت سے مشروط ہے، اور وہ اس محبت کو ایمان کا جز تصور کرتے ہیں۔ اور اسے بڑھانے کی سعی کرتے ہیں انه قریب مجیب اور اس غلبۂ محبت سے حضرت رسول علیه و علیٰ آله الصلوة والسلام کے حضور راہ وصول کمال آسانی سے میسر آ جاتی ہے اور اس کی خبر رکھنے والوں کے لیے بشارت ہے، اس لیے حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حضرت خواجہ کے وسیلہ سے عرض احوال کرنا چاہیے ....

مدح سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

کنز دوم

(۵۲۶) شاہ بارگاہ نبوت، معرکۂ ارباب فتوت کو آراستہ کرنے والا، شمس فلک حقیقت، بدر دشت طریقت، صاحب مقام محمود، شفیع یوم موعود، بالانشین مسند والا تمکین، سرو حلقۂ لولاک، بالالی بستان رسالت، شمشاد گلستان ہدایت، ماہتاب شبستان جلالت، آفتاب صبح معدن الجود والکرم والہمم، سید الانبیاء والرسل، ولی العزم، خاتم الانبیاءؑ، خاتم المرسلین، رحمۃ للعالمین، وہ نبی جو آدم کے پانی اور مٹی کے درمیان بھی نبی تھے، قیام قیامت کے روز وہ نبیوں کے امام وخطیب اور ان کی شفاعت کرنے والے، وہ جن کا یہ قول ہے میں اللہ کا حبیب ہوں، میں خاتم نبیین ہوں .... اور وہ نبی جن کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ اگر ان کی تخلیق نہ ہوتی تو اللہ اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا ......

(۵۲۷) بعض ضروری حاجتوں کا آنسرور صلوٰۃ اللّٰہ و تسلیماته کے حضور اظہار ...... آنحضرت علیه و علیٰ آله الصلوٰة والسلام والتحیة والبرکات کی تعریف کرنا نہ اس درجہ کی ہے اس عاصی آوارہ (مولف) کی زبان بیان کر سکے اور نہ ہی اس بوالہوس کے قلم میں ایسے تاب ہے کہ خیالات کی ترجمانی کر سکے، قرآن مجید کے ارشاد (ترجمہ) ”بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول

جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری نہایت بھلائی چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان و رحیم'' کا اظہار کیا گیا ہے، اور اس کنز اقدس میں جو کہ تمام کنزوں کی خاتمہ ہے، یہ چاہا کہ خزائن محمدیہ **علیٰ صاحبها الصلوٰۃ والسلام** میں سے اس میں کچھ درج کروں اور گناہوں کے غلبہ میں آنسرور **علیه و علیٰ آله الصلوٰۃ والسلام** کے ذکر کے سوا کوئی چیز تسکین نہیں دے سکتی ...... واقعی یہ دولت خوش گوار تسکین بخش بھی ہے اور نعمت شکر نثار بھی، جس کا شکر کسی طرح اور کوئی زبان کہہ بار ادا نہیں کرسکتی (سب سے بڑا شکر یہی ہے کہ ہمیں) اس اکرم الرسل و افضل الانبیاء **علیه و علیهم و علیٰ آل کل من الصلوٰۃ و افضلها و من التسلیمات اکملها** کی امت میں داخل کیا، پس یہی مسرت جاوید خوش خبری اور بشارت مخصوصہ جو کہ زندگی میں اس جہان فانی میں امن و امان اور اس پریشانی میں امید بخش ہے ورنہ ان گناہوں میں کس طرح امید کے رشتہ کو ہاتھ میں تھام سکتا ہے......

(۵۲۸) اگرچہ میرے بدبودار جرائم اتنے ہیں کہ ان کا اگر شفاعت مقبولہ جس کا ایک قطرہ محیط آفاق اور کوہ قاف تک پھیلا ہوا ہے تو اس کے باوجود ان آفات سے نجات کی امید اس بہت عاجز اور شکستہ دل کو ہے......

صاحب قصیدۂ بردہ کو صرف ایک تصنیف کے بدلے فالج کے مرض سے شفا ملی اور چادر سے سرفراز کیے گئے اور حصن حصین کے مولف کو قید سے اس وقت رہائی ملی جب سارا شہرہ دشمن کا محاصرہ کیے ہوئے تھا اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے اور آج تک ان دونوں عظیم کتابوں میں یہی خاصیت موجود ہے یہ حقیر (مولف) سب سے زیادہ گناہگار مخلوق اور عاجز ترین تخلیق ہے جو اس حکم کے تحت یہ امید رکھتا ہے ''اس امت کے اہل کبائر کے لیے میری شفاعت ہے'' وہ منتظر نظروں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے، اس کتاب کا آغاز ہی آنسرور **علیه و آله الصلوٰۃ والسلام** کی تعریف سے ہوا ہے، بے شک مدح خادم بے تکلف مستلزم مدح مخدوم ہے، اسی طرح فضل

غلام بغیر کسی بناوٹ کے فضل مالک پر منتہی ہوتا ہے، امتیں انبیاء علیھم السلام کی خدام اور غلمان ہوتی ہیں، ہر نیکی جو ان سے ظہور پذیر ہوتی ہے، اس کا پہلا ثواب اس کے نبی کو ملتا ہے، جیسا کہ یہ قول کہ "ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہے" اس امر پر شاہد ہے یہ سب کچھ جمع کرنے کا مقصد آخرت کا سامان مہیا کرنا ہے اور جامع، قاری اور سامع کا اس کی عنایت بے غایت سے حسن خاتمہ بھی ہو، لیکن دنیا کے بعض عوارض اور آفات اس قسم کے ہیں جو اس دار قرار کے عظیم معاملات میں رخنہ انداز ہیں اس لیے ان سے حضرت رسالت پناہ صلی اللّٰہ تعالی علیہ و علیٰ آلہٖ وسلم کے وسیلہ سے ممکن ہے......

اپنے آبائے کرام کے رنج کو قلب سے قالب تک بسرعت تمام دیکھ اور اے دنیا کو شفا دینے والے اس عاصی کے ظاہر و باطن کو (شفا) دے............

(۵۲۹) دنیا کے مختلف حوادث اور تکالیف جو ہمارے شامت اعمال کے باعث ہر طرف سے ہمارے اوپر ہجوم کرتی ہیں اور غربت کے باعث جمعیت کو منتشر کرتی ہیں اور ان سے نجات کا ذریعہ حضرت شفیع المذنبین صلی اللّٰہ تعالی علیہ و علیٰ آلہ وسلم کی ذات اقدس کے سوا کوئی اور نہیں ہے:

ترحم یا نبی اللّٰہ ترحم

اگر فضل نبوی اور عنایت سید المرسلین علیہ و علیھم و علیٰ آل کل من الصلوٰۃ افضلھا و من التحیات اکملھا اس کثرت معاصی میں شامل حال نہ ہوتا تو ان مصائب کا بہت غلبہ ہو جاتا:

اے امام صف ارباب رسالت مددی

اے تمام مخلوق سے بزرگ تر! آپ کے سوا میرے لیے کوئی نہیں کہ حادثۂ عام (قیامت) میں جس سے پناہ حاصل کروں۔

یا رسول اللہ! میری وجہ سے آپ کی وجاہت میں اس روز ہرگز تنگی واقع نہیں

ہوگی جب کریم رب اپنے اسم منتقم سے جلوہ نما ہوگا۔ (ترجمہ اشعار)

کہیں نہ سمجھ لیا جائے کہ اس سیاہ کار (مولف) کو اس علاوہ دیگر گناہوں سے مناسبت نہیں ہے بلکہ اس کے معاملات میں تو جھوٹ بھی شامل ہے، دوسرے تمام گناہوں میں مساوات بھی ہے خاص طور پر دیگر چھوٹے بڑے گناہ حد سے زیادہ اس ذات خبیثہ صفات کاتب (مولف) میں موجود ہیں، لیکن سید المرسلین جو کہ رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے جانے کے امتیاز سے بھی ممتاز ہیں کہ تفصیلات کریمانہ کے حضور یہ بدکار شفاعت کا بطریق احسن سزاوار ہے، کیوں کہ سید الثقلین کی متابعت اور حلاوت ظاہر و لطافت باطن میں نبی الحرمین و امام القبلتین کی شفاعت نصیب ہو، پیغمبر خدا کی اتباع کرنے والوں کے لیے انس و وفا بھی ہے، ظاہر و باطن (۵۳۰) دراصل اطوار نبوت و رسالت سے ماخوذ ہیں، ولایت ثلاثہ یعنی صغریٰ، کبریٰ اور علیا بھی اس کے انوار سے مقتبس ہیں جس سے دنیا کی اصلاح اور آخرت کی فلاح بھی موجود ہے، اور مقطعات قرآنیہ کے رموز دراصل آپ **صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و انصارہٖ وسلم و بارک** کے اسرار ہیں (اس خاتمہ میں) موجود دونوں کنزوں کے احمر و ابیض اس حدیث نفیس "میں نے تمہیں احمر اور ابیض دو کنزیں عطا کیں" کے مطابق اختیار کیا گیا ہے۔ اور **قاب قوسین او ادنیٰ** کا سر بھی آپ ہی کو زیب ہے ...... خدا جل وعلا کے نور سے اس کی تخلیق ہوئی ہے، اس کی فطرت خلق عظیم سے آشنا، اس کا نام رب نے مرقوم کیا ہے، اس کا ورثہ معارف وعلوم، اس کی دولت خزائن سبحانی ہیں۔ اس کی امت جاودانی رسول کریم، نبی ہے رحیم، ایسا صادق جو مصدوق بھی ہے، ایسا حبیب جو معشوق ہے، وہ بے نظیر بشر ہے، قادر کبیر کی نذیر ہے، وہ صاحب ہے مختار، وہ حضرت غفار کے ہاں شافع ہے، عظیم اخلاق کا ناصح ہے، انفس و آفاق کے حجاب کا کاشف ہے۔ وہ ایسا سراج ہے جو منیر ہے، وہ داعی الی اللہ القدیر ہے، اس کی شعاع بے خلل اور اس کی دوا بے بدل ہے...... (۵۳۱) **صلی اللہ تعالیٰ علیہ و**

علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و بارک وسلم اگر آپ کا وجود شریف مزین افلاک نہ ہوتا تو ستاروں میں یہ سب نور نہ پہنچتا، ثریا کی زیبائش آپ ہی کی وجہ سے ہے، زہرہ کی رقاصی بھی آپ کی لطافت سے ہے، مہر و ماہ بھی آپ کی طلعت کے نگران ہیں، مشتری اور مریخ آپ ہی سے لباس کے طالب ہیں۔ عطارد تو آپ کے دفاتر کا ایک منشی ہے، زحل کی ساری مستعدی آپ کی کرامت سے ہے، مجمع پروین بھی آپ پر نثار ہے، بنات النعش میں جو تفرقہ ہے وہ آپ کے اسرار میں سے ایک سر ہے، طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ آپ کے اشجار ہیں، بہشت کی انہار اربعہ آپ ہی کے گلزار سے ہیں، جمعیت تو ہے ہی آپ کی عنایت سے، حلاوت بھی آپ ہی کی کرامت سے ہے، شرافت تو صرف آپ کی اطاعت میں ہے اور محبوبیت تو آپ کے متابعان میں ہی ہے۔ (جیسا کہ ارشاد ہے) (ترجمہ) ''اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ اس پیغبر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے والے خیر الامم ہیں۔ کُنتُم خَیر اُمت ان کا نشان ہے، اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) کی نفی کرنے والے بدترین بنی آدم کے عرب تھے جو کفر اور نفاق میں انتہا پسند تھے، یہی ان دشمنوں کا نشان ہے، (مصدقین) کی دنیا آپ کی نوازش سے معمور ہے اور ان کا عقبیٰ آپ کی نگارش سے مسرور ان کی ذات میں جلوہ ملاحت (زیبائش) اور آپ کی صفات سے صباحت کے شعاعیں موجزن ہیں:

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نصرت و اقبال آپ کے ادنیٰ غلاموں میں سے ہیں، دولت اور بزرگی آپ کے کمتریں بندگان میں سے ہیں، آپ کے دیدار میں فرشاہی ہے، نور الٰہی آپ کی خوش بو میں ہے، جنت آپ کے مناظر میں سے ایک ہے۔ ''اعلیٰ علین'' آپ کی منازل میں سے ایک ہے، سعادت کے آثار آپ کی اقتداء میں ہیں اور آپ سے ہدایت پانے میں ہی انوار ہدایت ہیں ....

جبریل و میکائیل علیهما السلام تو آپ کے دربان ہیں، حسینان جہان تو آپ کے اسیر ہیں، تمام امراء و اغنیاء آپ کے خوشہ چیں ہیں۔ صبر کرنے والے فقراء آپ کے مقبول دل ہیں، علماء اور زہاد تو آپ کے خاک روب ہیں، عرفا و عباد (۵۳۲) آپ کے خاک نشین ہیں، کامل ترین اولیا آپ کے جاروب کش ہیں، مبعوث کیے گئے انبیاء بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہونے کے مشتاق ہیں، آپ کی صحبت میں علم شریعت مہیا ہے'' آپ کی خدمت میں آداب حقیقت موجود ہیں، آپ کا دین تمام ادیان کو منسوخ کرنے والا ہے، آپ کی کتاب حضرت فرقان ہے، آپ کی دولت تو سرمدی ہے، آپ کی سواری براق ہے، آپ کی ہمت عرب و عجم و عراق کی سیاح ہے، ....

یہ آوارہ و بے چارہ صفر احمد (مولف) جو کہ آپ کی امت کا سب سے زیادہ گناہگار ہے اور سب سے زیادہ شرمندۂ مخلوق ہے، اس کے گناہوں کی کثرت کے باعث اس زمین کی ساری فراخی اس کے لیے تنگ ہو گئی ہے، مشرفہ ایام اس کے لیے اندھیری راتوں میں بدل گئے ہیں، اس نے اپنے ظاہر و باطن سے اسم و رسم جمعیت کو محو کر دیا ہے، اسے سنگدلی نے گھیر رکھا ہے، اس نے قبر کی تنگی کو فراموش کر دیا ہے، اس نے دار القرار کو بھی خراب کر دیا ہے، وہ اپنے دار الغرور کا فریب خوردہ ہے۔ (عمر بھر) یہ مکار، فاجر اور حیلہ باز رہا جس سے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ بلکہ اس نے نقصان اور شرمندگی اٹھائی، رحم اور شفاعت کا وقت اس کے ہاتھ سے جاتا رہا ہے...... لیکن آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنی امت کے ہر خاص و عام کے لیے فضل و خلق اور انعام و عطا جاری ہے یہ عاصی دور از کار (مولف) جو اپنا کوئی عمل سزاوار نہیں سمجھتا لیکن آپ کے کرم سے شفاعت کے استقبال کا بڑی بے چینی سے منتظر ہے تا کہ اس روز قیامت کو بد بخت نہ بن جاؤں اور اتباع سنت کے بجائے کہیں تابع نفس نہ ہو جاؤں، گناہگاروں کا سردار ہونے کے باوجود شفاعت اولیٰ اور نجات کا امیدوار ہوں،

چونکہ تشنہ مزاج ہوں اس لیے نزاع کے وقت اور روز حساب شربت کوثر کا منتظر ہوں، چونکہ بے سرو برگ عاجز ہوں اس لیے کریمانہ الطاف فرمائیے، چونکہ میری موت بے کس و غریب کی موت ہے اس لیے میرے نصیب میں دونوں جہان کر دے، چونکہ طپش اور شوق میں بے قرار ہوں اس لیے حشر کے وقت اپنا دیدار کروائیے، چونکہ دردمند عاشق ہوں اس لیے تیرے فضل عظیم کو پسند کرتا ہوں ...... الغرض نجات کا معاملہ آپ سے وابستہ ہے اور دنیا کی زندگی کا تمام تر دارومدار آپ پر ہے۔ میں آپ کے حامی عاشوں میں سے ہوں اور فرخندگی معشوقان نیم نگاہ بھی آپ ہی کا ہوں، آپ کی تعریف کرنے والا دوست ہوں، آپ کے جمیلان زبان دان میں ہوں ...... آپ کے ایسے عاشقوں میں سے ہوں جو کہ خوشخبری سننے کے منتظر ہیں، آپ ہی کے ایسے بیماروں میں شامل ہوں جو دل و بدن (۵۳۳) کو شفا بخشا کرتے ہیں، جنت میں داخلہ بھی آپ ہی کی شفاعت سے ہے، آگ سے نجات بھی آپ ہی کی کرامت سے ممکن ہے، دنیا کے مصائب آپ کے نام نامی سے ختم ہو جاتے ہیں اور تکالیف و بدبختی آپ کے نام نامی سے دور ہو جاتی ہیں۔

"[۱] بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی ایسی حد ہے ہی نہیں کہ جسے کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکے۔"

اگر آنحضرت کے معجزات عظمت میں آپ کے مرتبہ کی طرح عظیم ہوتے تو آپ کا نام ہی بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دیتا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت، جن و انس اور عرب و عجم دونوں فریقوں کے سردار ہیں۔

ہمارے نبی (نیکی کا) حکم کرنے والے ہیں اور (برائی سے) روکنے والے ہیں، اس لیے کوئی بھی نفی یا اثبات کہنے میں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے زیادہ

---

[۱] یہ اشعار قصیدہ بردہ شریف سے ماخوذ ہیں۔

راست باز نہیں ہے۔

وہی ایک ایسا ذی شان محبوب ہے جس کی شفاعت کی امید اچانک پیدا ہونے والے پر خوف و مصیبت میں کی جا سکتی ہے۔

حضور تمام انبیاء سے حسن صورت و حسن سیرت میں بڑھ گئے اور علم و کرم میں بھی حضور کے برابر کوئی نہیں ہے۔

انبیاء میں سے ہر نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بحر کرم سے ایک چلو کا اور باران رحمت سے ایک گھونٹ کا سائل ہے۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے محاسن میں کوئی شریک نہیں، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات مقدسہ میں جو ہر حسن غیر منقسم ہے۔

نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جو دعوے کیے ان کو چھوڑ، پھر جو چاہے بطور مدح حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ثناء خوانی میں کہو اور دانائی استعمال کرو۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات مقدسہ کی طرف جو عظیم مرتبہ منسوب کرو اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدر رفیع کے ساتھ جو عظمت چاہو بیان کرو۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں (ہمارا) مبلغ علم یہی ہے کہ آپ ایک بشر ہیں، حالانکہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

اور وہ تمام معجزات جو سابقہ انبیائے کرام لائے ہیں وہ ان کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور سے ملے ہیں۔

بے شک حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) فضیلت کا سورج اور باقی انبیائے کرام ستارے ہیں جو کہ تاریکی میں لوگوں کے لیے اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں۔

کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہتھیلی نے صحت بخشی

اور کتنے ہی حاجت مندوں کو گناہوں اور جنوں کے فتنوں کے بندھن سے خلاصی ملی۔

تمام انبیاء اور رسولوں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس (مسجد اقصیٰ) میں آگے کیا جیسے خادم اپنے مخدوم کو مقدم کرتا ہے۔

یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ آپ کی بخششوں کا امیدوار محروم رہے گا یا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پڑوسی مایوس واپس جائے گا۔

اے نفس! تو کسی عظیم خطا اور لغزش کے باعث ناامید نہ ہو، کیوں کہ بڑے بڑے گناہ بخشش (کے سمندر) میں صغیر ہوتے ہیں۔

امید ہے کہ جب میرا رب اپنی رحمت تقسیم کرے گا تو رحمت گناہوں کی مقدار کے مطابق ہر ایک کے حصہ میں آئے گی۔ (ترجمہ اشعار)

چونکہ سید الکونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن دولت مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوں اور رسول ثقلین علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت پر نظر لگائے بیٹھا ہوں اس لیے ناامیدی غلط ہے اب مرادات عاجلہ (۵۳۴) جلد ہی ملنے والی ہیں اور جلد آنے والے شدید ہول سے ان شاء اللہ تعالیٰ نجات ملے گی، کیا دیکھتا ہوں کہ اس ظلمت شب میں بھی رہنمائی میسر آ گئی ہے، اگرچہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا منظور نظر نہیں ہو سکا لیکن اس جہان (آخرت) میں جو دار القرار ہے حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ واصحابہٖ وسلم و بارک کی حسن شفاعت نصیب ہو گی اگرچہ گناہوں کے باعث نامۂ اعمال تباہ کر چکا ہوں لیکن لطف مصطفوی کے حضور عذر کر کے اس روز دولت بیدار حاصل ہو گی اور مجھے امت رسول مقبول علیہ و علیٰ آلہ واصحابہ الصلوٰۃ والسلام میں داخل کر لیا جائے گا۔

کم عمری سے اس شہنشاہ کشور رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قسم قسم کے الطاف کا مشاہدہ کیا، میں ابھی کامل شعور کی حد کو نہیں پہنچا تھا غالباً اس وقت عمر چھ سال سے زیادہ نہیں تھی کہ خواب میں آنسرور علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام

کی زیارت کی سعادت و دولت سے مشرف ہوا اور اپنی اس عمر کے مطابق عنایات سے بہرہ ور ہوا، اسی طرح جوانی کی عمر میں کہ ۳۲ سال کا تھا کہ خواب میں بمقام دار السرور برہانپور جمال جہان آراء شمس فلک حقیقت، بدر دشت طریقت، زینت دہ مسند رسالت، آفتاب صبح قیامت، درفرید انبیاء، نجم وحید اصفیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ وسلم کی زیارت سے پھر مشرف ہوا اور اپنے اوپر بکثرت عنایات کا مشاہدہ کیا، اس وقت جو مکالمات طیبہ ہوئے وہ مجھے بہت اچھی طرح یاد ہیں جن کا ذکر کر رہا ہوں تا کہ احمد صدیق امام ربانی مجدد الف ثانی کی حضرت رسالت خاتمیت علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کہ ارباب تمکین جو کہ حلقۂ حق الیقین کے باریابان میں سے ہیں پھر آپ (حضرت مجدد الف ثانی) کی مقبولیت کا علم ہو سکے، جب اس فقیر کو پہلی مرتبہ قدم بوسی کی دولت میسر آئی اور از خود وارستہ اس دولت بے نظیر سے پیوستہ ہوا تو یہ شعر اپنے حق میں صادق سمجھا:

ماہ من بشنو کہ امشب طرفہ خوابی دیدہ ام
برکف پای تو گویا دیدہ را مالیدہ ام

اپنے احوال کے سلسلہ میں واقفیت (تعارف) کے طور پر میں نے عرض کیا کہ میں شیخ احمد کی اولاد میں سے ہوں تو اس طرف (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس عبارت میں بلا کم و کاست یہ جواب شرف اندوز ہوا (کہ کیا) ''شیخ احمد مجدد'' میں نے عرض کیا جی ہاں، اس قسم کے بہت سے خوابوں سے مجھے ممتاز کیا گیا ہے جن کی تفصیل اس وقت میرے حافظہ میں اسی طرح محفوظ نہیں ہے کہ احاطہ تحریر میں لا سکوں، علی الصبح خلد منزل (بہادر شاہ عالم) کی طرف سے کسی شخص کا مجھے سو روپیہ پہنچانا، عین تنگ دستی میں فرزند کا تولد ہونا اور اسی قسم کی دوسری (۵۳۵) رکاوٹوں میں کشادگی پیدا ہونا اسی خواب دولت مآب کے نتیجہ کے طور پر ان مقاصد کے حصول کی بشارت ملنا واضح طور پر عیاں ہے، اگر چہ صرف وہ دید (خواب) ہی دونوں جہانوں کی بشارت اور جمعیت کونین ہے، لیکن

اس سے وہ سب کچھ عنایت ہوگیا۔

ابھی کل ۱۵ ذی قعدروز جمعہ ۱۱۳۴ھ کواس عاصی دوراز کار (مولف) کی عمر ۴۸ سال ہوگئی ہے اور بڑھاپے میں سفید بالوں نے احاطہ کرلیا ہے، کئی قسم کے ضعف، شدید امراض اور ضروری افکار اس قدر لاحق ہوئے ہیں کہ خواجہ حافظ کا یہ شعر میرے حال پر اختلال پر صادق آتا ہے:

از وجود ایں قدر نام و نشان ہست کہ ہست .
ورنہ از ضعف دریں جا اثری نیست کہ نیست

اس (مولف) کی یہ ساری عمر خفیہ اور جلیہ گناہوں کی نذر ہوگئی ہے، اب تو صرف اکرم الانبیاء علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین کی دستگیری کی امید ہی باقی رہ گئی ہے کہ اپنے تفضلات کریمانہ سے جو گناہگاروں پر زیادہ ہوتے ہیں کے حصول کی قوی ترین امید ہے...... بلکہ حضرت رحمٰن تعالیٰ شانہ کا کارخانۂ فضل واحسان تو اس شفیع الانس و الجان (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وابستہ ہے کہ آپ کی ریاست کا منشا ہی دارومدار محبت ہے، یہی وجہ ہے کہ خیر القرون اور اکرم امم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کی امت ہے، (اور یہ عنایات) تا قیام قیامت ہر خاص وعام کے نصیب میں کر دی گئی ہیں، ساری زمین کو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے مسجد بنادیا گیا اور قیامت کے روز یہ کرامت ساری امت کے لیے ظہور پذیر ہوگی۔ آپ کا حکم آفاقی اور دعوت محیط قاف تا قاف ہے۔

اس حقیر دوراز کار (مولف) نے آنسرور کائنات علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام سے غلبۂ محبت کے وقت مثنوی کی بحر میں یہ چند زیبا نکات اشعار کہے تھے، اس کے باوجود کہ میدان شعر میں کبھی طبع آزمائی نہیں کی لیکن نعمت کے سلسلہ میں بے اختیار آمد شروع ہوگئی اور پھر اس میں اہل طبیعت کے خلاف کوئی نقطہ (۵۳۶) نہیں پایا

اس لیے فائدۂ عام کی غرض سے اس مثنوی کو داخل کتاب کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں(۱):

(۵۳۸) یا الٰہی ملک، قادر اور غفار نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صدقے سرفراز فرما تو نے اپنے کلام واجب الاحترام میں اپنے آپ کو رؤف ورحیم سے یاد کیا ہے۔ اس آوارہ دل دادہ بے چارہ (مولف) کے گناہ معاف فرما کر دونوں جہانوں میں محبت کا نشاء عطا فرما، اس کی دنیا کو سابقہ عایت سے بہرہ ور فرما، اس کے علم کو "اہل علیین" کے ہم راز بنا کہ وہ علم واجب میں علمائے راسخین ہیں، کیا کروں کہ اس تنگ دستی میں تو نے ہمت بخشی کہ کسی دوسرے کی طرف میلان ہی نہیں ہوتا، ہر نعمت جو تو نے عطا کی اس سے مزید حصول کی امید پیدا ہوئی......

جب تجھے پالیا ہے تو میں اپنی طرف سے کیا کہوں یہ سب خواہشات جن کے بارے میں عرض کی ہے، پیغمبران اولی الالباب کے نزدیک رب کریم وہاب کی طرف جانے کے لیے شاہراہ ہے۔ کیوں کہ برگزیدہ انبیاء علیہم السلام اور اولیائے خدا رسیدہ نے اس کونین کی حاجتیں تجھ رب المشرقین والمغربین سے طلب کر کے اعلیٰ مطالب پر فائز ہوئے ہیں اور مقبول دعاؤں میں سے یہ دعا بھی ہے (ترجمہ) "اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر کہ میرے بعد کسی کو لائق نہ ہو بے شک تو ہی بڑی شان والا ہے" حالانکہ یہ طلب ملک مطلب اعلیٰ میں قصور ہے جو اپنے مقصود کو نہیں پہنچتی......اور بے شک اس کے لیے ہماری بارگاہ میں ضرور قرب اور عمدہ ٹھکانا ہے" کے ارشاد سے ممتاز کیا گیا ہے، اس لیے اگر قلب کی نگرانی کے باوجود مطلوب بے ہمتا کی جانب بشریت ذاتی کے تقاضا سے دنیا کی ضرورتیں نبی حرمین و امام قبلتین صلی اللہ علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ وسلم و بارک کے تصدق اور توسل سے طلب کرے (۵۳۹) تو ارباب

۱۔ مولف کی یہ طویل نعتیہ مثنوی اس کتاب کے متن (جلد سوم) میں موجود ہے، حلاوت کامل سے مطالعہ فرمائیے۔

قلوب کے نزدیک صحیح ہے، صوفیہ خام کے لیے قابل قبول ہو یا نہ، مطلب صرف یہ ہے کہ اس کا عجز کمال درجہ کا ہو اور ضعف مفلسی کا باعث اور معیشت کی تنگی اٹھانا ہے، افلاس و غربت حلاوت کا خاتمہ کر دیتی ہے، بنی فاطمہ کی برکت سے حسن خاتمہ کا سوال ہے کہ اہل بیت کی محبت پر خاتمہ ہو:

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ برقول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و دامان آل رسول

جیسا کہ حدیث میں ہے "میرے اہل بیت کی مثال سفینہ نوح کی طرح ہے جو اس میں سوار ہو گیا اس نے نجات پائی اور جس نے مخالفت کی ہلاک ہوا" اور یہ بھی حدیث میں ہے "میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں، جس نے ان کی اقتداء کی اس نے ہدایت پائی" حضرت حق سبحانہ اہل بیت کی برکت سے نجات فرمائے اور صحابہ کرام کی حرمت سے ظلمات کے گرداب سے نکال کر ہدایت کی شاہراہ پر لائے جو کہ صراط مستقیم ہے، **انہ قریب مجیب** (بے شک وہ قریب اور دعا سننے والا ہے)

سبحان ربک رب العزت عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔

اس مقامات قدسی نکات جو "مفتاح اہل السعادات (۱۱۳۲ھ)" کے نام سے موسوم ہے جو سروش غیب سے گوش ہوش میں وارد ہوا ہے اگر اسے "فوائد ریاضی" (۱۱۳۳ھ) کا نام دیا جائے تو شاید یہ بھی صحیح ہو گا، گویا اس سے اس کے دو نام واضح ہو گئے ہیں ایک سال کا آغاز (۱۱۳۲ھ) اور دوسرا سال وسط (۱۱۳۳ھ) چنانچہ اس کتاب کے مختلف مقامات پر اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے، ہاں یہ کئی نام سے موسوم ہو چکی ہے، چنانچہ کتاب کے

خطبہ میں قطب الاقطاب حضرت خواجہ کی اس سلسلے میں بشارت بھی بیان کر چکا ہوں یہ سب
کچھ برکت معصومی سے ظہور میں آیا ہے، اور ہر مقام پر نکات قیومی ہی مرقوم ہوئے ہیں۔

الحمد للہ رب العلمین، کہ اس کتاب کی تصنیف سے فراغت حاصل ہوئی جو
کہ لب لباب ہے۔

Maqāmāt -i- Ma'sūmi

Life, works and Teachings of a prominent sufi
and reviver of seventeenth century,
Khawaja Muhammad Ma'sum Sirhindi
(c. 1007 - 1079 a.h. /1599 - 1668 a.d.)

By
Mir Sofr Ahmed Mas'umi

Vol. (II)
Translated by
Muhammad Iqbal Mujaddidi

2004

Zia-Ul-Quran Publications
Lahore, Karachi, Pakistan